متفرقات

زاویۂ نظر
مفتی منیب الرحمٰن
muneeburrehman@dunya.com.pk
SMS: "MMC" (space) message & send to7575

پچھلے دنوں ایک کالم نگار نے 1970 کے قومی انتخابات سے لے کر 16 دسمبر 1971 کے المیے اور سقوطِ ڈھاکا کا پسِ منظر بیان کرتے ہوئے اس وقت کی سیاسی جماعتوں اور قومی اخبارات وجرائد کے کردار کو واضح کیا ہے کہ کس طرح "حُبُّ الوطنی" کے دلکش نعروں کی گونج میں پاکستان کو دولخت کردیا گیا۔ اس زمانے میں بی بی سی پل پل کی خبریں سنا رہا تھا، لیکن ہمارے ہاں خوشی کے شادیانے بج رہے تھے اور راوی چین لکھتا تھا، حتیٰ کہ سرکاری میڈیا نے شکست کے دلخراش منظر کو بھی ہندوستانی افواج کے ساتھ معاہدے کے تحت جنگ بندی سے تعبیر کیا تھا۔ صاحب موصوف کا اندازِ تحریر دلکش ہے، ان کا مطالعہ وسیع ہے، ان کا طنز، استعارات، کنایات اور تشبیہات دلچسپ اور بامعنی ہوتی ہیں، ان کے نظریات سے اتفاق یا اختلاف ہر ایک کا حق ہے۔

انہوں نے لکھا: "صرف نیپ اور جے یو آئی نے پاکستان توڑنے کی سازش کا ساتھ نہیں دیا اور مطالبہ کرتے رہے کہ جمہوری اصولوں کے مطابق اکثریت کو اقتدار منتقل کیا جائے"۔ ان ایام میں جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے اعلان کیا تھا: "مغربی پاکستان سے جو رکن اسمبلی مشرقی پاکستان جائے گا، اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی"۔ مغربی پاکستان میں عدمِ مقبولیت اور مشرقی پاکستان میں جان کا خطرہ مول لے کر جو چند افراد اتمامِ حجت کیلئے ڈھاکا گئے، ان میں جمعیت علمائے پاکستان کے صدر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی مرحوم بھی تھے۔

1970 میں کراچی کے گلی کوچوں میں باستثنائے تعصب وتشدد جماعت اہلسنت کی مقبولیت کا عالم پندرہ بیس کے فرق کے ساتھ ایسا ہی تھا، جیسا کہ بعد میں لوگوں نے ایم کیو ایم کا دیکھا، گلی گلی دفاتر تھے۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے دورۂ مشرقی پاکستان کے بعد ہمارے لوگوں نے خوف سے اپنے دفاتر بند کردیے کہ نفرت کا نشانہ بنیں گے، پنجاب میں ہمارے کئی سرکردہ علماء ومشائخ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی سے نفرت کی حد تک مخالفت پر اتر آئے تھے۔ اس کا سبب بدنیتی اور ذاتی عناد نہیں تھا، بس سرکاری اور نجی ذرائع ابلاغ قوم کے ذہنوں میں یہی انڈیل رہے تھے کہ آنکھیں بند کرکے جنرل یحییٰ خان کی حکومت کی حمایت ہی حقیقی "حُبُّ الوطنی" ہے اور جو اپنی دیانت وبصیرت کے مطابق ایسا نہیں کرتا، وہ بھارتی ایجنٹ، غدارِ وطن اور دشمن کے ہاتھوں بکا ہوا ہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے دامن پر کوئی داغ اور دھبا نہیں تھا، آج تک بدترین مخالف بھی ان پر کوئی الزام نہیں لگاسکا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی حکومت میں ارکانِ پارلیمنٹ کو ٹیوٹا کرولا کے پرمٹ دیے جاتے تھے، چونکہ یہ پالیسی کے تحت تھا، اس لیے اس پر کرپشن کی پھبتی بھی نہیں کسی جاتی تھی۔ کراچی میں جام صادق علی صاحب ریوڑیوں کی طرح پلاٹ بانٹ رہے تھے، بعد میں جونیجو دور میں اسلام آباد میں بھی ارکانِ پارلیمنٹ کو پلاٹوں کی الاٹمنٹ شروع ہوئی۔ لیکن علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے کار کا پرمٹ اور پلاٹ کچھ بھی نہ لیا اور نہ کوئی اور منفعت حاصل کی۔ حال ہی میں ایک اخبار میں مولانا کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرطِ محبت میں ایک مضمون نگار نے لکھا: "مولانا نورانی نے کار کا پرمٹ جمعیت علمائے پاکستان کے نام کردیا تھا"، یہ قطعاً درست نہیں ہے، مولانا نے بعض لوگوں کے مشورے کے باوجود کار پرمٹ نہیں لیا تھا، ریکارڈ اس پر شاہد ہے۔ وہ فقیر منش انسان تھے، مردِ قلندر تھے، متوکل علی اللہ تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں "غِنائے نفس" سے نوازا تھا۔ جنابِ حاجی حنیف طیب راوی ہیں: "چائے کے وقفے میں پارلیمنٹ ہاؤس میں پارلیمنٹیرین چائے پیتے تھے، علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی ٹیبل پر سردار شوکت حیات اور دیگر جاگیردار ارکانِ اسمبلی آبیٹھے، وہ سب اہلِ ثروت تھے، لیکن بل آیا تو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے ادا کردیا اور ان کے پاس اس وقت کل سرمایہ یہی تھا"۔

الغرض پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شرکت کے لیے ڈھاکہ جانے پر علامہ شاہ احمد نورانی پر طنز وطعن کے تیر برسائے گئے کہ مشرقی پاکستان سے پان کے ٹوکرے لے کر آئے ہیں، کارٹون بنائے گئے، انہوں نے یہ سب کچھ برداشت کیا، لیکن اللہ تعالیٰ، اپنے ضمیر اور تاریخ کے آگے اپنے آپ کو شرمندہ نہیں کیا اور پاکستان توڑنے میں حصہ دار نہیں بنے۔ یہ سب کچھ میں تاریخ کا ریکارڈ درست کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں، کیونکہ میں شعوری طور پر اُس دور کے قومی اخبارات اور جرائد کا بھی مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ جب مشرقی پاکستان میں اسمبلی کی جعلی رکنیت ریوڑیوں کی طرح بٹ رہی تھی، وہ منظر ذہن میں آج بھی تازہ ہے۔ میں کبھی بھی جمعیت علمائے پاکستان کا باضابطہ رکن نہیں رہا، صرف علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی سے ان کے پاکیزہ کردار کی وجہ سے عقیدت اور باہمی احترام کا ایک تعلق تھا، جو آخر دم تک رہا۔

تحریک لبیک پاکستان: تحریک لبیک پاکستان نے لاہور کے بعد پشاور میں بھی اپنی سیاسی اور انتخابی اہلیت کو ثابت کیا ہے، پشاور کی سرزمین تو اُن کے لیے اس حوالے سے بالکل نئی تھی، ہوسکتا ہے اس میں ان کے امیدوار جناب ڈاکٹر شفیق امینی کی صلاحیتوں کا بھی دخل ہو۔ میڈیا کے بعض حلقوں نے اس تنظیم کا ذکر شدت پسندوں میں کیا ہے، میری معلومات کے مطابق تاحال ان کے کھاتے میں نہ کوئی شدت پسندی ہے اور نہ ہی کسی فساد سے ان کا تعلق رہا ہے، البتہ شروع میں سیاسی تجربہ نہ ہونے کے سبب ان سے کچھ بے تدبیریاں ہوئیں، لگتا ہے اب وہ اس پر قابو پا رہے ہیں۔ آپ اسے اہلسنت کی ایک متصلب سیاسی جماعت قرار دے سکتے ہیں اور اس کی اٹھان بھی اسی حوالے سے ہے۔ میں تو سوشل میڈیا استعمال نہیں کرتا، لیکن بعض دوستوں نے بتایا کہ سیاست میں آنے کے بعد علامہ خادم حسین رضوی کے لب ولہجہ میں کافی بہتری اور شائستگی آگئی ہے اور یہ لائقِ تحسین ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ علامہ اقبال کے بھی حافظ ہیں، اردو خطابت کی اثر آفرینی اور لذت افزائی کے لیے علامہ اقبال کی شاعری سے بہتر مصالحہ اور کوئی نہیں ہے۔ ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ سیلف میڈ ہیں اور ان کی علمی وسیاسی وجاہت میں کسی صاحبزادگی کا سابقہ شامل نہیں ہے۔ تاوقتیکہ کوئی متفقہ قومی میثاق مرتب نہ ہو، دھرنے اور ریلیاں اب ہمارے مذہبی وسیاسی کلچر کا لازمہ بن گئی ہیں، اس کے لیے کسی ایک طبقے کو ملامت کرنا درست نہیں ہے۔ میں بارہا لکھ چکا ہوں کہ جب تک ہر حکومتِ وقت پرامن طریقے سے شکایات کے ازالے کے شِعار کو نہیں اپنائے گی، احتجاج کے کلچر کو ختم کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔

وضاحت: علامہ ڈاکٹر آصف اشرف جلالی کے حلقۂ ارادت سے تعلق رکھنے والے ایک مہربان نے "السیف المسلول" کے مجاہدانہ نام سے لکھا ہے: "مفتی صاحب سیاست سے فرصت مل جائے تو ختمِ نبوت مارچ پر بھی لب کشائی فرمالیں"۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہم آپ کی کامیابی اور سرخروئی کے لیے دست بدعا ہیں، جو لوگ اس قافلے میں شریک ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ماجور فرمائے۔ اس عنوان پر میں اپنی فہم کے مطابق اپنا موقف تین کالموں میں لکھ چکا ہوں، جب کوئی اور بات سامنے آئے گی تو ضرور اظہارِ خیال کروں گا۔ ہمیں ان رہنماؤں کے اخلاص کا پورا یقین ہے، ان کے مطالبات کی تفصیلات ہمیں معلوم نہیں ہیں۔ یہ حضرات اچانک کسی احتجاجی پروگرام کا اعلان کردیتے ہیں، اہلِ دانش کا طریقہ رہا ہے کہ گزشتہ تجربات سے سبق حاصل کرکے آئندہ کی حکمتِ عملی مرتب کرتے ہیں تاکہ پہلے سے بہتر نتائج نکلیں۔ مجھ سے وزیرِ داخلہ جناب احسن اقبال کے دفتر سے بدھ کے دن ایک بار رابطہ قائم کیا گیا کہ میں جمعرات کو صبح دس بجے اسلام آباد آجاؤں۔ میں نے ان سے معذرت کی، کیونکہ نہ تو میں حکومت کا نمائندہ ہوں اور نہ ہی "تحریکِ لبیک یارسول اللہ ﷺ" کی طرف سے میرے پاس کوئی مینڈیٹ یا نمائندگی کا حق ہے۔ اُن کی اپنی مذاکراتی ٹیم موجود ہے، جو بالواسطہ یا بلاواسطہ مذاکرات میں مصروف ہے اور یقیناً اُن کے پاس معاملات کو طے کرنا کا اختیار بھی ہوگا۔ لہٰذا حکومت کے ذمے داران کو چاہیے کہ براہِ راست ان سے مذاکرات کریں اور احسن طریقے سے معاملے کو انجام تک پہنچائیں۔ ہماری خواہش اور دعا ہے کہ پرامن طریقے سے یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو اور اللہ کرے کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہو، کیونکہ ملک انتہائی نازک حالات سے دوچار ہے اور کسی بھی ایسی صورتِ حال کا متحمل نہیں ہے، جو داخلی انتشار یا عدمِ استحکام پر منتج ہو۔

بچپن سے ایک مقولہ سنتے چلے آرہے ہیں: "مصیبت اکیلے نہیں آتی"، سو اس حکومت پر بھی مصیبتیں پے درپے نازل ہورہی ہیں، دانشمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ پھونک پھونک کر قدم رکھا جائے، لیکن ایسا نہیں ہورہا۔ رانا ثناء اللہ صاحب کے بارے میں میں پہلے ہی اپنا موقف لکھ چکا ہوں: "ان کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ ایک نجی ٹی وی کے پروگرام میں جو الفاظ انہوں نے استعمال کیے، کسی توجیہ، تاویل یا ہیرا پھیری کے بغیر غیر مشروط طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور اس کے حبیبِ مکرم ﷺ سے معافی کی التجا کریں، مسلمانوں کے جذبات کو انہوں نے مجروح کیا ہے، اس پر ان سے معافی مانگیں"۔ لیکن ابھی تک انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ لاہور میں ہمارے علماء علامہ غلام محمد سیالوی، صاحبزادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی، ڈاکٹر راغب حسین نعیمی ودیگر حضرات وزیرِ مملکت برائے مذہبی امور جناب پیر امین الحسنات شاہ کی موجودگی میں وزیرِ اعلیٰ پنجاب جنابِ شہباز شریف کو اپنی تائید کے ساتھ میرا یہ موقف بتا چکے ہیں، اس محفل میں رانا ثناء اللہ بھی موجود تھے عمل درآمد کا وعدہ بھی کیا، لیکن جب بدقسمتی اور نحوست غالب آجائے تو دودھ میں مینگنیاں ڈالے بغیر لوگوں کو چین نہیں آتا، ان پر اَنا غالب آجاتی ہے، جبکہ مصیبت سے نجات کا واحد راستہ عجز وانکسار اور شریعت کے مطابق غلطی کی تلافی ہے۔

نماز تراویح میں تلاوت ہونے والے پارے کا تفسیری خلاصہ

مفتی منیب الرحمٰن
muneeburrehman@dunya.com.pk
SMS: "MMC" (space) message & send to 7575

تیرہویں پارے کے مضامین

گزشتہ پارے میں تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خوابوں کی تعبیر کے حوالے سے شہرت کے سبب بادشاہ (عزیزِ مصر) نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک مجھ پر لگنے والے الزام کی صفائی نہ ہوجائے، میں جیل سے باہر نہیں آؤں گا۔ چنانچہ خود عزیزِ مصر کی بیوی کے خاندان سے ایک فرد نے گواہی دی کہ اگر یوسف کی قمیص سینے کی جانب سے پھٹی ہے تو یہ قصوروار ہیں اور اگر پشت کی جانب سے پھٹی ہے، تو عورت قصوروار ہے، اور آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی، اس طرح سے آپ کی برأت ثابت ہوئی اور خود عزیزِ مصر کی بیوی نے بھی اعتراف کر لیا کہ یوسف علیہ السلام پاک دامن ہیں اور میں نے ہی اُنہیں دعوتِ گناہ دی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پاکدامنی ثابت ہونے پر تفاخر کا اظہار کرنے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں اپنے نفس کی برأت کا دعویٰ نہیں کرتا، نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے، مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے (اُسے اُس کے نفس کی برائی سے محفوظ فرماتا ہے) بے شک میرا پروردگار بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔ پھر بادشاہ نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آج کے بعد آپ ہمارے نزدیک مُقتدر اور امانت دار ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اس ملک کے خزانوں کا انچارج مقرر کردیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں یعنی اللہ نے مجھے یہ علم عطا کیا ہے کہ مال کس سے لیا جائے اور کس کو دیا جائے اور قومی خزانوں کی حفاظت کس طرح کی جائے؟ پھر جب سارے ملک میں قحط پڑا، تو کنعان سے یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی غلّہ لینے کے لئے آئے۔ جب دوسری مرتبہ برادرانِ یوسف حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو اُن کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین بھی تھے، انہوں نے اپنے بھائی کو روکنے کی ایک خفیہ تدبیر کی کہ بھائی کے سامان میں شاہی پیالہ رکھ دیا اور اس تدبیر سے اُن کو روک لیا، اُن کو روکنے کی یہی صورت تھی۔ برادرانِ یوسف نے پیشکش کی کہ بنیامین کے بجائے ہم میں سے کسی کو روک لیا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ کسی اور کو روکنا مقصود ہی نہیں تھا۔ برادرانِ یوسف نے واپسی پر یہ واقعہ والد کے سامنے بیان کیا تو اُنہیں ایک بار پھر شدید دکھ ہوا مگر پھر صبرِ جمیل کو اختیار کیا۔ شدّتِ غم سے روتے روتے یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کی بینائی بھی چلی گئی اور اُنہوں نے کہا: میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔ پھر یعقوب علیہ السلام نے برادرانِ یوسف کو یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی تلاش میں بھیجا اور اُن کے مصر پہنچنے پر بالآخر یوسف علیہ السلام نے حقیقتِ حال بھائیوں پر ظاہر کردی، وہ شرمسار ہوئے، اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا اور کہا کہ اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے اور جو تقوے پر کاربند ہو اور صبر کرے، تو اللہ نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ اِس موقع پر یوسف علیہ السلام نے انتہائی اَخلاقی عظمت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے بھائیوں کو معاف کردیا۔ اپنی قمیص اُنہیں عطا کی کہ اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈالو (ان شاء اللہ) اُن کی بینائی لوٹ آئے گی اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔ جونہی برادرانِ یوسف مصر سے چلے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو محسوس ہورہی ہے۔ الغرض پھر قمیصِ یوسف، حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالتے ہی اُن کی بینائی لوٹ آئی اور اُنہوں نے برادرانِ یوسف کے لئے اللہ کی بارگاہ میں استغفار کی۔ پھر جب یہ قافلہ مصر میں داخل ہوا تو یوسف علیہ السلام نے نہایت اعزاز کے ساتھ اُن کا استقبال کیا اور جب یہ قافلہ شاہی دربار میں پہنچا تو خاندانِ یعقوبی کے تمام لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم کے لئے سجدے میں گر گئے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: اے میرے باپ! یہ میرے اُس پہلے خواب کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اُس کو سچ کر دکھایا اور اُس نے مجھ پر احسان فرمایا۔ یوسف علیہ السلام نے ربِّ ذوالجلال کا ان کلمات میں شکر ادا کیا: "اے میرے رب! تو نے مجھے (مصر کی) حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا، اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے (دنیا سے) مسلمان اُٹھانا اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا"۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: یہ غیب کی خبریں ہیں، جس غیب کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔ قصصِ انبیاء میں یوسف علیہ السلام کا قصہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سورت میں اسے نہایت تفصیل کے ساتھ اور مربوط کرکے بیان فرمایا۔

سورۃ الرعد

اِس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وجلالت کو بیان کیا گیا ہے، اُس کا بغیر ستونوں کے آسمانوں کو بلندی پہ قائم رکھنا، سورج اور چاند کو ایک نظم کے تابع کرکے چلانا، زمین کا پھیلاؤ اور اُس میں پہاڑوں کو لنگر کی طرح قائم رکھنا، دریاؤں کی روانی، نظامِ لیل ونہار، طرح طرح کے پھل، انگوروں اور کھجوروں کے باغات اور اُمورِ کائنات کی تدبیر وغیرہ۔ پھر فرمایا: اہلِ عقل کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔ آیت 8 میں فرمایا کہ اللہ ہر مادہ کے حمل اور رحم کے حالات کو جانتا ہے اور اُس کے نزدیک ہر چیز کا ایک اندازہ ہے۔ آگے چل کر فرمایا کہ اللہ تمہیں کبھی ڈرانے کے لئے اور کبھی اُمید دلانے کے لئے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔ آیت 13 میں رعد کا ذکر ہے۔ اجسامِ فلکی یا بادلوں کی رگڑ سے جو آواز پیدا ہوتی ہے، اُس کو "رعد" کہتے ہیں اور ایک حدیث کی رُو سے رعد اُس فرشتے کا نام ہے، جو بادلوں کو چلانے پر مامور ہے، چنانچہ فرمایا کہ یہ مُعیّن فرشتہ اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہے اور باقی فرشتے (بھی) اُس کے خوف سے (حمد وتسبیح) کرتے ہیں۔ آیت 15 میں فرمایا: آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیز ہے، وہ سب خوشی اور ناخوشی سے اللہ ہی کے لئے سجدہ کررہی ہے، یعنی مظاہرِ کائنات میں سے ہر چیز کا قادرِ مُطلق کی جانب سے تفویض کی ہوئی اپنی ڈیوٹی کو انجام دینا، یہ اُس کی عبادت ہے۔ آیت 17 سے فرمایا کہ آسمان سے برسنے والی بارش کے نتیجے میں ندی، نالے جاری ہوتے ہیں، پھر سیلاب سے بلبلے والے جھاگ پیدا ہوتے ہیں۔ آگے چل کر فرمایا: پس رہا جھاگ تو وہ تو (بے فائدہ ہونے کی وجہ سے) زائل ہوجاتا ہے، لیکن جو چیز لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔ آیت 18 سے بیان فرمایا کہ وہ اہلِ عقل نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے اور قرابت کے جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اُنہیں جوڑے رکھتے ہیں، اللہ کی رضا کی طلب میں صابر رہتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، ظاہراً اور پوشیدہ طور پر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں، برائی کو بھلائی سے ٹالتے ہیں، اُن کے لئے آخرت کا گھر کتنا پیارا ہے۔ پھر منکرین کے لئے فرمایا کہ عہد شکنی کرتے ہیں، قطع رحمی کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، اِن پر لعنت ہے اور ان کا برا ٹھکانہ ہے۔ آیت 28 میں فرمایا کہ سکونِ قلب کی دولت اللہ کے ذکر سے ہی ملتی ہے، مومن نیکوکاروں کے لئے خوشخبری ہے اور بہترین انجام۔ آیت 31 سے مشرکینِ مکہ کے ناروا مطالبات کا ذکر ہوا، وہ کہتے ہیں کہ کوئی ایسا قرآن ہوتا کہ جس سے پہاڑ چل پڑتے، زمین پھٹ جاتی، مردے کلام کرنے لگتے، تو اللہ نے فرمایا: یہ سب چیزیں اللہ کے اختیار میں ہیں، مسلمان کافروں کی ان بیہودہ باتوں سے نااُمید نہ ہوں، اگر اللہ کی مشیت اس میں ہوتی کہ سب اطاعت گزار ہوجائیں، تو وہ سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔

سورۂ ابراہیم

سورۂ ابراہیم کے شروع میں ایک بار پھر قرآن کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار کا ذکر ہوا، لیکن کفار آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں، حق کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور کجی کے طلب گار رہتے ہیں۔ آیت نمبر 4 میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے درمیان جو رسول بھیجا، وہ اُنہی کی زبان بولنے والا تھا تاکہ وہ وضاحت کے ساتھ اللہ کے اَحکام کو بیان کرسکے اور لوگوں پر اللہ کی حُجت قائم ہوجائے۔ آیت 18 میں بتایا کہ کافروں کے اعمال کی مثال اُس راکھ کی سی ہے کہ سخت آندھی کے دن تیز ہوا کا جھونکا آئے اور سب اُڑا لے جائے۔ آیت 21 سے بتایا کہ سب کفار آخرت میں اللہ کی عدالت میں پیش ہوں گے، اُن کے کمزور، اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمہاری پیروی کرتے تھے، کیا اب اللہ کے عذاب سے نجات کے لئے تم ہمارے کسی کام آؤ گے، وہ کہیں گے کہ ہمیں خود کوئی چھڑانے والا نہیں، اسی طرح شیطان بھی اپنے پیروکاروں سے اپنا دامن جھاڑ لے گا اور کہے گا کہ تم نے اللہ کے سچے وعدے کو رَد کیا اور میرے جھوٹے وعدے کو مانا، سو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، اب ہم ایک دوسرے کے کام آنے والے نہیں۔ آیت 24 تا 26 میں اللہ تعالیٰ پاکیزہ کلمے کی برکات اور خبیث کلمے کی نحوست کو مثال کے ذریعے بیان فرماتا ہے۔ آیت 37 سے اُس واقعے کا ذکر ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو مکے کی بے آب وگیاہ زمین میں چھوڑ کر آئے، تو رخصت ہوتے وقت اللہ سے دعا کی: "اے ہمارے ربّ! (میں نے) اپنی بعض اولاد کو تیری حرمت والے گھر کے نزدیک بے آب وگیاہ وادی میں ٹھہرادیا ہے، تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں اور لوگوں میں سے بعض کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرما اور ان کو پھلوں سے روزی عطا فرما۔

Daily Dunya June 8-2017

4-2017 نومبر

نہد شاخ پرمیوہ سر برزمین

زاویۂ نظر

مفتی منیب الرحمٰن

muneeburrehman@dunya.com.pk

SMS:"MMC" (space) message & send to7575

تحریک لبیک پاکستان کے قائدین علامہ خادم حسین رضوی اور علامہ پیر محمد افضل قادری اپنی دھرنا تحریک میں سرخرو ہوئے اور ایک باوقار معاہدے کے نتیجے میں دھرنا ختم کرکے واپس لاہور پہنچے۔ ان کا ہر جگہ پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ بادی النظر میں حکومت کی طرف سے معاہدے پر لفظاً ومعناً من وعن عمل بھی ہو رہا ہے، یہ ایک اچھی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علامہ خادم حسین رضوی اور ان کے رفقاء کو عزت دی ہے، اس پر انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور سراپا تشکّر وامتنان ہونا چاہیے اور لازم ہے کہ سجدۂ تشکر بجالائیں۔ عبدیت کی شان اور افتخار خالق تبارک وتعالیٰ کے حضور عجز وانکسار ہے۔ فارسی شاعر نے کہا ہے:

فروتن بود ہوشمند گزیں
نہد شاخ پر میوہ سر برزمیں

ترجمہ: دانا آدمی عاجزی کو اختیار کرتا ہے اور برگ وبار، پھولوں اور پھلوں سے لدی ہوئی شاخ زمین پر جھکی ہوتی ہے، جبکہ اس کے برعکس موسمِ خزاں میں وہی شاخ جب بے فیض وبے لباس ہو جاتی ہے تو تنی رہتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے سربلند فرماتا ہے، وہ اپنے دل میں اپنے آپ کو معمولی سمجھتا ہے، لیکن لوگوں کی نظروں میں وہ عظیم ہوتا ہے اور جو تکبر کرے، اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتا ہے، وہ اپنے دل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی نظروں میں گرا دیتا ہے۔ (مسند الشہاب للقضاعی:335)۔ بعض اوقات مجاہدین جب فتح یاب ہو کر واپس لوٹتے تو جہاد میں شرکت سے محروم رہنے والوں پر ایک گونہ تفاخر محسوس کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے: مصعب بن سعد بیان کرتے ہیں: حضرت سعدؓ نے گمان کیا کہ انہیں دوسروں پر فضیلت حاصل ہے، نبی ﷺ نے (انؓ کی اس ذہنی کیفیت کو بھانپ کر) فرمایا: تمہیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جو نصرت ملتی ہے اور جو رزق (میں کشادگی) عطا ہوتی ہے، وہ کمزوروں (کی دعاؤں) کی برکت سے ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری: 2896)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنی جان اور مال سے جہاد کرنے والے مجاہدین کو اللہ نے قاعدین (جہاد میں کسی عذر کے سبب پیچھے رہ جانے والوں) پر درجے میں فضیلت دی ہے۔ (النساء:95)۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا: قاعدین سے ہاتھ باندھ کر بیٹھنے والے مراد نہیں ہیں بلکہ وہ ہیں جو سکیمرز (منصوبہ ساز) ہوتے ہیں، فکری رہنمائی فراہم کرتے ہیں، انہیں وسائل فراہم کرتے ہیں یعنی ذہنی، فکری اور مالی مدد کرتے ہیں۔

الغرض تحریک لبیک پاکستان کی اُٹھان الحمدللہ اچھی ہے، نہایت اُمید افزا ہے، لیکن سفر طویل ہے، منزل ابھی بعید ہے۔ انہیں فراست، تدبر، حکمت اور عاقبت اندیشی سے آگے بڑھنا ہوگا۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے کہا ہے:

بالائے سرش زہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

ترجمہ: وہ دانائی سے سربلند ہے اور اس کا ستارہ عروج پر چمک رہا ہے۔ علامہ خادم حسین رضوی کو بلاشبہ یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ وہ اہلسنت وجماعت کو نہ صرف ڈرائنگ روم سے نکال کر پبلک میں لائے ہیں، انہوں نے ہمارے میلاد النبی ﷺ کے جلسوں اور دیگر روایتی مذہبی اجتماعات کو سیاسی شعور اجاگر کرنے کے لیے بھی استعمال کیا، ورنہ یہ اجتماعات محض پیشہ ور واعظین، نعت خواں حضرات اور میلاد انجمنوں کے کار پردازوں کے لیے روزگار کا ذریعہ بن کر رہ گئے تھے۔ ہم روایت شکنی اور ان مقدس مجالس کو رجحان ساز (Trend setter) بنانے پر علامہ رضوی کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ بعض پیرانِ عظام کا اچانک ایک ہونا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ انہیں بھی خطرے کا احساس ہو گیا ہے کہ مریدین پر ان کی گرفت کمزور پڑ سکتی ہے۔

ہمارا علامہ صاحب کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ اپنی چشم بصیرت وا رکھیں، بندگانِ اغراض اور مالی وسائل سے عزتیں اور مناصب خریدنے والے افراد جب کسی تحریک یا شخصیت کو مائل بہ عروج دیکھتے ہیں تو خوشامد کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں، کہنیاں مار کر اور دھکے دے کر بے مایہ مگر انتہائی مخلص کارکنوں کو پیچھے دھکیلتے ہیں اور اگلی صفوں میں جگہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں مگر کسی بھی انقلابی تحریک کا اصل سرمایہ اور اثاثہ وہ مخلص کارکن ہوتے ہیں، جو اپنے خونِ جگر اور شب وروز کی محنت سے تحریک کو جِلا بخشتے ہیں، اُس کی رگوں میں خون دوڑاتے ہیں، ہرسو چھائی ہوئی ظلمت کی گھنگھور گھٹاؤں کو امید کی شمع سے روشن کرتے ہیں اور یاس کو آس میں بدلتے ہیں۔ تاجدار کائنات ﷺ کی انقلابی تحریک کا اثاثہ بھی ایسے ہی ضُعفاء اور بندگان بے مایہ تھے، جو ظاہری اسباب سے محروم تھے مگر ایمان وایقان اور عزیمت واستقامت کی دولت سے مالامال تھے۔ انہوں نے بے مثال قوت ایمانی کی بدولت اپنے ضعف کو قوت میں بدل ڈالا، کفارِ مکہ ان کے برابر بیٹھنا اپنی توہین سمجھتے تھے، انہیں اپنے معاشرتی جاہ و منصب (Status) پر ناز تھا اور رسول اللہ ﷺ سے فرمائش کرتے کہ اگر آپ ان مفلوک الحال لوگوں کو کچھ دیر کے لیے اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم آپ کی بات سن لیتے ہیں، اللہ عزوجل نے ان مرفہ الحال سرداران قریش کی اس فرمائش کے جواب میں اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا: (1) اور ان (مسکین مسلمانوں) کو اپنے پاس سے دور نہ کیجیے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں درآنحالیکہ وہ اسی کی رضا چاہتے ہیں، ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرِمو اُن کے ذمہ نہیں ہے، پس اگر (بالفرض) آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں میں سے ہو جائیں گے۔ (الانعام:52)، (2) اور آپ اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ لازم رکھیں جو صبح اور شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اُس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی آنکھیں اُن سے نہ ہٹائیں کہ آپ دنیوی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہوں اور آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا۔ (الکہف:28)۔

میں آج کل امریکہ میں ہوں اور مختلف ریاستوں میں مسلسل اَسفار میں رہتا ہوں، میں نے دھرنے کی کامیابی پر یہاں کے دوستوں کو پیش گوئی کی تھی کہ الیکٹرونک وپرنٹ میڈیا کی کمین گاہوں میں مورچہ زن ہمارے لبرل دانشوروں کو دینی وضع رکھنے والے ان اصحابِ جبہ ودستار کی کامیابی آسانی سے ہضم نہیں ہوگی، وہ ریاست وحکومت کی ناکامی کا رونا روئیں گے، آئین وقانون کی دہائی دیں گے، شامِ غریباں منائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر علامہ پیر محمد افضل قادری اور علامہ ڈاکٹر آصف اشرف جلالی کی چشمک نے اچانک رخ بدل ڈالا، شامِ غریباں شادیٔ مرگ میں تبدیل ہونے لگی، مگر الحمدللہ! ان حضرات نے ابتدائی بے اعتدالی کے بعد ہوشمندی سے کام لیا، جوش پر ہوش غالب آ گیا اور سیز فائر ہو گیا۔ یہ نہایت درست حکمت عملی تھی، امید ہے آئندہ بھی تدبر و فراست سے کام لیا جائے گا۔ ہماری خواہش اور دعا ہے کہ اہلسنت و جماعت کے تمام اکابر علماء ومشائخ کے درمیان باہمی اعتماد واحترام کا رشتہ قائم ہو، فرق مراتب کو ملحوظ رکھا جائے، جسے جدید دفتری اصطلاح میں (Hierarchy) کہتے ہیں۔ حالات نے علامہ خادم حسین رضوی کو تحریک کی سیادت وقیادت کا منصب تفویض کر دیا ہے اور انہوں نے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا ہے۔ علامہ ڈاکٹر آصف اشرف جلالی بھی اسے تسلیم کر لیں تاکہ ایک ورکنگ ریلیشن یعنی عملی طریقۂ کار، فیصلہ سازی اور اس پر عملدرآمد کے اصول وضوابط وضع ہو جائیں اور سب ایک قیادت اور ایک پرچم کے نیچے مصروفِ عمل ہوں۔ سب کی جہود ومساعی اور توانائیاں یکجا اور یکسو ہوں اور ایک دوسرے کو نشانہ بنانے کے بجائے مشترکہ ہدف پر نظر رکھیں۔ علامہ اقبال نے کہا ہے:

آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی
آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

ہم نے اپنی کتاب "اصلاحِ عقائد واعمال" میں لکھا ہے کہ مفتیان کرام کفر کا فتویٰ صادر کرنے میں انتہائی حد تک احتیاط سے کام لیں، مزید یہ کہ لزومِ کفر اور التزامِ کفر کے فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔ نیز ایسے دقیق مسائل کے لیے ثقہ ومعتمد مفتیانِ کرام کی ایک جماعت ہونی چاہیے، ہرکس وناکس کو یہ اختیار دینا قاتل اور ڈاکو کے ہاتھ میں زہر آلود خنجر تھما دینے کے مترادف ہے۔ کوئی کلمۂ کفر اپنے مفہوم پر قطعی الدّلالت ہو اور ایک فیصد بھی کسی صحیح تاویل وتوجیہ کا احتمال نہ رکھتا ہو تو اس کے بعد ہی ایسی حتمی رائے قائم کرنے پر غور کیا جا سکتا ہے۔ کسی ضعیف توجیہ کے ہوتے ہوئے بھی حکم صادر کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ علامہ ڈاکٹر آصف اشرف جلالی کی خدمت میں بصد ادب گزارش ہے کہ "تعدُّدِ الٰہ" سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے مشابہت ہرگز مراد نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ باور کرانا ہوتا ہے کہ قیادت وسیادت اور امارت کا تعدُّد قوموں، ملتوں، تنظیموں اور جمعیتوں کے لیے فساد کا باعث ہوتا ہے اور قوت کو پارہ پارہ کر دینا ہوتا ہے، تاریخِ اسلام اور تاریخِ اُمَم ومِلَل اس پر شاہد عدل ہے۔

مزید یہ کہ کسی کے جسمانی نقص یا کمزوری کو ہدفِ طعن بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کے معاملات ہیں، علامہ خادم حسین رضوی حادثے کا شکار ہوئے، ہم حادثے پر تاسف کے اظہار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں کہ اس نے انہیں حیات کو عطا کی اور شاید قدرت نے ان سے دین کا کام لینا تھا۔ قیادت وسیادت اور امارت کے لیے جسمانی صحت وسلامتی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نعمتِ بے بہا ہے مگر قیادت کا اصل جوہر ایمان وایقان کی پختگی، دل کی مضبوطی وحوصلہ مندی، علم نافع، قلب خاشع، تقویٰ، ذہن رسا، فکر کی اصابت وراستی، اللہ پر توکل، عزیمت، استقامت، سعیٔ پیہم اور جہدِ مسلسل کا حامل ہونا ہے۔ جس کو اپنی ٹانگوں اور پٹھوں کی مضبوطی پر ناز ہو، وہ کسی اکھاڑے میں پہلوانی کا شوق پورا کر سکتا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا ہے:

یقینِ محکم، عملِ پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

....

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

....

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے



انجیر

اس ہفتے حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ''تفسیر عزیزی'' پر گفتگو کا موقع ملا۔ مطالعے کے دوران سورۃ التین کی تفسیر میں شاہ صاحب نے انجیر کی جو صفات اور خاصیات بیان کی ہیں' وہ نہایت دلچسپ اور مفید معلوم ہوئیں، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے قارئین کو اس میں شریک کروں۔ اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء یا مقامات کی قرآنِ مجید میں قسم فرمائی ہے، ان میں کوئی نہ کوئی ظاہر یا مستور حکمت ضرور موجود ہے۔ انجیر کو انگریزی میں Fig اور بعض علاقائی زبانوں مثلاً ہندکو میں پھگوڑی کہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے لکھا کہ انجیر میں کچھ ظاہری خصوصیات ہیں اور کچھ باطنی۔ ظاہری خصوصیات بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ یہ پھل لطیف ہے، زُود ہضم اور ہاضم (Digestant) ہے، معدے اور آنتوں کو نرم رکھتا ہے، سڑے ہوئے یا بدبودار مادّے کو بدن کے اندر سے پسینے کی راہ سے نکال دیتا ہے۔ اس کی خاصیت گرم ہے، اس کے باوجود بخار کے لئے مفید ہے، بلغم کو پتلا کرتا ہے۔ یہ پھل گردے اور مثانے کو پتھریلے ذرات سے پاک کرتا ہے، بدن کو موٹا کرتا ہے اور مسام کو کھول دیتا ہے۔ انجیر جگر اور تلّی کے سُدّوں یعنی گٹھلی بننے والے بافتوں (Tissues) کو تحلیل کرتا ہے اور یہ تلّی کے ورم کے لئے بھی مفید ہے۔



انجیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ سارے کا سارا پھل، غذا اور دوا ہے۔ اس میں کوئی فاضل اور فالتو جُز مثلاً گٹھلی، بیج اور پھینکا جانے والا چھلکا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اس اعتبار سے جنت کے پھلوں کے مشابہ ہے، کیونکہ جنت کے پھلوں میں بھی کوئی فاضل جُز نہیں ہوگا۔ یہ قرآن کی مانند مغز ہی مغز ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے: ''نبی ﷺ کی خدمت میں انجیر کا ایک طباق ہدیہ کیا گیا، آپ نے اس میں سے انجیریں کھائیں اور اپنے اصحاب سے فرمایا: کھاؤ، پھر آپ نے فرمایا: اگر میں یہ کہوں کہ یہ پھل جنت سے نازل ہوا ہے تو کہہ سکتا ہوں، کیونکہ جنت کے پھل بغیر گٹھلی کے ہیں، اس کو کھاؤ کیونکہ یہ بواسیر (Piles) کو کاٹتا ہے اور گٹھیا کے درد کے لئے بھی مفید ہے، (الکشف والبیان، جلد:10، ص:238)''۔ حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انجیر کھانے سے منہ کی بدبو دور ہوتی ہے، یہ سر کے بالوں کو بڑھاتا ہے اور فالج سے محفوظ رکھتا ہے۔ انجیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ ایک درمیانے لقمے کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا اسے کھانے میں کوئی مشقت نہیں ہوتی اور یہ خوش ذائقہ بھی ہے۔

انجیر کے اندر پروٹین، معدنی اجزاء، گلوکوز، کیلشیم اور فاسفورس پائے جاتے ہیں۔ یہ قبض کے لیے بھی مفید ہے۔ حدیثِ مبارک میں ہے کہ انجیر مرض قولنج میں بھی مفید ہوتا ہے۔ یہ پھل رنگت کو سرخ وسفید بنانے کی خاصیت بھی رکھتا ہے۔ اسے زیادہ دیر تک تر وتازہ نہیں رکھا جاسکتا، البتہ اسے خشک کر کے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ خشک کرنے کے عمل کے دوران جراثیم سے حفاظت کے لیے اسے گندھک کی دھونی دی جاتی ہے اور ملائم رکھنے کے لئے اسے نمک کے پانی میں ڈبویا جاتا ہے۔ اس کے تازہ کچے پھل اور پتوں سے دودھ کی طرح قطرے ٹپکتے ہیں، ان سے جلن ہوتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ برص کے داغ کو دور کرنے کے لیے مفید ہیں۔ انجیر کو عرب ممالک میں پسند کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے بعض علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ یہ بنیادی طور پر سنٹرل ایشیا کا پھل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سنٹرل ایشیا سے منگول، مغل اور مسلمان اَطِبّاء اسے برصغیر میں لائے، کیونکہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس خطے میں اس کا سراغ نہیں ملتا۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے انجیر کے باطنی خواص بھی بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں: یہ پھل اہلِ کمال سے مشابہت رکھتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن ایک ہے، لہٰذا یہ سراسر خیر ہی خیر ہے اور یہ سارے کا سارا فیض رساں ہے کہ نہ گٹھلی، نہ فالتو چھلکا اور نہ ہی اس میں بیج ہوتا ہے کہ اسے پھینکا جائے، جبکہ دیگر پھلوں میں کہیں گٹھلی ہے (جیسے آم) یا چھلکا ہے اور اندر مغز، جیسے بادام، مونگ پھلی، اخروٹ، کاجو وغیرہ۔ اور کہیں چھلکا پھینکا جاتا ہے جیسے مالٹا، سنگترہ وغیرہ اور چیکو میں بیج ہوتا ہے۔ انہوں نے مزید لکھا کہ یہ پھل ایثار کی صفت کا بھی حامل ہے۔ دیگر پھل دار درختوں پر پہلے شگوفے کھلتے ہیں، یعنی وہ اپنے آپ کو حسن و جمال سے آراستہ کرتے ہیں، جبکہ انجیر میں کسی شگوفے یا کلی کے بغیر براہِ راست پھل نکل آتا ہے۔ شاہ صاحب دیگر پھل دار درختوں کو خود غرض اور دنیا دار لوگوں کے مشابہ قرار دیتے ہیں، جو ''اول خویش بعد درویش'' کے فارمولے کا مظہر ہوتے ہیں۔ اس بات کو امام فخر الدین رازی نے تفسیرِ کبیر میں اس طرح لکھا ہے: ''دیگر درختوں کا شِعار اس حدیث کا مصداق ہے ''پہلے اپنی ضرورت پوری کرو اور پھر ان کی جو تمہاری کفالت میں ہیں'' اور انجیر اس صفتِ مصطفوی کا مظہر ہے جو سورۃ الحشر:09 میں بیان کی گئی ہے: ''اور وہ خود ضرورت مند ہونے کے باوجود (ایثار سے کام لیتے ہیں اور) دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں''، (تفسیرِ کبیر، جلد:32، ص:11-210)''۔ مزید یہ کہ انجیر سال میں ایک سے زائد بار پھل دیتا ہے۔

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ جب عالمِ انسانیت کے جدِّ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی خطاءِ اجتہادی کے نتیجے میں اُن کا جنتی لباس اتار لیا گیا اور ان کا بدن بے لباس ہوگیا، تو قرآن مجید میں ہے: ''پھر ان دونوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تاکہ (انجامِ کار) اُن دونوں کی شرم گاہیں جو اُن پر مستور تھیں، اُن کو ظاہر کر دے، شیطان نے کہا: تمہارے رب نے تم کو اس درخت سے اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور اس نے ان دونوں کو قسم کھا کر کہا: بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ پھر فریب سے اس نے ان دونوں کو اپنی طرف مائل کر لیا، پس جب ان دونوں نے اُس درخت کو چکھا تو ان کی شرم گاہیں اُن کے لئے ظاہر ہوگئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے لپیٹنے لگے۔ اور ان کے رب نے ان کو پکار کر فرمایا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے نہیں روکا تھا اور تم دونوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے (تب) ان دونوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے، (الاعراف:23-20)''۔

شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں: حضرت آدم وحوا علیہما السلام اپنے بدن کو ڈھانپنے کے لئے جس درخت کے پاس جاتے وہ آپ کی پہنچ سے اونچا ہو جاتا، پس جب وہ انجیر کے درخت کے پاس گئے تو انجیر کا درخت اونچا نہ ہوا اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے اس کے پتوں سے اپنے بدن کو ڈھانپا۔

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے لکھا: بعض کاشت کار لوگوں کا کہنا ہے کہ کامل درخت وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل دس چیزیں پائی جائیں: جڑ، ڈالیاں، پتے، پھول، گٹھلی، گوند، چھال، چھلکا اور شیرہ، جیسے کھجور کا درخت کہ یہ دس چیزیں اس میں موجود ہیں۔ پس جس درخت میں ان میں سے کوئی چیز کم ہو تو وہ ناقص ہے اور انجیر میں گٹھلی نہیں ہے، لہٰذا یہ ناقص ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نقص نہیں بلکہ کمال ہے، کیونکہ گٹھلی کھانے کی چیز نہیں ہے، پھینک دینے کی چیز ہے، پس گٹھلی کا ہونا کمال نہیں بلکہ نہ ہونا کمال ہے۔

آخر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے انجیر کی قسم فرما کر اس کی اہمیت اور فضیلت کی جانب اپنے بندوں کو متوجہ فرمایا۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: ''کسی شخص کو خواب میں انجیر نظر آئے تو اس کی روزی کشادہ ہوگی اور انجیر کھائے تو اسے اولاد کی نعمت نصیب ہوگی، (احکام القرآن، جلد:20، ص:111)''۔ امام قرطبی نے انجیر کا وصف بیان کرتے ہوئے عربی اشعار بھی نقل کئے ہیں، جن میں سے ایک کا ترجمہ یہ ہے: ''میرے نزدیک انجیر ہر پھل کی خوبیوں کا حامل ہے، اس کی شاخ پھل سے لدی ہو تو جھک جاتی ہے، اس کا منہ زخم کی مانند ہوتا ہے، جس سے شہد بہتا ہے، گویا کہ یہ اللہ کی خشیت سے جھک جاتا ہے''۔

عمرانیات سوشل سائنسز کو کہا جاتا ہے، مغرب میں نیچرل سائنسز کی طرح ان علوم کو بھی بے حد اہمیت دی جاتی ہے۔ ہم نے امریکہ کے دورے کے دوران لاس اینجلس میں مسیحیت کی ایک مذہبی درس گاہ دیکھی، جہاں سوشل سائنسز کے مختلف شعبہ جات پر پی ایچ ڈی کرائی جا رہی ہے۔ سوشل سائنسز سے مراد معاشرے کے احساسات، فطری رجحانات، تعامل، اخلاقی ماحول، قوم کے سِفلی یا علوی جذبات، اقدار اور ماحول کا مطالعہ کرنا ہے جو افراد، معاشرہ اور اقوام کا مزاج تشکیل دینے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں چونکہ ان شعبوں میں نہ روزگار کے مواقع ہیں، نہ علم برائے علم کی روایت ہے، نہ ہی کسی کو اعلیٰ اقدار پر مبنی معاشرے کی تشکیل کی فکر ہے، اس لیے یہ علوم قابلِ توجہ نہیں ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کو چونکہ پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک پر اپنی پالیسیاں مسلط کرنا ہوتی ہیں، اس لیے یہ علوم اُن کی ضرورت ہیں۔

میں نے تفنّنِ طبع کے طور پر پختونخوا میں پی ٹی آئی کے سربراہ جنابِ عمران خان کی حکمرانی کو ''عمرانیات'' کا نام دیا ہے۔ 2017ء کے اوائل میں مَیں نے ایک دن ایبٹ آباد میں گزارا تھا اور ''پختونخوا میں تبدیلی کا ایک سرسری جائزہ'' کے عنوان سے اپنے مشاہدات اور تاثرات تحریر کیے تھے۔ بہت بڑی تعداد میں پی ٹی آئی کے ہمدردوں نے بھی اس کا مطالعہ کیا اور مثبت تاثرات کا اظہار کیا۔ اب دسمبر 2017ء کے آخری ہفتے میں ایک بار پھر مجھے ایبٹ آباد میں دو تین دن گزارنے کا موقع ملا، میں نے خالی الذہن ہو کر معاشرے کے اہلِ نظر سے معلومات حاصل کیں، اُن کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔

زاویہ نظر
مفتی منیب الرحمٰن
muneeburrehman@dunya.com.pk
SMS:"MMC" (space) message & send to7575

ضلع ہزارہ جب ڈویژن بنا تو ابتدا میں یہ تین اضلاع پر مشتمل تھا، بعد میں مختلف ادوار میں کوہستان، بٹگرام اور تورغر کو ضلع کا درجہ دے دیا گیا، پی ٹی آئی حکومت نے قومی اسمبلی کے ایک حلقے پر مشتمل ضلع کوہستان کو تین اضلاع میں منقسم کر دیا ہے، ضلع لوئر کوہستان جناب عبدالحق ایم این اے اور کولائی پالس مولانا عصمت اللہ اور جناب زرگل کی فرمائش پر بنائے گئے ہیں۔ اب ہزارہ ڈویژن میں آٹھ اضلاع ہیں: ہری پور، ایبٹ آباد، مانسہرہ، بٹگرام، تورغر، اَپر کوہستان، لوئر کوہستان اور کولائی پالس۔ مجھے بتایا گیا کہ نئے ضلع کا انفراسٹرکچر بنانے پر کم از کم چھ ارب روپے اور مصارف جاریہ پر سالانہ ایک ارب روپے کا تخمینہ ہے، کیونکہ ضلعی انتظامیہ کے تمام محکموں کے لیے دفاتر، رہائش گاہیں اور اوپر سے نیچے تک عملے کا تقرر ناگزیر ہوتا ہے۔ جبکہ بیشتر علاقہ پہاڑی ہونے کے سبب ان مقاصد کے لیے آسانی سے زمین بھی دستیاب نہیں ہوتی۔ پس جب انتظامی اخراجات کو بڑھا دیا جائے گا تو ترقیاتی اخراجات کے لیے وسائل کم دستیاب ہوں گے۔

ایک ارب درخت لگانے کا دعویٰ محلِّ نظر ہے، کیونکہ اس کا آڈٹ آسان کام نہیں ہے، البتہ اگر اُن کی تعداد بیس پچیس کروڑ ہی مان لی جائے، تو بھی شجر کاری بجائے خود ایک قابلِ تحسین اقدام ہے۔ بعض علاقوں میں بارشیں نہ ہونے کے سبب شجر کاری خطرات سے دوچار ہے لیکن بارش کا نہ ہونا قدرتی امر ہے، اس میں پی ٹی آئی کی حکومت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ صنوبر کے درخت کی شجر کاری کی گئی ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں: (1) چیڑ: یہ درخت چار ہزار فٹ کی بلندی پر اُگتا ہے، ایندھن کے سوا اس کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ اب لوگوں نے گیس کے سلنڈر استعمال کرنا شروع کر دیئے ہیں لہٰذا ایندھن کے طور پر بھی اس کا استعمال محدود ہے۔ اب وہاں پکے مکانات بنانے کا رجحان ہے۔ اس لیے یہ درخت کچے مکانات میں تعمیری مقاصد کے لیے شہتیر اور ستون کے طور پر بھی استعمال نہیں ہوتا۔ پی ٹی آئی حکومت نے درختوں کی کٹائی پر پابندی بھی لگائی ہوئی ہے اور مناسب حد تک اس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ (2) بیاڑ: یہ درخت چھ ہزار فٹ کی بلندی پر اُگتا ہے اور یہ کچے مکانات میں شہتیر اور ستونوں کے کام آتا تھا۔ اب پکے مکانات کے رجحان کی وجہ سے یہ مصرف اختتام پذیر ہے۔ (3) دیار: یہ درخت آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر اُگتا ہے، یہ لکڑی اگر پروسس ہو جائے تو پھر اسے کیڑا کم لگتا ہے اور یہ دروازوں، کھڑکیوں اور تعمیراتی مقاصد میں استعمال ہوتی ہے، لیکن یہ بہت مہنگی ہے، کم دستیاب ہے۔ اس لیے اب اس کے متبادل درآمد شدہ لکڑی یا المونیم استعمال ہو رہا ہے۔ چیڑ کا درخت چالیس سال سے کم عمر میں بلوغت کو نہیں پہنچتا یعنی اسے کامل درخت بننے کے لیے لمبی عمر چاہیے۔ ایک صاحب نے کہا: یہ دوسری نسل کا درخت ہے، یعنی ایک نسل اس کی شجر کاری کرے گی اور اس کے کامل ہونے تک دوسری نسل کا دور آجائے گا۔ اس کے کاٹنے پر پابندی کا ایک پہلو تو مثبت ہے کہ درخت تباہ نہیں ہوں گے اور منفی پہلو یہ ہے کہ اس کے نیچے نہ گھاس اُگتی ہے اور نہ ہی زمین میں فصل کی کاشت ہوتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں مویشی بانی اور کاشتکاری کے لیے مقامی لوگوں کی ضرورت ہیں۔ لہٰذا اس کا سائنٹفک تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نقصان کا پہلو کم سے کم ہو۔ اگر وہاں کے ماحول کے مطابق کوئی دوسرا مفید درخت دستیاب ہو تو اس کا تجربہ کیا جانا چاہیے۔

ہسپتالوں اور تعلیمی اداروں میں حاضری میں کافی بہتری آئی ہے۔ جنابِ عمران خان تو سو فیصد کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اگر اسّی فیصد حاضری بھی حاصل ہو جائے تو ہم اسے کامیابی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ میں لکھ چکا ہوں کہ اساتذہ کو پابند کیا جانا ہی کافی نہیں ہے، معیاری تعلیم کے لیے اُن کی قابلیت اور اہلیت بھی لازمی ہے، جسے یقینی بنانا آسان نہیں ہے کیونکہ پرانا عملہ Status Quo کا حامی ہوتا ہے اور مزاحمت کرتا ہے، الغرض نیک نیتی کے باوجود بہترین نتائج حاصل کرنا کافی دشوار ہے۔ اس میں بھی پی ٹی آئی حکومت پر پوری ذمہ داری عائد کرنا قرینِ انصاف نہیں ہے۔ بڑے ٹیچنگ ہسپتالوں میں بورڈ آف گورنرز کے تجربے کو ایک اہم اقدام تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن یہ بہت کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ اس کے بھی مثبت اور منفی پہلو موجود ہیں اور ان پر گفتگو کے لیے تفصیلی کالم درکار ہے۔

ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کی بڑے پیمانے پر بھرتی ہوئی ہے، ایسا بھی ہے کہ ایک ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال میں پندرہ ڈاکٹر تھے اور اس کی مطلوبہ تعداد پینتالیس تھی، اسے کافی حد تک پُر کیا گیا ہے، اس سے نوجوان ڈاکٹروں کو روزگار کے مواقع ملے ہیں، دشوار علاقوں میں بھی کافی حد تک ڈاکٹروں کی حاضری کو چیک کیا جا رہا ہے۔ سکولوں میں بھی سائنس ٹیچرز کی عرصے سے خالی اسامیاں پُر کی گئی ہیں، حاضری کا معیار بہتر ہونے کی وجہ سے یقیناً تعلیم پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ حکومت کو چاہیے کہ پرانے اساتذہ کو پرکشش پیکج دے کر ریٹائر کرے اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو روزگار کے مواقع دے۔ بہر حال اس اصلاحی کاوش کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔

رشوت کے خاتمے کے دعوے پر میں نے جس صاحبِ نظر سے بھی دریافت کیا، تقریباً سب کا جواب ایک ''خندۂ استہزاء'' سے بڑھ کر کچھ نہ تھا، بتایا گیا کہ جب رشوت لینا پُر خطر ہو جائے تو اس کا ریٹ بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس میں ہمارے معاشرے کی مجموعی اخلاقی ساخت کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اس شعبے میں نیک نیتی کے ساتھ کاوش کی جاسکتی ہے، مثبت نتائج کے حصول کے لیے تعلیم و تربیت، مجموعی نظام کی بہتری اور سیاست دانوں کی اپنی اخلاقی برتری کا بہت بڑا دخل ہے۔ پولیس کے بارے میں لکھ چکا ہوں کہ پختونخوا کی پولیس پہلے بھی دوسرے صوبوں سے مختلف تھی، بات بات پر گالم گلوچ اور تذلیل وہاں کا معاشرہ آسانی سے قبول نہیں کرتا۔

جہاں تک وسائل کی منصفانہ تقسیم کا تعلق ہے، اس کے کوئی آثار وہاں دستیاب نہیں ہیں۔ میں نے پہلے بھی اس کی نشاندہی کی تھی، جب میں ایبٹ آباد کی حدود میں داخل ہوا تو پی ٹی آئی کے ہمدرد جنابِ علی اصغر کا ایک سائن بورڈ دیکھا کہ پرویز خٹک کے ضلع نوشہرہ کا ترقیاتی بجٹ ہزارہ ڈویژن کے تمام اضلاع کے برابر ہے۔ سو پی ٹی آئی کے دورِ حکومت میں بھی ہمیشہ کی طرح بیشتر بجٹ پشاور ویلی کے اضلاع پر صَرف ہوا ہے لیکن پی ٹی آئی کی جارحانہ سیاست کا انہیں فائدہ یہ ہوا کہ انہوں نے پورا عرصہ وفاق اور پنجاب کو مسلسل دباؤ میں رکھا اور اُن کی اپنی جوابدہی کی نوبت نہیں آئی۔ وزیرِ اعلیٰ جناب پرویز خٹک نے ایبٹ آباد بائی پاس کا وعدہ کیا تھا اور جناب عمران خان نے ایک ملاقات میں مجھ سے اس وعدے پر عمل درآمد کی یقین دہانی کرائی تھی لیکن اُس پر سرے سے کام کا آغاز ہی نہیں ہوا۔ ایبٹ آباد کی حدود میں داخل ہونے سے لے کر مانسہرہ کی حدود سے نکلنے تک تقریباً تیس کلو میٹر کا فاصلہ بعض اوقات تین سے چار گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس میں انسانوں کے اوقات اور ایندھن کا کتنا ضیاع ہے اور اس سے لوگوں کے مزاج میں تناؤ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس وفاق کے منصوبے ہزارہ ایکسپریس وے پر بڑی تیزی سے عمل ہوا اور اس کے پہلے فیز کا وزیرِ اعظم جناب شاہد خاقان عباسی نے گزشتہ ہفتے افتتاح کیا ہے۔

جناب پرویز خٹک بظاہر بھولے بھالے لگتے ہیں لیکن گھاگ سیاستدان ہیں، انہوں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے اور ایک اقلیتی حکومت کا دورانیہ کامیابی سے پورا کر رہے ہیں۔ ان کی اپنی پارٹی میں بھی مزاحمت جاری رہی لیکن وہ جنابِ عمران خان کو ہمیشہ شیشے میں اتارنے میں کامیاب رہے۔ ہر بار اُن کے منتخب ممبران تلملا کر رہ گئے۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی نہ کسی سطح پر اُن کی اپوزیشن کے ساتھ مفاہمت رہی ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے باغی ممبران کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دی۔ اب انہوں نے آئمہ مساجد کو فی کس دس ہزار روپے تنخواہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ اگر اس پر کامیابی سے عملدرآمد ہوتا ہے، تو اس سے جے یو آئی کی سیاست پر مستقبل قریب یا بعید میں یقیناً اثر مرتب ہوگا اور پاکستان میں پہلی بار منبر اور مائیک بتدریج حکومت کے کنٹرول میں آجائے گا جبکہ خیبر پختونخوا میں منبر اور مائیک ہمیشہ حکومت کے کنٹرول سے آزاد رہا ہے اور جے یو آئی کی انتخابی کامیابیوں میں اس کا بڑا دخل رہا ہے۔



علامہ خادم حسین رضوی

تحریک پاکستان کے زمانے میں کانگریس کے ہم نوا علماء نے "جمعیت علمائے ہند" کی بنیاد رکھی، اس کے مقابل اُس دور کے علمائے اہلسنت نے قائد اعظم، مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان کی حمایت میں "جمعیت علمائے پاکستان" کی بنیاد رکھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد بیس سال تک جمعیت علمائے پاکستان سیاست میں متحرک نہیں رہی، بعض ادوار میں اس کے بارے میں درباری جماعت کا تاثر بھی پیدا ہوا اور محض ایک علامتی سیاسی جماعت کے طور پر نام چلتا رہا۔ 1968 میں کراچی میں جماعتِ اہلسنت کی بنیاد رکھی گئی اور علمائے اہلسنت بتدریج سیاسی میدان میں متحرک ہوئے۔ جون 1970 میں دارالسلام ٹوبہ میں ایک تاریخی کنونشن ہوا، اس میں جمعیت علمائے پاکستان کا اِحیاء ہوا اور شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی کو اس کا صدر منتخب کیا گیا، بعد میں اس منصب پر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی فائز ہوئے، جماعتِ اہلسنت کراچی اس وقت کے اکابر علمائے اہلسنت کی قیادت میں فعال ہوئی اور پھر 1970 کے پہلے قومی انتخابات میں جمعیت علمائے پاکستان کے پلیٹ فارم سے حصہ لیا اور کراچی، حیدر آباد اور سکھر میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ پنجاب میں جھنگ اور مظفر گڑھ میں جمعیت علمائے پاکستان کو کامیابی ملی اور پہلی مرتبہ اُن کے سات ارکان قومی اسمبلی میں پہنچے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے 1973 کے دستور کی تشکیل اور بعد ازاں عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ اور ارتدادِ قادنیت کی دوسری آئینی ترمیم پاس کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ قومی اسمبلی میں ارتدادِ قادیانیت کی قرارداد کے محرک علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جمعیت علمائے ہند کی فکر کے وارث مسلکِ دیوبند کے علماء نے مفتی محمود صاحب کی قیادت میں جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد ڈالی، 1962 کے بالواسطہ انتخابات میں قومی اسمبلی اور مغربی پاکستان اسمبلی میں ایک ایک نشست حاصل کی اور سیاست میں متحرک ہوگئے۔ 1970 کے انتخابات میں جمعیت علمائے اسلام کے قومی اسمبلی کے ممبران کی تعداد بھی سات تھی۔ مولانا فضل الرحمٰن نے اقتدار کے کھیل میں بہتر سیاسی سودا بازی کی صلاحیت اپنے والدِ ماجد سے ورثے میں پائی ہے، چنانچہ اُس وقت کی سرحد اسمبلی میں مفتی محمود صاحب اپنے تین ممبرانِ صوبائی اسمبلی کے بل پر اے این پی کے ساتھ اشتراک کر کے وزیرِ اعلیٰ بن گئے۔



جمعیت علماء پاکستان نے 1976 کے انتخابات میں بھی کامیابی حاصل کی، مگر پاکستان قومی اتحاد کی تحریک کے سبب یہ اسمبلیاں فعال نہ ہوسکیں اور 5 جولائی 1977 کو مارشل لا نافذ ہوگیا۔ 1985 کی غیر جماعتی بنیاد پر منتخب اسمبلیوں میں بھی جمعیت علماء پاکستان کی قومی اور سندھ اسمبلی میں مناسب تعداد موجود تھی۔ اس کے بعد کراچی میں ایم کیو ایم کا فیکٹر آیا، جمعیت علماء پاکستان اور جماعت اسلامی کو کراچی کی سیاست سے ایک طرح سے بے دخل کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایم کیو ایم کی تخلیق کے پیچھے غیبی قوتوں کی منصوبہ بندی کارفرما تھی تاکہ کراچی کی سیاست سے مذہبی قوتوں کا اثر ورسوخ ختم ہوجائے، اس کا نقصان یہ ہوا کہ کراچی، حیدر آباد وغیرہ قومی سیاست کے مرکزی دھارے سے کٹ کر رہ گئے۔ اس سے پہلے ملک میں برپا ہونے والی ہر سیاسی اور جمہوری تحریک میں کراچی کا قائدانہ کردار ہوتا تھا، اب اُسے ایک لسانی پارٹی کے حوالے کر دیا گیا اور شروعات ہی میں یکے بعد دیگرے اُسے پاکستان کی دیگر قومیتوں سے لڑا کر اس کے خمیر میں نفرت پیوست کر دی گئی۔ یہ کراچی، سندھ اور پورے پاکستان کے جسدِ ملّی کے لیے سیاسی نقصان کا باعث بنا اور اس کے نتیجے میں کراچی کو تعلیم ومعیشت سمیت مختلف شعبوں میں کئی جہتوں سے بے پناہ نقصان اٹھانا پڑا اور مستقبلِ قریب میں اُس کی تلافی آسان نہیں ہے۔ 2002 میں علامہ شاہ احمد نورانی کی قیادت میں دینی جماعتوں کے اتحاد پر مشتمل "متحدہ مجلس عمل" کی تشکیل ہوئی۔ علامہ شاہ احمد نورانی کی وجاہت سے اتحادِ مسالک کا ایک نمایاں تاثر پیدا ہوا اور ایم ایم اے کو 2002 کے انتخابات میں ناقابلِ تصور کامیابی نصیب ہوئی، لیکن بحیثیت جماعت، جمعیت علمائے پاکستان کو نقصان اٹھانا پڑا، کیونکہ دولت وثروت کے بل پر مسلک کو کنٹرول کرنے والے کراچی کے چند اہلِ ثروت نے اس اتحاد کے خلاف فتوے جاری کرائے، سرمائے کے بل پر اہلسنت کے ووٹ تقسیم کرائے اور اس کے نتیجے میں سب نقصان میں رہے، اس کے بعد اہلسنت قومی اور مقامی سیاست میں غیر مؤثر ہوکر رہ گئے۔ اہلسنت کے زوال کا اصل المیہ یہ تھا کہ رُشد وہدایت کے مراکز کو علمی معیار، تقویٰ وکردار اور قابلیت واہلیت کے بغیر موروثی بنا دیا گیا۔ تعلیم وتربیت جوان مراکز کا خاصہ تھا، وہ نہ صرف ختم ہوگیا بلکہ اس کے برعکس مسند نشینوں کے کردار کے سبب دین کو شدید نقصان پہنچا، علامہ اقبال نے اس درد کو اپنے اشعار میں سمویا:

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو، دہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں، سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انھیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

الفاظ کے معانی: سالوس: فریبی، چرب زبان، مہاجن: دولت مند اور ساہوکار، زاغ: کوا، گلیم: کملی، بوذر: فقیر منش صحابی حضرت ابوذر غفاری، دَلق: گدڑی

علامہ اقبال نے مزید کہا:

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذر و دَلقِ اُویس و چادرِ زہرا

ترجمہ: "یہ شیخ حرم ہی تو ہے جو حضرت ابوذر غفاری کی کملی، حضرت اویس قرنی کی گدڑی اور سیدہ فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ عنہم) کی مقدس چادر کو بھی بیچ کھاتا ہے"۔ کیونکہ جب طریقت وسلوک اور رشد وہدایت کے مراکز اور مسندیں علمی معیار اور اہلیت وقابلیت کے بغیر وِراثت بن جائیں، تو زوال نوشتۂ دیوار ہے۔ پھر سیاسی مَسندیں بھی وراثت میں منتقل ہونے لگیں اور زوال کا ایسا سفر شروع ہوا جو ختم ہونے میں نہیں آرہا۔

اس پسِ منظر میں مردِ درویش علامہ خادم حسین رضوی ایک رُجحان ساز کے طور پر منظر پر آئے، وہ اس میدان میں روایت شکن اور روایت ساز ثابت ہوئے۔ ان کے نام کے ساتھ صاحبزادہ، شہزادہ، پیرزادہ، حضرت زادہ اور میر زادہ کا کوئی سابقہ یا لاحقہ نہیں ہے، سووہ بارش کا پہلا چھینٹا اور روایت شکنی میں پہلی کرن کے طور پر نمودار ہوئے اور اہلسنت کے بکھرے ہوئے جذباتی نوجوان اُن کے اردگرد جمع ہونا شروع ہوگئے، انہیں امید کی کرن نظر آئی، یہاں انہیں تصنع، چمک دمک نہیں بلکہ فقر کی جھلک نظر آئی۔ میں اُن کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کبر وعُجب، رِیا، تعلّی، فریبِ نفس وشُرورِ نفس کے نفسیاتی عوارض اور بندگانِ اغراض کے مشوروں سے بھی محفوظ فرمائے، وہ حسد، نگاہِ بد اور شماتتِ اَعداء سے بچے رہیں۔ ماضی میں اپنی دیانتدارانہ سوچ کے باعث ہمیں اُن کے مقاصد سے نہیں بلکہ حکمتِ عملی سے اختلاف رائے رہا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں حکمت وتدبر کی نعمت سے نوازے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو متضاد صفات کا حامل بنایا ہے، انسان کے مزاج میں غضب وجلال بھی رکھا ہے اور اُسے عجز ونیاز کا پیکر بھی بنایا ہے، انسان کا کمال اس میں ہے کہ اس پر ہر وقت غضب وخُشونت کی کیفیت غالب نہ رہے۔ ہمارے لیے نمونۂ عمل ذاتِ پاک مصطفیٰ ﷺ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "(اے حبیبِ مکرم!) یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا فیضان ہی تو ہے کہ آپ اپنے اصحاب کے لیے نرم دل ہوگئے اور اگر (خدانخواستہ) آپ تُند خُو اور سخت دل ہوتے، تو وہ ضرور آپ کے اردگرد سے بکھر جاتے، سو اُن کے (قصور) معاف کر دیجیے، اُن کے لیے استغفار کیجیے اور (اہم) امور میں اُن سے مشورہ کیجیے، پھر جب آپ عزم کر لیں، تو (کامیابی) کے لیے اللہ پر توکل کیجیے، بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے، (آل عمران:168)"۔

اس آیت مبارکہ میں ایک قائد کے لیے رہنما اصول بیان کیے گئے ہیں اور میں علامہ خادم حسین رضوی سے گزارش کروں گا کہ اس آیت کا مطالعہ کریں اور اس کے اندر جو دلپذیری ہے، اُسے اپنے مزاج میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ ہمارے اکابر کا شِعار یہ تھا کہ وہ عام حالات میں اپنے عقیدت مندوں اور تلامذہ کے ساتھ گھُل مل کر رہتے، پیار کا برتاؤ کرتے، انہیں اپنے قریب کرتے، اُن کے اندر اعتماد کے ساتھ ساتھ اُن کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکالات کو رفع کرتے، انہیں قائل کر کے اپنی جانب مائل کرتے، ہمہ وقت جلال اُن کا مزاج نہیں تھا۔ البتہ موقع کے مطابق جلال بھی انسان کا وصفِ کمال اور مومن کی شان ہے، نبی ﷺ نے اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا: "(اللہ تعالیٰ نے) میری شخصیت میں ایسا رُعب، دبدبہ اور سطوت وشوکت رکھی ہے کہ دور سے بھی کسی کی نظر پڑ جائے تو وہ مرعوب ہوجاتا ہے"، حدیثِ پاک میں ہے:

"حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم اُس وقت مسئلۂ تقدیر پر بحث کر رہے تھے، آپ ﷺ غضب ناک ہوئے یہاں تک کہ آپ کا رُخ مبارک (فرطِ غضب سے) اس قدر سرخ ہوگیا کہ گویا آپ کے رخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں ان امور (میں بحث کرنے) کا حکم دیا گیا ہے، کیا میری بعثت کا مقصد یہ ہے؟، ان امور میں بحث کر کے تم سے پہلی قومیں بھی ہلاک ہوئیں، میں تمہیں قسم دلا کر کہتا ہوں کہ ان (حساس) امور میں بحث نہ کیا کرو، (سنن ترمذی:2133)"۔ مومن کے اَخلاقِ عالیہ میں جلال وجمال کے اسی حسین امتزاج کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ان کلمات میں بیان فرمایا ہے: "محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور اُن کے جو اصحاب ہیں، (وہ) کفار پر انتہائی سخت ہیں اور آپس میں (بے حد) نرم دل ہیں، (الفتح:29)"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے مسجدِ نبوی میں قبلے کی جانب بلغم لگا ہوا دیکھا، آپ ﷺ کو غصہ آیا یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا، پھر ایک انصاری عورت آئی، اُس نے اُسے رگڑ کر صاف کیا اور اس کی جگہ خوشبو لگا دی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا ہی اچھا کام کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ:762)"

Daily DUNYA, Saturday, November 18, 2017

کلماتِ سپاس

زاویۂ نظر

مفتی منیب الرحمٰن
muneeburrehman@dunya.com.pk
SMS:"MMC" (space) message & send to7575

"تعلیماتِ امام احمد رضا" اور "اعراسِ مبارکہ" کے عنوان سے ہمارے گزشتہ دو کالموں کو ہمارے اپنے فیس بک پیج پر اور مختلف ویب سائٹس پر اہلسنت وجماعت سمیت دیگر مکاتبِ فکر کے لوگوں نے لاکھوں کی تعداد میں پڑھا، بیشتر نے اِسے اپنے احباب کو بھی بھیجا، جسے آج کل Share کرنا کہتے ہیں۔ بڑی تعداد میں اہلِ علم اور دین سے محبت رکھنے والے حضرات نے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ، دیگر مکاتبِ فکر کے لیے اہلسنت وجماعت کے مسلک کی صحیح تعبیر چشم کشا ثابت ہوئی، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ علیٰ ذٰلک، یہی ہمارا مقصود ومدّعیٰ تھا۔ بہت سے لوگ ہمارے مسلک کو اصل مآخذ سے پڑھنے کی زحمت نہیں فرماتے اور سنی سنائی باتوں یا بعض جاہل پیروں اور واعظین کے طور طریقوں کو دیکھ کر رائے قائم کرکے اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں، فیض احمد فیض نے کہا تھا:

وہ بات، سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات، اُن کو بہت ناگوار گزری ہے

چراغ حسن حسرت نے ہمارے درد کو اس شعر میں بیان کیا تھا:

غیروں سے کہا تم نے ، غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا ، کچھ ہم سے سنا ہوتا

شاہد لطیف ملک صاحب نے بذریعہ ای میل خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "فوائد الفؤاد" کے حوالے سے لکھا ہے: "حضرت سجدہ تعظیمی کو ناپسند کرتے تھے ، لیکن اپنے شیخ کی اتباع میں معتقدین کو اس پر ٹوکتے نہیں تھے اور وہ کہتے تھے: "میں رسول اللہ ﷺ کی چوکھٹ کو بوسا دینے سے کیسے منع کروں"۔ اس کی بابت ہم امام احمد رضا قادری کے حوالے سے لکھ چکے ہیں: "مزار کو بوسا دینے میں علماء کا اختلاف ہے ، یعنی بعض اپنے دلائل سے جواز کے قائل ہیں ، لیکن عوام کے لیے محتاط ترین شرعی حکم یہی ہے کہ انہیں منع کیا جائے ، کیونکہ اس روش کی انتہا سجدۂ تعظیمی پر ہوتی ہے"۔

پس مقاصدِ شرعیہ میں سے ایک "سَدِّ ذرائع" ہے اور آج جب ہم اپنے دور میں ابتذال کو دیکھتے ہیں تو اس کی حکمت واہمیت ہمیں آفتابِ نصف النہار کی طرح روشن نظر آتی ہے۔ مزار کی چوکھٹ کو بوسا دینے سے امام اہلسنت نے منع نہیں فرمایا، کیونکہ اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ لیکن روضۂ رسول کی جالیوں یا چوکھٹ کو بوسا دینے سے منع فرمانے کی حکمت اس کا حرام، مکروہِ تحریمی یا بدعت ہونا نہیں بتایا، بلکہ اسے انہوں نے آدابِ بارگاہِ نبوت کے خلاف کہا ہے ، کیونکہ وصال مبارک کے بعد بھی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کے وہی آداب ہیں ، جو آپ کی حیاتِ مبارکہ میں تھے اور اس کی بابت ہم گزشتہ کالم میں لکھ چکے ہیں۔ ہم بے شعور بچے یا نابینا یا فاتر العقل کو آگ یا تیز چھری یا گہرے گڑھے کے قریب جانے سے اس لیے نہیں روکتے کہ اس جگہ جانا منع ہے ، بلکہ اس لیے روکتے ہیں کہ یہ لوگ آگ میں جل سکتے ہیں ، کسی تیز دھار آلے سے کٹ سکتے ہیں یا بے احتیاطی سے گہرے گڑھے میں گر سکتے ہیں۔ پس جہالت کی آگ یا گہرے گڑھے میں گرنے سے بچانا علمائے ربانیین کی ذمے داری ہے اور شریعت کا تقاضا ہے ، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کی بعثت کا ایک مقصدِ جلیل یہی تو بتایا ہے: "اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر فرمائی ، جب کہ تم باہم دشمن تھے (اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے) ، پس اس (نعمتِ عظمیٰ) نے تمہارے (ٹوٹے ہوئے) دلوں کو جوڑ دیا ، سو تم اس کی نعمت کے تصدّق (آپس میں) بھائی بھائی بن گئے اور (ذرا یاد کرو) تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے (اور اس میں گرا ہی چاہتے تھے) کہ اس نے تمہیں (اس میں گرنے سے) بچالیا ، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیوں کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ ، (آل عمران: ۱۰۳)"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میری اور لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے ، جس نے آگ جلائی ، پس جب آگ نے اردگرد روشن کردیا تو آگ پر گرنے والے پروانے اور کیڑے مکوڑے اس میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا اس میں سے انہیں نکالنے لگا اور وہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس پر غالب آگئے اور وہ آگ میں داخل ہوگئے۔ پس میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے نکال رہا ہوں اور وہ اس آگ میں گرے جارہے ہیں ، امام مسلم نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: "میں تمہاری کمر پکڑ کر تم کو جہنم میں جانے سے روک رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں: (آگ سے بچو اور) جہنم سے دور ہو جاؤ اور تم لوگ میری بات نہ مان کر جہنم میں گرے جارہے ہو ، (بخاری: 6483 ، مسلم: 2284)"۔

بعض لوگ "سجدۂ تعظیمی" کے حوالے سے فرشتوں کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین کریمین اور برادران کے انہیں سجدہ کرنے کا حوالہ دیتے ہیں۔ اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ گزشتہ شریعتوں کی جو بات ہماری شریعت کے خلاف ہو ، اسے ہم اختیار نہیں کریں گے۔ ہمارے نزدیک سجدۂ تحیت حضرت آدم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے ساتھ خاص تھا اور بعض مفسرین کرام نے یہ توجیہ کی ہے کہ انہیں مسجود مان کر سجدے کا حکم نہیں دیا گیا ، بلکہ کعبۃ اللہ کی طرح ان کی حیثیت جہتِ سجدہ کی تھی۔ لیکن دوٹوک بات یہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں سجدۂ تعظیمی جائز نہیں ہے ، بعض لوگ ایسے امور میں بعض بزرگوں کے تفرّدات کا حوالہ دیتے ہیں ، ہم شریعت کے مقابل ان تفرّدات کو نہ اختیار کریں گے اور نہ ان کی حوصلہ افزائی کریں گے ، البتہ چونکہ وہ صاحبانِ علم تھے ، اس لیے ان کے بارے میں سکوت اختیار کریں گے۔ "فوائد الفؤاد" میں شیخ ابوسعید ابوالخیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے زمین پر بوسا دینا پسند نہیں فرمایا ، (ص: 216)"۔

حضرت شیخ المشائخ سید اشرف جہانگیر سمنانی کے ملفوظات میں ہے: ترجمہ: "مشائخِ کرام کے سامنے پیشانی زمین پر رکھنے کو بعض مشائخ نے جائز قرار دیا ، لیکن اکثر مشائخ نے اس کا انکار کیا ہے اور اپنے اصحاب کو اس سے منع فرمایا کہ سجدۂ تحیت پہلی امتوں میں جائز تھا ، اس امت میں منسوخ ہے ، (لطائف اشرفیہ ، لطیفہ: 70)"۔ امام احمد رضا لکھتے ہیں: "جب جمہور اولیاء ممانعت پر ہیں اور اکثر کے لیے حکمِ کُل تو اجماعِ اولیاء تحریم پر ہوا ، اجماع کے مقابل کوئی سند معتبر نہیں ہے ، (فتاویٰ رضویہ ، ج: 22 ، ص: 491)"۔

الحمد للہ! ملک اور بیرونِ ملک سے چالیس سے زائد اکابر علمائے کرام ومشائخِ عظام کی تصدیقات وتائیدات کے ساتھ ہماری کتاب "اصلاحِ عقائد واعمال" طبع ہوچکی ہے اور اس کی بہت پذیرائی ہورہی ہے ، ابھی بعض دیگر مسائل پر بھی اہلسنت کا مسلّمہ موقف بیان کرنا ہے ، ان شاء اللہ العزیز اگلی جلد بھی یقیناً آئے گی۔ جن کے مفادات پر زَد پڑتی ہے ، ان کا بے چین ہونا لازم ہے ، اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ، ہم نے "اصلاحِ عقائد واعمال" میں انہی امور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بعض لوگ گزشتہ مسلّم بزرگ شخصیات کی عبارات پر گرفت کرنے کے شوق میں مبتلا ہیں ، انہیں ان عبارات کے مرادی معنی پر آگاہی نہیں ہوتی۔ ایسی عبارات کے بارے میں حُسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے شریعت کی رُو سے ان کی قابلِ قبول توجیہ کرنا لازم ہے۔ پس مسلّمہ بزرگ شخصیات کی ذات پر بلاسبب طعن کرنا ناپسندیدہ ہے اور اگر بالفرض ان کی عبارات کی کوئی صحیح تاویل ممکن نہ ہو تو اسے اُن کی طرف منسوب کرنے کی بجائے بعد والوں کا الحاق قرار دیا جائے گا اور ملفوظات کی ذمے داری ناقل پر عائد ہوتی ہے۔

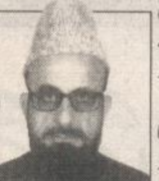
فتاویٰ امجدیہ میں حضرت علامہ امجد علی اعظمی نے مولانا آسی کے ایک شعر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم کے کلام کو غیر عالم کے کلام پر قیاس نہ کیا جائے ، وہ لکھتے ہیں: "یہ شعر کسی بے باک زبان دراز کا کلام نہیں ، جس کی عادت ایسی ہو کہ جو جی میں آئے بک دے ، بلکہ ایک واقفِ شریعت کی طرف منسوب ہے ، لہٰذا حتی الامکان اُس کی تاویل کی جائے گی اور کلام کو ظاہر پر محمول نہیں کیا جائے گا ، (فتاویٰ امجدیہ ، جلد چہارم ، ص: 279)"۔ امام احمد رضا خان قادری نے عام ، گمنام اور بے ہودہ لوگوں کے اشعار کے مطالب پوچھنے پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں لکھا: "ایسے اشعار کا مطلب اُس وقت پوچھا جاتا ہے ، جب معلوم ہو کہ قائل کوئی معتبر شخص تھا ، ورنہ بے معنی لوگوں کے ہذیان ہرگز قابلِ التفات نہیں ہیں ، (فتاویٰ رضویہ ، ج: 29 ، ص: 67)"۔

امریکا اور اہلِ مغرب نے ماضی قریب میں اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کے فریضے سے علمائے حق کو دستبردار کرنے اور "سب کچھ جائز ہے" کی روش کو قبولیت دینے کے لیے تصوف کی آڑ میں ایک شعوری تحریک برپا کی ، اِسی کو "صُلحِ کُلّی" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس کا مقصد گزشتہ تین عشروں سے جاری دہشت گردی کی آڑ لے کر مسلمانوں کو جہاد کے اصول سے دستبردار کرنا تھا۔ ہم نے روزِ اول سے ان باطل تحریکات کی برملا مخالفت کی ہے ، لیکن شرعی جہاد ہمارے عقیدے اور دین کا حصہ ہے ، اُس کی تفصیلی شرائط فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہ اصول بھی ناقابلِ تسلیم ہے کہ صرف وہ یہودی اور عیسائی کافر تھے ، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں آپ کی دعوت پر لبیک نہیں کہا ، بعد والے یہود ونصاریٰ کافر نہیں ، یہ بھی تلبیسِ ابلیس ہے۔ اسی طرح عالمی سطح پر یہ تقسیم کہ مطلق کفار ومشرکین ایک زُمرے میں ہیں ، یعنی وہ Non Believers ہیں ، جبکہ اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ Believers ہیں ، یعنی اہلِ ایمان کے زُمرے میں شامل ہیں۔ یہ تعبیر وتشریح قرآنِ مجید کی صریح اور قطعی آیات کے خلاف ہے ، اس لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔ قرآنِ کریم کی "سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ: 1 و6 ، المائدۃ: 73-72" میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے مقابل اہلِ کتاب کو کافر قرار دیا ہے ، ظاہر ہے جو ختم المرسلین ﷺ اور قرآن کا انکار کرے ، اُسے کیسے صاحبِ ایمان قرار دیا جاسکتا ہے ، یہی امت کا اجماعی عقیدہ ہے ، (اصلاحِ عقائد واعمال ، ص: 36-35)"۔

Daily DUNYA ,Monday,December 18, 2017

صاحبزادہ ڈاکٹر نورالحق قادری

گزشتہ دنوں اخبارات سے معلوم ہوا کہ ہمارے ممدوح جناب صاحبزادہ ڈاکٹر نورالحق قادری صاحب نے پی ٹی آئی میں شمولیت اختیار کی ہے۔ جناب عمران خان اپنے تمام تر محاسن کے باوجود سیاسی مخالفین کے لیے دشنام اور تحقیر و توہین کے چیمپئن ہیں، وہ اپنی خوبیوں سے زیادہ اپنے مخالفین کی خامیوں پر جینا پسند کرتے ہیں۔ اس کے برعکس صاحبزادہ ڈاکٹر نورالحق قادری ان کی ضد ہیں۔ یقیناً صاحبزادہ صاحب نے یہ فیصلہ اپنے حالات اور مقامی تقاضوں کے مطابق کیا ہوگا، ہم بہر صورت ان کی کامیابی کے لیے دعا گو ہیں، ایسے لوگ جہاں بھی ہوں، اَقدار کے زوال کے اس عہد میں ان کا دم غنیمت ہے۔ صاحبزادہ نورالحق قادری اپنی افتادِ طبع کے اعتبار سے ایک متواضع، متوازن، متین، خلیق اور وجیہ شخص ہیں، صاحبِ علم ہیں اور لنڈی کوتل خیبر ایجنسی کے ایک علمی و روحانی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں، ان کے والد ماجد جناب شیخ عبدالعزیز عرف شیخ گل صاحب قادری سلسلے کے شیخ طریقت ہیں، یہ سب لوگ متشرع، متدیّن اور صالح لوگ ہیں، ان کا قبائلی علاقے میں وسیع حلقۂ ارادت ہے، ان کا تعلق شنواری قبیلے سے ہے، جو پاک افغان سرحد کے دونوں طرف آباد ہے۔ وہ دو بار قومی اسمبلی کے رُکن اور زکوٰۃ و عشر کے وفاقی وزیر بھی رہ چکے ہیں۔ لیکن ان کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں ہے، ان کی زبان سے کبھی تہذیب و اخلاق سے گرا ہوا لفظ نہیں سنا، وضع داری اور دلداری ان کی فطرتِ ثانیہ ہے۔ ان کے برادرِ بزرگ صاحبزادہ عبدالمالک قادری بھی سینیٹر رہ چکے ہیں۔ سیاسی و دینی حلقوں میں یہ حضرات عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، یہ لوگ عربی کے اس مقولے کا مصداق ہیں: "مَنْ وَقَّرَ وُقِّرَ"، جس نے دوسروں کی عزت کی، اُس نے خود اپنے لیے عزت کمائی۔



یہ علمی و روحانی خاندان دینی مدارس کا ایک نیٹ ورک بھی چلا رہا ہے، جمرود روڈ پشاور میں "دارالعلوم جُنیدیہ غفوریہ" کے نام سے ان کا وقیع علمی ادارہ ہے اور خیبر ایجنسی میں اس کی متعدد شاخیں ہیں، ان اداروں کی مالی کفالت یہ اپنے خاندان اور قریبی مخلصین کے تعاون سے کرتے ہیں۔ اسلام اور پاکستان کے لیے ان کی قربانیاں بھی بیش بہا ہیں، دہشت گردوں نے ان کے خاندان کے چار قریب ترین ذی علم افراد کو شہید کیا، یہ لوگ منگل باغ گروپ کی دہشت گردی کا نشانہ بنے، ان میں ان کے عالم و فاضل چچا علامہ حافظ عبدالعظیم صاحب اور بھائی علامہ نورالدین صاحب بھی شہید ہوئے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، علامہ نورالدین صاحب اپنے جامعہ میں شیخ الحدیث اور حیات آباد پشاور کی انتہائی عالی شان "جامع مسجد زرعون" میں خطابت فرماتے تھے اور پشتو کے بہترین خطیب تھے۔ منگل باغ مولوی فضل اللہ کا اتحادی ہے اور آج کل افغان حکومت کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہو رہا ہے، وہ پاکستان میں تخریب کاری کے منصوبہ ساز لوگوں میں شامل ہے۔ قبائلی علاقہ جات کو فاٹا یعنی وفاق کے زیرِ انتظام قبائلی علاقہ کہا جاتا ہے، آج کل فاٹا کا مستقبل زیرِ بحث ہے، اکثر بڑی سیاسی جماعتیں اسے صوبۂ خیبر پختونخوا میں ضم کرنے کے حق میں ہیں، جبکہ مولانا فضل الرحمٰن اور جناب محمود خان اچکزئی اسے الگ صوبہ بنانے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور معاملے کو طول دینے کے لیے قبائلی علاقہ جات میں ریفرنڈم کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہاں کے عوام کی رائے معلوم کی جائے۔ وفاقی حکومت اس وقت کمزور پوزیشن میں ہے، اس لیے وہ قوتِ فیصلہ سے محروم ہے، ابتلاء کے دور میں اپنے ان دو قریبی اتحادیوں سے محروم ہونے کا خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ الغرض جب تک قبائلی علاقہ جات کے مستقبل کا فیصلہ نہیں ہو جاتا، وہاں کے منتخب سینیٹرز اور ارکان قومی اسمبلی کو اپنے انتخابی حلقوں کے عوام کی خدمت کے لیے ترقیاتی منصوبے بنانے اور ترقیاتی فنڈ لینے کی خاطر وفاق پر انحصار کرنا پڑتا ہے، کیونکہ یہ علاقے براہِ راست صدرِ پاکستان کے زیرِ انتظام ہیں اور وہ خیبر پختونخوا کے گورنر کے توسط سے ان اختیارات کو استعمال کرتے ہیں، لیکن حقیقی اختیارات بیوروکریسی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ ضربِ عضب اور ردالفساد آپریشنز کے سبب عملی طور پر یہ علاقے فوج کے کنٹرول میں ہیں اور بڑے ترقیاتی کام فوج ہی کرا رہی ہے، لہٰذا تقسیمِ اختیارات اور تفویضِ اختیارات کے معاملات غیر واضح ہیں۔

صاحبزادہ ڈاکٹر نورالحق قادری کو کالم کا عنوان بنانے سے میرا مقصد یہ تھا کہ ان جیسی باکردار اور وضع دار شخصیات کی پی ٹی آئی میں شمولیت سے امید کی ایک کرن نمودار ہوتی ہے کہ شاید اس سے پارٹی کی مجموعی اخلاقی فضا پر مثبت اثرات رونما ہوں، کیونکہ اسلام میں صحبتِ صالح کی بڑی برکات بیان کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! اللہ سے تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں سے جڑے رہو، (توبہ:119)"۔ مفسرینِ کرام نے بتایا کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے تقویٰ کی سعادت نصیب ہو جائے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے اپنی زندگی کا مستقل حصہ بنائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرے تاکہ تقویٰ کی کیفیت نفس میں راسخ ہو جائے اور زائل ہونے سے بچ جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "(پختہ رنگ) اللہ کا رنگ ہے اور اللہ سے بہتر اپنے رنگ میں ڈھالنے والا اور کون ہو سکتا ہے، (بقرہ:138)"۔ صحبت کی برکت اور فیضان کو اس طویل حدیث میں بیان کیا گیا ہے:

"حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرشتے راستوں میں گھومتے رہتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈتے رہتے ہیں، پھر جب وہ کچھ لوگوں کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو (ایک دوسرے کو) آواز دیتے ہیں: ادھر آؤ، تمہارا گوہرِ مقصود یہاں ہے۔ پھر فرشتے اپنے پروں سے ان لوگوں کو آسمانِ دنیا تک گھیر لیتے ہیں، اُن کا رب اُن سے سوال کرتا ہے، حالانکہ وہ (حقیقت کو) ان سے زیادہ جاننے والا ہے، میرے بندے کیا کہہ رہے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: "وہ تیری تسبیح کرتے تھے، تیری کبریائی کا اقرار کرتے تھے، تیری حمد کرتے تھے اور تیری تعظیم کرتے تھے"۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟"، فرشتے عرض کرتے ہیں: "نہیں! اللہ کی قسم انہوں نے تیری ذاتِ جلالت کو نہیں دیکھا"، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو پھر ان کے ذوقِ عبادت کا عالم کیا ہوتا؟، فرشتے عرض کرتے ہیں: (اے اللہ!) اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو اس سے (بدرجہا) زائد تیری عبادت کرتے، تیری بزرگی بیان کرتے اور تیری تسبیح پڑھتے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کر رہے تھے؟"، فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ تیری حمد بیان کر رہے تھے اور تجھ سے جنت کا سوال کر رہے تھے"، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟"، فرشتے عرض کرتے ہیں: اے میرے رب! اللہ کی قسم! انہوں نے جنت کو (ہرگز) نہیں دیکھا"، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو پھر ان کے طلب کا عالم کیا ہوتا؟، فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو پھر ان کا جنت کا اشتیاق بے انتہا ہوتا اور ان کے طلب کی کوئی حد نہ ہوتی اور ان (کے طلبِ جنت) کا عالم دیدنی ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ طلب کر رہے تھے؟، فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ دوزخ سے پناہ طلب کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟، فرشتے عرض کرتے ہیں: اللہ کی قسم! انہوں نے دوزخ کو ہرگز نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو پھر کیا ہوتا؟، فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو اور زیادہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے اور بے انتہا خوف زدہ ہوتے، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا ہے۔ پھر اُن میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: (اے اللہ!) ان ذاکرین میں ایک بندہ ایسا بھی تھا جو ان میں سے نہیں تھا، وہ تو کسی کام سے (اتفاقاً) آیا تھا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ان (مبارک) مجلسوں والے ایسے (مردانِ باکمال) ہیں کہ جو (کسی بھی سبب سے) ان کا ہمنشیں ہو جائے، پھر وہ نامراد نہیں رہتا، (صحیح البخاری:6408)"۔

شیخ سعدی شیرازی نے کہا ہے:

گِلے خوش بوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بہ دستم
بدو گفتم کہ مشکے یا عبیرے
کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گِلے ناچیز بُودم
و لیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ: "ایک دن حمام میں، محبوب کے ہاتھ سے مجھ تک ایک خوشبودار مٹی پہنچی، میں نے اس سے کہا: تو مشک ہے یا عبیر (دونوں اعلیٰ قسم کی خوشبوئیں ہیں)؟، کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مَیں مست ہوا جاتا ہوں، اس نے کہا: میں تو ناچیز مٹی تھی، لیکن ایک عرصے تک خوشبودار پھول کے ساتھ جڑی رہی ہوں، پس ہمنشیں (پھول) کے جمال نے مجھ میں بھی اثر کر دیا ہے، وگرنہ (اپنی حقیقت کے اعتبار سے تو) میں وہی ناچیز مٹی ہوں"۔ انہوں نے مزید کہا:

پسرِ نوح با بداں بنشست
خاندانِ نبوتش گم کرد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت، مردم شد

ترجمہ: حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بُروں کی صحبت اختیار کی، تو خاندانِ نبوت (کی نسبتِ پاک کے اعزاز) سے محروم ہو گیا، (اس کے برعکس) اصحابِ کہف کا کتا چند دن نیکوں کے قدموں میں پڑا رہا تو باکمال بن گیا"۔ عرب شاعر نے کہا ہے:

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحا

ترجمہ: "میں صالحین سے محبت کرتا ہوں، حالانکہ میں اُن میں سے نہیں ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی اُن جیسا بنا دے"۔ پس قحط الرجال اور تنزّل کے اس دور میں ہمارے ممدوح صاحبزادہ ڈاکٹر نورالحق قادری جناب محسن لطیفی کے اس شعر کا مصداق ہیں:

جن سے مل کر زندگی سے پیار ہو جائے، وہ لوگ
تم نے دیکھے نہیں، مگر ایسے بھی ہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارا حسنِ ظن حقیقت میں بدل جائے، سو پی ٹی آئی اور جناب عمران خان کو اس پاکیزہ کردار انسان کی رفاقت مبارک ہو۔

Daily DUNYA, Monday, November, 13,2017



اَعراسِ مبارکہ



مفتی منیب الرحمٰن
muneeburrehman@dunya.com.pk
SMS:"MMC" (space) message & send to7575

عرس کا لفظ اس حدیثِ پاک سے ماخوذ ہے: "(قبر میں سوال وجواب کے مرحلے سے گزر کر جو مومن سرخرو ہوگا، اس کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:)، پھر اُس کی قبر کو ستر ذراع تک کشادہ کردیا جائے گا، قبر اس کے لیے روشن کردی جائے گی اور اس سے کہا جائے گا: سوجاؤ، وہ (نور وسرور کے اس ماحول میں) کہے گا: میں اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہتا ہوں تا کہ انہیں اپنا حال بتاؤں، منکر نکیر کہیں گے: دُلہن کی طرح (سکون کے ساتھ) سوجا کہ (شب عروسی میں) خاندان میں اس کے محبوب ترین فرد (شوہر) کے سوا کوئی اُسے نہیں جگاتا، (وہ اسی طرح پُرسکون رہے گا) یہاں تک کہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اُسے قبر سے اٹھائے گا، (ترمذی:1071)"۔ چونکہ اللہ کے ولی کے بارے میں حسنِ عاقبت کا ہمیں ظنِ غالب ہوتا ہے، اس لیے ان کی یاد کے لیے جو محفل منعقد کی جاتی ہے، اُسے "عُرس" کہتے ہیں، شبِ زفاف کو شبِ عروسی کہا جاتا ہے۔ قطعی طور پر کسی کے جنتی ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اس کے بتانے سے اس کے رسولِ مکرم ﷺ جانتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابۂ کرام کو جنتی ہونے کی بشارتیں دیں، ان کا ذکر احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

ہمارے ہاں اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کے ایامِ وصال پر اَعراس منعقد کیے جاتے ہیں، ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اُن کی سیرتِ طیبہ بیان کی جائے تا کہ لوگ اس کی پیروی کریں اور انہیں اپنا مُقتدیٰ اور مشعلِ راہ بنائیں۔ جو حضرات اعراس کو بدعت قرار دیتے تھے، انہیں بھی اس بات کا ادراک ہوگیا ہے کہ اپنے اکابر کے تذکرے لوگوں کے ذہنوں میں تازہ رکھنے چاہئیں، چنانچہ اپنے اکابر کے ایامِ وفات کے موقع پر اخبارات وجرائد میں مضامین لکھتے ہیں، ان کی یاد میں کنونشن اور کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں، جیسے مفتی محمود کنونشن، شیخ الہند کانفرنس، دارالعلوم دیوبند کا ڈیڑھ سو سالہ جشن، دارالعلوم کراچی کا پچاس سالہ جشن، وغیرہ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کنونشن اور کانفرنس کی اصطلاح مغرب سے آئی ہے، جبکہ عرس کی اصطلاح حدیثِ پاک سے ماخوذ ہے۔ اہلسنت بھی ان مجالس کو واجب یا سنت قرار نہیں دیتے، بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندوں کا ذکر پسند ہے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: "اور ان کو اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ، (ابراہیم:5)"، مفسرین کرام نے لکھا ہے: "اَیّامُ اللہ" سے مراد وہ دن ہیں، جن میں گزشتہ امتوں بالخصوص بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نازل ہوئیں اور ربِ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں، جیسے مَن وسلویٰ کا نزول، پتھر سے بارہ چشموں کا پھوٹنا، سمندر کا بنی اسرائیل کے لیے پھٹنا، بادلوں کا سایہ کرنا اور دیگر آیاتِ الٰہیہ۔ لہٰذا جن ایام میں اللہ کی یاد تازہ ہوجائے، وہ سب ایام اللہ ہیں۔ حدیثِ پاک میں اولیائے کرام کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے: "جب ان پر نظر پڑے تو اللہ یاد آجائے، (مسند احمد:27601)"۔

تصوُّف روح وقلب کی پاکیزگی وبالیدگی سے عبارت ہے، اسی کو قرآن وحدیث میں "تزکیہ" سے تعبیر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (۱) "بے شک جس نے اپنا باطن صاف کرلیا، وہ کامیاب ہوگیا، پھر اپنے رب کو یاد کیا اور نماز پڑھتا رہا، (الاعلیٰ:14-15)"۔ (۲) "کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پارسائی کا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے پاک فرماتا ہے، (النساء:49)"۔ (۳) "سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو، اللہ متقین کو خوب جانتا ہے، (النجم:32)"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! تو میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر اور اُسے پاک فرما، کیونکہ تو ہی (نفوس کو) بہتر پاک فرمانے والا ہے، (صحیح مسلم:2722)"۔ الغرض تصوُّف اسی تزکیہ، عرفان اور احسان کا نام ہے اور یہ شریعت کے مقابل نہیں بلکہ تابعِ شریعت ہے، امام احمد رضا قادری رَحِمَہُ اللّٰہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"شریعت اصل ہے اور طریقت اُس کی فرع، شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا، طریقت کی جدائی شریعت سے محال ودشوار ہے، شریعت ہی پر طریقت کا دَار ومَدَار ہے، شریعت ہی اصل کار اور مِحَکّ ومعیار ہے، شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا، اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور پڑے گا، طریقت اس راہ کا روشن ٹکڑا ہے، اس کا شریعت سے جدا ہونا محال ہے۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے، شریعتِ مُطہرہ ہی کی اِتباع کا صدقہ ہے، جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے، وہ حقیقت نہیں، بے دینی اور زندقہ ہے۔ آپ سے پوچھا گیا: ایک شخص شریعت کا عامل نہیں بلکہ اَحکامِ شریعت کا تارک ہے، اُس کا مُواخذہ کیا جائے تو کہتا ہے: "اَحکامِ شریعت تو "وصول الی اللہ" کا ذریعہ ہیں اور میں تو واصل ہوچکا ہوں، یعنی منزلِ حق پر پہنچ چکا ہوں، لہٰذا میں اب اَحکام کا مُکلَّف (پابند) نہیں ہوں۔ اُنہوں نے امام الصوفیہ حضرت عبدالوہاب شعرانی اور سیِّدُ الطائفہ جنید بغدادی رحمہما اللّٰہ تعالیٰ کے حوالے سے بتایا: ہاں! واصل (پہنچا ہوا) تو ضرور ہے، مگر جہنم میں۔ مزید لکھتے ہیں: "صوفیہ کرام فرماتے ہیں: بے علم صوفی شیطان کا مسخرہ ہے، وہ جانتا ہی نہیں کہ شیطان نے اُسے اپنی راہ پر لگا رکھا ہے"۔

ہمارے ہاں سال میں شاید ایک دن بھی ایسا نہ آتا ہو کہ کہیں نہ کہیں کسی بزرگ کا عرس نہ منایا جارہا ہو، لیکن بیشتر اعراسِ مبارکہ اپنے مقصد سے دور ہیں اور بعض صورتوں میں مقصد کی ضد ہیں۔ بیشتر مزارات کے سجادہ نشین اپنے بزرگوں کی تعلیمات کے برعکس نظر آئیں گے، باطن کا حال تو اللہ جانے، ظاہر بھی شریعت کے مطابق نہیں ہوتا۔ پیشہ ور واعظین، نقیب اور نعت خواں ان کی شان بیان کرنے میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہیں، تعریف میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں، ان کا کام بس نذرانے کے عنوان سے فیس لے کر مارکیٹنگ کرنا، جوہرِ خطابت کے ذریعے لوگوں کو سحرِ عقیدت میں مبتلا کرنا اور ذہنی سرور عطا کرنا ہوتا ہے۔ نہ وہاں دینی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام ہوتا ہے، نہ ہی بدعات ومنکرات اور خرافات پر روک ٹوک ہوتی ہے، بس ایک آوارگی اور بے راہ روی کا سماں ہوتا ہے۔ اور تو چھوڑیے! نہ نماز کی تلقین کی جاتی ہے اور نہ سادہ لوح لوگوں کو نماز سکھائی جاتی ہے، نہ دین کے دوسرے ضروری مسائل بتائے جاتے ہیں۔ کیونکہ صاحب سجادہ کو یہ باتیں مطلوب ہی نہیں ہیں، اس لیے کہ لوگوں کے ذہنوں پر جو عقیدتِ جاہلانہ کے پردے پڑے ہوئے ہیں، اگر وہ اٹھ گئے، تو پھر لوگ صاحب سجادہ کو بھی شریعت کے معیار پر پرکھیں گے اور آئینۂ عقیدت ریزہ ریزہ ہوکر رہ جائے گا۔

پس لازم ہے کہ اَعراسِ مبارکہ کے مواقع پر دور دراز سے آئے ہوئے لوگوں کی دینی تربیت کا اہتمام ہو، اُن کے حلقے بنائے جائیں اور اہلِ علم انہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مسائل سہل اور احسن انداز میں سکھائیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد سے آگاہ کریں۔ مزارات پر حاضری اور بزرگانِ دین کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ پڑھنے کے آداب بتائے جائیں، مزارات کے طواف سے منع کریں اور بتائیں کہ غیر اللہ کے لیے سجدۂ عبادت شرک ہے اور شریعتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مزار یا غیر اللہ کے آگے سجدۂ تعظیمی حرام ہے۔ امام احمد رضا قادری سے مزارات کو بوسہ دینے کی بابت سوال ہوا، تو آپ نے لکھا: "اس کے جواز اور عدمِ جواز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، لیکن عوام کے لیے شرعی احتیاط اسی میں ہے کہ انہیں منع کیا جائے"۔ اسی طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ بزرگانِ دین کے ایصالِ ثواب کے لیے جو کھانا یا اشیاء دی جائیں، وہ مزار پر ہی جاکر دی جائیں، آپ جہاں کہیں بھی ہوں، ان کے لیے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرسکتے ہیں۔

امام احمد رضا قادری سے سوال ہوا: "ایک خاتون ہر سال گیارہویں شریف کی نیاز کرتی ہیں اور ڈیڑھ من چاول پکا کر غوث الاعظم کی ایصالِ ثواب کے لیے تقسیم کرتی ہیں، فلاں جگہ ایک دینی مدرسے میں مستحق طلبہ ہیں، اگر یہ رقم اُن پر خرچ کردی جائے تو کیا گیارہویں شریف کی نیاز ہو جائے گی؟"۔ آپ نے جواب دیا: "تم گیارہویں شریف کی نیاز کے جواز کی بات کرتے ہو، گیارہویں بھی ہوجائے گی اور چودہ سو گنا زیادہ اجر ملے گا، کیونکہ یہ صدقہ جاریہ ہوگا"۔ نوٹ: یہاں نیاز سے نذرِ شرعی مراد نہیں ہے، ایسی نذر صرف اللہ کے نام پر جائز ہے، یہاں نیاز عرفی معنی میں ہے: یعنی بزرگانِ دین کے لیے ایصالِ ثواب کرنا۔ مزار کے احترام کے لیے ایک چادر کافی ہے، مزید چادریں اسراف ہے، علماء نے غلافِ کعبہ پر قیاس کرتے ہوئے مزار پر چادر کے جواز کی بات کی ہے اور غلافِ کعبہ ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، یہ نہیں کہ ہر کوئی اپنی طرف سے کعبۃ اللہ کو ایک غلاف چڑھادے۔ اس سے بہتر ہے کہ صاحبِ مزار کے ایصالِ ثواب کے لیے ضرورت مندوں کو لباس فراہم کیا جائے اور عزتِ نفس رکھنے والے غریبوں کو تلاش کرکے ان کے گھروں میں اشیائے ضرورت پہنچائی جائیں۔

علماء کو اَعراس کی ایسی تقریبات میں شرکت نہیں کرنی چاہیے، جہاں دھمال اور رقص ہو، مرد وزن کا مخلوط اجتماع ہو، مزار کے قرب وجوار میں چرس، ہیروئن اور افیون کے نشے باز لوگوں کے ٹھکانے ہوں۔ بعض مزارات پر عام طور پر ایسے لوگوں کا جم گھٹا لگا رہتا ہے، لیکن وہ بندگانِ اغراض مزار سے متصل مسجد کی باجماعت نماز میں نظر نہیں آئیں گے، اِلّا مَاشَاءَ اللّٰہ، یہ اولیائے کرام سے عقیدت کا کیسا مظہر ہے؟۔ اسی طرح جہاں رات گیارہ بجے سے اذانِ فجر تک محافلِ نعت چل رہی ہوں، لیکن یہ خود ساختہ عشقِ رسول کے دعویدار نہ نمازِ عشاء اور نہ نمازِ فجر میں نظر آتے ہیں، یہ کیسا عشقِ رسول ہے؟۔ عشقِ رسول تو اطاعتِ رسول پر آمادہ کرتا ہے اور اس کا حصول اتباعِ رسول کے جادۂ مستقیم پر چل کر ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل پیشہ ور واعظین اپنے سادہ لوح سامعین کے سامنے عقیدے اور عمل کا اس انداز سے تقابل کرتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ بے توقیر اور بے مایا معلوم ہوتے ہیں۔ عقیدہ وایمان تو جوہر ہے، اساس ہے، منبع ہے اور اعمالِ صالحہ اس کی فرع، شاخیں اور ثمرات ہیں۔ ذرا سوچیے! آپ کو شجرِ ثمردار اور سایہ دار اچھا لگے گا یا بے ثمر وبے سایہ، پس شجرِ ایمان کے اثمار اور برگ وبار اعمالِ صالحہ ہی تو ہیں، اسی لیے قرآنِ مجید میں سینکڑوں مقامات پر ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ذکر ایک ساتھ فرمایا گیا ہے۔

Daily DUNYA, Monday, November 6, 2017

زاویۂ نظر

مفتی منیب الرحمٰن
muneeburrehman@dunya.com.pk
SMS:"MMC" (space) message & send to7575

متفرقات

اردو زبان: جناب عبداللہ طارق سہیل نے درست لکھا ہے کہ جو مہارت، قرینۂ اظہار اور بے ساختہ پن اہلِ زبان کے کلام میں ہوتا ہے، وہ دوسروں کے حصے میں کیسے آسکتا ہے، کیونکہ علمی زبان میں ایک گونہ تکلف جبکہ مادری زبان کے اظہار میں بے ساختہ پن ہوتا ہے اور دونوں کی تاثیر میں فرق لازمی ہے۔ برصغیر کی تقسیم سے قبل دہلی، لکھنؤ اور حیدر آباد دکن کے لہجے اور محاورے میں اختلاف کی بازگشت سنائی دیتی رہی ہے۔ لیکن اگر حقیقت پر مبنی بات کی جائے تو یہ المیہ ہے کہ آج اہلِ زبان اردو اسپیکنگ رہ گئے ہیں، اردو خواں اور اردو لکھاری کم ہوتے جارہے ہیں۔ لاہور کی پنجابی زبان کی طرح اہلِ کراچی کی اردو زبان بھی خالص نہیں رہی، انگلش میڈیم تعلیم، میڈیا، ہندوستانی فلموں اور ڈراموں کا بھی اس میں بڑا دخل ہے۔

میں نے ایک مرتبہ آرٹس کونسل کراچی کے ایک سیمینار میں کہا تھا: ''اردو والو! ڈرو اس وقت سے جب آپ اپنے بچوں کو اردو لکھانے اور پڑھانے کے لیے لاہور سے اساتذہ بلائیں گے''۔ آج اردو اخبارات میں بیشتر لکھاریوں اور کالم نگاروں کا تعلق لاہور و اسلام آباد سے ہے اور ان میں کئی ایسے ہیں جنہیں زبان و بیان پر بڑا عبور ہے، صاحبِ طرز ہیں۔ اردو شعراء بھی زیادہ وہیں پائے جاتے ہیں اور کتب بینی کے تنزّل کے اس دور میں اردو کتابوں اور رسائل کی بڑی مارکیٹ بھی وہیں ہے۔ ان میں سے جنہیں اردو ادب کی مختلف اصناف پر عبور اور عربی و فارسی کا لمس ہے، ان کی تحریریں دلکش ہوتی ہیں۔ عربی و فارسی کے لمس کے بغیر اردو نثر و نظم میں وہ دلکشی اور تاثیر نہیں آسکتی جو کلاسیکل شعراء اور نثر نگاروں کی تحریروں میں ہے۔ اگر ہم نے اردو زبان کے ایسے ماہرین پیدا کرنے ہیں جنہیں اردو کے کلاسیکل لٹریچر پر عبور ہو، تو میرا مشورہ ہے کہ اردو کے ایم۔ اے اور ایم فل کے نصاب میں ابتدائی عربی اور فارسی کی تعلیم بھی شامل کی جائے۔ اس سے میری مراد صرف ادبی سرمایہ ہی نہیں بلکہ اردو زبان میں ہمارا دینی سرمایہ بھی بے بہا ہے۔ ''کلاسیکل لٹریچر'' کی اصطلاح انگریزی میں رائج ہے، اردو میں اسے کسی تغیر و تبدّل یا مُؤرّد کیے بغیر قبول کرلیا گیا ہے، تاہم اس کا بہتر متبادل ''ادبِ عالی'' ہوسکتا ہے۔

جدید دور کی چکا چوند اور طلبِ معاش نے زبانوں کی ساخت کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ آفتابِ رسالت طلوع ہونے کے زمانے تک مکہ مکرمہ کے خاندانی لوگ اپنے بچوں کو خالص عربی سکھانے، عربیت کے مزاج میں ڈھالنے کے لیے رضاعی ماؤں کے پاس بدوی معاشرت میں چھوڑتے تھے اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا بچپن بھی اسی ماحول میں گزرا ہے۔ تاریخِ ادبِ عربی میں عربی شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے: (الف) شعرائے جاہلیہ، (ب) مخضر مین، جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں شاعری کی، (ج) جو آفتابِ رسالت طلوع ہونے کے بعد شعوری عمر میں داخل ہوئے، اسلام قبول کیا اور شاعری کی، (د) متولّدین، وہ شعراء جو اسلامی تمدن کے ارتقا اور تہذیبوں کے اختلاط کے بعد بنوعباس کے دور میں معروف ہوئے۔ بڑے شہروں اور تجارتی مراکز میں زبان خالص نہیں رہتی، اس میں غیر ارادی طور پر دوسری زبانوں کی اصطلاحات اور محاورات کی آمیزش ہوجاتی ہے، خالص عربیت کے لیے عہدِ جاہلیت کی شاعری کو آج بھی حجت مانا جاتا ہے، عربی کا مشہور شاعر متنبّی کہتا ہے:

حُسْنُ الْحِضَارَةِ مَجْلُوْبٌ بِتَطْرِيَةٍ
وَفِی الْبَدَاوَةِ حُسنٌ غَیْرُ مَجْلُوْب
وَمِنْ هَوٰی كُلِّ مَنْ لَیْسَتْ مُمَوِّهَةً
تَرَكْتُ لَوْنَ مَشِیْبِیْ غَیْرَ مَخْضُوْب

ترجمہ: ''شہری حسیناؤں کا حسن بناؤ سنگھار کا مرہونِ منت ہوتا ہے، جبکہ بدوی ماحول میں رہنے والوں کا حسن فطری ہوتا ہے، چونکہ میں میک اپ سے بے نیاز فطری حسن کا شیدائی ہوں، اس لیے حسینانِ فطرت کی محبت میں، میں نے اپنے بالوں کو خضاب لگانا بھی چھوڑ دیا ہے''۔ اہلِ زبان پنجاب کے اُدباء اور شعراء کا کلام پڑھ کر مسحور ہوتے ہیں، لیکن بعض الفاظ کا تلفظ اور لہجہ اُن کی سماعتوں کو بھلا نہیں لگتا۔ ماضی میں ہم کراچی کے ادیبوں کے تبصرے سنتے تھے کہ جنابِ ابنِ انشاء کی تحریر کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی لگتی ہے، لیکن لہجہ ٹھیٹھ پنجابی ہے۔

جنابِ راحیل اظہر کا شکریہ: انہوں نے لکھا ہے: ''مفتی منیب الرحمٰن کے گزشتہ دو کالموں میں زبان کی کچھ غلطیاں تھیں، مثلاً: ''کے بجائے'' کی جگہ ''کی بجائے''، ''اس کے گھر پہنچا آئے'' کی جگہ ''اس کے گھر چھوڑ آئے''، ''اُن کی سوا مشکل ہے'' کی جگہ ''اُن کو سوا مشکل ہے''۔

میں نے نیٹ پر جنابِ انتظار حسین اور جنابِ وسعت اللہ خان کے کالموں میں دیکھا: انہوں نے ''ان کی سوا مشکل ہے'' ہی لکھا ہے، اس تصحیح پر جنابِ راحیل اظہر کا شکریہ۔ علامہ جاوید غامدی نے اپنی تفسیر میں ''ان کو سوا مشکل ہے'' لکھا ہے۔ ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ4، جلد:99، میں مولانا نایاب حسن نے ''دینی و اصلاحی جلسے: چند قابلِ توجہ پہلو'' کے عنوان سے اپنے مضمون میں ''اُن کو سوا مشکل ہے'' لکھا ہے۔ اب جنابِ راحیل اظہر محاکمہ کر کے فیصلہ فرمائیں کہ اُن کے بقول ہم سے جو ادبی گناہ سرزد ہوا ہے، اس کی سزا کیا ہے، کیونکہ اس گناہ کا ارتکاب کرنے والے دسیوں ہیں، میرے نزدیک معنوی طور پر دونوں کو درست ماننے میں حرج نہیں ہے اور ''کو'' ہمارے ذوقِ سماعت کو بھلا لگتا ہے، لیکن ہم نہ اہلِ زبان ہیں اور نہ اردو ادب پر اتھارٹی، بلکہ طفلِ مکتب ہیں۔

جہاں تک ''کے بجائے'' کی جگہ ''کی بجائے'' کا تعلق ہے، تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ میں بعض اصحابِ قلم کی اتباع میں ''کے بجائے'' ہی لکھتا رہا ہوں، لیکن ایک اہلِ زبان نے مجھے کہا: ''کی بجائے'' لکھنا چاہیے، اس کے بعد میں نے اسے اختیار کرلیا۔ اس سے پہلے میرے مطبوعہ کالموں میں ہر جگہ ''کے بجائے'' ملے گا۔ دراصل بجائے کے دو معنی ہیں: ''کی جگہ'' یا ''متبادل''، میری رائے میں اگر ''بجائے'' کو متبادل کے معنی میں لیا جائے تو ''کے بجائے'' مناسب ہے اور ''جگہ'' کے معنی میں لیا جائے تو ''کی بجائے'' مناسب ہے۔ ہم اردو کے طالب علم ہیں، ان میں سے کسی ایک کو اس درجے میں ترجیح دینا کہ اس کے متبادل کو غلط قرار دیا جائے، یہ اساتذہ کا منصب ہے۔ ''پہنچا آئے'' اور ''چھوڑ آئے'' میں معنوی فرق تو کوئی نہیں ہے، البتہ ''پہنچا آئے'' میں وضع داری زیادہ ہے، ہمارے زمانۂ طالب علمی میں جب طلبہ کہتے: ''کتاب پڑی ہوئی ہے'' تو ہمارے استاذِ گرامی ٹوکتے اور فرماتے: ''کتاب رکھی ہوئی ہے'' بولا کرو، کیونکہ پڑی ہوئی میں ذرا بے قدری کا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ انگریزی میں ''بے قدری'' ہمیں قبول ہے، لفٹ مانگتے وقت ہم کہتے ہیں: ''آپ مجھے فلاں جگہ Drop کردیں۔ ایک بار پھر جنابِ راحیل کا شکریہ۔

میں نے گزشتہ کالم میں Spices کے معنی میں ''مصالحہ'' کا لفظ لکھا ہے، اردو میں ''مسالا'' بھی استعمال ہوتا ہے اور ''فیروز اللغات'' میں اسے عربی لفظ ''مَصالح'' کا مُوَرّد لکھا ہے اور اردو لغت بورڈ کی اردو لغت میں میم اور لام کی زبر کے ساتھ ''مَصَالَح'' لکھا ہے۔ عربی میں بابِ ''مُفاعَلہ'' کے وزن پر مصدر مَصَالَح نہیں بلکہ ''مُصالَحہ'' ہے، لیکن یہ Spices کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی ہیں: دو افراد کا باہم صلح کرنا یا اُن کے درمیان مُوافقت۔ جدید عربی میں مَصَالَح یا مَسالا یا Spices کے لیے ''بُھَار'' آتا ہے اور لام کی زبر کے ساتھ ''مَصَالَح'' عربی لفظ نہیں ہے، البتہ لام کی زیر کے ساتھ ''مُصَالِح'' بابِ مُفَاعلہ کا اسمِ فاعل ہے۔

ذمے دار کون: الیکشن ایکٹ میں جو غفلتِ مجرمانہ کا ارتکاب کیا گیا ہے، اس کے بارے میں سوال اٹھایا جارہا ہے کہ ذمے دار کون ہے؟۔ یہ سوال اٹھانے والے پارلیمنٹ کے اندر بھی ہیں جو تمام مراحل میں اس ایکٹ کی تیاری اور منظوری کا حصہ بنے رہے اور پارلیمنٹ کے باہر احتجاج کرنے والے بھی ہیں۔ اس سوال کا دیانتدارانہ جواب صرف مولانا فضل الرحمٰن نے دیا ہے کہ ہم سب اس غفلت کے ذمے دار ہیں۔ مجھ سے ملاقات میں جماعتِ اسلامی کے جنابِ اسد اللہ بھٹو نے تسلیم کیا کہ ہم سے بھی کوتاہی ہوئی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات وہ اپنے امیر کے منہ سے نہیں کہلوا سکتے۔ الیکشن بل کی تیاری کے لیے ایک پارلیمانی کمیٹی بنی، پھر اس کی ذیلی کمیٹی بنی اور پھر یہ بل پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظور ہوکر ایکٹ بنا۔ اس کا کافی حد تک ازالہ پارلیمنٹ نے کردیا ہے اور کچھ حصے کا ازالہ باقی ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا پارلیمانی کمیٹی یا اس کی ذیلی کمیٹی کے مسودۂ قانون یا پارلیمنٹ کے منظور کردہ ایکٹ میں کسی فردِ واحد کو ترمیم یا تنسیخ کا اختیار ہے، اگر اس کا جواب اثبات میں ہے، تو ہمیں بتایا جائے کہ کس قانون کے تحت اور اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر اس کی ذمے داری پوری پارلیمنٹ پر عائد ہوتی ہے اور اُن میں بھی سب سے زیادہ اُن پر جو اسلام کے نام پر ووٹ لے کر آئے ہیں۔ ووٹ تو انہوں نے اسی لیے لیا تھا کہ ہم پارلیمنٹ کے اندر نفاذِ اسلام کی کوشش کریں گے، وہاں اپنی ذمے داری پوری کرنے کی بجائے آپ روزانہ جلسوں سے خطاب فرمائیں، پریس کانفرنسیں کریں یا ٹیلی ویژن اسٹوڈیوز میں بیٹھے نظر آئیں، تو پھر قومی اسمبلی اور سینیٹ میں اپنے اُن افراد کو بھیجیں جو پارلیمنٹ کے اندر اپنے فرائض کو پوری تن دہی اور ذمے داری سے انجام دیں، غفلت کا ارتکاب نہ کریں، جب آپ محض پروٹوکول اور مراعات کے لیے رکن بنیں گے اور پوری طرح فرائض انجام نہیں دیں گے تو اس طرح کی غفلتیں سرزد ہوں گی۔ کیا سب کو ذمے دار کے عنوان سے ایک ''تخیلاتی ہیولیٰ'' چاہیے کہ جس پر وہ سنگ باری کریں اور اسے قرارِ واقعی سزا دیں۔ تاحال انہوں نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ اُن کے ذہن میں اس غفلتِ مجرمانہ یا جرمِ صریح کی قرارِ واقعی سزا کیا ہے۔ اسلام آباد میں ایک کانفرنس میں این جی او کی ایک بیگم صاحبہ نے فرمایا: ''اسلام پر ہر کوئی بات کرسکتا ہے، ہم مُلّا کو اس کا ٹھیکیدار ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں''۔ تو میں نے اُن کی خدمت میں عرض کی: محترمہ! ہم ٹھیکیدار نہیں ہیں، چوکیدار ہیں اور چوکیدار کا کام یہی ہے کہ کوئی عمارت میں نقب لگانے آئے، تو اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا جائے۔

Daily DUNYA, Saturday, December, 23, 2017



قومی سیرت کانفرنس کا موضوع



اس سال قومی سیرت کانفرنس کا موضوع "تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں قیادت کا معیار" تھا۔ میں بیرونِ ملک اپنی مصروفیات کی وجہ سے دعوت کے باوجود شرکت کی سعادت حاصل نہ کرسکا، تاہم اس کالم کے ذریعے چند گزارشات پیش کررہا ہوں:

(۱) قول وفعل میں مطابقت: جمہوری نظام میں آئینی وقانونی اعتبار سے پارلیمنٹ میں عددی اکثریت کا حصول قیادت کا معیار ہے، لیکن اسلام میں اخلاقی برتری کے بغیر کسی رہنما کو حقیقی احترام نہیں ملتا، اس کے لیے قول وفعل میں مطابقت ضروری ہے، قول وفعل میں تضاد رہنما کو لوگوں کی نظروں سے گرادیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو، جن پر تم خود عمل نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑی ناراضی کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو خود نہیں کرتے ہو، (الصف:2-3)"۔ علمائے بنی اسرائیل کی اسی خرابی کو قرآنِ مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: (1) "کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کردیتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو (یہ شعار اللہ کو ناپسند ہے)، (البقرہ:44)"۔ (2) "پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے، جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لے لیں، (البقرہ:79)"۔

(۲) قومی مناصب کے لیے اہلیت کو معیار بنایا جائے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچاؤ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ تمہیں کیسی عمدہ نصیحت فرماتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے، (النساء:58)"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (1) "جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو، سائل نے عرض کیا: یارسول اللہ! امانت کیسے ضائع ہوتی ہے؟، آپ ﷺ نے فرمایا: جب زمامِ اقتدار نااہل کو تفویض کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو، (بخاری: 6496)"۔ (2) آپ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے کسی (نااہل) کو قوم پر عامل بنایا، جبکہ اس قوم میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ راضی کرنے والا شخص موجود ہے، تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں سے خیانت کی، (المستدرک:7023)"۔ (3) "جب قومی خزانے کو ذاتی جاگیر سمجھ لیا جائے، قومی امانتوں کو مالِ غنیمت سمجھ لیا جائے، زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے، دین کا علم دنیاوی مقاصد کے لیے حاصل کیا جائے، ایک شخص بیوی کا فرمانبردار اور ماں کا نافرمان ہوجائے، ایک شخص دوست کو قریب اور باپ کو دور کردے، مسجدوں میں شوروغوغا ہونے لگے، قبیلے کا سردار بدکردار شخص بن جائے اور قومی رہنمائی کمینے لوگوں کے ہاتھ میں آجائے، کسی شخص کی عزت اس کے خوف کی بناء پر کی جائے، آلاتِ موسیقی اور مغنّیات کا دور دورہ ہوجائے، شراب نوشی عام ہوجائے، اس اُمّت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں (تو اچھے دنوں کی تمنا عبث ہے)، پس ایسے عالم میں سرخ ہوائیں چلیں گی، زلزلے آئیں گے، زمین میں دھنسا دیے جاؤ گے، صورتیں بگاڑی جائیں گی، تہمتیں لگائی جائیں گی اور اُس ٹوٹی ہوئی لڑی کی طرح جس کے دانے ایک ایک کر کے گرتے جارہے ہوں، پے در پے علامات ظاہر ہوں گی، (سنن ترمذی:2218)"۔ صورتیں مسخ ہونے کے ایک معنی یہ ہیں کہ جیسے بنی اسرائیل کو اُن کی سرکشی کی بناء پر بندر اور خنزیر بنادیا گیا اور ایک معنی یہ ہیں کہ ملّت اقوامِ عالم کے سامنے بے توقیر ہوجائے، جیسے ڈیڑھ ارب مسلمان اسّی لاکھ کی آبادی پر مشتمل اسرائیل کے سامنے بے توقیر اور بے بس ہیں۔ اس کا واضح سبب یہ ہے کہ ستاون مسلم ممالک میں قیادت پر فائز لوگ دینی وملّی حمیت سے عاری اور پست ہمت ہیں۔

(3) قائد کا کردار مثالی ہونا چاہیے: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تین اشخاص نبی ﷺ کی عبادت کے احوال معلوم کرنے کے لیے آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے پاس حاضر ہوئے، پھر جب اُن کو (آپ ﷺ کی عبادت کے معمولات) بتائے گئے، تو گویا انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی، آپ ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے (دنیا ہی میں) مغفرتِ کُلّی کی قطعی سند عطا فرمادی ہے۔ اُن میں سے ایک نے کہا: میں ہمیشہ پوری رات نوافل پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی نہیں چھوڑوں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی باتیں کیں (یعنی تقویٰ کے من پسند معیارات وضع کیے)، تو سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں اور مجھ میں اللہ کی خشیت سب سے زیادہ ہے، لیکن میں روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، (راتوں کو) نوافل پڑھتا بھی ہوں اور (کچھ دیر کے لیے) سو بھی جاتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کر رکھے ہیں، سو جس نے (تقوے کا من پسند معیار وضع کر کے) میری سنت سے اعراض کیا تو وہ میرے (پسندیدہ) طریقے پر نہیں ہے، (بخاری: 5063)"۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ کمالِ تقویٰ رہبانیت اور ترکِ دنیا میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں میں رہتے ہوئے اَخلاق وکردار کی آلودگیوں سے اپنا دامن پاک رکھنے اور سب کے حقوق ادا کرنے میں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی مثالی اور معیاری زندگی گزارنا پلِ صراط پر چلنے کے مترادف ہے، جو خدا ترس لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

(4) حضرت موسیٰ ویوسف علیہما السلام کے حوالے سے قیادت کے چار معیار: (1) ان دونوں خواتین میں سے ایک نے کہا: "اے ابا جان! آپ ان کو اُجرت پر رکھ لیجیے، بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں گے، اُن میں سے بہترین وہی ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو، (القصص:26)"۔ (2) حضرت یوسف علیہ السلام کی جب دربار تک رسائی ہوئی تو آپ نے فرمایا: "مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کردیں، کیونکہ میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں (کہ کس سے لیا جائے اور کس کو دیا جائے)، (یوسف:55)"۔

(5) مشاورت کا شِعار: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور (درپیش) معاملے میں اِن (صحابہ) سے مشورہ کیجیے، پھر جب آپ (کسی بات کا) عزم کرلیں، تو اللہ پر توکل کیجیے، (آل عمران:159)"۔ غزوۂ احد کے موقع پر آپ ﷺ نے اس امر پر صحابۂ کرام سے مشاورت کی کہ مدینے میں رہ کر دفاع کیا جائے یا آگے بڑھ کر کفار سے مقابلہ کیا جائے، آپ کی اپنی ترجیح یہ تھی کہ مدینے میں رہ کر ہی دفاع کیا جائے، لیکن بعض پرجوش نوجوان صحابۂ کرام نے جن کے دل جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے لبریز تھے، آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے پر اصرار کیا۔ رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور اس دوران حضرت سعد بن مُعاذ اور اُسید بن حُضیر نے لوگوں کو متوجہ کیا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی رائے کے مقابل اپنی رائے پر اصرار کر کے غلطی کی، کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے، معاملہ اللہ کے رسول پر چھوڑ دو۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ مسلح ہوکر باہر تشریف لائے تو صحابۂ کرام نے اظہارِ ندامت کیا اور اپنی رائے واپس لینا چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا نبی جب ہتھیار بند ہوجائے، پھر وہ ہتھیار نہیں اتارتا یہاں تک کہ اللہ اُس کے اور اُس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرمادے، (سُبُلُ الْهُدىٰ وَالرَّشَاد، ج:4، ص:186)"۔

(6) اندازِ گفتار: آپ ﷺ کا اندازِ گفتار باوقار تھا، آپ کی گفتار تکلف وتصنع اور فحش کلامی سے پاک تھی۔ قرآن کریم میں ہے: "آپ کہیے: میں تم سے اس (دعوتِ حق) پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں، (ص:86)"۔ حدیث پاک میں ہے (1): "نبی ﷺ (اپنی پاکیزہ فطرت کے سبب) نہ تو فحش کلامی فرماتے اور نہ ہی اپنے آپ کو اس پر آمادہ کرتے تھے اور فرماتے: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، (بخاری:3559)"۔ (2) "رسول اللہ ﷺ کا اندازِ کلام ایسا (ٹھہراؤ والا) تھا کہ ایک ایک لفظ جدا ہوتا اور جو بھی اُسے سنتا پورا مفہوم اس کی سمجھ میں آجاتا، (ابوداؤد: 4839)"۔ آپ کے کلام کے تاثرات آپ کے چہرۂ انور سے بھی محسوس ہوتے، جسے آج کل باڈی لینگویج کہا جاتا ہے۔

(7) صادق القول: رہنما کو صادق القول ہونا چاہیے تاکہ لوگوں کو اُن پر پورا پورا اعتبار ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ دعوتِ توحید کا پیغامِ عام دینے کے لیے کوہِ صفا پر چڑھے اور قوم کو پکارتے ہوئے فرمایا: بتاؤ کہ اگر میں تم کو خبر دوں کہ دشمن کا ایک بڑا لشکر اس پہاڑ کے پیچھے کھڑا ہے، تو کیا تم سب میری تصدیق کرو گے؟، سب نے کہا: ہم نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا، اس لئے ہم آپ کی تصدیق کریں گے، (بخاری:4972)"۔ اسی طرح قیصر نے اُس وقت کے دشمنِ رسول ابوسفیان سے پوچھا: کیا اُس مدعیِ نبوت نے کبھی جھوٹ بولا ہے یا وعدہ خلافی کی ہے؟، اس نے جواب دیا: نہیں، (بخاری:7، ملخصاً)"۔

(8) بقدرِ ضرورت کلام: رہنما کو منہ پھٹ اور بسیار گو نہیں ہونا چاہیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اچھی بات کہو یا خاموش رہو، (بخاری:6018)"۔ "رسول اللہ ﷺ نے کم الفاظ میں جامع بات کہنے کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر اپنے وجوہِ فضیلت میں سے ایک قرار دیا، (مسلم:523)"۔

(9) شفاف عدل: عدل جب بھی پسند وناپسند کی بنیاد پر ہوگا، ظلم کو جنم دے گا، اللہ تعالیٰ نے بلا امتیاز عدل کا حکم فرمایا: "اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ناانصافی پر نہ ابھارے، عدل کرو، یہ شِعار تقوے کے قریب ترین ہے، (مائدہ:5)"۔ (2): "اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ (کی رضا) کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ یہ (گواہی) تمہارے اپنے یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہو، (النساء:135)"۔

عبدالقادرؒ تم زندہ ہو، زندہ رہو گے!

صدائے درویش
حافظ محمد ادریس
muhammad.idrees@dunya.com.pk
SMS: HIC" (space) message & send to 7575

عبدالقادر مُلّاؒ کی شہادت کو چار سال بیت گئے ہیں۔ ان کی یادیں اب تک دل میں زندہ ہیں۔ شہدا تو زندہ ہوتے ہیں، عبدالقادر مُلّا بھی زندہ ہیں۔ عبدالقادر مُلّا شہید جماعت اسلامی بنگلہ دیش کی قیادت میں مقابلتاً جونیئر تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں شہادت کے لیے سب سے پہلے منتخب کر کے ایک ایسا عظیم مقام عطا فرما دیا ہے کہ وہ عالمی اسلامی رہنماؤں اور تاریخ اسلام کی عظیم ترین ہستیوں کے درمیان ایک تابندہ ستارہ بن کر چمک رہے ہیں۔ وہ زندہ ہیں زندہ رہیں گے اور قافلۂ حق کو زندگی کا راستہ دکھاتے رہیں گے۔ ہم لوگ جوان کو جوانی کے دور سے جانتے تھے، اس بات کے قائل تھے کہ وہ عظیم آدمی ہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ ہم میں سے بھی کسی کو یہ علم نہ تھا کہ وہ اتنے عظیم ہیں جتنے شہادت کے بعد ثابت ہو چکے ہیں۔ ان کی بہت سی مختصر اور نہایت مؤثر تحریریں اس سے قبل سامنے آ چکی ہیں اور مزید آ رہی ہیں۔ اسی طرح کی ایک تحریر قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ شہید نے خوب صورت خط آخری لمحات میں جیل کی کال کوٹھڑی سے اپنی عظیم اہلیہ کے نام لکھا۔ بنگلہ زبان میں لکھے گئے خط کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"میری بہت ہی پیاری رفیقۂ حیات!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ عدالت کا مکمل فیصلہ لکھا جا چکا ہے۔ یہ کل رات یا اس کے بعد کسی وقت بھی جیل کے گیٹ تک پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد رولز کے مطابق یقیناً مجھے کال کوٹھڑی میں پہنچا دیا جائے گا۔ قرین امکان ہے کہ یہ حکومت کا آخری عمل ہے۔ اس لیے وہ اس غیر منصفانہ عمل کو بہت تیزی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچائے گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ نظرِ ثانی پٹیشن (Review Petition) کو قبول نہیں کریں گے، اگر وہ قبول کر بھی لیں تو اس بات کا امکان بہت کم ہے کہ وہ اپنی دی گئی سزا کو بدل دیں۔ البتہ یہ دوسرا معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے اپنی چال چلے، لیکن اس کا ابدی و دائمی قانون بتاتا ہے کہ ہمارا مولا ہر معاملے میں دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔

ان جیسے لادینوں نے کئی پیغمبروں کو بغیر کسی جرم کے قتل کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ساتھیوں، جن میں خواتین صحابیات بھی شامل تھیں، کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ ان شہادتوں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے سچائی کے راستے میں آسانی پیدا کی اور اسلام کو فتح سے ہم کنار کیا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملے میں بھی ایسا ہی کرے گا۔

کل بھارتی وزیر خارجہ نے نہ صرف عوامی لیگ کو داد دی بلکہ (جنرل) حسین محمد ارشاد پر دباؤ بھی بڑھایا۔ اس نے جماعت، شبر (جمعیت طلبہ) کے برسرِ اقتدار آنے سے بھی انھیں ڈرایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جماعت اور شبر سے اختلاف، عداوت اور نفرت بھارت کے رگ و پے میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ بات میں روزِ اول سے کہہ رہا ہوں کہ ہمارے خلاف جو بھی اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں وہ بھارت کی میز پر تیار کیے جاتے ہیں۔ عوامی لیگ اگر واپس ہٹنا بھی چاہے تو اب ان اقدامات سے پیچھے نہیں مڑ سکتی، کیونکہ اس بار صرف بھارت کی اشیرباد سے ہی اقتدار میں آئی ہے۔

یہاں بہت سے لوگ ہیں جو اصول اور اخلاق کی بات کر رہے ہیں، جس طریقے سے مجھ سمیت ہماری پوری جماعت کو ایک مخصوص گروہ کے بنائے گئے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا گیا ہے اور جس طریقے سے ملکی میڈیا یا حکومت کے ان غیر منصفانہ اقدامات کی حمایت و مدد کر رہا ہے، ان حالات میں حکومت کی طرف سے اصول اور اخلاق کی بات کس منہ سے کی جا رہی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ عدالتی نظام اور ٹرائل خود جلاد بن چکا ہے اور معصوم لوگوں کی جان لینے کے شوق میں مخمور ہو چکا ہے۔ کسی بھی آزاد فطری ٹرائل اور انصاف کی توقع ایسے لوگوں سے نہیں رکھی جا سکتی۔ مجھے بس ایک پچھتاوہ ہے کہ میں اس قوم کو واضح انداز میں بتانے سے قاصر ہوں کہ کیسے بالکل غیر منصفانہ طریقے سے ہم، اور بالخصوص، میں نشانہ بنایا جا رہا ہوں۔ یہ کسی صورت ممکن نہیں ہے کیوں کہ تقریباً سارا میڈیا ہمارا مخالف ہے۔ لیکن قوم اور دنیا بھر کے لوگ جانتے ہیں کہ سچ کیا ہے۔ میری موت ان شاء اللہ جبر کی اس حکومت کے خاتمے کا باعث بنے گی اور تحریک اسلامی کی ترقی کا موجب ثابت ہو گی کیونکہ یہی انصاف کی بات ہے۔ ان شاء اللہ العزیز!

کل میں نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر 17 سے 24 تک دوبارہ پڑھیں۔ آیت نمبر 19 میں واضح انداز میں لکھا ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنا، خانہ کعبہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے سے کہیں زیادہ افضل عمل ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے نزدیک اس کی راہ میں اس لیے لڑنا کہ اسلام کا نظام قائم ہو اور اس کی خاطر طاغوت اور اس کی بے انصافی کے خلاف لڑنا، طبعی موت مرنے سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات مجھے جنت میں یہ افضل درجہ دینا چاہتی ہے تو میں بخوشی اس موت کو گلے لگانے کے لیے تیار بیٹھا ہوں، کیوں کہ جلادوں کے ہاتھوں میری غیر منصفانہ موت تو جنت کا پروانہ ہے۔

مصر کے ظالم حکمران، کرنل ناصر نے 1966ء میں سید قطبؒ اور 1954ء میں جناب عبدالقادر عودہؒ اور دوسروں کو پھانسی کے گھاٹ اتار کر شہید کر دیا۔ میں نے بہت سے لیکچرز میں یہ بات سنی اور یہ واضح ہے کہ تحریک اسلامی کے راستے میں ٹرائلز اور ایذا رسانیاں لازماً آتی ہیں۔ ان لیکچرز سے بڑھ کر یہ بات کہ پروفیسر غلام اعظم میرے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ پھانسی کی رسی ان کاندھوں پر بھی پڑ سکتی ہے۔ میں آج بھی اپنا ہاتھ اپنے ہی کاندھے پر پھیر کر اپنے مرشد کی وہی بات سوچتا ہوں اور خوشی محسوس کرتا ہوں۔ اگر اللہ کی ذات آج تحریک اسلامی کی ترقی کا فیصلہ کر چکی ہے تو یہ میری کامیابی ہے۔ یہ جبر کی حکومت اگر میرے خاتمے کا فیصلہ کر چکی ہے تو جان لو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کے اعلیٰ مرتبے کی بات کرتے تھے تو اپنی خواہش کا اظہار کرتے تھے کہ انھیں بار بار زندگی ملے اور بار بار اللہ کی راہ میں شہید ہوتے رہیں۔ جو لوگ شہید ہو چکے ہیں وہ جنت کے اعلیٰ درجوں میں بیٹھ کر اللہ کے حضور اس خواہش کا اظہار کریں گے کہ یا خالق و مالک! ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیج تا کہ ہم ایک بار پھر تیری راہ میں شہید ہوں۔ اللہ تعالیٰ جواب میں شہدا سے فرماتا ہے یہ اس کی سنت نہیں ہے کہ یہاں سے دوبارہ کسی کو دنیا میں بھیجا جائے۔ اس سچی ذات کے الفاظ سچے ہیں اور اس کی طرف سے بھیجے گئے صادقؐ و امینؐ کے الفاظ بھی سچے ہیں۔ اگر ان پر کوئی شک کرے تو اسے اپنے ایمان اور عقیدے پر شک کرنا چاہیے۔

اگر حکومت اپنے اس غیر منصفانہ قدم پر آگے بڑھ کر مجھے پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیتی ہے تو ہو سکتا ہے میری نماز جنازہ ڈھاکہ میں کروانے کی اجازت نہ دی جائے۔ [illegible] ہے وہ میری آخری رسومات میرے گاؤں کی مسجد اور گھر میں کرنے کا انتظام کرے۔ اگر دریائے پدما کے پار رہنے والے مسلمان میری نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں تو انھیں اطلاع کر دو کہ وہ پہلے سے میرے گھر کے قریب آ جائیں۔ میں اس سے پہلے بھی آپ کو اپنی قبر کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ اسے میری ماں کے قدموں میں بنایا جائے اور میری قبر پر کوئی فضول خرچی نہ کی جائے، جیسے قبروں کے گرد فصیل بنا کر مقبرے بنائے جاتے ہیں۔ اس کے بجائے یتیم لوگوں پر جتنا خرچ کر سکو کرو۔ ان خاندانوں کا خیال رکھو جنھوں نے اپنے آپ کو تحریک اسلامی کے لیے وقف کر دیا ہے۔ خاص طور پر جو خاندان اس ظالم حکومت کے خلاف اپنے بیٹے اس تحریک کو دے چکے ہیں، جن کے باپ گرفتار ہو چکے ہیں، جن کے بوڑھے سزاؤں کے حق دار ٹھہرے ہیں۔ جب بھی بُرا وقت آئے تو سب سے پہلے ان خاندانوں کی خیر خیریت دریافت کرو۔ بیٹے حسن مودودی کی تعلیم کے فوراً بعد اس کی شادی کروا دینا اور اسی طرح نازنین بیٹی کو بھی اس کے اپنے گھر بھیج دینا۔

اے پیاری، اور بہت ہی پیاری رفیقۂ حیات!

میں آپ کے اور اپنے بچوں کے بہت سے حقوق پورے نہیں کر سکا۔ مجھے معاف کر دینا، صرف یہ سوچ کر معاف کر دینا کہ اللہ کے ہاں آپ کو اس کا اجر ضرور ملے گا۔ میں اللہ کے ہاں دعا کرتا ہوں کہ جب آپ اپنے بچوں اور اس کے دین کی ذمہ داریاں پوری کر لیں تو میرا مولیٰ ہمارے دوبارہ ملنے کی راہ پیدا فرما دے۔ اب دعا کرو کہ اس دنیا کی ذرہ بھر بھی محبت میرے دل میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو مجھ سے دور کر دے اور میرے دل کو اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبالب بھر دے۔ ان شاء اللہ ہم جنت کی پگڈنڈیوں پر دوبارہ ملیں گے۔

بچوں کو ہمیشہ حلال کمائی کی نصیحت کرتی رہنا، تمام فرض اور واجب کا خیال رکھنا اور خصوصاً نمازوں کا، اور تمام رشتہ داروں کو بھی یہی ترغیب دیتی رہنا۔ میرے باپ کو ہر ممکن آرام اور ہمدردی پہنچاتی رہنا جب تک وہ زندہ رہیں۔

آپ کا اپنا

عبدالقادر مُلّا"

اس خط کو پڑھتے ہوئے بار بار وہ عبدالقادر مُلّا آنکھوں کے سامنے آتا رہا جو بھرپور جوانی کے دنوں میں نماز پڑھتا نظر آتا تو محسوس ہوتا جیسے وہ زندگی کی آخری نماز پورے انہماک اور استغراق کے عالم میں پڑھ رہا ہے۔ مُلّا شہید کے خط نے بار بار رلایا۔ پھر میں نے سوچا کہ وہ دُور جنت کے بالا خانوں سے مسکرا کر دیکھ رہا ہو گا۔ اس کے مسکرانے کے اس تصور سے دل کو قرار آ گیا۔

تعلیماتِ امام احمد رضا

زاویۂ نظر
مفتی منیب الرحمٰن
muneeburrehman@dunya.com.pk
SMS:"MMC" (space) message & send to7575

25 صفر المظفر ان کا یومِ وصال ہے، اس دن یا پورے ماہِ صفر المظفر میں اہلِ عقیدت و محبت آپ کا عرس مناتے ہیں، یہ سعادت کی بات ہے۔ عظمتِ باری تعالیٰ، عشق و محبتِ رسول ﷺ، تکریمِ اولیائے کرام رحمہم اللہ اور حمیتِ دینی اُن کی رگ و پے میں پیوست تھی، اس لیے عشقِ مصطفیٰ ﷺ اُن کی پہچان اور اُن کی شخصیت کا عنوان بن گیا۔ اہلِ عقیدت نے اسے آگے بڑھایا، خطابت کے شہسواروں اور نعت خواں حضرات نے اس کی مارکیٹنگ کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا۔ عشق برتنا تو یقیناً دشوار ہے، اس راستے میں طائف، بدر، اُحد اور احزاب کی منزلیں آتی ہیں، اُحد میں آپ ؐ زخمی ہوئے، آپ ؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، غزوۂ احزاب میں آپ کی چار نمازیں قضا ہوئیں اور اس کے ہولناک منظر کو قرآنِ کریم نے ان کلمات میں بیان فرمایا ہے: (1) "(اس وقت کو یاد کرو) جب کفار تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے (یعنی ہر جانب) سے تم پر حملہ آور ہوئے، جب (دشمن کی ہیبت سے) تمہاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کی (نصرت کے بارے میں) طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، اس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی تھی اور ان کو شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا تھا، (الاحزاب:11-10)"۔

(2) "کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تم پر وہ (مصیبتیں) نہیں آئیں جو تم سے پہلوں پر بیت چکیں، ان پر آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ (اس قدر) جھنجھوڑ دیے گئے کہ (اس وقت کے) رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟، سنو! بے شک اللہ کی مدد قریب ہے، (البقرہ:214)"۔

اس سفرِ عزیمت میں صحابۂ کرامؓ کی ناقابلِ تصور مثالیں آتی ہیں۔ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے تقاضوں پر پورا اترنے کے لیے باپ کو بیٹے، بیٹے کو باپ اور بھائی کو بھائی کے مقابل کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ حضرت طلحہؓ اپنے وجود کو حفاظتِ نبوت ﷺ کے لیے ڈھال بنا لیتے ہیں اور ستر سے زیادہ تلواروں، نیزوں اور تیروں کے زخم اپنے وجود پر سہہ کر بھی کوہِ استقامت بنے رہتے ہیں، حضرت ابودجانہ کی پیٹھ نیزوں سے بھر جاتی ہے لیکن اپنی جگہ سے سرِ مُو بھی حرکت نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاشِ مبارک کا مُثلہ کیا جاتا ہے اور آپ کے دل اور کلیجے کو اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے ابوجہل کی بیوی ہندا اپنے گلے کا ہار بنا لیتی ہے، الغرض عشق بیان کرنا آسان ہے، برتنا بہت مشکل ہے۔ عشق فروشی میں بلند آہنگ نعرے لگتے ہیں، داد و تحسین ملتی ہے، لوگ رقصاں ہوتے ہیں۔ رشوت خور، اسمگلر اور ملاوٹ کرنے والے بھی نوٹ نچھاور کر کے عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے سرشار ہو جاتے ہیں، دست بوسی ہوتی ہے اور نذرانے ملتے ہیں، جبکہ عشق برتنے میں جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، اپنے ہی خون میں نہانا پڑتا ہے، لہولہان ہونا پڑتا ہے، آنکھیں پتھرا جاتی ہیں، کلیجہ منہ کو آجاتا ہے، جگر پارہ پارہ ہو جاتا ہے، مفادات کی قربانی دینی پڑتی ہے، فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ترجمہ: (اہلِ عشق و محبت نے راہِ حق میں) خاک و خون میں لتھڑ جانے کی کیا ہی حسین رسم ایجاد کی ہے، اللہ ان پاک طینت عاشقانِ (باصفا) پر اپنی (بے پایاں) رحمتیں نازل فرمائے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بشارتیں دیتا ہے اور ان پر انعامات و نوازشات کا دلکش منظر ان آیات میں بیان فرماتا ہے: "بے شک جن لوگوں نے (ایک بار) کہہ دیا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر اُس پر ثابت قدم رہے، فرشتے ان پر (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں: تم نہ خوف کرو اور نہ غمگین ہو اور اُس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی اور تمہارے لیے اُس (جنت) میں ہر وہ چیز (دستیاب) ہے جس کو تمہارا جی چاہے اور اُس میں ہر وہ چیز (موجود) ہے جس کو تم طلب کرو، (یہ سب) ضیافت ہے اُس بہت بخشنے والے، بے حد مہربان (رب) کی طرف سے (حمٓ السجدہ:32-30)"۔

میں امام احمد رضا قادری سے محبت کے دعویداروں سے بہانگ دہل یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اُن کی زندگی بدعات و منکرات کے سدِّ باب میں گزری، ہم انہیں بجا طور پر حامیِ سنت اور ماحیِ بدعت یعنی سنتِ مصطفیٰ ﷺ کا احیاء اور بدعاتِ ضالّہ کو مٹانے والا کہتے ہیں، لیکن اس شعبے میں ہمارے واعظین اور خطباء ان کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، کیونکہ اس پر وہ داد و تحسین نہیں ملتی جو عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے ملتی ہے، سو اصل مسئلہ سادہ لوح مسلمانوں کی عقیدت کو مہمیز دے کر نذرانے سمیٹنا اور مارکیٹ بنانا ہے، اُن کو میرا مشورہ ہے کہ کبھی کبھی مارکیٹ میں مندی بھی آجاتی ہے، سو کچھ وقت اس ذمے داری کو بھی پورا کیا کریں۔ علمائے حق کی سہل پسندی کے سبب ان بدعات و منکرات اور خرافات کو اہلسنت و جماعت سے جوڑ دیا گیا ہے، یہ بھی اپنی جگہ علمی خیانت اور زیادتی ہے۔ اس لیے میں امام اہلسنت کی تعلیمات کی جانب متوجہ کرتا رہتا ہوں۔

امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں: "مسلمان اے مسلمان! اے شریعتِ مصطفوی کے تابع فرمان! جان کہ سجدہ حضرتِ عزت جَلَّ جَلَالُہٗ کے سوا کسی کے لیے نہیں، اُس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرکِ مُہین و کفرِ مُبین ہے اور سجدۂ تحیّت (تعظیمی) حرام اور یقیناً گناہِ کبیرہ ہے، اس کے کفر ہونے میں علمائے دین کا اختلاف ہے (یعنی گناہِ کبیرہ ہونے میں اختلاف نہیں ہے)، ایک جماعتِ فقہاء سے اس کی تکفیر نقل کی گئی ہے"۔ غیر اللہ کے لیے سجدۂ عبادت تو مومن کے لیے ناقابلِ تصور ہے، انہوں نے سجدۂ تعظیمی کے حرام ہونے پر قرآن و سنت کی نصوص سے استدلال کرتے ہوئے "اَلزُّبْدَۃُ الزَّکِیَّۃ لِتَحْرِیْمِ سُجُوْدِ التَّحِیَّۃ" کے نام سے ایک باقاعدہ رسالہ لکھا اور اس میں آپ نے فقہِ حنفی کی مسلّمہ کتبِ فتاویٰ و ائمۂ احناف کے حوالے سے لکھا: "عالموں اور بزرگوں کے سامنے زمین چومنا حرام ہے اور چومنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گناہگار، کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے"۔ آپ مزید لکھتے ہیں: "زمین بوسی" حقیقۃً سجدہ نہیں ہے، کیونکہ سجدے میں پیشانی رکھنا ضروری ہے، جب یہ اس وجہ سے حرام اور بت پرستی کے مشابہ ہوئی کہ صورتاً سجدے کے قریب ہے، تو اندازہ لگائیے کہ خود سجدہ کس درجہ سخت حرام اور بت پرستی کا مشابہِ تام ہوگا، اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالیٰ"۔

آپ مزید لکھتے ہیں: "مزارات کو سجدۂ تعظیمی یا اس کے سامنے زمین چومنا حرام اور حدِّ رکوع تک جھکنا ممنوع"، اولیائے کرام کے مزارات کی بات تو چھوڑیے، وہ لکھتے ہیں: "زیارتِ روضۂ انور سیّدِ اَطہر ﷺ کے وقت نہ دیوارِ کریم کو ہاتھ لگائے، نہ چومے، نہ اُس سے چمٹے، نہ طواف کرے، نہ زمین کو چومے کہ یہ سب بدعاتِ قبیحہ ہیں"۔

شرح لباب کے حوالے سے لکھتے ہیں: "رہا مزار کو سجدہ، تو وہ حرامِ قطعی ہے، زائر جاہلوں کے فعل سے دھوکا نہ کھائے، بلکہ علمائے باعمل کی پیروی کرے، مزار کو بوسہ دینے میں علماء کا اختلاف ہے اور چھونا، چمٹنا اُس کی مثل، شریعت کا محتاط ترین حکم یہ ہے کہ عوام کو منع کیا جائے اور ممانعت کا سبب خلافِ ادب ہونا ہے"۔ لکھتے ہیں: "مزار کو سجدۂ تعظیمی تو درکنار، کسی قبر کے سامنے اللہ تعالیٰ کو بھی سجدہ جائز نہیں، اگرچہ قبلے کی طرف ہو، (کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے)، قبرستان میں نماز مکروہ کہ اس میں کسی نہ کسی قبر کی طرف رخ ہوگا اور قبر کی طرف نماز مکروہ ہے، البتہ قبرستان میں مسجد یا نماز کی جگہ بنی ہو تو اس میں نماز پڑھنے میں حرج نہیں ہے"۔ قبر کی اونچائی کی بابت ان سے سوال ہوا تو لکھا: "خلافِ سنت ہے، میرے والد ماجد، میری والدۂ ماجدہ اور بھائی کی قبریں دیکھیے، ایک بالشت سے اونچی نہ ہوں گی"۔ مزید لکھتے ہیں:

"اب کمالِ ادب میں ڈوبے ہوئے، گردن جھکائے، آنکھیں نیچے کیے، لرزتے کانپتے، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوتے، حضور پرنور ﷺ کے عفو و کرم کی امید رکھتے، حضور والا کی پائیں یعنی مشرق کی طرف سے مواجہۂ عالیہ میں حاضر ہو کہ حضور اقدس ﷺ مزارِ انور میں رو بقبلہ جلوہ فرما ہیں، اُس سَمت سے حاضر ہو کہ حضور کی نگاہِ بے کس پناہ تمہاری طرف ہوگی اور یہ بات تمہارے لیے دونوں جہانوں میں کافی ہے۔ خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ یہ اُن کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا، اپنے مواجہۂ اقدس میں جگہ بخشی، اُن کی نگاہِ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی، اب خصوصیت اور اس درجہ قُرب کے ساتھ ہے وَالْحَمْدُ لِلّٰہ۔ نہایت ادب و وقار کے ساتھ بآوازِ حزیں (غمناک) و صوتِ درد آگیں (درد سے پُر) و دلِ شرمناک و جگر چاک چاک، معتدل آواز سے نہ بلند و سخت نہ نہایت نرم و پست کہ سنت کے خلاف ہے، اگرچہ وہ تمہارے دلوں کے خیالات تک سے آگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحاتِ ائمہ سے گزرا"، پھر آپ نے آگے صلوٰۃ و سلام لکھا ہے، (فتاویٰ رضویہ، ج:10، ص:766-765)"۔ دین سے محبت رکھنے والے پیرزادہ علامہ فاروق القادری کی کتاب "فاضل بریلوی اور امورِ بدعت" اور بھارت سے مولانا یاسین اختر مصباحی کی کتاب "امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات" کا ضرور مطالعہ کریں۔



مذہب کا خوف

مذہب کے ساتھ سب سے بڑا حادثہ یہ ہوا کہ اسے اخلاق اور تزکیے سے الگ کر دیا گیا۔ اب وہ عصبیت ہے یا محض جذبات۔

چاہیے تو یہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں، مذہب کا نام لینے والے اخلاق میں بھی برتر ہوتے۔ ان کا کردار اعلیٰ اخلاقی روایات کا نمونہ ہوتا۔ رذائل سے اگر وہ مکمل پاک نہ ہوتے تو دوسروں سے بہتر ضرور ہوتے۔ ان کے وضو کے پانی سے، فرشتے وضو نہ بھی کرتے، مگر ان کا وجود زبانِ حال سے آواز لگاتا کہ وہ مذہبی آدمی ہیں؛ جن سے صرف خیر صادر ہو سکتا ہے۔ ان کے ساتھ معاملہ کیا جا سکتا ہے اور ان کی بات کا اعتبار بھی۔

سب سے زیادہ ذمہ داری سیاست، علم اور صحافت میں کارفرما لوگوں کی تھی کہ ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ انہیں راہنما مانا جاتا ہے۔ ان کی تقلید کی جاتی ہے۔ لوگ ان پر اعتبار کرتے ہوئے رائے بناتے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں، عوام محبت اور عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ لوگ ان کا حوالہ دیتے ہیں کہ فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ لکھا۔ آج زبان پر قابو ہے نہ قلم پر۔ اخلاق اہلِ مذہب سے شکوہ کر رہا ہے۔

حسنِ ظن مسلم معاشرت کی بنیادی قدر ہے۔ مذہب انسانوں میں ایک مثبت اندازِ نظر پیدا کرتا ہے۔ سورہ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا کہ دوسروں کے بارے میں رائے قائم کرتے وقت کس احتیاط کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ اسی ہدایت کو سب سے زیادہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔ چند روز پہلے ایک محترم مذہبی دوست نے ایک تصویر بھیجی۔ خواجہ آصف غالباً امریکہ میں، کسی تقریب میں شریک ہیں اور ایک فرد ان سے محوِ گفتگو ہے جس کے بارے میں لکھا گیا کہ وہ وہاں کے قادیانی جماعت کا راہنما ہے۔ تصویر بھیجنے والے نے ساتھ تبصرہ کیا: ''انتخابی قوانین میں قادیانیوں کے بارے میں تبدیلی ایک معصومانہ خطا نہیں، ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کا مقصد آئین کی متعلقہ دفعات کا خاتمہ ہے''۔



سوئے ظن کے بغیر یہ دور کی کوڑی نہیں لائی جا سکتی۔ تبدیلی کا سارا عمل، جو بھی ہوا، سب کے سامنے ہے۔ اس میں اگر کوئی خطا ہے تو سب جماعتیں شریک ہیں۔ کیا سب اس سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ ہیں؟ اگر یہ کوئی منصوبہ ہے تو صرف حکومت ہی خطا کار کیوں؟ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ وزیر خارجہ کی ایک قادیانی سے کسی تقریب میں ملاقات کوئی سازش ہے؟ کیا اب بات کرنے سے پہلے یہ پوچھنا پڑے گا کہ مخاطب کا تعلق کس مذہب سے ہے؟ کیا یہ پیغام پھیلانے والے نے سوچا کہ وہ مسلمانوں کی منتخب حکومت کے بارے میں کس بات کا چرچا کر رہا ہے؟ اس کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں؟ یہ پیغام واٹس ایپ کے ذریعے ایک گروپ میں بھیجا گیا۔

چند دن پہلے جنیوا میں اقوامِ متحدہ کا ایک اجلاس ہوا۔ یہ انسانی حقوق سے متعلق تھا۔ ان اجلاسوں میں، مختلف ممالک میں انسانی حقوق سے متعلق رپورٹس اور خلاف ورزیوں کی شکایات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ اگر کسی ملک کے بارے میں ایسی کوئی شکایت ہو تو اس کا نمائندہ یہاں جواب دہ ہوتا ہے۔ یہ رپورٹس پہلے بھجوا دی جاتی ہیں تاکہ حکومتوں کے نمائندے تیاری کے ساتھ آئیں۔ ان اجلاسوں میں انسانی حقوق کی تنظیموں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے۔

ہمارے وزیر خارجہ کے ساتھ ایک اور وزیر نے اس اجلاس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ ان کو میں برسوں سے جانتا ہوں۔ ان کی دین داری ایک مانی ہوئی حقیقت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اجلاس کے بعد جب شرکا ایک دوسرے سے ملے تو کچھ پاکستانیوں نے ان سے ہاتھ ملایا؛ جو انسانی حقوق کی تنظیموں سے وابستہ تھے۔ لوگ تصویریں بھی لے رہے تھے۔ بعد میں، انہیں کسی سے معلوم ہوا کہ ان میں ایک قادیانی بھی تھا۔ وزیر صاحب اب اس خوف میں مبتلا تھے کہ یہ تصویر اگر شائع ہوئی تو انہیں بھی کہیں کسی سازش کا حصہ بنا دیا جائے گا۔

آج یہ کسی فردِ واحد کا خوف نہیں ہے۔ ہر دوسرا آدمی اس میں مبتلا ہے۔ کیا معلوم آپ کے بارے میں کیا مشہور کر دیا جائے؟ ان دنوں زیڈ اے فاروقی نام کے ایک مرحوم بیوروکریٹ کا ذکر ہوتا ہے۔ لکھا اور کہا گیا کہ اس طرز کی سب سے پہلے ترمیم انہوں نے پیش کی' اور وہ قادیانی تھے۔ مجھے معلوم ہوا کہ ان کا قادیانیت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کا خاندان تبلیغی جماعت سے وابستہ ہے۔ وہ پاکستان کے سابق وزیر اعظم چوہدری محمد علی کے داماد تھے۔

میں آئے دن مذہبی لوگوں کو سنتا اور پڑھتا ہوں۔ میں شواہد پیش کر سکتا ہوں کہ لوگ کس طرح بے پر کی اڑاتے ہیں۔ دوسروں کے بارے میں ایسی ایسی باتوں کی تشہیر کرتے ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ یہ محض سنی سنائی باتیں ہوتی ہیں۔ بغیر تحقیق اور مطالعہ کے، فتویٰ جاری کر دیا جاتا ہے۔ فتوے کے لیے اب مفتی یا دین کا عالم ہونا ضروری نہیں رہا۔ اگر آپ کے منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم ہے تو آپ فتویٰ دینے کے مجاز ہیں۔

یہ بے احتیاطی ایک ایسے ماحول میں ہو رہی ہے جس میں مذہب کو صرف جذبات اور عصبیت کا معاملہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی کے بارے میں ایسی باتوں کے پھیلانے کا نتیجہ اس کی جان و مال کو خطرات میں ڈالنا ہے۔ جس معاشرے میں قیادت کے منصب پر بیٹھے لوگ بات کہنے اور لکھنے سے پہلے تحقیق کو لازم نہیں سمجھتے، وہاں ایک عام آدمی سے کیسے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ کسی اقدام سے پہلے تحقیق کرے گا۔ جہاں مذہبی معاملے میں، مذہب کی تعلیمات کے برخلاف، قانون کو ہاتھ میں لینے والوں کو ہیرو بنایا جاتا ہو، وہاں ہیرو بننے کے شوق میں کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔

یہ بداحتیاطی سماج کا ہر طبقہ کرتا ہے' لیکن مذہبی لوگوں کا معاملہ دو پہلو سے اہم تر ہے۔ ایک یہ کہ مذہب نام ہی اخلاقی تطہیر کا ہے۔ اگر اہلِ مذہب اس سے بے نیاز ہوں گے تو مذہب اپنا جوہر کھو دے گا۔ دوسرا یہ کہ مذہب ایک جذباتی معاملہ بنا دیا گیا' جس سے لوگوں کی جانوں کو خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ یہ نتائج صرف اہلِ مذہب ہی کی بے احتیاطی کا نتیجہ ہو سکتے ہیں، اس لیے ان کی ذمہ داری دوسروں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس معاملے کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا کہ حکومت دو ہزار افراد کے خوف سے سہمی ہوئی اور بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی ہے۔

ہمارے معاشرے میں مذہب خوف کی علامت بنتا جا رہا ہے۔ جیسے جیسے مذہب اخلاق اور تزکیے سے جدا ہو کر صرف جذبات اور عصبیت بن رہا ہے، یہ خوف بڑھ رہا ہے۔ آج میں کسی سے مذہبی معاملے میں بات کرتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ نہیں معلوم کل وہ اسے اپنی کس تعبیر کے ساتھ پیش کر دے۔ میں ان معاملات پر لکھ نہیں سکتا کہ میری تحریر سے کوئی ایسا مطلب نکال اور پھر اس کی تشہیر کر سکتا ہے جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔

خوف کی حالت غیر فطری ہوتی ہے۔ یہ زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکتی۔ خوف حد سے بڑھ جائے تو انسان کو بے خوف بنا دیتا ہے۔ مذہب اگر اسی طرح خوف کی علامت بنا رہا تو معاشرہ ردِ عمل کا اظہار کرے گا۔ انسانی نفسیات اور تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مذہب جب خوف بن جائے تو لوگ اس سے اجتماعی طور پر اعلانِ برات کر دیتے ہیں۔ یورپ میں یہ ہو چکا۔ وہاں بغاوت مذہب کے خلاف نہیں، اہلِ مذہب کے خلاف تھی' جسے مذہب مخالفت میں بدل دیا گیا۔

پاکستان میں اگر ایسا ہوا تو اس کی ذمہ داری اہلِ مذہب پر ہوگی' جنہوں نے مذہب کو خوف کی علامت بنا دیا ہے۔ جس تیزی سے یہ عمل جاری ہے، ردِ عمل بھی اسی تیزی سے ہوگا۔ اس سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ مذہب کو خوف نہیں، امن اور رحمت کی علامت بنا دیا جائے۔ یہ اسی وقت ہوگا جب سماج اسلامی اخلاقیات کا نمونہ بنے گا۔ اس کا آغاز حسنِ ظن سے ہوگا۔ پہل سیاست، سماج اور صحافت کے میدان میں متحرک مذہب کے نمائندوں کو کرنا ہوگی۔

اعتدال کس طرح پائیں؟

کبھی جب انسان فرصت پائے اور بیٹھ کر ایک لمحے کے لیے یہ سوچے کہ زندگی کیا ہے اور کس تگ و دو میں وہ صرف ہو رہی ہے تو حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو مکمل طور پر دوسروں کے، اپنے والدین کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ دوسرے سب جانداروں کی نسبت انسانوں میں ماں باپ پر اس انحصار کا عرصہ بہت ہی طویل ہوتا ہے۔ چمپینزی اور بن مانس وغیرہ میں یہ وقت 6 سال کے قریب ہے۔ اس کے بعد بچے اپنی زندگی خود گزارنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ یہ زندگی خوراک حاصل کرنے کے گرد گھومتی ہے۔ انسانی بچے کی زندگی اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ اسے تعلیم حاصل کرنی ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی ہنر میں، کسی نہ کسی شعبے میں مہارت حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اس کے بعد ساری زندگی وہ دوسرے انسانوں کو اپنی خدمات مہیا کرتا ہے۔ جس قدر بڑا وہ ماہر بنے گا، اسی قدر اس کی عزت، قدر اور اہمیت ہوگی۔ اتنی ہی دولت اسے حاصل ہوگی۔

یہ دولت کیا ہے؟ یہ آپ کی قوتِ خرید ہے۔ اگر آپ کے پاس پانچ ہزار پلاٹ ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ پانچ ہزار پلاٹوں پر گھر بنا کر اس میں زندگی تو نہیں گزار سکتے لیکن اس سے آپ کی قوتِ خرید ظاہر ہوتی ہے۔ آسان لفظوں میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کرۂ ارض پر پائے جانے والے کتنے وسائل کے آپ مالک ہیں۔



SMS:"FBC" (space) message & send to 7575

جانور بیچارے تو خوراک بھی زیادہ عرصے تک ذخیرہ نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ سال کے لیے۔ انسانوں نے ایسے آلات ایجاد کیے کہ خوراک سمیت دیگر وسائل کو وہ اپنے پاس ذخیرہ کر سکتا ہے۔ انسان کی پوری زندگی ان وسائل میں اضافے کی کوشش کرتے ہوئے گزرتی ہے۔ زندگی کے پہلے پندرہ بیس برس وہ اپنے بڑوں کے سر پہ زندگی گزارتا ہے۔ اس کے بعد تیس چالیس برس وہ زیادہ سے زیادہ وسائل حاصل کرنے کی تگ و دو میں زندگی بسر کرتا ہے۔ انسانی خواہشات اس طرح سے پیدا کی گئی ہیں کہ کبھی بھی ان میں مکمل تسکین کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ حدیث کے مطابق جس کے پاس ایک سونے کی وادی ہو وہ دوسری وادی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ جس کے پاس دو وادیاں ہوں، وہ تیسری کی خواہش کرے گا۔ انسانی زندگی کے آخری بیس پچیس برس اور بالخصوص آخری دو تین سال بیچارگی کا مظہر ہوتے ہیں۔ ایک بار پھر وہ دوسروں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ میرے خاندان میں کچھ ایسے بزرگ گزرے ہیں، جنہوں نے 90 برس کے قریب عمر پائی۔ انہوں نے ایک بھرپور زندگی گزاری۔ شادیاں کیں، کاروبار کیے۔ ساری زندگی تہجد پڑھتے رہے۔ ان کے پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کی تعداد 100 کے قریب پہنچ چکی تھی۔ مرتے دم تک خاندان میں انہیں بھرپور عزت و احترام حاصل تھا۔ اس کے باوجود جب آپ آخری دو تین برسوں کو دیکھتے ہیں تو بیچارگی (Misery) کا لفظ ہی ذہن میں ابھرتا ہے۔ اس وقت زندگی کی سب سے بڑی کامیابی یہ نظر آتی ہے کہ انسان اپنے قدموں پر چل کر رفعِ حاجت کر سکے۔ اپنے ہاتھوں سے کھا لے۔ اسے دوسروں کی بات سمجھ میں آ جائے اور وہ ان کا ایسا جواب دے سکے جسے عقل قبول کرتی ہو۔ وہ کسی قسم کی کاروباری سرگرمیوں کے قابل نہیں رہتے۔

جانوروں کے برعکس انسانوں میں برتری کی ایک اور جہت (Dimension) بھی ہے اور وہ روحانی ہے۔ جو روحانی طور پر زیادہ طاقتور ہے، جس کا خدا کے ساتھ زیادہ تعلق ہے، وہ دوسروں سے برتر ہے۔ لوگ اسے جھک کر ملتے ہیں اور وہ کسی کے سامنے نہیں جھکتا۔ انسانی ذہن میں بنیادی طور پر خوف کا جذبہ ہی غالب ہوتا ہے۔ انسان روحانی قوتوں کا دعویٰ کرنے والوں سے ڈر جاتا ہے کہ کہیں اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بالخصوص موجودہ زمانے میں مذہبی اور روحانی شخصیت بننا دوسرے شعبوں کی طرح ایک شعبہ بن گیا ہے۔ آج کل کیا، ہمیشہ سے مذہب کے نام پر چالاک لوگ دوسروں کا استحصال کرتے آئے ہیں۔ البتہ جب آپ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، جنیدِ بغدادیؒ اور حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ جیسے بڑے استادوں کو دیکھتے ہیں تو آپ کو وہاں کسی قسم کا کوئی دعویٰ نظر ہی نہیں آئے گا۔ مجھ جیسا بندہ بھی جب مذہب پر لکھنے لگتا ہے تو ایک زعمِ تقویٰ پیدا ہونے لگتا ہے۔ استاد کے الفاظ میں انسان کی عاجزی بھی تکبر بن جاتی ہے۔

جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ بیماری، بڑھاپے اور موت کی صورت میں میرا انجام اس قدر بھیانک ہے تو پھر ایک لمحے کے لیے رک کر یہ سوچنے لگتا ہے کہ مجھ میں اور دوسرے جانوروں میں کیا فرق ہے؟ آخر میں تو دونوں ایک ہی طرح سے بوڑھے اور بیمار ہو کر مر رہے ہیں۔ پھر جس تگ و دو میں، میں زندگی بسر کر رہا ہوں، کیا وہ درست ہے؟ اگر ہم اس قابل ہو سکیں کہ ہوا میں اڑتے ہوئے خلا میں جا سکیں اور وہاں سے زمین کو ایک نیلے گول دائرے کی صورت میں اپنے سامنے دیکھ سکیں تو انسان حیرت سے سوچنے لگے کہ یہ ہے وہ زمین، جس کے ایک ناقابلِ بیان حد تک چھوٹے ٹکڑے کی خاطر میں قتل ہوتا ہوں۔ آپ پلٹ کر دوسرے سیاروں، دوسری زمینوں، دوسرے چاندوں کو دیکھیں تو حیرت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ کھرب ہا کھرب ٹریلین ایکڑ زمین ایک ایک سیارے پر اور ایک ایک چاند پر بے کار پڑی ہے۔ مٹی موجود ہے، زمین کے نیچے کوئلے، تیل، لوہے جیسے ذخائر موجود ہیں، نکالنے والا کوئی نہیں۔ مٹی سے اینٹیں بنانے والا کوئی نہیں۔ پتھر پیس کر سیمنٹ بنانے والا کوئی نہیں۔ پھر انسان یہ سوچنے لگتا ہے کہ جس قدر شدید ملکیت (Possessiveness) کے ساتھ وہ وسائل پر قبضے کی جنگ لڑتا ہے، آخر وہ اس کے کس کام آتے ہیں؟

اس سب کا مطلب یہ نہیں کہ انسان وسائل میں اضافے کی کوشش نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ زندگی سہولت سے تبھی گزر سکتی ہے، جب کچھ وسائل انسان کے ہاتھ میں ہوں۔ ان وسائل میں اضافے کے لیے انسان کو کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ لینے والوں کی بجائے ایک نہ ایک دن دینے والوں میں شامل ہو جائے لیکن اعتدال چاہیے۔ جوانی میں، جب ہم خوب طاقتور ہوتے ہیں، جب ہماری دماغی صلاحیتیں بھی اپنے عروج پر ہوتی ہیں، تب اپنے خالق کو پہچاننے کی کوشش، عقل کو استعمال کرنے کی کوشش، انسانی دماغ کو سمجھنے کی کوشش، کرۂ ارض پہ زندگی کو سمجھنے کی کوشش۔ پھر یہ کہ انسان کو اپنی تمام تر قوت صرف وسائل / دولت کمانے پر ہی صرف نہیں کر دینی چاہیے بلکہ اچھی اور صحت مند خوراک، روزانہ کی بنیاد پر کچھ نہ کچھ ورزش / جسمانی سرگرمیاں، کچھ نہ کچھ وقت خدا کی یاد، کچھ نہ کچھ وقت علم حاصل کرنے کی کوشش یعنی مطالعہ اور غور و فکر۔ ان سب چیزوں کا اگر ایک متوازن مجموعہ انسان حاصل کر سکے تو زمین پر اس کا وقت بہت اچھی طرح سے بسر ہو جائے گا۔ اگر وہ اس طرح کی زندگی بسر کر رہا ہو، جس میں ان میں سے ایک بھی چیز سے مکمل طور پر محروم ہو تو پھر زندگی معتدل نہیں رہتی۔ رہی خدا کی یاد تو ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کی بنیاد ہی انسان کے خدا سے تعلق پر ہے۔



تعلیم بالغاں کا کلاس روم



ماسٹر صاحب: (کلاس روم میں داخل ہوتے ہوئے) ارے کم بختو! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے کلاس روم کی تم نے؟ اندر گند باہر گند، گند ہی گند۔ بیڑا غرق کر دیا ہے نالائقوں نے اس تعلیمی ادارے کا۔

نورا دیوانہ: صرف اس ادارے کا؟ (قہقہہ)

فیقا ٹیڈی: آپ فکر نہ کریں ماسٹر جی، ہم صفائی کریں گے۔ اب ایسی صفائی ہوگی کہ باہر کا سارا کچرا صاف ہو جائے گا۔

ماسٹر صاحب: شاوش اے، اندر کے کچرے کی بات نہ کرنا۔ کلاس روم یونہی کوڑے کرکٹ سے بھرا رکھنا۔ تعفن پھیلائے رکھنا۔

گاما کوچوان: ہمارا کمرہ تو شیشے کی طرح چمک رہا ہے ماسٹر صاحب (قہقہہ)

ماسٹر صاحب: (غصے سے) ابے جاہلو! یہ فرش پر پھیلی گندگی دیکھو، یہ دیواروں پر اپنے ہاتھوں لکھے گئے گھٹیا اشعار دیکھو، بگے پٹھان کی نسوار کے نقش و نگار دیکھو اور چھت پر لگے جالے دیکھو۔

جمالا شرمسار: یہ جالے تو گئی رتوں کے حوالے ہیں ماسٹر جی! یہ ہم سے نہیں اتریں گے۔

ماسٹر صاحب: ابے کیوں نہیں اتریں گے ہڈ حرامو، جہاں گند پھیلاتے ہو، وہاں کی صفائی بھی کیا کرو۔

بگا پٹھان: دیکو ماسٹر صیب! اِدھر آپ بھی تو گند پیلاتا ہے ناں۔ ابھی آپ کتنی دیر سے گنا کا، کا کر چلکے فرش پر پھینکتا جاتا ہے (قہقہہ)

ماسٹر صاحب: خاموش گستاخ (کھسیانے ہو کر گنا کرسی کے پیچھے رکھ دیتے ہیں)

شیرو مستانہ: بگے کا مطلب ہے کہ ماسٹر جی کہ ہم تو یہاں پڑھنے آتے ہیں۔ آپ کا اس ادارے سے رزق وابستہ ہے، آپ صفائی کیوں نہیں کرتے؟

ماسٹر صاحب: ابے اور یلو کٹے! یاد رکھو، جس دن میں نے صفائی شروع کی تو سب سے پہلے اس تعلیمی ادارے کو تم لوگوں سے پاک کروں گا۔

خیرو بھاگوان: جیو ڈھولا، پھر گلشن کا کاروبار کیسے چلے گا؟ (قہقہہ)

شیدا اجہاز: آپ پریشان نہ ہوں ماسٹر جی! صفائی ہوگی، ضرور ہوگی۔ ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے۔

ماسٹر صاحب: ارے یہی تو اس گلشن کی بدقسمتی ہے کہ تم جیسے نااہلوں نے اس کے تحفظ کی قسم کھائی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تم نے تو اس کا بھٹہ بٹھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ بھوت بنگلہ بنانے کا عہد کر رکھا ہے اس سکول کو۔

خانو خاکسار: اللہ نہ کرے ماسٹر جی! اب ہم لوگ اتنے بھی برے نہیں۔

ماسٹر صاحب: نہیں جی، تم تو دودھ کے دھلے ہو بیٹا! ارے میں پوچھتا ہوں کہ رسوائی کے سوا تم نے دیا کیا ہے اس ادارے کو؟

جمالا شرمسار: اب غصہ جانے دیں ماسٹر جی! آپ ہمیں پڑھانا شروع کریں۔

ماسٹر صاحب: تم لوگ غل غپاڑہ بند کرو گے تو میں پڑھاؤں گا نا......

گاما کوچوان: غل غپاڑہ غیر پارلیمانی لفظ ہے ماسٹر جی! اس پر تو ایک فوجداری دفعہ لگ سکتی ہے (قہقہہ)

فیقا ٹیڈی: ویسے ماسٹر جی! کلاس میں سب سے زیادہ غل غپاڑہ تو آپ خود کرتے ہیں (قہقہہ)

ماسٹر صاحب: (کرسی کے پیچھے سے گنا اٹھاتے ہوئے) نکل جا فیقے، نکل جا میری کلاس سے۔

فیقا ٹیڈی: کیوں ماسٹر جی! بگے نے آپ کو گندگی پھیلانے کا طعنہ دیا تو آپ نے اسے کچھ نہیں کہا۔ میں نے آپ کے شور شرابے کا ذکر کر دیا تو کون سی قیامت آ گئی؟

بگا پٹھان: اس کو نکالو ماسٹر صیب۔

ماسٹر صاحب: خاموش ہو جاؤ سب اور اب پڑھائی پر توجہ دو...... پچھلے دو ماہ سے ابتدائی گرامر کے قواعد سمجھ نہیں آ رہے کوڑھ مغزوں کو (گنا کرسی کے پیچھے رکھتے ہوئے) غور سے سنو ”بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم ہو گئی ہے“...... نورے تم بولو کہ اس جملے میں کون سا زمانہ پایا جاتا ہے؟

نورا دیوانہ: جھوٹ کا زمانہ (قہقہہ)

ماسٹر صاحب: تف ہے تم پر۔ ابے جاہل، یہ فعل حال کا جملہ ہے، حال کے زمانے کا۔

نورا دیوانہ: میں نے بھی تو اسی زمانے کی بات کی ہے ماسٹر جی (قہقہہ)

ماسٹر صاحب: لغویات بکنا چھوڑو احمقو اور حال کے زمانے کے بارے میں کچھ سیکھو۔

شیرو مستانہ: لغویات کے سوا حال کے زمانے میں ہے ہی کیا ماسٹر صاحب (قہقہہ)

ماسٹر صاحب: ابے اُلو! میں تمہاری نہیں، دنیا کی بات کر رہا ہوں۔ علم کی، شعور کی بات کر رہا ہوں۔

بگا پٹھان: کیوں وقت ضائع کرتا ہے ماسٹر صیب (قہقہہ)

ماسٹر صاحب: دانت نکالنا بند کرو اور میری بات پلے سے باندھ لو بالغو کہ کوئی بھی معاشرہ علم، تہذیب اور ثقافت کے بغیر نہیں چل سکتا۔

جمالا شرمسار: کیوں نہیں چل سکتا ماسٹر جی؟ معاشرے تو ان خرافات کے بغیر بھی دگڑ دگڑ دوڑ رہے ہیں (قہقہہ)۔

ماسٹر صاحب: تیرا کیا بنے گا کالیا۔ ابے کوئی شرم ہوتی ہے، کوئی حیا ہوتی ہے۔

فیقا ٹیڈی: ہوتی ہوگی، ضرور ہوتی ہوگی ماسٹر جی (قہقہہ)

ماسٹر صاحب: (کرسی کے پیچھے سے گنا اٹھاتے ہوئے) میں تجھے نکال دوں گا فیقے۔

بگا پٹھان: اس کو نکالو ماسٹر صیب۔

ماسٹر صاحب: خاموش ہو جاؤ سب اور دھیان سے سن کر بتاؤ کہ اس جملے میں کونسا زمانہ پایا جاتا ہے...... ”بغیر ثبوت الزام لگانے کی روایت پروان چڑھ رہی ہے“

بگا پٹھان: یہ تو اَچی بات ہے نا ماسٹر! ثبوت پر تو وقت ضائع ہوتی ہے (قہقہہ)

خیرو بھاگوان: فعل حال کا ایک جملہ سناتا ہوں ماسٹر جی...... ”میں گامے کوچوان سے ناراض ہوں“

شیدا اجہاز: کیوں؟ چوری کے مال پر بٹوارے میں جھگڑا ہو گیا تھا کیا؟ (قہقہہ)

ماسٹر صاحب: بس بھئی بس! میں اب مزید تمہاری کوئی فضول بات نہیں سن سکتا۔

گاما کوچوان: یہ آپ کے شاگردوں کی کلاس ہے ماسٹر جی، او آئی سی کا اجلاس نہیں کہ آپ اس کی بات نہیں سنیں گے (قہقہہ)

ماسٹر صاحب: ارے بے وقوفو! او آئی سی نے تو چھکے چھڑا دیئے امریکہ کے (قہقہہ)

شیرو مستانہ: پہلاں کیوں نئیں دسیا ماسٹر صاحب (قہقہہ)

بگا پٹھان: تم کو ایسا بات ہم سے چپانا نئیں تھا ماسٹر (سب قہقہہ لگا کر خاموش ہو جاتے ہیں مگر فیقا مسلسل ہنستے ہنستے دہرا ہوا جاتا ہے)

ماسٹر صاحب (کرسی کے پیچھے سے گنا اٹھا کر فیقے کی طرف لپکتے ہوئے) نکل میری کلاس سے بھٹیچر، میں کہتا ہوں دفع ہو جا یہاں سے۔

بگا پٹھان: اس کو نکالو ماسٹر صیب۔

دوسری شادی کی اجازت مانگنے کے طریقے

دوسری شادی کے لیے بیوی کی اجازت ضروری ہے لیکن کئی لوگ اس شش و پنج میں ہیں کہ یہ اجازت کیسے مانگی جائے؟ جو لوگ یہ ٹرائی کر چکے ہیں ان کی اکثریت کی ہڈیوں پر ابھی تک پلستر چڑھا ہوا ہے۔ تاہم رشید صاحب کی ہمت کی داد دینا پڑتی ہے جنہوں نے دھڑلے سے اپنی بیگم کے سامنے کہہ دیا کہ ''میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں مجھے اجازت دو''۔ ایسی مردانگی کا مظاہرہ بھلا کون کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو اپنی رحمت سے منور فرمائے۔ آمین!

میں چونکہ خلق خدا کی آسانی کے لیے ہر وقت حاضر رہتا ہوں لہٰذا جو لوگ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن ڈرتے ہیں کہ بیگم سے کیسے یہ بات کریں' ان کی سہولت کے لیے کچھ طریقے لکھ رہا ہوں تاکہ میرے کسی بھائی کو کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ آپ کی مزید آسانی کے لیے میں نے ہر پیشے کے اعتبار سے مناسب الفاظ کا چناؤ کیا ہے تاکہ جسمانی تشدد کا احتمال کم سے کم رہے۔



نوخیزیاں
گلِ نوخیز اختر
nokhaiz.akhtar@dunya.com.pk
SMS: "GNA" (space) message & send to 7575

آئی ٹی سے وابستہ حضرات کو چاہیے کہ بات شروع کرنے سے قبل بیگم اور اپنے درمیان کم از کم چار لیپ ٹاپ کا فاصلہ رکھیں اور کہیں ''جان! کل سے بہت پریشان ہوں' ہر بندے نے سافٹ ویئر ہاؤس کھول لیا ہے' پانچ پانچ سو روپے میں ویب سائٹس بن رہی ہیں' لوگوں کو سافٹ ویئر انجینئر اور مکینک کا فرق ہی نہیں پتا۔ بڑی بڑی کمپنیاں بیٹھتی جا رہی ہیں۔ بڑی مشکل سے امریکہ کی ایک پارٹی ہاتھ لگی ہے لیکن وہ کہتے ہیں پہلے ہمارے پاس امریکہ آ کر میٹنگ کرو' میں بھلا امریکہ کیسے جاؤں؟ میرے ایک دوست نے تو بڑا اچھا حل نکالا تھا' اس نے ایک گرین کارڈ ہولڈر لڑکی سے ''واجبی سا'' نکاح پڑھایا اور امریکہ جا کر ایک کمپنی سے ڈیل کر لی' آج کل کروڑوں میں کھیلتا ہے۔ کہتا تھا' تم بھی اگر ایسا کرنا چاہتے ہو تو بتاؤ' میرا خون کھول اٹھا' میں نے کہا' کمینے! تم کیا سمجھتے ہو میں اپنی اتنی پیاری اور وفا شعار بیوی کے ہوتے ہوئے ایک اور شادی کر لوں؟ وہ باز نہیں آیا اور کہنے لگا ''تم تو جاہل اور بے عقل ہو' ایک دفعہ اپنی بیگم سے بھی مشورہ لے لینا مجھے نہیں لگتا کہ وہ تمہاری طرح اتنی کم ظرف سوچ کی مالک ہوں گی...... بیگم پلیز انکار کر دو...... یہ ٹھیک ہے کہ مجھے کروڑوں روپیہ مل جائے گا' تمہارے لیے نئی گاڑی آ جائے گی' تمہارے بھائیوں کی بھی نوکری لگ جائے گی' تمہارے ابا جی کا قرضہ بھی اتر جائے گا...... لیکن میں کیوں تمہارے ہوتے ہوئے دوسری شادی کروں''...... اس تقریر کے بعد پوری امید ہے آپ کا کام بن جائے گا' بعد میں کہہ دیجئے گا کہ امریکہ کی سخت پابندیوں کی وجہ سے ویزا نہیں لگا تاہم ''شکیلہ'' کوشش کر رہی ہے۔ یاد رہے کہ یہ کوشش کا لفظ ہر روز دہرانا ہے۔ پرنٹ میڈیا سے تعلق رکھنے والے بھائیوں کو چاہیے کہ وہ بیگم سے صرف اتنا کہہ دیں کہ دوسری شادی وہ ایسی لڑکی سے کر رہے ہیں جو اخبار کے مالک کی رشتہ دار ہے اور اس نے گارنٹی دی ہے کہ شادی کے بعد آپ کو ہر مہینے ٹائم پر تنخواہ ملا کرے گی۔ اتنی بڑی خوشخبری سن کر بیگم کو نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے ہاتھوں سے آپ کی دلہن سجانا پڑے گی۔ بینک میں کام کرنے والے بھائیوں کو چاہیے کہ وہ بیگم سے کہیں 'ایک کریہہ اور انتہائی بدصورت لڑکی ہمارے بینک میں آتی ہے' ایک دن مجھ سے پوچھنے لگی کہ آپ اپنی بیگم کے ساتھ الگ گھر میں رہتے ہیں یا ''جوائنٹ اکاؤنٹ'' ہے۔ میں نے آنسو ضبط کرتے ہوئے بتایا کہ فی الحال تو جوائنٹ فیملی ہے کیونکہ میں کرائے کا گھر افورڈ نہیں کر سکتا۔ اس نے بڑے افسوس کا اظہار کیا اور کہنے لگی' اگر آپ میری ایک شرط مان لیں تو میں آپ کو کرائے پر ایک گھر لے دیتی ہوں جس کا کرایہ بھی میں افورڈ کروں گی' اور شرط یہ تھی کہ میں اُس سے شادی کر لوں' وہ اوپر والے پورشن میں رہے اور تم نیچے والے پورشن میں...... بیگم میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے' تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟۔ ڈاکٹروں کو چاہیے کہ وہ یہ تیر بہدف جملہ کہیں ''بیگم! میں جو نیا ہسپتال بنانا چاہتا تھا' اس کا انتظام ہو گیا ہے لیکن پہلے تم سے پوچھنا ضروری ہے' ایڈز کی ایک مریضہ مجھے پیسے دینے کے لیے تیار ہے لیکن کہتی ہے کہ پہلے مجھ سے نکاح کرو!!!'' وکیلوں کو چاہیے بیگم کو دلائل دیں کہ ان کے پاس قتل کی ایک ایسی ملزمہ کا کیس آیا ہے جو اپنے پہلے تین شوہر قتل کر چکی ہے اور جیل جانے سے پہلے چوتھے کی تلاش میں ہے تاکہ اس کی جائیداد پر کوئی قبضہ نہ کر لے۔ اجازت پکی سمجھیں!!! سخت مزاج پولیس والوں کو چاہیے کہ بیگم کو صرف اتنا یقین دلا دیں کہ دوسری شادی کے بعد وہ دوسری بیوی کے پاس ہی رہا کریں گے۔ گریڈ 17 تک کے سرکاری افسروں کو چاہیے کہ وہ تین سے چار ہفتے تک گھر میں یہ پریشانی بتائیں کہ اُن کا تبادلہ شمالی وزیرستان میں کیا جا رہا ہے' تاہم یہ تبادلہ صرف ایک شخصیت رکوا سکتی ہے' آگے آپ خود سمجھدار ہیں۔ گریڈ اٹھارہ سے بیس تک سرکاری افسروں کو چاہیے کہ بیگم سے اجازت نامہ لینے کے لیے ساری بات فائل میں لکھ کر پیش کریں' ریفرنس نمبر لکھنا مت بھولیں۔ گریڈ بیس سے اوپر کے افسروں کو چاہیے کہ دوسری شادی کی بجائے دوسری زندگی کی فکر کریں۔ ٹیچرز کو چاہیے کہ بیگم کو صرف اتنا یقین دلا دیں کہ دوسری شادی والی خاتون کبھی بھی ان کی شاگرد نہیں رہی بلکہ ایک سرکاری سکول کی ریٹائرڈ اور بیوہ ہیڈ مسٹریس ہے اور پنشن لینے خود بینک تک نہیں جا سکتی۔ اینکروں کو چاہیے' بیگم کو بتائیں کہ ایک بہت بڑی این جی او نے دُکھی عورتوں کے لیے دو لاکھ روپے ماہانہ امداد کا اعلان کیا ہے' چونکہ این جی او کی مالکہ خود بھی ایک دُکھی خاتون ہیں کیونکہ ان کے شوہر نے دوسری شادی کر لی تھی لہٰذا اب وہ کہتی ہیں کہ وہ ہر اُس دُکھی عورت کا دو لاکھ ماہانہ وظیفہ مقرر کریں گی جس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی ہو۔ یقین کیجئے یہ خبر سنانے کے بعد ہو سکتا ہے آپ کو دوسری شادی کے لیے محترمہ بھی خود نہ ڈھونڈنی پڑے' جھوٹ بولنا مشکل نہیں ہو گا' آخر اینکرنگ کا تجربہ کس دن کام آئے گا۔ سیاستدانوں کو دوسری شادی کی اجازت لینے سے پہلے بیگم سے وہی وعدے کرنے چاہئیں جیسے وہ اپنے حلقے کے ووٹر سے کرتے ہیں' بعد میں سلوک بھی ویسا ہی کرنا چاہیے' کامیابی قدم چومے گی۔ ذاتی بزنس کرنے والوں کو چاہیے کہ بیگم سے یہ بات کرنے سے پہلے بیگم کے شناختی کارڈ کی کاپی یہ کہہ کر اپنے بٹوے میں رکھیں کہ ایک پلاٹ بیگم کے نام کروانا ہے' دو دن بعد بدحواس ہو کر بتائیں کہ بٹوہ کہیں گر گیا ہے' پھر چار دن بعد بتائیں کہ بٹوہ ایک عورت کو ملا تھا' وہ کہہ رہی ہے کہ اگر میں نے اُس سے شادی نہ کی تو وہ تمہارے شناختی کارڈ کی فوٹو فیس بک پر لگا دے گی' جس میں تمہاری اصل عمر لکھی ہوئی ہے۔ ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں میں کام کرنے والوں کو چاہیے کہ بیگم کو ''آؤٹ آف باکس'' پورا سٹوری بورڈ سمجھا کر صرف اتنا کہہ دیں کہ بہت بڑی کلائنٹ ہے' آفس سے باہر ہی سیٹل کر لیتے ہیں ورنہ ہاتھ سے نکل جائے گی۔ فیشن انڈسٹری سے تعلق رکھنے والوں کو چاہیے کہ انتہائی دوستانہ ماحول میں بیگم سے دل کی بات بیان کریں' اور اگر بات سن کر بیگم قہقہے لگانے لگیں تو کسی حجت کی پروا کیے بغیر پورے اعتماد کے ساتھ کھل کر بتائیں کہ میں ایک عورت سے دوسری شادی کرنے لگا ہوں۔ سارے پیشے میں نے لکھ دیے ہیں' جو باقی رہ گئے ہیں ان کو Others میں ڈال لیں۔ جن بھائیوں کو کامیابی ملے وہ ضرور بتائیں...... اور جن کو ناکامی ہو وہ پلیز اپنا ایکسرے ضرور شیئر کریں۔ سب کا بھلا' سب کی خیر!

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے	جس خیرات دینے کے بعد (لینے والے کو) ایذا دی جائے اس سے تو نرم بات کہہ دینی اور (اس کی بے ادبی سے) درگزر کرنا بہتر ہے اور اللہ بے پروا (اور) بردبار ہے۔ (البقرة:263)

جشن آزادی یا دائمی غلامی؟

مولانا امیر محمد اکرم اعوان / (خاص مضمون)

اللہ کریم نے ہمیں آزاد رکھا تھا ہم نے اس ملک پر صدیوں حکومت کی اور مسلمان حکمرانوں کا کردار تاریخ میں مثال کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے حضور کا ارشاد ہے کہ بادشاہ اچھے بھی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے جو اچھے نہیں ہوں گے اس ہزار سالہ عہد میں ایک دو حکمران ایسے بھی آئے ہیں جنہیں تاریخ اچھا نہیں سمجھتی اور باقی مثالی بادشاہ آئے ہیں جو مثالی حکمران، عابد اور زاہد، نیک، عالم اور پارسا بھی تھے یہ تو ہمارے آج کے میڈیا پر بھانڈ اور ڈوم جمع ہو گئے ہیں جو مسلمان بادشاہوں کی نقلیں اتارتے ہیں اور ان پر طنز کرتے ہیں لوگوں نے سکھوں کے لطیفے بنائے ہیں لیکن ہمارے ٹی وی نے کبھی سکھوں پر طنز نہیں کیا۔ ہندو، راجپوت، فرماں روا، راجے، لٹیرے، ڈاکو، ظالم کبھی کسی پر کسی نے تنقید نہیں کی کیونکہ یہی میڈیا ہماری ساری قوم کا ذریعہ علم بھی ہے ساری قوم اسی طرح سمجھتی ہے اگر حقائق کی طرف جائیں تو انگریزوں نے مسلمانوں کی تاریخ بگاڑی بھی بہت ہے مرہٹے، پیشہ ور ڈاکو تھے انہیں بہادر لکھا جب کہ مسلمان حکمران عادل اور صالح لوگ تھے، انہیں ڈاکو لکھا ہمارا آج کا دانشور تحقیق سے نابلد ہے پیچھے جا کر تحقیق نہیں کرتا جو تاریخ انگریزوں نے اپنی رائے سے بنوائی اسی کو پڑھ کر اپنی دانش بکھیرتا رہتا ہے یہ کون سی دانش مندی ہے کہ آپ اغیار سے اپنے اسلاف کو جانیں؟ ان لوگوں سے جانتے ہیں جو مسلمانوں کے دشمن تھے دنیا میں اور بھی قومیں تھیں اور لوگوں نے بھی تاریخ لکھی ہے کبھی انگریزوں کے سحر سے نکل کر کسی دوسری تاریخ کا بھی مطالعہ کر لیں باقی دنیا مسلمان حکمرانوں کے بارے میں کیا کہتی ہے؟

مسلمانوں نے ہندوستان کو اتنا آباد کیا کہ برطانیہ، فرانس اور چین سے لوگ یہاں روزگار کی تلاش میں آتے تھے جب زمانہ بیت گیا خانہ جنگیاں آ گئیں چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بن گئیں حکومت، سکھوں اور مرہٹوں نے چھین لی اس کے بعد انگریز آ کر ان ٹولیوں سے لڑے اس وقت انگریز کے سامنے صرف ایک ہی رکاوٹ تھی اور وہ تھا سلطان ٹیپو شہید، بنگال میں نواب سراج الدولہ شہید تھا، پورے ہندوستان میں ایک طرف سلطان ٹیپو شہید کے ماموں کو خرید کر اسے رلایا گیا دوسری طرف نواب سرج الدولہ شہید کے ماموں کو خریدا گیا کہ حکومت تمہیں دے دیں گے انہیں دھوکے سے شہید کرا دیا گیا اس کے بعد سارے ہندوستان پر انگریز قابض ہو گیا درمیان میں وہ سارا عہد خانہ جنگی کا گزرا، سکھوں، ہندوؤں، مرہٹوں کا زمانہ بھی، راجے، مہاراجوں کا زمانہ بھی گزرا لیکن اس کے باوجود جو ہندوستان مسلمانوں نے بنایا تھا انگریز کے قبضے میں آنے کے بعد ہندوستان کا حال یہ تھا کہ ایک انگریز نے برطانوی اسمبلی میں رپورٹ پیش کی وہ کہتا ہے کہ میں نے ہندوستان میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک سفر کیا ہے۔

مجھے پورے ہندوستان میں کوئی گداگر نظر نہیں آیا کوئی چور نظر نہیں آیا یہ مسلمان حکمرانوں کی حکومت کا ثمر تھا کہ اغیار بھی سدھر گئے تھے کسی کو چوری کرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی اور نہ ہی کسی کو گداگری کی ضرورت رہی تھی اور یہ مسلمانوں کی حکومتیں گزرنے کے ایک صدی بعد کا واقعہ ہے اس نے پھر مشورہ دیا کہ اگر تمہیں مسلمانوں پر حکومت کرنی ہے تو ہندوؤں کو چھوڑ دو ہندو تو ہر طاقت کے پجاری ہیں بڑا پہاڑ دیکھیں گے، بڑا جانور دیکھیں گے، بڑا سانپ دیکھیں گے سجدے میں گر جائیں گے بڑا دریا ہو گا پوجا شروع کر دیں گے طاقتور قوم آ جائے گی اس کی پوجا شروع کر دیں گے تم طاقتور ہو تمہارے آگے سجدے کرنے لگ جائیں گے اگر مسلمانوں پر حکومت کرنی ہے تو دو کام کرنے پڑیں گے ایک ان کی تاریخ مسخ کر دو اپنے بڑوں کے کارنامے انہیں بڑھا چڑھا کر سناؤ ان کے ہیرو اپنے یورپین کو بناؤ مسلمانوں کے قومی ہیروز کو چور ڈاکو کہہ کر مسترد کر دو اور ان کا ذریعہ تعلیم، جو انہیں اسلام سکھاتا ہے، اسے بند کر دو مسلمانوں کا دین ان سے چھین لو، انہیں صرف جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم سکھاؤ اللہ اور رسولؐ کی بات ان کے کانوں تک نہ پڑنے دو ان کا نصاب تعلیم بدل دو ان کی ریڑھ کی ہڈی ان کا علم ہے جب ان سے قومی غیرت نکل جائے گی دینی علم بھی نکل جائے گا تو یہ لوگ ہماری غلامی کرتے رہیں گے اور اسی پر اس نے کام کیا۔

الحمدللہ اس وقت کے علماء کرام نے جہاد کیا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب اور محبوب تھے وہ بوریے بستر پر، روکھی سوکھی کھا کے گزارا کرتے رہے زکوٰۃ، صدقات وغیرہ مانگ کر دینی علوم کا سلسلہ جاری رکھا اور یوں ہم تک دین پہنچانے کا ذریعہ بنے اللہ ان پر کروڑوں، کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور دوسرا یعنی دنیاوی اور قومی شعبہ تاریخ وغیرہ کا، یہ سارے لوگ بھنگ پی کر انگریزوں کے ساتھ ہی مل گئے اس شعبے کی حفاظت کا کوئی سامان ہی نہ ہو سکا اب ہمارے بچوں کے سامنے جب کسی ہیرو کا نام لیں تو نپولین بوناپاٹ اور سکندر اعظم کو تو یہ جانتے ہیں محمد بن قاسم کو کوئی نہیں جانتا بلکہ ہمارا ایک سیاستدان جو کہ قومی اسمبلی کا رکن بھی تھا پچھلے دنوں وہ فوت ہو گیا، کہہ رہا تھا کہ محمد بن قاسم تو ایک دراندازتھا، invader انگریزی میں اس نے استعمال کیا دوسرے ملک میں جو حملہ آور ہوتا ہے، مداخلت کرنے والا، محمد بن قاسم ایک invader تھا ہمارا ہیرو تو راجہ داہر ہے یہ انگریز کی تعلیم کا نتیجہ ہے کاش ہم واقعی آزاد ہو گئے ہوتے جسے ہم آزادی سمجھتے ہیں دراصل ہم آزادی کی غلط فہمی میں ایک درجہ اور نیچے چلے گئے پہلے ہم انگریز کے غلام تھے اب انگریز کے غلاموں کے غلام ہو گئے یہ ہمیں ایک درجہ اور نیچے لے گئے یہ کون سی آزادی ہے؟ کہ یورپ امریکہ کے بچے جو سر منڈا کے حالت بنائیں ہمارے بچے بھی وہی حالت بنا لیں کیا یہ آزاد لوگ ہیں؟ ان سے تو وہ چرواہے، افغان جنگلی اور ان پڑھ آزاد ہیں جن کا اپنا ایک حلیہ ہے میں نے دو قوموں کو دیکھا ہے میں نے پٹھانوں کو کینیڈا، امریکہ اور جاپان تک دیکھا ہے وہی شلوار، قمیص اور واسکٹ پہن کر تین نسلوں سے رہ رہے ہیں یا پھر میں نے سکھوں کو دیکھا ہے وہی کھیس اور وہی داڑھی رکھی ہوئی ہے باقی ہم تو یار جدھر جاتے ہیں ویسے ہی ہو جاتے ہیں مجھے حیرت ہوتی ہے لوگ یہاں (دارالعرفان منارہ چکوال) مجھے ملنے آتے ہیں بچے نے ایک تنگ سی پتلون پہن رکھی ہے ادھر ادھر سے کاٹ کر درمیان میں چھترا سا بنا ہوا ہے بعض نے پیلا رنگ لگایا ہوا ہے بعض میں نیلا کیوں؟ کیونکہ انگریز، امریکن ایسا کرتے ہیں یار تم کس کی امت ہو؟ انگریزوں کی یا محمد الرسولؐ کی؟ قیامت کو تم کس قوم کے ساتھ کھڑا ہونا چاہتے ہو؟ تمہارے ساتھ دنیا میں کیسا سلوک ہو؟ جیسا ان کے ساتھ ہو رہا ہے بڑا خوشحال ہے امریکہ، پتہ ہے امریکہ میں قانون ہے کہ کسی کی بیٹی کسی کے ساتھ زنا کر رہی ہو اور اوپر سے باپ آ جائے دیکھ لے تو اسے کہنا پڑتا ہے کہ

"enjoy your life,have a nice time"

قانوناً کہ موج کرو مزے کرو نہ کہے تو اس کے خلاف پرچہ ہو سکتا ہے اسے منع کرے تو پولیس پکڑ لیتی ہے یہ دنیا میں ان کے ساتھ ہو رہا ہے انہیں تم آزاد سمجھتے ہو جن کا یہ حشر ہے؟ کوئی کسی کی ماں نہیں، کوئی کسی کی بہن نہیں، کوئی کسی کی بیٹی نہیں، کوئی کسی کا خاندان نہیں، ہر کوئی اکیلا، اکیلا جی رہا ہے کوئی عزت نہیں، کوئی آبرو نہیں، کوئی حلال نہیں، کوئی حرام نہیں، جہاں بھر کی غلاظتیں کھا رہے ہیں کیا یہ خوشحالی ہے؟ ان جیسے بن کر ہم بھی گدھے اور کتے کھانے تک تو پہنچ گئے ہیں اور ہم جو اُن کی برآمدی چیزیں کھاتے ہیں چاکلیٹ اور اس طرح کی بیشمار نام ہیں وغیرہ وغیرہ کسی میں خنزیر کی چربی ہے اور کسی میں مردار شامل ہے اور یہاں پاکستان میں ہمارے مسلمان کہلانے والے بھائی جو تیل بنا رہے ہیں اور جو کچھ ہوٹلوں پر پک رہا ہے جو مٹھائیاں ہم کھاتے ہیں ٹی وی والے کئی دفعہ پکڑ کر دکھاتے بھی ہیں ہے میرا خیال ہے جہاں یہ بناتے ہیں وہاں تو کوئی کتا بھی نہ کھائے چکا چک کو کے رکھ دیتے ہیں اور ساری دنیا کھا رہی ہے بنانے والے کو اگلے دن وہ کہہ رہے تھے کہ یار اس میں سے تھوڑی سی چکھی تم بھی کھاؤ تو سہی تو وہ نہیں کھا رہا تھا، اس نے کہا یار لوگوں کو پیسے لے کر کھلا رہے ہو تمہاری مٹھائی پاکستان بھر میں مشہور ہے تو ایک چھوٹی سی برفی خود بھی کھاؤ۔ نہیں جی نہیں، یہ بہت گرم ہے، ٹی وی والے نے کہا کہ آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو ہاتھ کو گرم نہیں لگی کھانے میں گرم ہے وہ خود نہیں کھاتا، کیونکہ اس میں تو سارا زہر، گند اور غلاظت ہے کبھی تجربہ تو کریں جس دکان سے مٹھائی لیتے ہیں اسے کہیں ایک پیڑا خود بھی کھاؤ وہ بالکل نہیں کھائے گا کوئی کارندہ ہو یا بیچنے والا ہو تو الگ بات ہے مالک سے کہیں وہ قریب بھی نہیں جائے گا آپ کو بڑی مہنگی دے گا ورق لگا کر بیچے گا یہ چیزیں ہم میں کہاں سے آ رہی ہیں؟ وہیں سے جن جیسا بننے کی ہم کوشش کر رہے ہیں اسلام تو ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا مدینے سے چیزیں نہیں آ رہیں مکہ مکرمہ سے نہیں آ رہیں حرم پاک سے نہیں آ رہیں۔

اللہ ہمیں ہدایت دے اللہ کی بخشش بہت وسیع، بڑی عام ہے نبی کریمؐ کی بشارتیں دل باغ باغ کر دیتی ہیں ایک کلمہ طیبہ صدق دل سے پڑھ لو تمہارے اور جہنم کے درمیان بڑے فاصلے ہو گئے تم جنت پہنچ گئے ہم سے یہ بھی نہیں ہوتا اللہ کریم ہم پر رحم فرمائے اللہ کے قانون کے مطابق زندگی گزارنا اسلام ہے تنگی دے افلاس دے بھوک دے، بھوکے رہ کر اللہ کا شکر ادا کرنا اسلام ہے اللہ دولت دے امارت دے، عزت دے اس میں رہ کر اللہ کی اطاعت کرنا اسلام ہے اور غریبی میں اطاعت آسان ہے امیری میں بڑی مشکل ہو جاتی ہے بہت سے گناہ ایسے ہیں جو بندہ غربت کی وجہ سے نہیں کر سکتا، بچ جاتا ہے امیری میں ہر گناہ آسان ہو جاتا ہے امراء کیلئے سنبھل کر رہنا غریب کی نسبت مشکل ہوتا ہے اللہ کریم ہماری حفاظت فرمائے ہم پر رحم فرمائے اور ہمیں ان بشارتوں کا مستحق بنائے۔

(معروف عالم دین مذہبی امور پر لکھتے ہیں)

☆......☆......☆

پولیس رشوت کیوں لیتی ہے



مسز جمشید خاکوانی......(آئینہ)

mrs.khakwani@yahoo.com

پولیس کے فرسودہ نظام پر ایک تحریر پڑھنے کو ملی بظاہر یہ دو دوستوں کے درمیان ایک مکالمہ تھا لیکن میرے لیئے معلومات کا ایک خزانہ تھا اگر واقعی پولیس میں ایسا ہی چلتا ہے تو پھر مجرم کون ہے؟ آخر ہماری پولیس خاص طور پر پنجاب پولیس اتنی بدنام کیوں ہے؟ رشوت کیوں لیتی ہے؟ ظلم کیوں کرتی ہے؟ وقوعہ پر ہمیشہ تاخیر سے کیوں پہنچتی ہے ایسے کئی سوال ہم سوچتے ہیں اور جواب نہ ملنے پر خاموش ہو جاتے ہیں ہر شریف آدمی تھانے جانے سے گھبراتا ہے ہم نے تو اب یہ بھی سنا ہے کہ پنجاب میں تھانے بکتے ہیں اور حمزہ شریف ہر تھانے سے بھتہ لیتا ہے کہ سوچ ہے آپ کی، حال ہی میں ملتان میں ایک بارہ سالہ لڑکی کے ساتھ زیادتی کا واقعہ ہوا جس پر پنچایت بیٹھی اور اس لڑکے کی سترہ سالہ بہن کو بدلے میں زیادتی کا نشانہ بنایا گیا پولیس نے بعد میں پنچایت کے لوگ گرفتار کیے اب کیا فائدہ جب ایک اور وقوعہ ہو چکا جرم ہونے کے بعد ایکشن لینا اور وہ بھی طزموں کا رہا ہو جانا مزید جرائم کا سبب بنتا ہے لوگ پولیس سے نفرت کرتے ہیں۔ ہم سب کو سوچنا چاہیے کہ اصل نفرت کے مستحق کون ہیں؟ مہار فصیح احمد جن کا ایک دوست راجن پور کے تھانے کا اے ایس آئی تھا وہ نوکری چھوڑ کر جا رہا تھا مہر صاحب کے وجہ پوچھنے پر اس نے جو احوال سنایا وہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے اس نے بتایا میں اس لیے نوکری چھوڑ رہا ہوں کہ میں کسی بے بس آدمی پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا، تشدد نہیں کر سکتا، کسی بے گناہ کو جیل میں نہیں ڈال سکتا نہ ہی رشوت لے سکتا ہوں اور سب سے بڑھ کر میں 26ہزار713 روپے میں اپنا تین بچوں والا گھر نہیں چلا سکتا دوست نے کہا تو یہ کام نہ کرو ایمانداری سے اپنا کام کرتے رہو ایماندار شخص کی قدر تو افسر بھی کرتے ہیں وہ تلخی سے ہنسا اور بولا بھائی ایسا فلموں، ڈراموں میں ہوتا ہے مشکل سے دس فیصد افسران ایسے ہوں گے جو ایمانداری کی حوصلہ افزائی کرتے ہوں لیکن یہ افسران بھی آپ کو کسی بے گناہ کو جیل میں ڈالنے یا تشدد کرنے سے نہیں روکیں گے پولیس میں رہ کر آپ کو مجبوراً رشوت بھی لینی پڑتی ہے اور ظلم و تشدد بھی کرنا پڑتا ہے دوست کی حیرانی پر اس نے بتایا اصل وجہ ہے تھانے کا نظام، جس کی وجہ سے تھانے کا اور آپ کا اتنا خرچہ ہوتا ہے جس پر آپ کو مجبوراً رشوت لینا پڑتی ہے اس کی تفصیل اس نے کچھ یوں بتائی کہ ایک چھوٹے تھانیدار کو اپنے الاٹ ہوئے کیس کو سنبھالنے کے لیے ہمہ وقت کم سے کم دو سپاہی رکھنے پڑتے ہیں جو کہیں پر ریڈ کرنے یا ملزموں کی گرفتاری کیلئے چاہیے ہوتے ہیں ان سپاہیوں کی رہائش اور کھانے پینے کا ذمہ اس نکے تھانیدار کے سر ہوتا ہے۔

کیونکہ وہ ان کا خرچہ نہیں اٹھائے گا تو کوئی بھی سپاہی اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوگا دوست کے اس سوال پر کہ ایک سپاہی اپنے اے ایس آئی کو منع کیسے کر سکتا ہے؟ اس نے بتایا جب بھی آپ کو کہیں ریڈ پر یا کسی ملزم کو گرفتار کرنے جانا ہو سب سے پہلے تھانہ محرر کو مطلع کرنا پڑتا ہے کہ مجھے اتنے سپاہی چاہیں اگر آپ محرر صاحب کو روزانہ یا ماہانہ کچھ نہیں دیتے تو وہ کئی طرح کے جائز نظر آنے والے بہانے بنا کر آپ کو نفری دینے سے صاف انکار کر دے گا چلیں اگر محرر نے کہہ بھی دیا کہ ٹھیک ہے لے جائیں چند سپاہی، تو اگر آپ ریڈ پر جانے والے ہر سپاہی کو سو دو سو دیں گے تو وہ جائیگا ورنہ سپاہی خود انکار کر دیں گے اور آپ سوائے سپاہی کا منہ تکنے کے کچھ نہیں کر سکتے زیادہ سے زیادہ ایس ایچ او کو شکایت لگائیں گے لیکن اگر آپ ایس ایچ او کو بھی روزانہ یا ماہانہ کچھ نہیں دیتے تو پھر وہ بھی سپاہی کے بہانے کو جائز قرار دے دے گا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخبری ہونے پر فوری ریڈ کرنی ہوتی ہے ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے اس لیے آپکا پہلا خرچہ ایس ایچ او، دوسرا خرچہ محرر اور تیسرا خرچہ سپاہیوں کا جن کو آپ ساتھ لے کر جا رہے ہوتے ہیں ان مراحل سے گزرنے کے بعد اگلا مرحلہ ہوتا ہے گاڑی کا' حکومت ہر گاڑی کے لیے ماہانہ صرف 240 لٹر دیتی ہے اس پٹرول میں آپ نے روزانہ گشت بھی کرنا ہوتا ہے عدالت بھی جانا ہے اور ملزمان کی گرفتاری بھی کرنی ہے اس لیے عموماً مہینے کے پہلے دس دن میں ہی یہ پٹرول ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد جو گاڑی لے کر جائے وہی پٹرول بھروائے آپ بتائیں 26 ہزار713 روپے میں بندہ گھر چلائے یا تھانہ؟ بعض کیسز میں مدعی بھی پولیس خود ہوتی ہے ان میں خرچہ اور بڑھ جاتا ہے جبکہ آپ کو رشوت دینے والا بھی کوئی نہیں ہوتا مثلاً 15 پر شکایت آتی ہے کہ فلاں جگہ جواء کھیلا جا رہا ہے یا محلے میں کہیں منشیات فروخت ہو رہی ہیں یا ایسا مسئلہ جس میں عوام تنگ ہو رہے ہوں ایسے کیس میں مدعی کوئی نہیں بنتا اب اس میں خرچہ کون کرے گا (لہٰذا آنکھیں بند کرنی پڑتی ہیں) بلکہ ایسے کیسز میں اصل خرچہ گرفتاری کے بعد شروع ہوتا ہے گرفتاری کے بعد ملزم کو عدالت لے کر جانا پڑتا ہے اس کے لیے گاڑی اور سپاہیوں کا بندوبست کرنا عدالت میں پانچ کرمثل لکھ کر جمع کرانی پڑتی ہے جس کو لکھنے کا ٹائم آپ کو نہیں مل پاتا تو اس کے لیے چار پانچ سو دے کر مثل لکھوانی پڑتی ہے چالان جمع کرواتا ہے تو عدالت میں پانچ سو روپے فی چالان رشوت کا ریٹ مخصوص ہے اس کے بغیر آپ کا چالان جمع ہی نہیں کیا جائے گا اب اگر اس کا چالان ہو گیا تو اس کو سنٹرل جیل کون پہنچائے گا؟

آپ کو ایک بار پھر کسی سپاہی کو کرایہ، گاڑی کا پٹرول اور سو دو سو دیہاڑی دے کر ملزم کو سنٹرل جیل پہنچانا پڑے گا اس کے چونکہ مدعی آپ خود ہیں اس لیے اس کی ہر پیشی پر آپ نے بھی عدالت جانا ہے وہ خرچہ الگ، اور اگر اس کی ضمانت آپ نے ضلعی جیل سے نہیں ہونے دی تو وہ ہائی کورٹ جائے گا تو ہائی کورٹ کی طلبی پر آپ کو بھی جانا پڑے گا ایک اور خرچہ، اگر ضمانت ہائی کورٹ سے خارج ہو گئی تو بعض ملزمان کے وکیل سپریم کورٹ چلے جاتے ہیں اب اگر آپ کو سپریم کورٹ نے طلب کر لیا تو اسلام آباد آنے جانے رہنے اور کھانے پینے کا خرچہ کیونکہ پولیس میں جو ٹی اے ڈی اے ملتا ہے اس سے تو دو وقت کا کھانا بھی بمشکل پورا ہوتا ہے پھر اس نے ایک واقعہ سنایا کہ ابھی چند دن پہلے ایک منشیات فروش کو گرفتار کیا ہے جس سے سارا علاقہ تنگ تھا ہر شخص جانتا تھا کہ وہ ماہانہ کئی سو کلو منشیات فروخت کرتا ہے لیکن ہم نے جب بھی ریڈ کی اس کے گھر کی لوکیشن ایسی تھی کہ یا تو وہ صاف بچ جاتا یا پھر اس سے سو دو سو گرام چرس برآمد ہوتی اب قانون یہ ہے کہ برآمد ہونے والی منشیات کی مقدار ایک ہزار گرام سے کم ہو تو اس پر جو دفعات لگتی ہیں اس پر پہلی پیشی پر ہی باسانی ضمانت ہو جاتی ہے وہ شخص واپس آ کر زیادہ دلیری سے کام کرتا ہے بلکہ ہمارا منہ چڑاتا ہے اگر منشیات کی مقدار ایک ہزار گرام سے زیادہ ہو تو ضمانت مشکل ہو جاتی ہے اس لیے جب میں نے اسے گرفتار کیا تو گرفتاری کے وقت اس سے صرف تین سو گرام چرس برآمد ہوئی لیکن میں نے عوامی فلاح میں اس پر ایک ہزار گرام کا پرچہ کاٹا وہی ہوا اس کی ضمانت منسوخ ہو گئی لیکن مجھے سات سو گرام چرس اپنے پلے سے خرید کر ڈالنا پڑی تا کہ عوام اس کے مکروہ دھندے سے بچے رہیں اب اگر وہ سپریم کورٹ چلا جاتا تو ظاہر ہے میرا خرچہ اور بڑھ جاتا اس کے علاوہ مزید کئی خرچے ہوتے ہیں حکومت تھانوں میں چائے پانی کے نام پر ایک روپیہ بھی نہیں دیتی جبکہ ہمیں کسی کو چائے پلانی پڑتی ہے کسی کو بوتل کسی کو کھانا تک کھلانا پڑتا ہے آپ ہی بتائیں چھبیس ہزار سات سو تیرہ روپے میں کوئی کیسے یہ سب خرچ کر سکتا ہے؟ مزید اس نے کہا جیسے ہی آپ کسی کو گرفتار کرتے ہو علاقہ معززین، چٹی دلال اور ٹاؤٹ ایسے جمع ہو جاتے ہیں جیسے ہل مارتے وقت ٹریکٹر کے اردگرد پرندے جب ان سب سے مشکل سے جان چھڑا کر پلٹتے ہیں تو اندر سے ایس ایچ او کا بلاوہ آ جاتا ہے کہ اوپر سے کال آئی ہے بندہ چھوڑ دو اب پتہ نہیں واقعی اوپر سے کال آتی ہے یا ایس ایچ او صاحب خود ہی مک مکا کر کے بیٹھے ہوتے ہیں اگر اوپر سے کال ہو تو اوپر والے بھی مفت کال نہیں کرتے اور کبھی کبھار تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بھی شخص ایس ایچ او کی مٹھی گرم کر کے کہتا ہے میرے فلاں دشمن کو گرفتار کر کے دو چار لتر لگا دیں بس پھر ایس ایچ او صاحب کمرے میں بلا کر دو تین سپاہی اور گاڑی فراہم کرتے ہوئے حکم دیتے ہیں جا کر فلاں آدمی کو اٹھا لاؤ اور اس کی چھترول کرو اس وقت وہ سپاہی سب سے آگے بھاگ رہے ہوتے ہیں کیونکہ ان کی مٹھی بھی گرم ہو چکی ہوتی ہے یوں ہمیں ایک بے گناہ شریف آدمی کو گرفتار کر کے لانا پڑتا ہے اور جھوٹا کیس بنا کر چھترول کے بعد جیل بھی ڈالنا پڑتا ہے یوں ہم اپنی قبر کالی کرتے ہیں۔

یہ سب کچھ پڑھ کر ہمیں سوچنا چاہیے کہ اس قدر غلیظ نظام کو ٹھیک کون کرے گا؟ جبکہ ہر ایک آنکھیں بند کر کے صرف اپنی اپنی جیبیں بھر رہا ہے اور اپنی قبریں کالی کر رہا ہے ان خرچوں کی نوبت نہ آئے تو پولیس رشوت کیوں لے؟ ارکان اسمبلی کی طرح کچھ مراعات پولیس کے حصے میں بھی آ جائیں تو ان کے گھروں کا چولہا بھی آسانی سے جلنے لگے وہ اپنے بچوں کے پیٹ میں حرام رزق نہ بھریں لیکن یہ سب کون سوچ کون کرے؟

(سیاسی و سماجی امور پر لکھتی ہیں)

☆......☆......☆

سچے جذبے

کرنے پر تیار ہو گئے۔ میاں محمد نواز شریف کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایٹمی دھماکے کے بعد پاکستان اور پاکستانی عوام کی زندگیوں میں معاشی انقلاب برپا کرنے کے لئے اقتصادی دھماکہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اس کے لئے انہوں نے گہرے پانیوں کی گوادر بندرگاہ بنائی۔ اسرائیل کے چہیتے اور امریکہ کے لاڈلے نریندر مودی اس بندرگاہ کو ناکام بنانے کے لئے ملکوں ملکوں دوڑے، چاہ بہار کو گوادر کا متبادل بنانے کے لئے ہزار جتن کئے لیکن ناکام و نامراد ٹھہرے۔ گوادر بندرگاہ پاکستانیوں کی زندگیوں میں ثمر آور تبدیلی لانے والی ہے۔ متعدد ملکوں کو تجارتی ساز و سامان کی ٹرانسپورٹیشن کے لئے پاکستان سے جوڑے گی۔ پاکستان کی اپنی برآمدات میں بیش بہا اضافے کی توقع ہے۔ اغیار کی نظروں میں میاں محمد نواز شریف کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ انہوں نے چین کے اشتراک و تعاون سے سی پیک کی تعمیر کا بیڑا اٹھا رکھا ہے، جس کی وجہ سے پاکستان بہت سے ملکوں کے لئے محبوب و مقبول بن چکا ہے۔

اسی پر اکتفا نہیں، بلکہ چین نے 46 ارب ڈالر کی گرانقدر سرمایہ کاری بھی فراہم کر دی ہے. اس رقم کا غالب حصہ پاکستان میں بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ 2013ء کے الیکشن میں میاں محمد نواز شریف کی کامیابی سے پہلے پاکستان کے پاس اپنی صنعت کے لئے پوری بجلی تھی اور نہ ہی خارجہ سرمایہ کاری آ رہی تھی۔ اقتدار ملنے کے بعد جونہی موجودہ حکومت کو دوست ملک چین سے کثیر رقم کی سرمایہ کاری ملی اور اس نے بڑے ترقیاتی منصوبوں کی داغ بیل ڈالی۔ یک لخت احتجاجی دھرنے شروع ہو گئے، امپائر کی انگلی اٹھنے کی دھمکیاں دی جانے لگیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان دشمن قوتوں کو پاکستان کے اندر سے سیاست دانوں کی صورت میں خوشحالی کے دشمن مل گئے۔ سیاست دانوں کے اودھم مچانے کے باوجود حکومت نے بجلی کے متعدد منصوبے مکمل کر لئے اور اب تک صنعت کو بلاتعطل بجلی مہیا ہونے لگی ہے۔ لاہور، اسلام آباد، راولپنڈی، ملتان اور دوسرے بڑے شہروں میں میٹرو بس چلا کر عوام کو کم خرچ، تیز رفتار اور آرام دہ سفری سہولتیں مہیا کر دی گئی ہیں۔ لاہور میں بین الاقوامی معیار کا اورنج لائن ٹرین منصوبہ چند ماہ میں مکمل ہونے والا ہے۔ حکومت کے شروع کردہ ترقیاتی منصوبے جہاں ایک طرف براہ راست عوام کے لئے سہولتوں کا باعث بنیں گے۔ وہاں ملک معاشی ترقی کی راہ پر سرپٹ دوڑے گا، روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے، سیاست دانوں کے لئے عوام کو سبز باغ دکھانے کے مواقع ناپید ہو جائیں گے، ہماری سیاست دانوں سے ایک بار پھر درخواست ہے کہ بے موقع حکومت گرانے کا خواب دیکھنا چھوڑ دیں، اقتصادی خوشحالی کے پروگرام مکمل کرنے میں حکومت کے ساتھ تعاون کریں، افراتفری پیدا کر کے انڈیا، اسرائیل اور امریکہ کو خوش کرنے کے بجائے کاروبار کے لئے پرامن اور سازگار ماحول پیدا کر کے پاکستان کے عوام کی خوشنودی حاصل کریں۔

(صدر لاہور چیمبر)

☆......☆......☆

اعلان

لا إله إلا الله محمد رسول الله

isterstück Heritage
petual Calendar
Hugh Jackman

터스튁 헤리티지
얼 캘린더와 휴 잭맨

ed for New Heights

g one of the most delicate
ations in fine watchmaking,
ntblanc Meisterstück Heritage
al Calendar will require no
ents until the year 2100,
as its self-winding Calibre
is kept sufficiently wound.
n a 39 mm 18K red gold
s refined timepiece
mises to be a
companion.
ntblanc.com



Meisterstück 90 Years Collection

دنیا منبر و محراب



شعبان المعظم

نصف شعبان کو شب برأت ہوتی ہے یہ رات

ذیشان کلیم معصومی

شعبان المعظم کا مہینہ بڑی برکتوں اور رحمتوں والا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا'' رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ ہے۔'' شعبان اسلامی سال کا آٹھواں ماہ مبارک ہے اس کی بہت فضیلت و برکات ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاکؐ کو تمام مہینوں سے پیارا شعبان تھا اس لئے آپؐ اس ماہ کثرت سے روزے رکھتے اور میں نے شعبان کے علاوہ اور کسی ماہ میں حضورؐ کو اتنے روزے رکھتے نہیں دیکھا بجز رمضان کے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ کے نزدیک روزہ رکھنے کیلئے سب سے محبوب مہینہ شعبان

شعبان کے معنی پہاڑ کو جانے والا دشوار گزار راستہ یا گھاٹی ہے، یہ نام رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اعمال سے اللہ کا قرب حاصل کر سکیں

المعظم ہے آپؐ شعبان میں روزے رکھتے اور پھر اسے رمضان سے ملا دیتے۔ شعبان کو اس لئے شعبان کہا گیا ہے کہ اس سے خیر کثیر نکلتی ہے۔ شعبان دراصل شعب سے مشتق ہے اس کا معنی پہاڑ کو جانے والا دشوار گزار راستہ یا گھاٹی بھی ہے اس ماہ کا نام شعبان رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہم خیر و برکت کے زیادہ سے زیادہ اعمال سے اللہ کا قرب حاصل کر سکیں۔ اس ماہ کو یہ اعزاز کیا کم ہے کہ اللہ کے محبوب پاکؐ نے اس کو خود سے منسوب فرمایا اور دوسرے مہینوں کی نسبت آپؐ کی نفلی عبادات میں اس ماہ اضافہ ہو جاتا اور آپؐ نے اپنی امت کو بھی اس ماہ عبادات کرنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ رسول پاکؐ جب شعبان کا مہینہ آتا تو فرمایا کرتے'' اس میں اپنی جانوں کو پاک کرو اور اپنی نیتوں کو درست کرو یہ وہ مہینہ ہے جس میں لوگوں کے اعمال رب العالمین کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔'' نسائی میں حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسولؐ! آپؐ کو کسی ماہ میں اس قدر روزے رکھتے نہیں دیکھا جس قدر آپؐ شعبان میں رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا'' یہ وہ مہینہ ہے جس سے لوگ غافل ہیں یہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے اور یہ وہ ماہ ہے جس میں لوگوں کے اعمال رب کے حضور پیش کیے جاتے ہیں اور میں نے یہ پسند کیا کہ جب میرا عمل پیش ہو تو میں روزے میں ہوں۔''

شعبان میں 5 حروف ہیں بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ش سے مراد شرافت یعنی بزرگی، ع، سے مراد علو یعنی بلندی، ب سے مراد بر یعنی بھلائی اور احسان سے مراد

الفت، اور ن سے مراد نور ہے۔ گویا ماہ شعبان کی
گری کیا ہوتی ہے شرافت، بلندی، بھلائی، الفت
نور کا سماں بندھ جاتا ہے۔ اس ماہ مبارک میں نیکی
میں کثرت خطاؤں کی مغفرت اور نزول برکت کا سل
بڑھ جاتا ہے۔ رسول اکرمؐ کا فرمان پاک ہے'' ش
کا مہینہ مقدس اور برکت والا ہے اس ماہ عبادت
ثواب بہت زیادہ ہے۔'' حضرت انسؓ فرماتے
ماہ شعبان کا چاند نظر آتے ہی صحابہ کرامؓ تلاوت
مشغول ہو جاتے اور اپنے اموال کی زکو
قیدیوں کو طلب کرتے جس پر
قائم کر

Daily DUNYA Islamabad,Friday,May 20, 2016

پیٹ میں گیس پیدا کرنے والی غذائیں اور گھریلو علاج

کچھ پھل اور قدرتی غذائیں ایسی ہوتی ہیں، جن کو کھانے سے معدے میں کچھ مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ صحت بخش غذائیں یا پھل ہیں، مگر اکثر یہ معدے یا چھوٹی آنت میں گیس کا باعث بن کر صحت کے مسائل پیدا کر دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پیٹ پھول جاتا ہے جبکہ معدے میں تکلیف ہونے لگتی ہے۔

تربوز: موسم گرما کی یہ سوغات میٹھی اور تازہ دم کر دیتی ہے تاہم یہ معدے میں گیس یا پھولنے کا باعث بھی بن سکتی ہے، درحقیقت اس پھل میں چینی کی قدرتی شکل fructose کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے جسے پوری طرح ہضم کرنے میں اکثر معدہ ناکام رہتا ہے جس کے نتیجے میں گیس پیدا ہوتی ہے۔ ہر تین میں سے ایک شخص تربوز کھانے کے بعد اس تکلیف کا شکار ہوتا ہے۔

زیادہ بو والی سبزیاں: سبزیاں جن کی بو بہت تیز ہوتی ہے جیسے سبز پیاز، لہسن، پیاز وغیرہ میں فائبر کی ایک قسم فریوکٹانس کی مقدار کافی زیادہ ہوتی ہے اور ہمارے معدے کے لیے اسے توڑ کر ہضم کرنا آسان نہیں ہوتا، جس کے نتیجے میں پیٹ کے مختلف مسائل جیسے گیس اور پیٹ کا پھولنا وغیرہ سامنے آتے ہیں۔

آم: آم کو تو پھلوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے اور سامنے ہو تو کسی کے لیے بھی ہاتھ روکنا مشکل ہو جاتا ہے مگر اس میں گلوکوز کے مقابلے میں fructose کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور یہ عدم توازن جسم کے لیے ہضم کرنا مشکل ہو جاتا ہے، جب بھی ایسا ہوتا ہے تو پیٹ کے پھولنے، گیس یا دیگر مسائل درپیش ہو سکتے ہیں۔

آلو بخارے: آلو بخارے بھی polyols کی مقدار کافی زیادہ ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں معدے کے بیکٹیریا میں ہلچل پیدا ہوتی ہے جو گیس یا پیٹ پھولنے کا باعث بنتی ہے۔

(انٹرنیٹ سے ماخوذ)

☆......☆......☆

...ا ہے۔ پنجاب
...ہور اظہر نے آپ
... خطابت و تصنیف یا
...سان قدرت بہت کم
...مل خان بھی ان خوش
... ہیں۔ ہم مولانا محمد اجمل
...بیانی کے مداح ہیں اور ان کے
...ے بھی قائل ہیں۔
...تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں کراچی
...ت مولانا محمد اجمل خان نے اپنی خطابت
...ت جان ڈالی۔ لاہور شہر میں لوہاری میں واقع
...سجد میں قومی اتحاد کے علماء مشائخ کا پرامن
...تھا، لیکن اس جلوس پر جو تشدد کیا گیا، وہ تاریخ کا
...باب ہے۔ پولیس مسجد میں جوتوں سمیت داخل
...ی۔ بدترین لاٹھی چارج کیا گیا۔ علماء کرام کی
...ھیاں نوچیں گئیں۔ قرآن مجید کی بے حرمتی کی
...۔ اس تشدد کا نشانہ مولانا محمد اجمل خان خود بھی
...۔ اس تحریک کے دوران مسجد کی بے حرمتی کے
...ے کے حوالہ سے حضرت مولانا زخمی دل تھے اور پھر
...نے اس افسوسناک بے حرمتی کو مدنظر رکھتے
...ئے ایک کتاب اسلامی معاشرے میں مسجد کا مقام
...ر فرمائی، جس پر حضرت مولانا مفتی محمود نے تبصرہ
...تے ہوئے لکھا کہ آپ نے مستند حوالہ جات کے
...ھ بڑی خوبی سے مساجد کی تکریم و تعظیم کے متعلق
... جامع کتاب تحریر فرمادی ہے۔ لاہور کی مسلم
...کی بے حرمتی کا واقعہ تاریخ کا سیاہ باب ہے۔
...نے درد دل کا مداوا کرنے کی غرض سے عجیب
...یر فرمائی ہے۔

مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مولانا محمد اجمل خان کی تصنیف اسلامی معاشرے میں مسجد کا مقام پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ آپ نے مساجد کے سلسلہ میں احکام اور مقامات و مراتب کے جتنے گوشے ہو سکتے ہیں، وہ سب واضح کر دیئے ہیں۔

مبلغ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی آپ کی کتاب اسلامی معاشرے میں مسجد کے مقام پر رقمطراز ہیں کہ خطیب اسلام نے اس اہم موضوع پر بہت تلاش اور جستجو سے کام لیا ہے۔ مولانا سید اسعد مدنی اس کتاب پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا محمد اجمل خان نے نہایت عرق ریزی اور محنت سے کام لیتے ہوئے ایک اہم عنوان پر قلم اٹھایا، جو وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مولانا محمد مالک کاندھلوی آپ کی اس تصنیف پر لکھتے ہیں کہ خطیب اسلام مولانا محمد اجمل خان اپنے علمی کمالات اور جذبہ تبلیغ دین میں اکابر علماء میں ایک ممتاز اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے مساجد کی اہمیت پر ایک بلند پایہ کتاب تحریر فرمائی، جو علوم و حقائق اور معارف و لطائف کا خزانہ ہے۔

حضرت خطیب اسلام مولانا محمد اجمل خان کی دینی علمی، تحقیقی، تصنیفی، تبلیغی، سیاسی و سماجی خدمات پر آپ کو جس قدر خراج تحسین پیش کیا جائے، وہ کم ہے۔ آپ کی خدمات جلیلہ کی وجہ سے آپ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اللہ کریم آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے (آمین)

☆......☆......☆

بانسری والا

فرخندہ لودھی

یہ اُس وقت کی بات ہے جب لوگوں کو تعلیم کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا۔ قادر کی عمر اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی اور اُس نے قرآن مجید کے علاوہ کوئی کتاب دیکھی تک نہیں تھی۔

قادر اپنے باپ کے ساتھ ڈھور ڈنگر بیلے میں لے جاتا اور پرندوں کے گیت اور جانوروں کی آوازیں سنتا، گرمیوں کی لمبی دوپہریں درختوں کے سائے تلے گزارنا مشکل ہو جاتا۔ اُس کا سارا علم اُن دو چار کہانیوں تک محدود تھا، جو اُس نے اپنے بڑے بزرگوں سے سن رکھی تھیں۔ ایک بار وہ اپنے ابا کے ساتھ میلہ دیکھنے گیا تو وہ حیران رہ گیا۔ اُس نے سوچا

"دنیا اتنی وسیع ہے۔"

اُس نے وہاں سے ایک بانسری خرید لی، جسے وہ روز بجایا کرتا مگر کب تک؟ آخر وہ اس سے بھی

گرمیوں کی ایک دوپہر، قادر کی بھینسیں ندی میں تیر رہی تھیں اور وہ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بانسری بجانے میں مشغول ہو گیا۔ وقت گذرنے کا اُسے احساس ہی نہ ہوا۔ اچانک اُس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو ایک اجنبی گھڑ سوار کھڑا تھا۔

"شاباش بھئی شاباش۔ تم تو بہت اچھی بانسری بجاتے ہو۔"

گھڑ سوار نے کہا اور ساتھ ہی پوچھنے لگا۔

"میرے ساتھ شہر چلو تو تمہیں بہت اچھی نوکری بھی مل جائے گی اور اپنے فن میں بہتری لانے کا موقع بھی۔ کیا خیال ہے؟"

"نہیں نہیں بانسری تو میں اپنے ذوق کی تسکین کے لیے بجاتا ہوں۔ پیسے تو دودھ بیچ کر بھی کمائے جا سکتے ہیں۔" قادر نے کہا۔ رفتہ رفتہ بانسری بجانے کے فن میں اُس کی مہارت کا چرچا دور دور تک پھیل گیا۔ اُس کے گاؤں والے بھی چاہتے تھے کہ قادر شہر جا کر اپنے فن کا مظاہرہ کرکے اپنے گاؤں کا نام روشن کرے۔ آخر کار قادر...

...ھا تھا، وہ گولی چلاتا
...ق لیکر بلیوں اور

تھا اسے صرف اعلیٰ شہرت کی طلب تھی۔ بوتھ نے لنکن کو قتل کرنے کیلئے بالٹی مور اور واشنگٹن کی ریاستوں کے درمیان بسنے والے باغی افراد پر فوج تیار کی جن سے وعدہ کیا گیا تھا کہ انہیں کثیر دولت اور شہرت عطا کرے گا، فوج میں کوئی شرابی کبابی تھا، کوئی ماہی گیر، کوئی فوجی بھگوڑا اور کوئی احمق کلرک۔ بوتھ نے لنکن کو قتل کرنے کیلئے چھکڑیاں، تیز رفتار گھوڑے اور کشتیاں خریدی تھی، کشتیاں چلانے کیلئے ملاح ہر وقت پورٹ ٹوبیکو میں موجود ہوتے تھے۔ جان ولکس بوتھ نے 14 اپریل 1865ء کو گڈ فرائیڈے کے دن فورڈ تھیٹر میں اپنی فوجی پستول کی نال صدر ابراہیم لنکن کے سر کے قریب لاتے ہوئے لبلبی دبا دی اور اچھل کر سٹیج سے نیچے آگیا۔ لنکن کا سر آگے کی طرف جھک گیا، لنکن کے منہ سے کسی قسم کی کوئی آواز نہ نکلی۔ ابراہیم لنکن فورڈ تھیٹر میں سٹیج ڈرامہ دیکھنے آیا ہوا تھا، جان ولکس بوتھ نے سارا عمل اتنی پلاننگ اور تیزی سے کیا کہ کسی تماشائی یا ایکٹر کو شک نہ ہوا کہ صدر امریکہ کا قتل کر دیا گیا ہے۔ لنکن کے قتل کے بعد ایک خاتون ایلاٹرز ...ریشان ہو کر بوتھ کی تصویر اپنے دل کے ساتھ لگائی اور کلوروفام ...لے کر خودکشی کر لی۔ ایلاٹرز کو لنکن کے قتل کا کوئی رنج نہیں تھا لیکن ...یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ لنکن کے قتل کے نتیجے میں بوتھ کو کوئی ...ہو۔ جان ولکس بوتھ کو 26 اپریل 1865ء کو امریکی فوج ...بلنگ پورٹ ورجینیا میں گولی مار کر قتل کر دیا تھا، جان ولکس بوتھ ...صرف 26 سال تھی، وہ ابراہیم لنکن کو قتل کرکے باغیوں اور ...کی نظر میں اعلیٰ شہرت حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن امریکی عوام ...ولکس بوتھ کے اس عمل کی مخالفت کی جس کی بدولت جان ولکس ...ندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ بوتھ کی وفات پر امریکی فوج کو اس کی ...ایک سگار، کمانی دار چاقو، دو ریوالور، ایک ڈائری، ایک ...نڈ کے ایک بنک کے نام ...

عرس بابا فرید الدینؒ اور انتظامیہ



خان خدایار خان چنڑ......(بہاولپور سے)

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے کا 775 واں عُرس مبارک کی ابتدائی رسومات شروع ہو چکی ہیں۔ آپ کی ولادت مبارک 575 ہجری بعض مؤرخین نے 569 ہجری ہونا لکھا ہے۔ آپ کا اصل نام مسعود تھا بعد میں گنج شکر کے نام سے مشہور ہوئے پیدائش کے وقت ہی آپ کی کرامات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا آپ کے والد گرامی وقت کے قاضی تھے ایک دفعہ ماہ رمضان کے چاند نظر آنے میں شک تھا ایک بزرگ وہاں مقیم تھا لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ روزہ رکھا جائے کہ نہیں بزرگ نے فرمایا کہ قاضی شیخ جمال الدین کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے اگر اُس نے دودھ پی لیا تو روزہ نہ رکھنا اگر دودھ نہ پیئے تو روزہ رکھ لینا۔ اسی طرح ہی ہوا آپ گنج شکر نے دودھ نہیں پیا تھا لوگوں نے روزہ رکھا اور آپ گنج شکر صرف افطار کے وقت دودھ پیتے تھے۔ آپ کا نام مسعود سے فرید الدین بارگاہ ایزدی سے عطاء ہوا۔ اور فرید الدین سے گنج شکر آپ کے مرشد کریم سے ملا۔ آپ کی ولادت باسعادت قصبہ کوٹھی وال جسے آج کل مشائخ چاولی کہتے ہیں جو ضلع ملتان میں واقع ہے آپ نے کئی اولیاء اللہ سے فیض صحبت پایا اور پورے برصغیر پاک و ہند میں روحانی و دینی تعلیم کے چراغ روشن کیئے۔ بچپن میں ہی آپؒ کے والد محترم وفات پا گئے تھے آپ کی ابتدائی تعلیم گھر سے شروع ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں آپؒ نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ آپؒ کی عمر پندرہ سال ہوئی تو آپ مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے قندھار تشریف لے گئے وہاں پانچ سال قیام فرمایا تمام دینی علوم میں اعلیٰ تعلیمی قابلیت حاصل کی آپ سیر و سیاحت اور دینی و روحانی علوم حاصل کرنے کیلئے کئی ممالک سے ہوتے ہوئے آخر کار اجودھن میں آ کر سکونت اختیار کی۔ جس کا نام آپ کے فیض و برکات سے آج پاکپتن شریف کے نام سے جانا اور لکھا جاتا ہے۔ آپ نے اپنے اخلاق و محبت سے کئی جنگجو قوموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا آپ کو روحانی دنیا میں زہد الانبیاء کہا جاتا ہے۔ آپ کی وفات 5 محرم الحرام 670 ہجری ہے۔ آپ کا عُرس مبارک 27 ذوالحج سے لے کر 10 محرم الحرام تک رہتا ہے۔ جس میں دنیا کے مختلف ممالک سے اہل اسلام روحانی طور پر فیض یاب ہونے کیلئے حاضر ہوتے ہیں آپ کے دربار شریف میں آپ کی نسبت کے ساتھ بہشتی دروازہ منسلک ہے۔ 5 محرم الحرام سے لے کر 10 محرم تک یہ بہشتی دروازہ کھولا جاتا ہے جس میں ہر سال لاکھوں عقیدت مند گزرتے ہیں جو آپ کے عُرس مبارک پر پاکپتن شریف میں عقیدت مندوں کا لاکھوں میں جمع غفیر ہوتا ہے۔ دربار شریف کے گلوں میں اور لنگر کی صورت میں کروڑوں روپے محکمہ اوقاف اُٹھاتا ہے۔ محکمہ اوقاف کروڑوں روپے ٹھیکہ کی شکل میں وصول کرتا ہے۔ اور زائرین کیلئے کوئی سہولیات میسر نہیں سرکاری لنگر خانے میں سالانہ بے شمار لنگر اکٹھا ہوتا ہے لیکن زائرین یا مسافروں کو لنگر پیش نہیں کیا جاتا پاکستان کی سرکاری V.VIP شخصیات کو لنگر کھلا کر پر اگرس شو کر دی جاتی ہے عوامی لنگر کے نام سے بھاری مقدار میں رقم محکمہ اوقاف خورد برد کر جاتا ہے۔ عُرس کے موقع پر لنگر تو کیا کسی بھی جگہ پر زائرین کیلئے پانی پینے کا انتظام بھی نہیں ہوتا ہے۔

افسوس کے محکمہ اوقاف کروڑوں روپے کی آمدن کے باوجود زائرین کے ٹائلٹ استعمال کرنے کے بھی پیسے وصول کیئے جاتے ہیں محکمہ اوقاف نے دور دراز سے آئے ہوئے مسافروں کیلئے کوئی مسافر خانہ / سرائے کا انتظام نہ کیا ہے جہاں عقیدت مند کم از کم ایک رات ٹھہر سکیں۔ عُرس کے موقع پر محکمہ اوقاف کا ہر ملازم لوٹ مار پر سرگرم ہوتا ہے۔ جوتوں والے ٹھیکہ دار بدمعاشی کی حد پار کر جاتے ہیں۔ شیڈول میں فی جوتا پانچ روپے ہے جبکہ وہ پچاس روپے کے حساب سے وصول کرتے ہیں عُرس کے موقع پر پرائس کنٹرول کا محکمہ تو ایڈوانس اپنی جیب گرم کر کے خاموشی اختیار کر کے غائب ہو جاتے ہیں۔ جتنے بھی کھانے پینے کے سٹالز، ہوٹلز لگے ہوتے ہیں غیر معیاری چیزیں جو انسانی صحت کیلئے مضر ہوتی ہیں دو سو فیصد تک کھانے پینے کی چیزوں کو مہنگا کر دیا جاتا ہے۔ سرعام زائرین کو لوٹا جا رہا ہوتا ہے۔ اور تمام محکمہ جات تماشائی بنے رہتے ہیں۔ محکمہ پولیس کے رویے سے تو اللہ معاف فرمائے زائرین کے ساتھ ہتک آمیز رویہ ہوتا ہے بوڑھے بچے اور نوجوانوں پر ڈنڈوں کی برسات کر دیتے ہیں اور ہر سال کئی درجنوں افراد پولیس کے ہاتھوں ڈنڈوں سے مضروب ہوتے ہیں جو کہ آج تک میڈیا پر یہ بات سامنے نہیں آئی۔ سابق آئی جی پنجاب حبیب الرحمان نے پولیس والوں کو منع کیا تھا کہ عُرس کے موقع پر پولیس کے ہاتھ میں کوئی ڈنڈا نہیں ہونا چاہیے دیکھا نہیں سُنا ہے وہ سول کپڑوں میں عام آدمیوں کی طرح جگہ جگہ نظر رکھتے تھے اُن کی ریٹائرمنٹ کے بعد پھر وہی سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اب موجودہ آئی جی پنجاب کو نوٹس لیتے ہوئے سابق روایت کو برقرار رکھتے ہوئے پولیس کے ہاتھوں میں ڈنڈا نہیں ہونا چاہیے۔ پنجاب پولیس عوام دوست پولیس ہونے کے نعرے کو ثابت کر کے دکھائیں مثبت رویہ رکھتے ہوئے زائرین کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔ پاکستان کی انتظامیہ پر افسوس ہوتا ہے یہ ہر کام ہی ڈنڈے سے لینا پسند کرتے ہیں سعودی عرب مدینہ شریف یا مکہ شریف جہاں عمرہ و حج کے موقع پر 60/70 لاکھ کا مجمع ہونے کے باوجود کسی پولیس والے کے ہاتھ میں ڈنڈا نظر نہیں آتا اور سارا انتظام بڑے ڈسپلن میں چل رہا ہوتا ہے۔ مجھے ہر سال پاکپتن شریف عُرس کے موقع پر حاضری کا موقع ملتا ہے۔ میں نے ایک عورت جس کا نام فرح باجی کے نام سے مشہور ہے انتہائی پڑھی لکھی اور خوش اخلاق جو عرصہ تیس سال سے زائرین کیلئے سہولیات اور مسافروں کی رہائش بھوکے لوگوں کو لنگر کھلانے میں مصروف نظر آتی ہے۔ سابق جمعرات میں مجھے بھی دربار شریف پر حاضری کا موقع ملا میری ملاقات ان سے سرراہ ہو گئی۔ حال احوال کے بعد انتظامیہ امور پر مطمئن نہ تھی وہ کہنے لگی کہ محکمہ اوقاف کے وزیر یا وزیر اعلیٰ کو نظر نہیں آتا عُرس کے موقع پر دربار شریف کے تمام دروازے کھول دینے چاہئیں تاکہ عوام کو پریشانی نہ ہو بلکہ انتظامیہ عُرس کے موقع پر دروازوں کو بند کر کے زائرین کیلئے مسائل پیدا کر دیتی ہے۔ اور بھی درباروں پر بم دھماکے ہوئے ہیں اور چند ہی دنوں کے بعد معمول کے مطابق نظام چلایا جاتا ہے اور بابا فرید الدین گنج شکر کی دربار پر بم دھماکے کے بعد کچھ دروازوں کو ہمیشہ کیلئے بند کر کے آگے دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ جو مقامی لوگوں کے لئے پریشانی کا باعث ہے۔ ان دیواروں کی وجہ سے ایک پورا بازار ستر دکانیں ہمیشہ کیلئے بند ہو گئی ہیں جبکہ ایک ایک دکان پر چار چار لوگ ملازمت کرتے تھے اپنے گھر کا روزی روٹی کا سلسلہ چلاتے تھے آج دکانداروں کا بھی اور غریب مزدور ورکروں کا روٹی روزی کا سلسلہ بھی بند ہو گیا ہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کو چاہیے کہ فوراً نوٹس لیتے ہوئے پولیس اور محکمہ اوقاف کو تنبیہ کریں کہ وہ حسب معمول سابق روایات کے مطابق نظام کر چلائیں اور جو بازار بند کیے گئے ہیں اُن کو فی الفور کھلوا کر مقامی اور غریب لوگوں کو روزگار مہیا کیا جائے اور زائرین کی سہولیات کیلئے مثبت اقدامات کیئے جائیں۔

(تحریک عوامی اتحاد بحالی صوبہ بہاولپور کے چیئرمین ہیں)

☆......☆......☆

حکمرانوں کی توندیں اور رعایا



محمد صغیر قمر......(چنار کہانی)

saghirqamar@hotmail.com

ذکر کسی اور زمانے کا تھا کہ معاً مجھے وہ بے مثل انسان یاد آیا۔

انقلاب اور تبدیلی کا تذکرہ ہمیں اس کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ جب دنیا میں نظام کی بات ہوتی ہے تب اس کی یاد عود بن کر آتی ہے۔ بنوامیہ کے ساتویں خلیفہ اور مورخین کے نزدیک پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ آج ان کی اصلاحات کی بات کرنے والے بہت ہیں لیکن کوئی بھی ان جیسا کہاں' کوئی بھی تو نہیں......!!

ایک بار ان کی پھوپھی کسی ذاتی ضرورت سے مجبور ہو کر مشورے کے لیے ان کے گھر پہنچیں تو وہاں منظر دگر تھا۔ خلیفہ وقت زمین پر دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ دو تین چھوٹی چھوٹی روٹیاں' نمک اور زیتون کا تھوڑا سا تیل' کل کھانا یہی تھا۔ پھوپھی نے یہ عالم دیکھا تو چپ سادھ کر بیٹھ گئیں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے آنے کا سبب پوچھا تو پھوپھی نے کہا میں اپنی ایک ضرورت کے لیے مشورہ کرنے آئی تھی لیکن میں اب سوچ رہی ہوں کہ اس مشورے سے قبل میں تمہیں تاکید کروں کہ آپ ذرا نرم اور بہتر کھانا کھایا کریں۔ یہ سن کر بولے ہاں مجھے چاہیے کہ میں ایسا ہی کروں لیکن پھوپھی جان مجھے بیت المال سے سالانہ دو سو دینار ملتے ہیں۔ اتنی رقم سے کیسے اچھا کھانا مل سکتا ہے؟ میں پیٹ کی خاطر مقروض ہونا بھی گوارا نہیں کرتا۔

بنوامیہ میں مسلمہ بن عبدالملک بہت مال دار انسان تھا۔ وہ عیش و عشرت میں پڑا اور کھانے پینے کے معاملے میں بہت زیادہ اسراف کرتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کو خبر ہوئی تو اسے ایک روز اپنے پاس ٹھہرانے پر بلایا۔ انہوں نے اپنے لیے معمول کا کھانا اور مسلمہ کے لیے پرتکلف کھانا تیار کرایا۔ مسلمہ آ کر بیٹھ گیا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کاروبار خلافت چلاتے رہے یہاں تک کہ مہمان کی بھوک چمک اٹھی۔ آپؒ نے سب سے پہلے اپنا کھانا منگوایا۔ کھانے میں صرف مسور کی دال تھی۔ انہوں نے مہمان سے کہا آپ کے کھانے میں ذرا دیر ہے' لیکن آپ میرے ساتھ شریک ہو جائیں تو مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ مسلمہ بن عبدالملک بھوک سے بے حال ہو رہا تھا وہ اس پر شریک طعام ہو گیا اور جی بھر کر کھا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے ملازم کو حکم دیا کہ وہ مہمان کے لیے کھانا لے آئے۔ جب دسترخوان پر کھانا سج چکا تو مسلمہ بن عبدالملک نے معذرت کرتے ہوئے کہا اب چونکہ وہ سیر ہو چکا ہے اس لیے مزید نہیں کھا سکتا۔ اس پر آپؒ نے اسے کہا...... ''اے مسلمہ جب پیٹ بھرنے کے لیے مسور کی دال ہی کافی ہوتی ہے تو پھر اتنے تکلفات پیٹ کے لیے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' ایک ہم ہیں کہ نہ ہمارے پیٹ بھرتے ہیں نہ ہمارے حکمرانوں کی توندیں کم ہوتی ہیں۔

آج صدیاں بیت گئیں' لیکن ان کی اصلاحات' ان کا طرز حکمرانی کا تذکرہ باقی ہے۔ انہوں نے ہر صوبے کی آمدنی اسی صوبے پر خرچ کرنے کا فیصلہ کیا اور مرکز کا نظام چلانے کے لیے اخراجات کو آخری حدوں تک کم کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صوبے مالا مال ہو گئے اور وہاں سے بچ جانے والی رقم مرکزی حکومت کو روانہ کی جانے لگی۔ خود عمر بن عبدالعزیزؒ اس قدر محتاط تھے کہ مرکزی بیت المال سے اپنے خاندان کے لیے صرف دو درہم روزانہ کے اخراجات لیتے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر دیگر عمال اور حکومتی اہل کار بھی کفایت شعاری کی طرف پلٹ گئے۔ ان کے عمال شکوے کرتے تھے کہ عمرؒ خود کھاتے ہیں' نہ ہمیں پیٹ بھر کر کھانے دیتے ہیں۔ خلافت سے قبل آپؒ نے انتہائی پرتعیش زندگی گزاری تھی۔ حکمران بنتے ہی آپؒ نے بوریا اوڑھ لیا۔ شاہی گھوڑے فروخت کر دیے اور ایک مریل سا خچر پسند کر لیا۔ محافظوں کے دستے رخصت کر دیے' غالیچے اور قالین اٹھوا لیے۔ بنوامیہ کے جاگیرداروں سے زمینیں واپس لیں اپنے اجداد کی جاگیریں واپس کر دیں۔ مملکت میں عام اعلان کر دیا کہ جب تک عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہے کسی جلاد کی ضرورت نہیں۔ کم خوراکی اور مشقت اس قدر تھی کہ جسم سوکھ کر ڈھانچہ ہو گیا۔ قمیض کے اندر سے سینے کی پسلیاں جھانکنے لگی تھیں۔ سردی کا موسم تھا۔ غلام نے سرکاری کوئلے پر پانی گرم کر کے دیا۔ وضو کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں سرکاری خزانے سے فائدہ کیسے اٹھا سکتا ہوں۔ جب کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ میرے پاس امانت ہے۔

زیان بن عبدالعزیز ایک روز آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر بولے۔ آج رات سو نہیں سکا کروٹیں بدلتے رات گزر گئی۔ زیان نے پوچھا رات کیا کھایا تھا۔ کہنے لگے۔ ''مسور کی دال اور پیاز۔

''زیان بولے۔'' اللہ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے' مگر آپ نے اپنے اوپر پابندیاں لگا رکھی ہیں' یہ زیادہ اچھی بات نہیں' آپ کو عمدہ کھانا کھانا چاہیے۔

''زیان بن عبدالعزیز کی بات سن کر سینے سے ہوک اٹھی اور آہ بھر کر بولے۔

''زیان میں نے تجھے بھائی سمجھ کر اپنا راز بتایا مگر افسوس کہ میں نے تمہیں اپنا خیر خواہ نہیں پایا۔ میں تمہارے معاملے میں آئندہ محتاط رہوں گا۔''

ابو مسلم کہتے ہیں' ایک روز میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا مہمان بن گیا۔ غلام کھانا لے کر آیا۔ چند چھوٹی چھوٹی روٹیاں جنہیں نرم کرنے کے لیے پانی چھڑکا گیا تھا اور روغنی کرنے کے لیے زیتون کا تیل لگایا گیا تھا۔ رات ہوئی تو پھر کھانا پیش ہوا۔ کٹی ہوئی پیاز اور دال تھی۔ غلام نے مجھ سے کہا خدا کی قسم! امیرالمومنین کے گھر میں اس کے علاوہ کچھ ہوتا تو وہ بھی پیش کرتا۔ آج گھر میں یہی کچھ پکا ہے۔ اس شام امیرالمومنین نے اسی کھانے کے ساتھ روزہ افطار کیا۔

وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی اولاد کو مخاطب کیا اور بولے۔

''میرے بچو! میں خالق حقیقی کے پاس جا رہا ہوں۔ میرے پاس کوئی بھی مال و متاع نہیں جو تمہارے لیے چھوڑ کر جاؤں' لیکن تمہارے لیے خیر کثیر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تم جب بھی کسی مسلمان یا ذمی کے پاس سے گزرو گے اپنے لیے تکریم پاؤ گے۔ وہ اعتراف کریں گے' تمہارا حق پہچانیں گے کہ یہ اس عادل خلیفہ کی اولاد ہے جس نے اپنے عوام کو سب کچھ دیا لیکن اپنی اولاد کے لیے کچھ نہیں لیا۔''

آپؒ نے جب وفات پائی اس وقت ان کے گیارہ وارث تھے اور ترکے میں اکیاسی دینار موجود تھے۔ پانچ دینار کفن پر خرچ ہو گئے۔ دو دینار میں قبر کے لیے جگہ خریدی باقی اولاد پر تقسیم کر دیے گئے۔

ذکر کسی اور لمحے کا تھا کہ معاً مجھے وہ بے مثل حکمران یاد آیا جن کے دور کی ہر کوئی بات کرتا ہے جس نے اڑھائی برس کے زمانہ اقتدار میں مملکت کا نقشہ بدل دیا۔ لوگ زکوٰۃ لے کر نکلتے تھے کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا۔ ایک وہ تھے اور ایک مسلم دنیا کے ہمارے حکمران' طوفانی توندوں' موٹی گردنوں اور کھرب ہا کھرب ڈالروں والے حکمران' جو محض انسانی جسموں پر بزور طاقت مسلط ہیں۔ رعایا کے دل جن کے لیے نفرت سے بھرے ہیں۔ ایسے حکمران جو اپنے سائے سے ڈرتے ہیں' اپنی ہی رعایا سے چھپ کر قلعوں میں بیٹھے ہیں۔ یہ اپنی تمناؤں کے اسیر' انا پرست جو معدے سے سوچتے اور نار جہنم کے طلب گار ہیں۔ جو اپنی آخرت تباہ کر کے دنیا بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان بدنصیبوں کا عمر بن عبدالعزیزؒ سے کیا تعلق؟ ان میں سے کوئی ان کی گرد پا بھی نہیں! ہائے یہ پیٹ کے اسیر!

(امور کشمیر کے ماہر، مصنف اور شعبہ تعلیم سے وابستہ ہیں)

☆......☆......☆

ایک کہانی بہت پرانی



محمد صغیر قمر......(چنار کہانی)

saghirqamar@hotmail.com

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ سلامت بڑوں کی نااہلی کے بعد بھاری مینڈیٹ کے ساتھ تخت اقتدار پر جلوہ نشین ہوئے تو آتے ہی اپنی مرضی کے مطابق نظام کو "درست" کرنا شروع کر دیا۔ صبح سے شام تک کار شہنشاہی میں مصروف رہتے۔ نئے نئے کام نکالتے' نئی اصلاحات نافذ کرتے' نئے قوانین تیار کراتے اور انہیں اپنی رعایا پر لاگو کرتے' ہر چیز سے کیڑے نکالتے اور اگر کیڑے نہ ہوں تو ڈال کر نکالتے۔ کچھ ہی روز گزرے تھے کہ ملک میں بے چینی بڑھنے لگی۔ وزیر' مشیر اور افسران بادشاہ سلامت کے پاس آئے اور جان کی امان پاتے ہی دست بستہ عرض کیا۔ "حضور رعایا میں بے چینی بڑھ رہی ہے۔ مہنگائی زوروں پر ہے' شاہراہوں پر لوگ قتل ہو رہے ہیں' گھاٹیوں پر ڈاکے پڑ رہے ہیں' رعایا کی عزت و عصمت پامال ہو رہی ہے۔" بادشاہ نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"جاؤ اور کوئی ایسا ضابطہ بناؤ کہ ہم مرنے کے بعد بھی اس ملک کے بادشاہ رہیں۔" اور خوشامدیوں کا ٹولہ سر جھکا کر ہاں میں ہاں ملاتا قطار اندر قطار چلا گیا۔ ایک روز بادشاہ سلامت نے حکم جاری کیا کہ دنیا بھر کے بادشاہوں کو باری باری ان کے حضور پیش کیا جائے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ ایک ایک کر کے بادشاہ آنے لگا۔ چند ہی روز میں وزیروں' مشیروں کو اندازہ ہوا کہ بادشاہ سلامت بہت ہی بونگیاں مارتے' بے تکی' بے ڈھنگی' بے موقع اور لایعنی باتیں کرتے ہیں۔ باہر کی دنیا سے آنے والے بادشاہوں کے ہاں ملک کا وقار مجروح ہو رہا ہے۔ یہ احساس شدت کے ساتھ ہوا تو چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ باہم مشورے ہونے لگے کہ بادشاہ سلامت کو کس طریقے سے سمجھایا جائے کہ وہ بادشاہوں کے ساتھ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے ان کے بارے میں تاثر خراب ہوتا ہو اور ملک کی تصویر بھی بگڑتی ہو۔ ایک وزیر باتدبیر کے گلے میں گھنٹی باندھی گئی اور وہ بادشاہ سلامت کے حضور جان مال' عزت و توقیر کی عافیت مانگ کر پیش ہوئے اور عرض گزاری۔

"حضور والا کا اقبال ہمیشہ بلند رہے' آئندہ سات نسلیں آپ کی حکومت کو جلال و جمال میں دیکھیں' آپ دودھوں نہائیں' پوتوں پھلیں بلکہ اتنا پھولیں کہ جامے نہ سما سکیں...... بعد از تعریف و توصیف' مداح سرائی و قدم بوسی و دست بستہ عرض ہے کہ رعایا کا خیال ہے کہ بادشاہ سلامت کو لوگوں کے سامنے بامقصد بات کرنی چاہیے اور دریں اثناء جب باہر کے مہمان جلوہ افروز ہوں تو عزت مآب بہت ہی مختصر کلام فرمائیں اور مہمان کو موقع دیں کہ وہ عالم پناہ کی بات کا مطلب خود اخذ کر سکیں۔ اس سے داناؤں کے قول "کم گوئی باعث عبادت اور عقل مندی کی نشانی ہے۔" کی توثیق بھی ہو گی۔" بادشاہ سلامت لسی کی سرمستی میں تھے۔ فرمایا۔ "اس کی کوئی تدبیر نکالو۔"

چنانچہ طے پایا کہ جب کوئی غیر ملکی بادشاہ مہمان آئے تو دونوں کے درمیان دلچسپی کے باہمی امور پر گفتگو کے دوران بادشاہ سلامت کی ٹانگ سے ایک رسی باندھ دی جائے جوں ہی حضور والا بے مقصد' بے تکی اور طویل گفتگو فرمانے لگیں رسی کھینچ لی جائے۔ بادشاہ کو یہ تدبیر پسند آئی اور یہ مشورہ دینے والے کو بادشاہت کا ایک بڑا حصہ لکھ کر دے دیا۔ (چونکہ اس زمانے میں پلاٹ' بینک اور کارخانے نہیں ہوتے تھے جو انعام میں دیئے جاتے۔) اس تدبیر کی منظوری کے فوراً بعد ایک دوسرے ملک کا حکمران دارالحکومت آیا۔ بادشاہ سلامت کے ساتھ اس کی بات چیت شروع ہوئی۔

میزبان بادشاہ نے ٹانگ پر ہاتھ مار کر رسی کو ٹٹولا اسے موجود پا کر مہمان سے گفتگو کا آغاز کیا۔

"کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ٹھاک"

"صحت کیسی ہے"

"پہلے سے بہتر"

"نزلہ ختم ہوا یا نہیں؟"

"بس تھوڑا بہت ہے"

"ناشتہ کیا کرتے ہیں؟"

"سری پائے' چنے اور لسی"

"لسی......؟ کس چیز کی بناتے ہو؟"

"بھینس کے دودھ کی۔"

بھینس کا نام سن کر میزبان بادشاہ کی رگ محبت و الفت پھڑک اٹھی۔ چہرے پر سرخی ابھری اور دانتوں کی نمائش کراتے ہوئے بولے۔

"آپ کے ہاں گوبر کتنی ہوتی ہے؟" "کیا......گوبر......؟ مہمان سٹپٹا گیا۔

"میرا مطلب ہے آپ کی بھینس......گوبر کتنا......"

اسی اثناء میں مشیروں وزیروں نے رسی کھینچ لی۔ بادشاہ سلامت بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے تو ایک وزیر وضاحت کرنے لگے۔

"دراصل جہاں پناہ' ظل سبحانی آپ سے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کے ہاں گائے' بھینس اور بکریاں کس نسل کی ہیں؟ دودھ کتنا دیتی ہیں؟' ان کو پالنے کا اہتمام کیا ہے اور ان سے کیا کیا فائدہ حاصل کر کے آپ اپنے ملکی خزانے میں اضافہ اور تعمیر و ترقی کے کام کرتے ہیں۔ ان کی کھالوں سے چمڑے کی مصنوعات میں آپ۔ نے کہاں تک کامیابی حاصل کی ہے؟ نیز ان جانوروں کے بالوں سے آپ کیا کیا مصنوعات تیار کرتے ہیں؟ آیا کھاد بھی ملک میں تیار کرتے ہیں یا باہر سے امپورٹ کرتے ہیں۔ امپورٹ کرتے ہیں تو کتنی؟"

اتنے مختصر سوال کا اتنا بلیغ جواب سن کر مہمان عش عش کر اٹھا۔ کیا خوب صورت بات کہہ کر کوزے میں دریا بلکہ سمندر بند کر دیا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے میزبان کے مشیروں کا قدردان ہوا اور چہرے پر اعتراف عظمت کی سرخی لاتے ہوئے میزبان بادشاہ سے مخاطب ہوا۔

"واہ جہاں پناہ! کیا خوب صورت سوال کیا؟ کیا بہترین نکتہ اٹھایا واہ کیا بات ہے......واہ......واہ......"

مہمان بادشاہ فرط مسرت سے سر دھننے لگا۔ میزبان بادشاہ کی گردن فخر سے سریے کی طرح تن گئی۔ فرمایا۔

"باتیں تو میں اور بھی اچھی اچھی کر سکتا ہوں لیکن یہ کم بخت رسی کھینچ لیتے ہیں۔" یہ کہہ کر بادشاہ سلامت نے کھا جانے والی نظروں سے اپنے مشیروں کو دیکھا، فرمایا کم بخت کوئی کام کرنے دیتے ہیں نہ کام کی بات۔ جب بھی بار بار رسی کھینچ لیتے ہیں۔

قارئین کرام! اس واقعے کا تعلق گزرے زمانے سے ہے لہٰذا اس کہانی کے مرکزی خیال اور کرداروں سے موجودہ حالات کی مطابقت محض اتفاقی ہو گی۔

(امور کشمیر کے ماہر، مصنف اور شعبہ تعلیم سے وابستہ ہیں)

☆......☆......☆

عراق (9)...... ذکر مدینۃ السلام بغداد کا

حقیقت حال

محسن فارانی

141ھ/758ء کی بات ہے:

دوسرا عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور دارالخلافہ ہاشمیہ میں اپنے محل میں محو استراحت تھا کہ باہر شور سنائی دیا۔ پوچھنے پر اہلکاروں نے بتایا کہ فرقہ راوندیہ کے لوگ محل کا طواف کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد دو سو تھی۔ یہ لوگ اصلاً خراسان سے تھے اور ابومسلم خراسانی کے ماننے والے تھے، جسے چند سال پہلے منصور نے جرم بغاوت میں قتل کرا دیا تھا۔ راوندیہ تناسخ کا عقیدہ رکھتے تھے اور معاذ اللہ یہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ منصور ان کا رب ہے جو انہیں کھلاتا پلاتا ہے۔ اب وہ اکٹھے ہو کر بزعم خویش اپنے ''رب'' کے محل کا طواف کرنے آ گئے تھے۔ خلیفہ منصور نے ان گمراہ راوندیوں کو قید کر دیا لیکن اگلے روز ان کے باقی ساتھی انہیں قید خانے سے چھڑا لے گئے اور پھر وہ خلیفہ کے محل کی طرف بڑھے۔ ان کے عزائم خطرناک تھے۔ منصور کو پتہ چلا تو وہ محل سے پیدل نکلا۔ اس وقت اس کے پاس سواری نہ تھی۔ پھر کوئی اہلکار سواری لایا تو منصور سوار ہوا اور فوج کے ساتھ اس نے باغیوں کے مقابلے میں صف بندی کر لی۔ نماز ظہر تک وہ راوندیہ کے بیشتر باغیوں کا صفایا کر چکا تھا۔ منصور نے اس مختصر مگر اعصاب شکن جنگ میں غیر معمولی جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ یاد رہے ہاشمیہ کوفہ کے نزدیک دریائے فرات پر واقع تھا۔

ابومسلم خراسانی کے جو پیروکار باقی رہ گئے تھے، ان کے فتنے سے بچنے کیلئے ابوجعفر منصور نے سوچا کہ دارالحکومت کوفے سے دور اور اہل ایران کے نزدیک ہونا چاہئے جہاں وہ دلجمعی سے امور سلطنت انجام دے سکے۔ چنانچہ اس نے کوفہ سے موصل تک مختلف مقامات کا جائزہ لیا اور آخرکار دجلہ کا کنارہ اسے پسند آ گیا، جہاں آج کل بغداد واقع ہے۔ یہاں منصور نے کئی راتیں بسر کیں۔ اس نے محسوس کیا کہ یہاں کی زمین زرخیز اور موسم خوشگوار ہے، لہٰذا اس نے سوق بغداد میں نیا شہر بسانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ چھوٹا سا قصبہ ایک بازار پر مشتمل تھا جہاں نصاریٰ کی ایک خانقاہ تھی۔ اس وقت منصور نے کہا تھا: ''جگہ کے ایک طرف دجلہ ہے، یہاں سے ہمارے اور چین کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔ دوسری طرف فرات ہے جہاں سے شام اور رقہ سے رابطہ رہے گا''۔

بغداد کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ بغداد دراصل 'بغ' اور 'داد' کا مرکب ہے۔ یعنی داد نامی شخص کا باغ۔ بعض کہتے ہیں کہ کسریٰ نے ایک بت پرست غلام کو یہ علاقہ بطور جاگیر دیا تھا۔ وہ 'بغ' نامی بت کی پوجا کرتا تھا، لہٰذا اس نے کہا: ''بغ داد'' یعنی بغ نے یہ علاقہ مجھے دیا ہے۔ اس پس منظر کے باعث حضرت عبداللہؒ بن مبارک اور دیگر علمائے امت اس نام کو پسند نہیں کرتے تھے۔ دجلہ کی اس سرزمین کو مسلمان ''وادی السلام'' کہتے تھے۔ اس نسبت سے خلیفہ منصور نے اس کا نام مدینۃ السلام رکھا لیکن معروف نام بغداد ہی رہا۔ اس نے بغداد کو بے مثال شہر بنانے کے لئے مختلف ملکوں سے ہزاروں ماہرین فن بلائے۔ منصور نے اپنے ہاتھ سے سنگ بنیاد رکھتے وقت یہ دعا پڑھی: **بسم الله و الحمدلله و الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين** (اللہ کے نام سے، اور تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور تمام زمین اللہ ہی کے لئے ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور (اچھا) انجام کار متقین ہی کے لئے ہے)

خلیفہ منصور نے بغداد کے بازاروں اور اس کی تعمیرات پر کروڑوں درہم صرف کئے۔ دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے بغداد جلد ہی علماء و فضلاء کا مرکز بن گیا۔ اطراف واکناف سے لوگ بغداد کا رخ کرنے لگے۔ محدثین، مفسرین اور فقہاء کے حلقہ ہائے درس قائم ہو گئے۔ خلیفہ مامون الرشید نے یہاں بیت الحکمۃ قائم کیا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے وزیر نظام الملک طوسی نے یہاں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی جس سے امام غزالی جیسے علماء تربیت پا کر نکلے۔ سینکڑوں برس تک بغداد میں علم و معرفت کی بہار چھائی رہی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں جہاں بھی گیا مجھے یاد ہے مگر یہ یاد نہیں کہ بغداد کتنی بار گیا۔ امام شافعیؒ نے یونس بن عبدالاعلیٰ الصوفی سے پوچھا: ''کیا تم بغداد گئے ہو؟ اس نے انکار میں سر ہلایا تو فرمایا: پھر تم نے دنیا دیکھی ہی نہیں۔

146ھ/762ء میں بغداد کی تعمیر مکمل ہوئی تھی۔ یہ پانچ سو سال تک خلفائے عباسیہ کا دارالحکومت رہا جن کی تعداد 38 ہے لیکن عجیب بات ہے کہ ان میں سے کسی کا اس شہر میں انتقال نہیں ہوا۔ صرف ہارون الرشید کے بیٹے امین الرشید کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بغداد میں قتل ہوا لیکن خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ درحقیقت وہ بھی بغداد میں قتل نہیں ہوا بلکہ دریائے دجلہ میں تفریحاً کشتی رانی کرتے ہوئے شہر سے دور نکل گیا تھا، وہیں گرفتار ہوا اور وہیں اسے قتل کیا گیا۔ منصور نے یہ شہر دجلہ کے مشرقی کنارے پر بسایا تھا۔ بعد میں اس کے بیٹے خلیفہ مہدی (158ھ تا 169ھ) نے مغربی کنارے کو اپنی چھاؤنی بنایا اور رفتہ رفتہ وہ حصہ بھی شہر میں شامل ہو گیا۔ مشرقی حصہ کرخ اور مغربی حصہ رصافہ کے نام سے موسوم ہوا، چنانچہ تاریخ اسلام کے کئی علماء ''کرخی'' اور ''رصافی'' کہلاتے ہیں۔

جن دنوں بغداد کی تعمیر جاری تھی، خلیفہ منصور نے امام ابوحنیفہ کو عہدہ قضا پیش کیا لیکن انہوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ منصور نے انہیں مختلف تعمیراتی کاموں پر لگا دیا۔ امام صاحب نے یہ ذمہ داری بخوشی قبول کر لی لیکن منصور کی طرف سے عہدہ قضا قبول کرنے پر اصرار جاری رہا۔ ادھر اسی شدت سے انکار تھا حتیٰ کہ منصور نے انہیں قید میں ڈال دیا، قید خانے ہی میں 150ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا، اگرچہ بعض تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو قید سے رہائی مل چکی تھی، پھر آپ کی وفات ہوئی۔

خلیفہ منصور نے جب یہ شہر بسایا تھا تو اس کا طول دو میل تھا اور عرض بھی اتنا ہی تھا اور یہ دنیا کا پہلا شہر تھا جو دائرے میں بسایا گیا تھا۔ تعمیر بغداد کے لئے خلیفہ نے مدائن کے ایوان کسریٰ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک ایرانی مشیر نے مشورہ دیا کہ اگر آپ اس ایوان کو باقی رکھیں گے تو ہر دیکھنے والے پر یہ تاثر قائم ہوگا کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل تھی ورنہ عرب کے بے سروسامان صحرانشین اس سنگی ایوان کو ہرگز فتح نہ کر سکتے۔ منصور نے خیال کیا کہ شاید یہ مشیر ایرانی ہونے کے باعث اپنے آباء واجداد کی یادگار قائم رکھنے کے لئے یہ مشورہ دے رہا ہے۔ چنانچہ خلیفہ نے اسے منہدم کرنے کا حکم دیا لیکن جب ایوان کو توڑنا شروع کیا تو تھوڑا ہی حصہ توڑنے کے بعد معلوم ہوا کہ اسے توڑنے پر اتنی زیادہ لاگت آئے گی کہ اس کے ملبے سے بہت تھوڑا سامان کارآمد نکلے گا۔ اس پر منصور نے اسی مشیر کو پھر بلایا، اس نے کہا: ''میں نے آپ کو پہلے ہی مشورہ دیا تھا کہ اسے نہ توڑیں لیکن اب میں آپ کے لئے یہ بات عار سمجھتا ہوں کہ کہنے والے یہ کہیں آج ایرانیوں نے ایسی عمارت بنائی تھی کہ آپ لوگ اسے منہدم کرنے پر بھی قادر نہ ہوئے، لہٰذا اب میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے ضرور توڑا جائے''۔

منصور شش و پنج میں پڑ گیا، غور و فکر کے بعد آخر یہی فیصلہ کیا کہ مزید انہدام روک دیا جائے کہ اس میں دولت کا بڑا ضیاع ہے چنانچہ ایوان کسریٰ جسے خسرو اول نوشیرواں نے تعمیر کرایا تھا، اس کا بچا کھچا حصہ ''طاق کسریٰ'' کے نام سے باقی چلا آتا ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ گزشتہ قسط ''عراق'' کی آٹھویں قسط تھی نہ کہ ساتویں!

پریس راس پارک لاہور
شائع کیا

ماہ شعبان...... فضائل و مناقب

الشیخ محمد صالح المنجد

شعبان کے آخر میں روزے رکھنا

صحیحین میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا:

کیا تو نے اس مہینہ کے آخر میں کوئی روزہ رکھا ہے؟

اس شخص نے جواب دیا: نہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم روزے ختم کرو تو اس کے بدلے میں دو روزے رکھو۔

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ: کیا تو نے شعبان کے آخر میں روزے رکھیں ہیں؟ دیکھیں صحیح بخاری (4/200) صحیح مسلم حدیث نمبر (1161)۔

مندرجہ بالا حدیث میں کلمہ (سرر) کی شرح میں اختلاف ہے، مشہور تو یہی ہے کہ مہینہ کے آخر کو سرار کہا جاتا ہے، سرار الشہر سین پر زبر اور زیر دونوں پڑھی جاتی ہیں، لیکن زبر پڑھنا زیادہ فصیح ہے، مہینہ کے آخر کو سرار اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں چاند چھپا رہتا ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرے کہ صحیحین میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ سے حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزہ نہ رکھو، لیکن جو شخص عادتا روزہ رکھتا ہو اسے روزہ رکھنا چاہیے) صحیح بخاری حدیث نمبر (1983) صحیح مسلم حدیث نمبر (1082)۔

تو ہم ان دونوں حدیثوں میں جمع کس طرح کریں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: بہت سے علماء کرام اور اکثر شارحین احادیث کا کہنا ہے کہ: جس شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا اس کی عادت کے بارے میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ وہ روزے رکھتا ہے، یا پھر اس نے نذر مان رکھی تھی جس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قضا میں روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اس مسئلہ میں اس کے علاوہ اور بھی کئی اقوال پائے جاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کے آخر میں روزہ رکھنے کی تین حالتیں ہیں: پہلی حالت: رمضان کی احتیاط میں رمضان کے روزے کی نیت سے روزہ رکھے، ایسا کرنا حرام ہے۔

دوسری حالت: نذر یا پھر رمضان کی قضاء یا کفارہ کی نیت سے روزہ رکھے، جمہور علماء کرام اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

تیسری حالت: مطلقاً نفلی روزے کی نیت کرتے ہوئے روزہ رکھا جائے، جو علماء کرام شعبان اور رمضان کے مابین روزہ نہ رکھ کر ان میں فرق کرنے کا کہتے ہیں ان میں حسن رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں وہ ان نفلی روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں کہ شعبان کے آخر میں نفلی روزے نہیں رکھنے چاہیئں، لیکن اگر وہ عادتاً پہلے سے روزہ رکھ رہا ہو تو وہ ان ایام میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کی موافقت کرنے والوں نے شعبان کے آخر میں نفلی روزے رکھنے کی اجازت دی ہے، لیکن امام شافعی، امام اوزاعی، امام احمد وغیرہ نے فرق عادت اور غیر عادت میں فرق کیا ہے۔

مجمل طور پر یہ ہے کہ مندرجہ بالا حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر اکثر علماء کرام کے ہاں عمل ہے، کہ رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزہ رکھنا مکروہ ہے لیکن جس شخص کی عادت ہو وہ رکھ سکتا ہے، اور اسی طرح وہ شخص جس نے شعبان میں مہینہ کے آخر تک کوئی روزہ نہیں رکھا تو آخر میں وہ بھی روزہ نہیں رکھ سکتا۔

نفلی اور فرضی روزوں میں فرق کرنا چاہیے، کیونکہ نوافل اور فرائض میں فرق کرنا مشروع ہے، اسی لیے عید کے دن روزہ رکھنا منع کیا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بھی اس سے منع کیا ہے کہ ایک نماز کو دوسری کے ساتھ نہ ملایا جائے بلکہ اس میں سلام یا کلام کے ذریعہ فرق کرنا چاہیے، خاص کر نماز فجر کی سنتوں میں، کیونکہ سنتوں اور فرائض کے مابین فرق کرنا مشروع ہے، اسی بنا پر نماز گھر میں پڑھنی اور سنت فجر کے بعد لیٹنا مشروع کیا گیا ہے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز فجر کی اقامت ہونے کے بعد بھی نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے اسے فرمایا:

کیا صبح کی نماز چار رکعات ہے۔

دیکھیں صحیح بخاری حدیث نمبر (663)۔

بعض جاہل قسم کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ رمضان سے قبل روزہ نہ رکھنے کا معنی ہے کہ کھانے پینے کو غنیمت سمجھا جائے تا کہ روزے رکھنے سے قبل کھانے پینے کی تمنا پوری کر لی جائے، لیکن یہ گمان غلط ہے اور جو بھی ایسا خیال رکھے وہ جاہل ہے۔ ☆

بنت حوا.........رحمت یا زحمت

مسز ناصر ہاشمی

کچھ دن پہلے میں سنڈے میگزین کا مطالعہ کر رہی تھی۔ اوراق پلٹتے پلٹتے میری نظر ایک صفحے پر جا کر رک گئی' جس میں ''حوا کی بیٹیاں'' کے نام سے فیچر لکھا ہوا تھا۔ اس میں خواتین پر ہونے والے ظلم و ستم کا پڑھ کر دل افسردہ ہو گیا۔

ایک روز ینہ لڑکی کا واقعہ تھا جس کے دامن کو اس کے بھائی کی چھوٹی سی غلطی کی بنا پر گاؤں کے ٹھیکیداروں نے تار تار کر دیا۔

ایک اور مضمون ''نائلہ کو بچا لیں'' کے عنوان سے میری نظر سے گزرا۔ یہ ستم رسیدہ عورت نائلہ کی داستانِ ظلم تھی۔ جو اس مردوں کے معاشرے میں ایک مرد کے ہاتھوں کھلونا بن گئی اور کچھ عرصے کے بعد اسے بوسیدہ خیال کرتے ہوئے اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا۔

ایک عورت نے روتے ہوئے اپنی آپ بیتی کچھ اس طرح سنائی کہ اس کی شادی ایک بہت دیندار' خوشحال اور دولت مند گھرانے میں ہوئی۔ وہ اپنے میاں کے ساتھ بیرون ملک چلی گئی۔ وہاں اس کے ہاں دو بیٹے اور ایک بچی پیدا ہوئی۔ وہ بہت خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی کہ اچانک اس کی خوشیوں کو نجانے کس کی نظر لگ گئی۔ شوہر کو وہاں کوئی اور لڑکی پسند آ گئی۔ اس نے بہانے سے اسے پاکستان بھیجا اور خود دوسری شادی کر لی۔ بعد ازاں اسے طلاق نامہ بھیج دیا۔

ایک لڑکی کی شادی بدقسمتی سے ایک جنونی اور نفسیاتی مریض کے ساتھ ہو گئی۔ جس کی اس بیماری کو والدین نے لڑکی کے والدین سے چھپا رکھا تھا۔ شادی کے بعد جب اس کی نازیبا حرکات سامنے آئیں تو لڑکی کو خلع لینا پڑا۔ یوں نفسیاتی مریض لڑکے کے بے ضمیر رشتہ داروں کی وجہ سے صرف چھ ماہ کے بعد عمر بھر کا روگ اپنے دل میں سجائے ہوئے دوبارہ والدین کی دہلیز پر آن بیٹھی۔

ایک اور واقعہ خود میرے سامنے وقوع پذیر ہوا۔ یہ سروس ہسپتال کا ''برن وارڈ'' تھا جہاں جلے ہوئے مریضوں کو رکھا جاتا ہے۔ ایک تقریباً 30 سالہ عورت بیڈ پر لیٹی تھی۔ لوہے کی سلاخوں سے بنی ہوئی پنجرہ نما چیز میں اسے بند کیا ہوا تھا۔ ان سلاخوں کے اوپر موٹا کمبل ڈالا گیا تھا۔ عورت کا صرف چہرہ ہی باہر تھا۔ میرے استفسار پر اس کی چھوٹی بہن یوں گویا ہوئی ''میرے ایک ہی ماموں ہیں۔ میری امی اپنے بھائی سے بہت پیار کرتی تھیں۔ انہوں نے بھائی سے رشتہ مضبوط کرنے کے لئے باجی کی شادی اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دی۔ باجی کی ساس اس رشتے کے ہو جانے پر خوش نہ تھی۔ لہٰذا شادی کے بعد وہ اسے کوئی پیار محبت نہ دے سکی بلکہ الٹا اس نے اپنے بیٹے کو بہو کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ کتنی لڑائیاں ہوئیں۔ وہ اور اس کا بیٹا مار پیٹ کر باجی کو گھر سے نکال دیتے' لیکن کچھ عرصہ بعد میرے والدین صلح صفائی کروا کر واپس باجی کو سسرال بھیج دیتے۔ تھوڑے دن پہلے بھی معمولی سی بات پر جھگڑا شروع ہوا۔ غصے میں آ کر باجی کی ساس نے باجی کے کپڑوں پر مٹی کا تیل پھینکا اور میرے بہنوئی نے باجی کو آگ لگا دی۔ چیخ پکار سن کر محلے والے اکٹھے ہوئے اور باجی کو ایمرجنسی وارڈ میں لے جایا گیا لیکن اس وقت تک چہرے کے علاوہ سارا جسم جل چکا تھا۔ اس کا جلا ہوا جسم کسی سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔

میں نے آغاز میں نائلہ نامی عورت کا ذکر کیا' جس کی شادی میرج بیورو کی کسی ورکر نے کروائی تھی۔ اس نے نائلہ کے والدین کو یقین دلایا کہ لڑکا شریف اور شادی کے لئے سنجیدہ ہے۔ نائلہ کے سادہ لوح والدین نے ثاقب سے اس کا خاندانی پس منظر پوچھے بغیر رشتے کروانے والی عورت کی چکنی چپڑی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی بیٹی ثاقب کے ساتھ بیاہ دی۔ شادی کے پانچ یا چھ ماہ تک ثاقب نائلہ کے ساتھ مچھرے اڑاتا رہا۔ اس کے پیار کی انتہا نے نائلہ کو نہال کر دیا۔ پھر یکدم اس کا رویہ بدلا۔ ذرا ذرا سی بات پر نائلہ سے جھگڑنا اور مارنا پیٹنا اس کا معمول بن گیا اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ بغیر کسی وجہ کے اس مظلوم لڑکی کو بلاوجہ طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔ بعد ازاں انکشاف ہوا کہ ثاقب پہلے سے شادی شدہ اور 4 بچوں کا باپ تھا۔ دولت مند خاندان کا سپوت ہونے کی وجہ سے اس پر جوانی کا نشہ غالب آ گیا' اسے اپنی بیوی حقیر لگنے لگی وہ کسی نئے شکار کی تلاش میں نکلا اور بیورو باجی کے ساتھ مل کر نائلہ کو پھانس لیا۔

ہم اس طرح کے بہت سے واقعات اخبارات میں پڑھتے ہیں۔ کانوں سے سنتے ہیں اور بہت سے واقعات ہماری آنکھوں سے بھی ہو کر گزرتے ہیں۔ بیٹیوں والے اس طرح کے واقعات دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے بیٹیاں باعث رحمت ہونے کی بجائے زحمت بنتی چلی جاتی ہیں۔ آپ نے اکثر یہ فقرہ سنا ہوگا ''بیٹیاں والدین کو دکھتی تو نہیں بس ان کے مقدروں سے ڈر لگتا ہے۔''

اگرچہ ہمارا ملک اسلامی اساس پر قائم ہوا مگر اس کے رہنے والے اسلامی نہ بن سکے' بلکہ ان کی ذہنی عادات ہندوانہ ہی رہیں۔ ہندو معاشرے کی خامیوں میں سے ایک خامی عورت کی ذلالت ہے۔ وہ عورت کو مرد کی باندی خیال کرتے ہیں۔ عورت کی عزت کو جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں پامال کرتے ہیں۔ اکثر غیر اسلامی مذاہب عورت کی عصمت کو اہم خیال نہیں کرتے۔ صرف اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں عورت کو مکمل تحفظ حاصل ہے۔ اسلام ہی مردوں کو عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج ہمارے نام نہاد مسلمان اپنی ہوس کی خاطر عورت کی پوری زندگی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ کیا وہ نہیں سوچتے کہ کل کو ہماری بہن یا ہماری بیٹی کے ساتھ بھی اس طرح ہو سکتا ہے۔

آخر کیوں؟

کیا اس کا سدباب ممکن نہیں؟ حالیہ دور میں زنا کاری 'اغوا' تشدد' قتل جیسی وارداتیں بہت بڑھ چکی ہیں۔ جس کا زیادہ تر شکار عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ اکثر عورتوں کی بدبختی شادی کے فوراً بعد ہی شروع ہو جاتی ہے شادی جس کا مطلب خوشی اور شادمانی ہے۔ دھوم دھڑکے' ڈھول ڈھمکے شادیانے بجا کر جو دلہن گھر میں لائی جاتی ہے۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرنے کے بعد اس کے ساتھ کھٹ پٹ شروع ہو جاتی ہیں۔ کئی بدقسمت عورتیں شادی کے بعد لڑائی جھگڑوں' نفرتوں اور طعنہ زنی سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتی ہیں۔ کئی لفظ ''طلاق'' اپنی جھولی میں ڈالے بابل دیس واپس آ جاتی ہیں۔ اس طرح کی افسوسناک صورتحال دیکھ کر کئی والدین کے منہ سے خواہش نکل جاتی ہے کہ ''اللہ ہمیں بیٹیاں نہ ہی دیتا'' والدین کے لئے بیٹیوں کا رشتے ڈھونڈنے والا دور سخت پریشانی کا دور ہوتا ہے۔ پست از دواجی زندگی کی وجہ سے وہ رشتے کرنے سے خوف کھاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ رشتہ کروانے والے لڑکے کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں اور بعد میں انکشاف ہوتا ہے کہ لڑکا جاہل تھا' نشئی تھا' کسی اور کے عشق میں مبتلا تھا وغیرہ وغیرہ۔ مرد کی یہ خامیاں لڑکی کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی ہیں۔ اس طرح از دواجی زندگی کے ابتدائی دور میں ہی لڑکی غموں میں مبتلا ہو کر مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ کچھ مرد اپنی چند روزہ عیش و عشرت کی خاطر عورت کی عزت داغ دار کر کے اسے طلاق دے دیتے ہیں اور انہیں اس بات کا قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ ان کے اس برے سلوک سے عورت کے ناتواں دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔

اے اللہ ظلم کے ٹھیکیداروں کو ہدایت نصیب فرما۔

آیئے تھوڑی سی نظر ہم اسلامی احکامات پر بھی ڈالتے ہیں جو اس نے از دواجی زندگی کے لئے وضع کئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ' انہیں اس لئے نہ روک رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے' اس میں سے کچھ لے لو' ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کھلی بے حیائی اور برائی کریں اور اپنی عورتوں سے اچھے طریقے سے بود و باش کرو گو تم انہیں ناپسند ہی کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے۔ (سورۃ النساء 19)

ایک اور جگہ فرمایا' جیسے تمہارے حقوق ان پر ہیں ان کے حقوق بھی تم پر ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو' ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو' اپنی طاقت کے مطابق ان کی حالت اچھی رکھو۔''

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والی کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرے اور میں اپنی بیویوں سے بہت اچھا رویہ رکھتا ہوں۔''

آپ اپنی بیویوں کے ساتھ بہت لطف و خوشی' بہت خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مومن مرد' مومنہ عورت کو الگ نہ کرے اگر اس کی ایک آدھ بات سے ناراض ہوگا تو ایک آدھ خصلت اچھی بھی ہوگی۔

حسن از دواجی زندگی کے لئے اور بھی بہت سی آیات و احادیث موجود ہیں جن میں سے چند ایک پر بھی مرد اور اس کے گھر والے عمل کر لیں تو لڑکیوں کے والدین بے دھڑک اپنی بیٹیوں کی شادیاں کریں گے' لڑکیاں بخوشی پیا دیس سدھاریں گی۔ والدین انہیں بوجھ نہ سمجھیں گے اور نہ وہ رحمت کی بجائے زحمت نظر آئیں گی۔

رمضان المبارک کی خصوصیات

مفتی عبدالرحمٰن عابد حفظہ اللہ تعالیٰ

نیکیوں، بھلائیوں اور خیرات کا موسم بہار رمضان المبارک ہم پر سایہ فگن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ مبارک کو بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے۔ جو سال کے باقی مہینوں میں سے کسی کے حصہ میں نہیں آئیں۔ اس ماہ مبارک میں زمین پر اللہ تعالیٰ کی بغاوت اور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شیاطین اور سرکش جنوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور یہ سب رمضان کی پہلی رات ہی میں عمل ہو جاتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے۔ شیاطین اور سرکش جن جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ آگ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ان میں کوئی دروازہ بند نہیں رہتا اور ایک منادی کرنے والا اعلان کرتا ہے، اے خیر کو تلاش کرنے والے آجا اور شر اور برائی کے چاہنے والے رک جا اور اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد کرتا ہے اور یہ رمضان المبارک کی ہر رات کو ہوتا ہے''۔ (ترمذی کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل شہر رمضان، ح:۶۸۱۔ ابن ماجہ، ح ۱۶۴۲۔ ابن خزیمہ، کتاب الصیام، ح:۱۸۸۳، ج:۳، ص۱۸۸)

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ ہیں ''یقیناً اللہ تعالیٰ اس مہینہ کے ہر دن اور رات میں بندوں کو آگ سے آزاد کرتا ہے......''۔ (مسند احمد، ج:۲، ص:۲۵۴) یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ رمضان المبارک کا صرف آخری عشرہ ہی جہنم سے آزادی کا عشرہ نہیں بالکل رمضان کے ۲۹ یا ۳۰ دن اور راتیں جہنم سے آزادی کی ہیں۔ جس حدیث میں یہ آتا ہے کہ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت کا، دوسرا مغفرت کا اور تیسرا جہنم سے آزادی کا ہے، یہ حدیث راوی علی بن زید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان خندق بنا دے گا جیسے آسمان اور زمین کے درمیان''۔ (ترمذی، کتاب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی فضل الصوم فی سبیل اللہ، ح:۱۶۲۴)

روزہ جنت میں داخل کرنے والا عظیم عمل بھی ہے۔ ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے ذریعے میں جنت میں داخل ہو سکوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''روزہ کو لازم کر لو اس جیسا کوئی عمل نہیں''۔ (مستدرک حاکم، کتاب الصوم، ج:۱، ص:۴۲۱۔ نسائی)

روزے کی نیت

جب رمضان المبارک کا چاند طلوع ہو جائے تو ہر مکلف مسلمان پر واجب ہے کہ وہ رات ہی سے روزے کی نیت کر لے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے (رمضان کے فرض) روزے کی نیت رات سے نہ کی اس کا روزہ نہیں''۔ (السنن الکبری بیہقی، کتاب الصیام، باب الدخول فی الصوم بالنیۃ، ج:۴، ص۲۰۲۔ محلیٰ ابن حزم، ج:۶، ص:۱۶۲) ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں ''جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں''۔ (ابوداؤد، کتاب الصوم، باب النیۃ فی الصیام، ح: ۲۴۵۴۔ البتہ نفلی روزوں کی نیت فجر کے بعد بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس نے طلوع فجر کے بعد کچھ کھایا، پیا نہ ہو۔

یاد رہے! کہ نیت کا محل دل ہے زبان کے ساتھ نیت کرنا بدعت ہے۔ لوگوں میں نیت کے جو الفاظ معروف ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں اس لیے انہیں پڑھنا اور کیلنڈروں پر چھاپنے سے بچنا ضروری ہے۔

سحری کھانے کی فضیلت

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سحری کھایا کرو یقیناً سحری کھانے میں برکت ہے''۔ (بخاری، کتاب الصوم، باب برکت السحور من غیر ایجاب، ح:۱۹۲۳)

سحری کھانے میں اہل کتاب کی مخالفت بھی ہے۔ (اہل کتاب کی مخالفت ہمارے دین کا شعار ہے) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: 'ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے''۔ (مسلم، ح:۱۰۹۶)

افطاری میں جلدی کرنے کی فضیلت

سورج کی ٹکیہ غروب ہوتے ہی روزہ افطار کرنا خیر اور بھلائی کا باعث ہے۔ سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ ہمیشہ بھلائی میں رہیں گے جب تک افطاری جلدی کرتے رہیں گے''۔ (بخاری کتاب الصوم، ح:۱۹۵۷۔ مسلم، کتاب الصیام، ح:۱۰۹۸)

ابو عطیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور مسروق رضی اللہ عنہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو مسروق رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے دو بندے ہیں، دونوں بھلائی میں کوئی کمی نہیں کرتے، ایک مغرب اور افطاری جلدی کرتا ہے اور دوسرا لیٹ کرتا ہے انہوں نے پوچھا جلدی کون کرتا ہے تو اس نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو ام المومنین نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ (مسلم، کتاب الصیام، ح:۱۰۹۹۔ ابوداؤد، کتاب الصوم، باب مایستحب من تعجیل الفطر، ح:۲۳۵۴)

معلوم ہوا کہ افطاری سورج غروب ہونے کے فوراً بعد کرنا رسول اللہ ﷺ کی قولی اور فعلی سنت ہے۔

روزہ کس چیز سے کھولیں

سلمان بن عامر الضبی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی افطاری کرے تو وہ کھجوروں پر افطاری کرے، اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے افطاری کرے، یقیناً وہ پاک ہے''۔ (ابوداؤد، کتاب الصوم، باب مایفطر علیہ، ح:۲۳۵۵۔ ترمذی کتاب الصوم، باب مایستحب علیہ الافطار، ح:۶۹۵)

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چند تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کرتے، اگر وہ نہ ہوتیں تو عام کھجوروں سے افطار کر لیتے، اگر عام کھجوریں بھی نہ پاتے تو پانی کے چند پی کر روزہ افطار کر لیتے اور پھر نماز ادا کرتے۔ (ابوداؤد کتاب الصوم، ح:۲۳۵۶۔ ترمذی، کتاب الصوم، ح:۶۹۶) معلوم ہوا افضل یہ ہے کہ تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کرے اگر تازہ کھجوریں نہ ہوں تو عام کھجوروں سے اگر وہ بھی نہ پائے تو پانی سے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چند کھجوریں یا چند گھونٹ پانی سے روزہ افطار کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی طریقہ تھا، افطاری کے وقت بہت زیادہ کھانا پینا معدے کے لیے نقصان دہ ہے کیونکہ معدہ دن بھر خالی رہتا ہے، اس میں آہستہ آہستہ ہی غذا پہنچانا مفید ہوتا ہے۔

روزہ کن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے؟

روزہ جان بوجھ کر کھانے پینے سے، جان بوجھ کر قے کرنے سے، جماع کرنے سے اور حیض یا نفاس آ جانے سے ٹوٹ جاتا ہے۔

کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتا؟

مسواک کرنا، جنابت کی حالت میں سحری کھانا اور اذان کے بعد غسل کر لینا، بیوی کو چھونا یا بوسہ دینا بشرطیکہ بندے کو اپنے اوپر مکمل کنٹرول ہو، سالن وغیرہ میں نمک مرچ چکھ کر تھوک دینا، سرمہ لگانا، آنکھ اور ناک میں دوائی ڈالنا بشرطیکہ حلق میں نہ جائے، غسل کرنا، کپڑے کو تر کر کے اوڑھ لینا، بھول کر کھا پی لینا، قے کا خود بخود آ جانا، انجکشن لگوانا بشرطیکہ وہ غذائیت والا نہ ہو صرف درد یا بخار وغیرہ کو ختم کرنے کے لیے ہو۔

روزہ دار پر کن چیزوں کا چھوڑنا فرض ہے

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر روزہ فرض کرنے کا مقصد حصول تقویٰ ہے۔ دن میں بھوکا پیاسا رکھ کر تنگ کرنا اور تکلیف دینا ہرگز مقصد نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ بندے اس کے احکامات کی پابندی کرنے والے اور ممنوعات سے بچنے والے بن جائیں۔ رمضان کے روزے حقیقت میں ایک مدرسہ ہے جس سے بندوں میں حرام باتوں اور کاموں کو چھوڑنے اور فرائض وواجبات کی پابندی کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ جب پورا مہینہ اس تربیت سے گزرے تو ضرور زندگی میں انقلاب برپا ہوگا۔ جیسے روزے میں کھانے پینے اور جماع سے بچنا ضروری ہے، ایسے ہی اپنی زبان کو جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی گلوچ، بہتان تراشی وغیرہ سے روکنا، ہاتھ کو ہر قسم کے ظلم وزیادتی سے روکنا، آنکھوں کو حرام دیکھنے سے اور کانوں کو حرام سننے سے روکنا، اپنے بدن اور گھر کو غیر اسلامی گند سے پاک کرنا۔

خواتین کا لڑائی جھگڑوں سے اپنے آپ کو بچانا، بغیر ضرورت کے گھر سے نہ نکلنا، ضرورت پڑنے پر مکمل پردہ میں محرم کے ساتھ نکلنا، موبائل فون اور انٹرنیٹ کے ذریعے غیر مردوں سے بات چیت کرنے سے پرہیز کرنا، اپنے گھروں کو ٹی وی، وی سی آر، موسیقی اور جاندار چیزوں کی تصاویر سے پاک رکھنا نہایت ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جھوٹی بات اور اس پر عمل اور جہالت کے کام نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ (بخاری، کتاب الادب، باب قول اللہ واجتنبوا قول الزور، ح:۶۰۵۷۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزہ صرف کھانے پینے سے نہیں، یقیناً روزہ بے ہودہ باتوں، کاموں اور شہوانی امور سے ہے، اگر تجھے کوئی گالی دے یا تجھ پر کوئی جہالت کرے تو تو کہہ میں روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں''۔ (ابن خزیمہ، ح:۱۹۹۶)

جو روزے رکھنے کے باوجود برے افعال واعمال نہیں چھوڑتا اس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا: ''کتنے ہی روزے دار ہیں کہ ان کا حصہ ان کے روزے سے صرف بھوک اور پیاس ہے''۔ (مسند احمد، ج:۲، ص:۴۴۱) اس کی سند حسن ہے۔ یعنی ایسے لوگوں کو بھوک پیاس برداشت کرنے کے سوا کچھ اجر وثواب نہیں ملے گا۔

فرائض کے علاوہ کرنے والے دیگر کام

① قیام اللیل یعنی تراویح: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قیام ایمان اور ثواب کی نیت سے کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے''۔ (بخاری کتاب الصوم۔ مسلم، کتاب الصیام) رسول اللہ ﷺ رات کا قیام نہیں چھوڑا کرتے تھے۔ اگر بیمار ہو جاتے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے تھے۔ صحابہ کا بھی یہی معمول تھا۔ ② صدقہ: رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے اور رمضان میں تو آپ ﷺ کی سخاوت انتہا کو پہنچ جاتی۔ صدقہ میں کھانا کھلانا، افطاری کروانا، جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنا شامل ہیں وغیرہ ③ قرآن مجید کی تلاوت: بہتر اور افضل یہ ہے قرآن مجید کو ترجمہ کے ساتھ سمجھ کر پڑھیں۔ ④ رمضان میں عمرہ کرنا، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ (بخاری ومسلم) ⑤ آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھنا۔ ⑥ لیلۃ القدر کی تلاش۔ ⑦ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنا، اپنے اندر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا وتیرہ بنا لینا۔

افطاری کے وقت کی دعا

افطاری کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ اس وقت کو دعا کے علاوہ صرف کر دینا بڑی بدنصیبی ہے۔ بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کر لی چاہیے اس حال میں کہ اس کو قبولیت کا یقین ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔ روزے دار کی دعا جب وہ افطار کرتا ہے اور عادل بادشاہ کی دعا اور مظلوم کی دعا''۔ (ترمذی، ح:۳۵۹۸)

افطاری کی دعا

رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعا پڑھتے: ''ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَ ابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ'' (ابوداؤد، کتاب الصیام)

لال مسجد میں مغرب سے مغرب تک

قاری محمد یعقوب شیخ

غروب آفتاب کا منظر بڑا ہی حسین ہوتا ہے، آفتاب کی الوداعی کرنیں جس چیز پر پڑتی ہیں اس کو سرخی مائل کر دیتی ہیں۔ شام کا یہ سنہری منظر جہاں انسان کے دل میں عجب احساس پیدا کرتا ہے، وہاں یوں محسوس ہوتا ہے کہ سورج دن بھر کی اداسیاں، پریشانیاں اور دکھ اپنے دامن میں سمیٹے دنیا کو ایک پیام فنا دے کر رخصت ہو رہا ہے۔ شام ڈھلتے ہی دن بھر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ پرندے پیٹ بھر کر اپنے گھونسلوں اور انسان اپنے گھروں کی طرف لوٹتے ہیں۔ شام کا آغاز ہوتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر شے! ڈوبنے والا سورج، منظر عام پر آنے والے چاند اور ستارے، ہوائیں اور فضائیں، درختوں کے پتے اور اس پر بیٹھنے والے پرندے نغمہ توحید پیش کر رہے ہیں۔ مغرب کے وقت سب لوگ اپنے اپنے گھر پہنچ کر باوضو ہو کر اللہ تعالیٰ کے گھر مساجد کا رخ کرتے ہیں، یقیناً دنیا بھر کی تمام مساجد کعبۃ اللہ کی بیٹیاں ہیں، جہاں انسان راحت وسکون حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے سرگوشیاں، اپیلیں اور مناجات کر کے اپنے مطالبات منواتا ہے۔ یہ امن کے گہوارے ہیں، ان میں بدامنی پیدا کرنا، قتل وغارت کرنا درست نہیں ہے۔

قارئین کرام! 35 سال پہلے کی بات ہے، مغرب کا وقت تھا، اپنے شہر، گھر اور ماں کی مامتا سے دور اسلام آباد میں میٹرک کا ایک طالبعلم اپنے گمشدہ زادراہ کی وجہ سے پریشان حال تھا۔ جیب میں کرایہ نہیں، کھانے کیلئے پیسے پاس نہیں، دن بھر کی تھکاوٹ ہے مگر آرام کے لئے کوئی جگہ میسر نہیں۔ سورج جیسے جیسے ڈوب رہا تھا، ویسے ویسے اس طالبعلم کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ صبر ورضا اور بلند حوصلے نے دونوں آنکھوں کے آگے بند باندھا ہوا تھا۔ گھر واپسی کی فکر دامن گیر تھی، انسان جب غریب الدیار، اجنبی اور مسافر ہوتا ہے تو کیفیت بڑی عجیب اور طبیعت بڑی اداس ہوتی ہے۔ پرانے اور چھوٹے غم بھی نئے اور بڑے نظر آتے ہیں، زندگی کی اداس کلیاں کھل اٹھتی ہیں اور گلشن غم میں ایک انقلاب واضطراب پیدا کر دیتا ہے۔ اسی اضطرابی سوچ میں گم یہ حوصلہ مند نوجوان ایک روڈ کے کنارے چل رہا تھا کہ اتنے میں اذان مغرب کی آواز گونجی۔ اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔ اذان کی سماعت کا لطف بڑا ہی نرالہ ہوتا ہے۔ خاص طور پر فجر اور مغرب کی اذان...... سبحان اللہ۔

یہ اذان لال مسجد اسلام آباد میں ہو رہی تھی، اذان اور نماز کا درمیانی وقت قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے، نوجوان وضو کر کے مسجد میں داخل ہوتا ہے، نماز میں اللہ سے دعا کرتا اور مانگتا ہے۔ وہی مشکل کشا ہے، اس کے سامنے مشکل تو کیا مشکلات بھی رکھی جائیں تو وہ حل کرتا ہے۔ اس مشق اور محبوب مرحلے سے فارغ ہو کر مسجد کے امام اور خطیب مولانا محمد عبداللہ سے ملاقات ہوئی، تعارف ہوا، بات چیت ہوئی تو دوران گفتگو میں ان پیسوں کا بھی ذکر آ گیا جو گم ہو گئے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مطلوبہ کرایہ سے چار گنا زیادہ رقم دی۔ ضیافت فرمائی اور رات قیام کیلئے جگہ فراہم کی، بلکہ اگلے روز صبح کا ناشتہ کرا کر رخصت کیا۔

مولانا کے اخلاق اور حسن سلوک نے ان کو بڑا متاثر کیا، دل سے دعائیں نکلیں، زبان نے شکریہ ادا کیا، واپسی کے سفر میں یہ خوبصورت یادیں اور غموں کو کافور کر دینے والے وہ حسین لمحات ہی تو سفر کے ساتھی بن گئے۔

قارئین کرام! اب 35 سال کے بعد 27 مئی 2010ء جمعرات کے دن ہم لال مسجد کی طرف رواں دواں تھے ہمارے سفر کے امیر وہی طالبعلم تھے، ان کے علاوہ ابو عمیر بھائی اور مولانا رمضان منظور شامل تھے۔

آج بھی مغرب کا وقت ہونے کو تھا کہ ہم لال مسجد میں داخل ہوئے۔ آج مسجد اداس تھی، غمزدہ تھی، کیونکہ 35 سالوں میں اس کی جھولی میں کئی جانیں، کئی بیٹے قربان ہوئے اور بے شمار بیٹیوں نے شہادت کے جام نوش کئے ہیں۔ مسجد کی مشرقی جانب جامعہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی عالی شان عمارت جس میں چار ہزار طالبات زیر تعلیم تھیں، زمین بوس ہو چکی تھی۔ پرویزی دور حکومت میں مسجد کے تقدس اور مدرسہ کی عظمت کو جس طرح پامال کیا گیا اس کی مثال نہیں ملتی۔

پھر قدرت نے جو حشر پرویز مشرف اور دیگر اسلام دشمنوں کا کیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے کہ آج وہ اس ملک میں قدم نہیں رکھ سکتا جس میں وہ مکے لہرایا کرتا تھا۔

مسجد میں داخل ہو کر وضو کیلئے جا رہے تھے کہ بائیں طرف دیوار پر لگے پوسٹر نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا جس پر جامعہ حفصہ کی تصاویر کے علاوہ ظلم وجبر پر مبنی دیگر واقعات وحادثات کے مناظر بھی تھے اور ساتھ یہ عبارت بھی......: ع

''جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں''

نماز مغرب ادا کی گئی، امامت مولانا محمد عبداللہ شہید کے بیٹے مولانا عبدالعزیز غازی نے کی۔ پہلی رکعت میں سورۃ الانشراح کی تلاوت کی، ورفعنا لک ذکرک، اس آیۃ پر ان کی آواز میں بلندی اور جوش تھا۔ حرمت رسول ﷺ کا مسئلہ ایسا ہے کہ مسلمان اس میں پرجوش ہیں، متحد ہیں، ذکر مصطفیٰ ﷺ کو بلند کرنے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا، لہٰذا محمد ﷺ کا نام مٹانے والے خود مٹ جائیں گے۔

نماز کے بعد مولانا عبدالعزیز صاحب سے ان کے کمرہ میں ملاقات ہوئی، ہمارے علاوہ ملاقات کرنے والے اور بھی لوگ جمع تھے۔ اس طالبعلم نے 35 سال پرانا واقعہ مولانا کو سنایا جوان کے لئے بھی باعث حیرت تھا۔ قارئین کرام! آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آخر وہ طالب علم کون ہے؟ اب وہ ایک معروف شخصیت، زبردست مقرر، عالم، ادیب، خطیب اور درجنوں کتابوں کے مصنف، قومی اخبارات کے کالم نگار اور قافلہ حرمت رسول ﷺ کے سالار مولانا امیر حمزہ ہیں۔

ملاقات میں مولانا عبدالعزیز صاحب کو ہم نے 28 مئی کو آبپارہ اسلام آباد میں ہونے والی حرمت رسول ﷺ کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی، چند جملوں کے تبادلہ کے بعد ہم وہاں سے رخصت ہو گئے۔ 28 مئی جمعۃ المبارک کے بعد نماز عصر نبی کریم ﷺ کے جان نثار مسجد قباء میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ قافلہ حرمت ترتیب دیا گیا۔ بزرگ اور بڑی عمر کے لوگ بسوں، ویگنوں کے اندر اور نوجوان چھتوں پر سوار ہو گئے۔ شرکاء قافلہ نے ہاتھوں میں پرچم اور ماتھوں پر سفید رنگ کی پٹیاں پہن رکھی تھیں جن پر یہ نعرہ تحریر تھا۔ ''حرمت رسول ﷺ پر جان بھی قربان ہے''۔ جانبازوں کا یہ کارواں مرکز قباء سے مولانا امیر حمزہ کی قیادت میں روانہ ہوا تو شرکاء کا جذبہ، ولولہ اور جوش قابل دید تھا۔ محسوس یوں ہو رہا تھا کہ اگر ان کو اشارہ دے دیا جائے تو یہ گستاخوں کے ٹکڑے کر دیں گے۔ وہ وقت بھی اب قریب ہے دور نہیں جب ان گستاخوں، کافروں کے خلاف کارواں روانہ ہوں گے۔

اس کارواں کا جگہ جگہ پرجوش استقبال ہوا۔ راہ گیروں، دکان داروں، تاجروں، یہاں تک کہ پولیس نے نعروں میں حصہ لیا اور تعاون کیا۔ حرمت رسول ﷺ کا مسئلہ پوری امت کے ایمان وعقیدے کا مسئلہ ہے، اس پر کٹ مرنے کو ہر شخص سعادت سمجھتا ہے۔

کارواں راول چوک کشمیر چوک سے ہوتا ہوا کنونشن سنٹر سے بل کھاتا آبپارہ چوک کے سینے میں اتر گیا، جہاں حرمت رسول ﷺ کا پنڈال سجا تھا، سامعین پنڈال اور مقررین اسٹیج پر جلوہ افروز ہو گئے۔ کانفرنس کا آغاز قاری عبدالرؤف کی تلاوت سے ہوا، ابتدائی گفتگو حافظ خالد ولید نے کی، بعد ازاں کرنل نذیر احمد نے خطاب کیا۔ جماعت اسلامی کے میاں محمد اسلم اور ڈاکٹر فرید احمد پراچہ نے لوگوں کو گرمایا۔ علامہ عبدالجلیل نقوی نے حضرت محمد ﷺ کی حرمت اور اہل بیت کی مدح میں اظہار خیال کیا۔ راقم الحروف کے بعد مولانا زاہد محمود قاسمی نے زور دار اور جاندار قسم کے جملے ادا کئے۔ معروف مذہبی وسیاسی شخصیت حافظ حسین احمد کوئٹہ سے خصوصی طور پر حرمت رسول ﷺ کانفرنس میں شرکت کیلئے تشریف لائے۔ حرمت رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ مدارس دینیہ کے تحفظ وحفاظت کے حوالے سے سامعین سے ہم کلام ہوئے۔

پروفیسر حافظ عبدالرحمٰن مکی نے طاغوتی عالمی اداروں کو للکارا۔ نبی کریم ﷺ سے گستاخی کرنے والوں کو سرعام للکارا اور وقت کے حکمرانوں کو ذمہ داری کا احساس دلا کر مائیک سے الگ ہو گئے۔

جب بھی کسی مقرر کی مائیک پر آمد ہوتی عوام جوش میں آ کر نعرہ تکبیر بلند کرتے۔ آج ویسے بھی یوم تکبیر تھا اسی دن پاکستان نے پانچ ایٹمی دھماکے کر کے انڈیا کی بک بک بند کی اور امریکی صدر کو خاموش کر دیا تھا۔

نعروں کی گونج سے پورا آبپارہ تو کیا اسلام آباد گونج رہا تھا۔ تاجر اور دکان دار اپنا کاروبار چھوڑ کر حرمت رسول ﷺ کی کانفرنس سن رہے تھے۔ لوگوں کے ہاتھوں حضرت محمد ﷺ کی شان میں لکھے ہوئے کتبے بینر پلے کارڈ موجود تھے، گستاخان رسول ﷺ کے خلاف نفرت بھرے جملے تھے۔ فیس بک اور یوٹیوب پر پابندی کے مطالبات بینروں پر آویزاں تھے۔ ایک بار پھر نعروں کی گونج میں مولانا امیر حمزہ کو خطاب کی دعوت دی گئی تو لوگوں نے کھڑے ہو کر زوردار نعرے لگائے۔ خطاب شروع ہوا تو لوگ سمٹ کر پنڈال کی طرف آنے لگے توجہ اور محبت سے تقریر سنی، جو ولولہ انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ فکر انگیز بھی تھی۔ غازی علم الدین شہید کا ایمان افروز واقعہ جب سنایا جا رہا تھا تو لوگ اشکبار تھے۔ ان کے گرتے ہوئے آنسوؤں کا مشاہدہ غروب ہونے والا سورج بھی کر رہا تھا۔ سورج ڈوب رہا تھا اور لال مسجد کے سایہ میں آبپارہ چوک پر کانفرنس کا آخری مقرر 35 سال پہلے کا طالبعلم یہ کہہ رہا تھا کہ لو گو گستاخ امریکہ کا سورج غروب ہونے والا ہے، اس کے ساتھ ہی تقریر ختم ہوئی اور مغرب کا وقت ہو گیا۔

سانحہ 8 اکتوبر اور ہمارے اعمال وافعال

افتخار گل خان

قوموں کی زندگیوں میں عروج وزوال، تعمیر وترقی اور امن و جنگ کی کیفیات آتی رہتی ہیں، زندہ قومیں ان اسباب وواقعات کو اپنے لئے چیلنج سمجھتے ہوئے نبرد آزما ہوتی ہیں نہ کہ لوٹ کھسوٹ اور واویلا کا ذریعہ بناتی ہیں، یقیناً ایسے لمحات میں باشعور قومیں اپنے حواس کو برقرار رکھتے ہوئے ایک مربوط اور منظم طریقہ کار کے ذریعے اپنی ساکھ اور اثاثوں کو بحال کرتی ہیں۔

جاپانی قوم کی داستانوں اور کہاوتوں میں اکثر ایک حکایت کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ ایک نصیحت ہے جس پر آج تک وہ قوم عمل پیرا نظر آتی ہے۔

(ا) اپنے ملک وملت کے لئے جان قربان کردینے والوں کو ہمیشہ یاد رکھنا۔

(۲) اپنے دشمن کو ہمیشہ یاد رکھنا جس نے کبھی بھی تمہیں نقصان پہنچایا ہو۔

(۳) جدید علوم کا حصول زیادہ سے زیادہ کرنا۔

بظاہر مندرجہ بالا تین باتیں عام نظر آتی ہیں مگر اپنے اندر جذبات کا ایک سمندر سموئے ہوئے ہیں۔ اور ہم یہ واضح طور محسوس کرسکتے ہیں کہ جاپانی قوم اپنے بزرگوں کی ان نصیحتوں پر عمل پیرا ہے۔

قیام پاکستان سے لے کر آج تک پاکستانی قوم پر بہت سی آفات نازل ہوئیں۔ قیام پاکستان کے اعلان کے ساتھ ہی ہندوؤں اور سکھوں کا ظلم وقتل اور غارت گری ایک نہ بھلادینے والا باب ہے۔ مگر غیروں کی عیاری اور اپنوں کی مفاد پرستی کے وجود بحیثیت قوم نے اس صبر آزما گھڑی میں عظیم استقامت کا مظاہرہ کیا۔ مفلوک الحال لوگوں نے ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور بھائی چارے کی انمول مثالیں پیش کیں۔

دوسرے نمبر پر 1965ء کی جنگ ہے کہ عوام میں سیاسی ومذہبی تقسیم کے باوجود پوری پاکستانی قوم نے یکجا ہوکر دشمن کا مقابلہ کیا اور اسے نہ بھلادینے والی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے بعد کئی ایک واقعات وسانحات پیش آئے جس پر من حیث القوم ہم تقسیم در تقسیم کا شکار ہوتے گئے۔

اگرچہ بزرگ دانشوروں اور تحریک پاکستان کے بے لوث کارکنوں نے اس روش کو ملک کے لئے بہت خطرناک قرار دیا مگر پاکستانی عوام کی اکثریت مفاد پرستوں اور سازشی عناصر کے گھیرے میں آچکی تھی جس کے سبب 1971ء کا المناک سانحہ پیش آیا جس کے گھاؤ آج تک مندمل نہ ہوسکے ہیں۔ 8 اکتوبر 2005ء کی صبح بھی ایسی ہی آزمائش کی ایک گھڑی اس قوم پر آئی۔ ایک ہولناک زلزلہ جس نے کشمیر وسرحد کے اکثریتی علاقوں کو ایسا دہلایا کہ کئی آبادیاں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔

وہ علاقے جو جنت نظیر شمار کئے جاتے تھے جہاں پر خوبصورتی سرشار نظر آتی تھی جو جغرافیائی لحاظ سے پاکستان کی شہہ رگ قرار دیے جاتے ہیں۔ چند لمحات میں وہ خوبصورت وادیاں ملبے کا ڈھیر بن گئیں اور ان کے مکین اپنے ہی مکانوں تلے دفن ہوگئے۔ یقیناً وہ ایک کڑی آزمائش تھی جو ہم سے ایک بڑی قربانی کا تقاضا کررہی تھیں۔

حکومتی ترجمان اور وزراء ہمیشہ کی طرح سب اچھا کی رپورٹ دیتے رہے۔ مگر شام کے وقت کچھ ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے حقیقت حال واضح کی تو حکومتی بوکھلاہٹ دیدنی تھی۔

لیکن ان تمام کے باوجود 9 اکتوبر 2005ء کی صبح پاکستان کے عوام ایک نئے جذبے کے ساتھ بیدار ہوئے اور انہوں نے واقعی ایک قوم ہونے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا تن من دھن اپنے متاثرہ بہن بھائیوں کے لئے نچھاور کردیا۔ گلی گلی امدادی کیمپ لگنا شروع ہوگئے۔ بچہ، بوڑھا، جوان ہر مرد وزن اپنی استطاعت سے بڑھ کر معاونت کرتا نظر آیا۔

حکومتی اداروں سے قبل ہی نوجوان اور امدادی کارکن متاثرہ علاقوں میں پہنچ گئے جہاں انہوں نے زخمیوں کو طبی امداد اور متاثرہ لوگوں کو خوراک پہنچانے کا اہتمام کیا۔

حکومتی اداروں نے اپنے وسائل کا فوری استعمال کرنے کی بجائے امداد، امداد کا نعرہ لگانا شروع کردیا جس پر اندرون و بیرون ممالک سے تنقید بھی کی گئی۔

جنیوا اور اسلام آباد کی ڈونرز کانفرنسز جس پر خود کوفی عنان (سابقہ سیکرٹری جنرل UNO) نے عدم اعتماد واطمینان کا اظہار کیا ہماری حکومت اسے اپنی کامیابی سمجھتی رہی۔ امداد کے نام پہ قرض اور امدادی دوروں وانتظامات پر خرچ، حکومت آج تک اس کی تفصیلی رپورٹ جاری نہ کرسکی۔

بعض ممالک نے امدادی بھی تو بطور قرض فراہم کی اور دی جانیوالی امداد اپنے اداروں اور من پسند NGO`s کے ذریعہ مخصوص اہداف متعین کرکے دی جس پر شکوک وشبہات کا اظہار کیا جاتا رہا۔ کئی ایک ممالک نے اپنے فراہم کردہ ہیلی کاپٹرز اور عملے کی تنخواہوں کو بھی اس امداد سے منہا کیا جو سراسر زیادتی کے مترادف ہے۔

ہم نے مسلم ممالک کی بجائے دیگر کو ترجیحاً سہولیات مہیا کیں اور ان کے کارناموں کی حکومتی تشہیر امت مسلمہ کے لئے تکلیف کا باعث بنی۔ حالانکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوچکی تھی کہ امدادی سامان اور کارکنوں کی فراہمی میں سعودی عرب امارات اور ترکی سرفہرست تھے۔ مگر ہم اس کی ستائش کرنے سے گھبراتے رہے۔

حکومتی اداروں کی پلاننگ اور بحالی کے منصوبہ جات کو بھی بیرونی اداروں نے سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ ہماری بوکھلاہٹ کا شکار پلاننگ کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ سردی کے موسم میں آنیوالے زلزلہ کے لئے پہلے پہل ہماری حکومت نے خیموں کو اکٹھا کرنا شروع کردیا فہرستوں کی ترتیب مکمل ہونے تک برف باری کا موسم شروع ہوچکا تھا اور اس وقت خیموں کی ضرورت باقی نہ رہی بعد میں شیلٹرز کی تعمیر اور پھر پختہ مکانات کی تعمیر ہر پہلو ہماری ناقص حکمت عملی کا عکاس تھا عالمی امداد اور بھرپور عوامی تعاون کے باوجود متاثرین واویلا کرتے رہے اور مستحقین مظاہرہ پر مجبور ہوگئے جو ہمارے لئے باعث شرمندگی بنا۔

متاثرہ علاقوں میں امدادی کاموں میں سیاسی لیڈروں کی شمولیت ایک بڑی خرابی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی انہوں نے اپنے مفادات کی خاطر مخصوص لوگوں کو نوازا۔ اگرچہ مقامی نوجوان بالخصوص طلبہ وطالبات اور خصوصاً مذہبی جماعتوں کے کارکنوں نے بے لوث تعاون کی انمول مثالیں پیش کیں مگر حکومتی اداروں کی ایوارڈز کی تقریبات اور غیر ملکی اداروں کے تحفظات پر ملکی اداروں کی رکاوٹیں ان کے اخلاص کو ٹھیس پہنچانے کا سبب بنیں۔

حکومتی ایوارڈز برائے متاثرین زلزلہ سے ایسے افراد کو نوازا گیا جن کی کارکردگی صرف یہ تھی کہ انہوں نے چند پروگرامز کی کمپئرنگ کی یا ان ڈراموں میں حصہ لیا جو زلزلہ شدہ علاقوں کے متعلق تھے۔ یہ عمل باعث شرمندگی تھا۔

غیر ملکی افواج کا متاثرہ علاقوں میں آنا بھی عجیب رہا کہ ہمارے ادارے اور افواج ان کی حفاظت پر مشغول ہوگئے۔ ان کے لئے رہائش گاہیں اور دیگر محفوظ سہولیات کی فراہمی ایک علیحدہ سے دردسر بنی رہی اور حیرت انگیز بات یہ رہی کہ یورپی افواج نے ملبے کے ڈھیر سے اسامہ بن لادن کی لاش کو برآمد کرنا شروع کردیا ایسی کئی خبریں بھی آئیں کہ غیر ملکی افواج نعشوں کا DNA کرواتی رہیں۔

متاثرہ علاقوں میں ناچ گانے کی مخلوط محفلیں اور امداد کے نام پر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو مغربی لباس پہنا کر نت نئی ترغیبات ان کا مشغلہ رہا۔ کئی ایک امدادی ادارے اپنے ملکوں کی افواج کے ساتھ مل کر اپنے مخصوص نظریات اور مذہبی پرچار کرتے رہے جس پر کئی حلقوں نے آواز بلند کی مگر حکومت یہاں بھی سرنڈر کرچکی تھی۔

متاثرہ علاقوں سے بچوں اور بالخصوص نوجوان لڑکیوں کا غائب ہونا بھی قابل مذمت امر تھا۔ لاہور کی ہیرا منڈی سے 45 کشمیری لڑکیوں کی برآمدگی اور اسلام آباد کے ہوٹلوں میں عصمت فروشی کے لئے فراہم کی جانیوالی خواتین کا واقعہ ہماری عزت وغیرت پر سوالیہ نشان چھوڑ گیا۔ جس پر آج تک کوئی خاطر خواہ جواب یا کارروائی عمل میں نہ آئی جو باعث تشویش بھی ہے اور قابل مذمت بھی۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ ایسے وقت جب پوری قوم یکجا ہوکر مدد وتعاون کے جذبات سے سرشار تھی حکومتی اداروں کو اس یکجہتی کو استعمال کرنا چاہئے تھا مگر انہوں نے پوری امدادی تحریک میں بزعم خود اپنے مخالفوں بالخصوص مذہبی جماعتوں کو دور رکھا۔ اس انفرادی سبقت بازی کی مہم میں عوام نے حکومت اور اپوزیشن پر بھرپور تنقید کی۔

حکومتی کارناموں میں ایک کارنامہ قومی رضا کار تحریک بھی تھا۔ جس کے بانی وفاقی وزیر محمد علی درانی تھے۔ جنہیں ایسی فوری تنظیمیں بنانے کا بہت تجربہ ہے۔ ایلیٹ کلاس کے لوگوں کی چہرہ نمائی اور مخصوص تعلیمی اداروں کے طلبہ پر مشتمل یہ تحریک کہاں گئی اور اس کے کارہائے نمایاں تاحال قوم کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ امدادی کارکنوں کو عملی تربیت اور متوقع چیلنجز سے عہدہ برآ ہونا یہ اس تحریک کے مقاصد اولین تھے مگر اسلام آباد کے ایک زیر تعمیر انڈر پاس کے انہدام اور کراچی میں پل کے گرنے پر امدادی کام ہماری تربیت اور پلاننگ پر مزاح ثابت ہوئیں۔ جہاں مٹی کے ملبے سے وفاقی دارالحکومت میں چند افراد کو فوری نہ نکالا جاسکا۔

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے اتنے بڑے سانحہ کے بعد بھی کتنی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا اور ان کے قیام اور اخراجات کی بھرمار کے باوجود ہماری کارکردگی صفر رہی۔ کیونکہ تاحال حکومتی مشینری اپنے استحکام میں مصروف عمل ہے اور اپوزیشن اپنے مقاصد کے حصول میں سرگرداں۔

البتہ ہمارے قومی ایام میں ایک دن کا اضافہ ہوگیا جس میں ہم موم بتیاں روشن کرکے تقریبات میں اپنے کارہائے نمایاں بیان کرسکیں گے۔ متاثرین کے نام پر حاصل کی جانیوالی امدادی رقوم اور اشیاء کا ذاتی استعمال اور ان میں غبن ہماری بے حسی کا واضح ثبوت ہے۔ آج کے دن ہم اپنے رب کائنات کے حضور پیش ہونے کی دلیل کو مدنظر رکھتے ہوئے سوچیں کہ ہم نے ماسوا چند مذہبی وجہادی تنظیموں کے ان خوبصورت لوگوں اور دل موہ لینے والی وادیوں کی بحالی کے لئے کیا کیا اور کتنے اخلاص کے ساتھ کام کیا تو شاید ہمارے سرندامت سے جھک جائیں۔

کیا واقعی ہم وہ قوم ہیں جو حادثات وسانحات سے سبق حاصل کرتی ہیں یا کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلینے والی قوم ہیں۔ آج ہمارا احتساب بھی ہے کہ اللہ نہ کرے کسی نئے سانحے پر ہماری قوم اور بیرونی دنیا کا رویہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا......!!؟ یہ ایک قابل غور سوال ہے؟

گستاخ رسول کی سزا، سر تن سے جدا

قاری محمد یعقوب شیخ

محمد ﷺ کے گستاخوں اور بے ادبوں کی فہرست میں ایک نام ابو جہل کا بھی ہے، جو کبھی آپ کے پاس آتا قرآن پاک کی تلاوت سنتا، تاہم صرف سنتا، ایمان و عمل، اطاعت و ادب سے عاری اور خشیت سے ہمیشہ خالی رہتا۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنی زبان سے اذیت پہنچاتا، راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتا، بدسلوکی سے پیش آتا، پھر اپنی بری حرکات پر ناز و فخر کرتا کہ اس نے شائد بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق قرآن پاک میں یہ آیات نازل فرمائیں:

فلاصدق و لا صلی...... ''نہ اس نے سچ مانا نہ اس نے نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا اور پیٹھ پھیری، پھر وہ اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا۔ تیرے لئے ہلاکت در ہلاکت ہے، پھر تیرے لئے ہلاکت در ہلاکت ہے''۔

اس شخص نے کام اتنے فضول کیے، حرکات اتنی گندی رکھیں کہ ہلاکت و بربادی اس کا مقدر بن گئی، اس شخص نے رسولؐ کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو روک دیا پھر ادائیگی نماز میں مسلسل رکاوٹیں ڈالتا رہا۔ ایک بار حضرت محمد ﷺ مقام ابراہیم کے قرب میں نماز ادا کر رہے تھے تو اس کا گزر وہاں سے ہوا، دیکھتے ہی بولا، محمدؐ! کیا میں نے تجھے اس کام (نماز) سے منع نہیں کیا تھا؟ ساتھ ساتھ دھمکی بھی دے دی۔

رسولؐ نے اس موقع پر اس کو سختی سے جواب دیا اور ڈانٹ بھی پلا دی، پھر وہ کہنے لگا اے محمدؐ! مجھے دھمکی دے رہے ہو، خدا کی قسم اس وادی مکہ میں میری محفل سب سے بڑی، یعنی افرادی قوت کے اعتبار سے میں مضبوط آدمی ہوں اور ان لوگوں کے ذریعہ سے میں کسی وقت کچھ بھی کر سکتا ہوں۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ''ہم بھی (دوزخ کے) پیادوں کو بلا لیں گے''۔

ابو جہل اس موقع پر اگر اپنے ساتھیوں کو آواز لگاتا اور رسول کی گستاخی کی کوشش کرتا تو آسمانوں سے اترنے والے فرشتے اس کی اور اس کے رفقاء کی تکہ بوٹی کر دیتے، خیر اس کو موقع ہی نہ ملا کہ وہ اپنے ہم مجلسوں کو بلائے، بلکہ نبیؐ نے پیش قدمی کرتے ہوئے اس گستاخ کا گریبان پکڑ لیا اور جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: **اولی لك فاولی ٥ ثم اولی لك فاولی ٥** ''تیرے لئے بہت ہی موزوں ہے تیرے لئے بہت ہی موزوں ہے''۔

اس پر ابو جہل بول پڑا، اے محمدؐ! مجھے دھمکی دے رہے ہو خدا کی قسم! تم اور تمہارا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، مکہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔ اس کی یہ بات اللہ اور اس کے رسولؐ سے کھلا اعلان جنگ اور حماقت و بدبختی کی انتہا ہے۔

قارئین محترم! اس شخص کو رسولؐ کی ڈانٹ کا بھی کوئی اثر نہ ہوا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے فرمان سے اس نے کوئی سبق حاصل کیا۔ بلکہ مسلم شریف کی روایت کے مطابق مکہ کے سرداروں کو ابو جہل نے کہا کہ محمدؐ آپ لوگوں کے سامنے اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے؟ جواب دیا گیا ہاں، اس نے کہا لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں نے (اس حالت میں) اسے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند ڈالوں گا اور اس کا چہرہ مٹی پر رگڑ دوں گا، اس کے بعد اس نے رسولؐ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور اس زعم میں چلا کہ آپؐ کی گردن روند ڈالے گا۔

لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑھی کے بل پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہا ہے، لوگوں نے کہا اے ابوالحکم! تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے۔ ہولناکیاں ہیں اور پر ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے۔

دیگر اہل ایمان پر ظلم و ستم روا رکھنے کے ساتھ ساتھ آل یاسر کو ستانے، مارنے، پیٹنے میں اس ظالم نے کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ کبھی پتھریلی زمین کی تپش کی سزا دیتے کبھی کوڑے برساتے۔ اس ظلم کا مظاہرہ رسولؐ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو فرمانے لگے! آل یاسر صبر کرنا، تمہارا ٹھکانا جنت ہے، سیدہ سمیہؓ کی شرمگاہ میں ابو جہل نے نیزہ مارا تو وہ بھی دم توڑ گئیں۔ یہ اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں۔

نبیؐ نے بددعا کی اور ابو جہل کا نام لے کر کہا: ''اے اللہ تو ابو جہل کو پکڑ لے''۔ اس بددعا کے بعد ابو جہل اللہ کی پکڑ اور گرفت سے کیسے بچ سکتا تھا۔ یہ وہی ابو جہل ہے جس کیلئے محمدؐ نے اللہ تعالیٰ سے ایک وقت میں دعا کی تھی کہ اے اللہ! اسلام کے غلبہ، عزت و سرفرازی کیلئے عمر بن الخطاب اور ابو جہل میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے عطا کر دے۔

سیدنا عمر بن خطاب اللہ کے محبوب اور رسول اللہ کی مراد بن گئے اور ابو جہل تکبر و غرور بے ادبی اور گستاخی کی وجہ سے اللہ کی گرفت میں آ گیا۔ قارئین کرام! غزوہ بدر اسلام کا پہلا فیصلہ کن معرکہ ہے، جس میں کافروں کی تعداد ایک ہزار اور مسلمان مجاہد تین سو تیرہ تھے، کافروں کی قیادت ابو جہل کر رہا تھا اور مجاہدین کی قیادت امام المجاہدین محمدؐ فرما رہے تھے، جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ ابو جہل تکبر و غرور کے ساتھ اپنے لشکر کو للکارتے ہوئے ڈٹ جانے کی تلقین کر رہا تھا اور اپنے ساتھیوں کو کہہ رہا تھا کہ ان کے کسی آدمی کو قتل کرنے کی بجائے زندہ گرفتار کرو تا آنکہ ہم ان کو بری حرکات کا مزہ چکھائیں۔

اس کے اپنے گرد مشرکین کا ایک غول تھا جنہوں نے ابو جہل کے چاروں طرف تلواروں کی باڑھ اور نیزوں کا جنگل قائم کر رکھا تھا۔ جب اہل اسلام کا ریلا قوت و شدت سے پیش قدمی کرتے ہوئے اس کی طرف آیا تو باڑیں بکھر گئیں اور جنگل اکھڑ گئے۔ اس کے بعد یہ بدبخت نظر آنے لگا۔

سیدنا عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ جنگ کے روز میں صف کے اندر تھا، اچانک مڑا تو دیکھتا ہوں دائیں بائیں دو نو عمر (معوذ و معاذ) ہیں۔ میں ان کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اتنے میں ایک نے سوال کر دیا چچا جان! ابو جہل کا پتہ تو بتا دیں شکل تو دکھا دیں۔ میں نے کہا بھتیجے تم اس کو کیا کرو گے؟ اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے وہ رسول اللہ کو گالیاں دیتا ہے۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے الگ نہیں ہو گا۔ یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے لکھی ہے وہ مر نہ جائے۔ اتنے میں دوسرے نے بھی یہی بات کی۔ کچھ دیر کے بعد ابو جہل لوگوں کے درمیان چکر کاٹتا ہوا نظر آیا۔ میں نے کہا، وہ ہے ابو جہل وہ ہے تمہارا شکار۔ یہ سنتے ہی وہ اس پر جھپٹ پڑے اور اس کو قتل کر دیا۔ معرکہ کے اختتام پر رسولؐ نے فرمایا: ''کوئی ہے جو معلوم کرے کہ ابو جہل کا کیا انجام ہوا ہے؟

مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ و دیگر صحابہؓ کی طرح اس کی تلاش میں چل نکلے اور اسے اس حالت میں پایا کہ ابھی اس کی سانس آ جا رہی تھی، انہوں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا سر قلم کرنے کیلئے داڑھی پکڑ لی اور کہا اے اللہ کے دشمن آخر اللہ نے تجھے رسوا کر دیا۔ اس نے کہا، میں کیسے رسوا ہوا جس شخص کو آج تم نے قتل کیا اس سے بھی بڑا آدمی کوئی ہے۔ سیدنا عبداللہؓ نے اس کی گردن پر تلوار ماری اور سر تن سے جدا کر دیا سر حضرت محمدؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے دیکھ کر فرمایا: ''یہ میری امت کا فرعون ہے''۔ قارئین کرام! آج معوذ و معاذ کی تاریخ کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دشمن رسول کو انہوں نے کیسے منطقی انجام تک پہنچایا۔ کیا یہ ذمہ داری آج کے نوجوانوں کی نہیں کہ وہ گستاخوں کے خلاف کھڑے ہو جائیں اپنی صفوں کو سیدھا کریں اور ان کی سانسوں کو ان سے چھین لیں، بے ادب زبانوں کو کاٹ دیں، گستاخ ہاتھوں کو جسموں سے جدا کر دیں، یقیناً اس کی ضرورت اور واقعتاً اس کی ضرورت ہے۔ ایک طرف تو ان نوجوانوں کا کردار ہے تو دوسری طرف مفسر قرآن، حافظ قرآن سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی جرأت و شجاعت دنیا کے علماء مفسرین کیلئے نمونہ ہے کہ انہوں نے فرعون وقت کے سینہ پر چڑھ کر اس کا سر تن سے جدا کیا ہے۔ علماء امت بیداری کا ثبوت دیں محسن امت، محسن انسانیت محمدؐ کی حرمت کیلئے آپ کی ناموس کی خاطر آگے آئیں پیش قدمی کریں۔

کفر، اہل کفر اور آئمہ کفر کے سینہ پر چڑھ کر رہیں اور ان گستاخوں کا سر تن سے جدا کرنے کیلئے متحد ہو جائیں۔

زندہ لاشے!

ساقی کوثر، شافع محشر، سرچشمہ ہدایت، گنجینۂ محبت، رحمت دو عالمؐ کے کوثر و تسنیم سے دھلے لب ہلے: ''تم پر ایک وقت آئے گا، جب دنیا بھر کے کافر تم پر یوں ٹوٹ پڑیں گے، جیسے بھوکا کھانے پر''۔

کوئی عرض پرداز ہوا'' آقا! ایسے وقت میں کیا ہم تعداد میں کم ہوں گے؟'' ''نہیں'' ارشاد ہوا، ''تعداد تو تمہاری بہت زیادہ ہوگی، مگر تم ایک مرض کا شکار ہو جاؤ گے''۔ ''کونسا مرض یا رسول اللہ ﷺ؟ ارشاد ہوا: ''وہن...... موت کا خوف!''

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلم امہ ''وہن'' کا شکار نہ تھی، یوں بے وزن نہ ہوئی تھی، اس کا سکہ رائج الوقت تھا، اس کی وسیع سلطنت میں سورج ڈوبتا تھا نہ تیز رفتار بادل اس کی آخری سرحدوں سے واقف تھے۔ افلاک کی وسعتوں میں ایک ابر تیز گام سے امت کا ایک حکمران کہ تاریخ نے جسے ہارون الرشید کہا، مخاطب ہے: ''جا! کہیں بھی جا کے برس، تیرے برسائے ہوئے پانی کی فصل کا خراج تو میری حکومت ہی کو وصول ہو گا''۔ جہان بھر میں جہاں جہاں اسلامی حکومت وسطوت نہ تھی، وہاں سے خراج ایک خودکار نظام کے تحت بیت المال میں چلا آتا تھا، یہ واقعہ زریں دور رسالت اور قابل فخر و تقلید دور خلافت سے کم و بیش 100 سال بعد کا ہے۔

''أمـریـن''، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے بتدریج دور ہوتی اس امت پر ایک وہ وقت بھی اترا جب ایک قوم نے جزیہ وصول کرنے والے حکومتی عمال کو کسی طرح کا خراج و جزیہ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا، پوچھا: یہ ہمت انکار کیوں؟ کہا: ''وہ کدھر ہیں جو چیتھڑوں میں ملبوس ہوتے تھے، جن کی تلواروں پر ''ٹاکیاں'' لگی ہوتی تھیں مگر وہ رعب دار تھے، معتبر تھے، ان کی ہیبت سے ہمارے دل دہل جایا کرتے تھے، وہ پراسرار بندے کہاں ہیں؟ اپنی دولت و ثروت کا عالی شان لباس اور عمدہ سواریوں کے ذریعے سے اظہار کرنے والو، جاؤ ہم تمہیں خراج ہرگز نہ دیں گے'' نہ دیا۔



اکیسویں صدی کی سپر پاورز کے جعلی کروفر سے بری طرح مرعوب مسلمان سنیں کہ جب موت کا خوف نہ تھا تو ہمارا زاویہ فکر، انداز گفتگو اور قرینہ سفارتکاری کیا تھا؟ اور اپنے عہد کے سلطانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا موقف بیان کرنے کا کیسا یارا میسر تھا ہمارے اسلاف کو! شاہ ایران کا دربار ہے...... اپنی بے پناہ طاقت کے گھمنڈ میں دھت، تخت پر براجمان ہے۔ محمد عربیؐ کا سفیر آیا ہے محمدؐ کا پیغام لے کر، اذن ملاقات ہوا، دربار لگا ہوا، درباری جھکے ہوئے، ہر طرف ہو کا عالم ہے، خوف کی عجب فضا ہے، اس وقت کی سپر پاور سلطنت کفر کے بزدل درباری دم بخود رہ گئے، چشم فلک میں کیا چمک آئی ہو گی جب یہ منظر دیکھا...... مدینے کے سفیر نے شاہی دربار کے نام نہاد پروٹوکول کی پروا کئے بغیر اپنا نیزہ نرم و گداز ایرانی قالین میں اتار دیا اور شاہ سے مخاطب ہوا اور جو کچھ اور جس شان سے اس نے کہا وہ سب تاریخ جرأت و اظہار کی نادر مثال ہے۔ اقبالؒ اسی عظمت رفتہ کو اپنی مشہور زمانہ نظم ''جواب شکوہ'' میں بہ دیدۂ تر یاد کرتے ہیں۔

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟
نوع انسانی کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
مرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینے سے لگایا کس نے؟
تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

آج کیا ہوا؟ زمین اور اہل زمیں ہم پر بے رحم ہوئے اور آسمان نامہرباں! کیوں؟ چند لاکھ یا کروڑ نہیں، ڈیڑھ ارب مسلمان کرۂ ارض پر بستے ہیں، وسائل کے انبار لگے ہیں، ہیومن ریسورس اقوام عالم میں سب سے اعلیٰ، ہنر مندی بے مثال، سامان حرب و ضرب میں خود کفیل، نیوکلیئر ٹیکنالوجی سے پوری طرح لیس، حرمین شریفین کے متولی آج کے مسلمان...... زندہ لاشے، زمین کا بوجھ بنے پھرتے ہیں!

یہ آپ ہم تو بوجھ ہیں زمین کے
زمیں کا بوجھ اٹھانے والے کیا ہوئے!

محو حیرت ہوں، یہ سب کیوں ہے؟ ہم سب، الا ماشاء اللہ، دینی غیرت، ملی درد، نظریات کے تحفظ، خدا کے پسندیدہ دین اسلام کی تبلیغ و ترویج و تشہیر سے گریزاں کیوں؟ فلسطین و کشمیر، چیچنیا و اراکان عراق و افغانستان کے نہتے، معصوم و مظلوم مسلمان، بچوں، بچیوں، ماؤں، بہنوں کی مدد سے دستبردار کیوں؟ ہم فانی زندگی اور اس کی عارضی و لمحاتی خوشیوں، مسرتوں کو عزت و ایمان کی موت پر ترجیح کیوں دے بیٹھے ہیں؟ ہم اپنا لائف سٹائل کیوں تبدیل نہیں کرتے؟ ہم اللہ کے دین کی سرحدات کے تحفظ، اس کے ماننے والے بے جرم و بے خطا ڈاکٹر عافیہ جیسے معصوم مسلمانوں کی عملی مدد کیلئے کیوں بے چین نہیں ہوتے؟ اور ساری کائنات کے محسن، محترم و معتبر نبی آخر الزمان جناب محمد ﷺ کے ناموس مبارک کی کماحقہ حفاظت کے لئے کیوں کھڑے نہیں ہوتے؟

کیوں؟ موت سے ڈرتے ہیں نا؟ وہن، موت کا ڈر! وہ تو پھر بھی آئے گی، ذلت کی موت، غلامی کی موت، بے ایمانی کی موت...... نہیں، ہرگز نہیں۔ آیئے عہد کریں، ہم ایسی موت ہرگز نہیں مریں گے، آج نہیں تو کل، مرنا تو ہے ہی، تو پھر عزت، غیرت اور ایمان کی موت کیوں نہ مرا جائے!

ایڈیٹر پرنٹر، پبلشر، حمزہ عمران فاروقی نے پاک وطن پرنٹنگ پریس رائل پارک لاہور سے چھپوا کر 180 ملتان روڈ چوک حمایت اسلام لاہور سے شائع کیا، رابطہ ترسیل 0423-7240945

ماہ شعبان...... فضائل ومناقب

علم وتحقیق

الشیخ محمد صالح المنجد

شعبان کے مہینے کا نام شعبان اس لیے ہے کہ اس ماہ میں عرب پانی تلاش کرنے نکلتے تھے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جنگ کے لئے نکلتے تھے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس مہینہ کو رجب اور رمضان کے مابین ہونے کی وجہ سے شعبان کہا جاتا ہے۔

شعبان کے مہینہ میں روزے رکھنا

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے تو ہم یہ کہتیں کہ اب وہ روزے نہیں چھوڑیں گے، اور جب آپ روزے نہ رکھتے تو ہم یہ کہتیں کہ اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ نہیں رکھیں گے۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کے علاوہ کسی اور مہینہ میں مکمل مہینے کے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، اور میں نے انہیں شعبان کے علاوہ کسی اور مہینہ میں زیادہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھے۔

صحیح بخاری حدیث نمبر (1833) صحیح مسلم حدیث نمبر (1956)

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ میں تقریبا سارا مہینہ ہی روزے رکھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر 1957)۔

علماء کرام کی ایک جماعت جس میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ وغیرہ شامل ہیں نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ میں پورا مہینہ روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اس میں وہ اکثر ایام کے روزہ رکھا کرتے تھے۔

اس کی دلیل سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی کی مندرجہ ذیل حدیث ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ تعالی نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ مکمل مہینہ کے روزے رکھیں ہوں۔ دیکھیں صحیح مسلم حدیث نمبر (1956)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اس وقت سے میں نے انہیں رمضان کے علاوہ کسی اور مہینہ کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا (صحیح مسلم حدیث نمبر 1956)۔

صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی بھی مکمل مہینہ کے روزے نہیں رکھے۔ دیکھیں صحیح بخاری حدیث نمبر (1971) صحیح مسلم حدیث نمبر (1157)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ رمضان کے علاوہ کسی بھی مکمل مہینہ کے روزے رکھنا مکروہ سمجھتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفلی روزے باقی سب مہینوں سے زیادہ ہوتے تھے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ میں اکثر ایام کے روزے رکھا کرتے تھے۔

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتا ہوں کہ آپ باقی مہینوں میں اتنے روزے نہیں رکھتے جتنے شعبان میں رکھتے ہیں؟

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

یہ ایسا مہینہ ہے جس میں لوگ غفلت کا شکار رہتے ہیں، یہ مہینہ رجب اور رمضان کے مابین ہے، اور یہ ایسا مہینہ ہے جس میں اعمال اللہ رب العالمین کے ہاں اٹھائے جاتے ہیں، اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال روزے کی حالت میں اٹھائے جائیں۔

اسے نسائی نے روایت کیا ہے، دیکھیں صحیح الترغیب والترھیب صفحہ (425)۔

اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ شعبان میں سب سے زیادہ روزے رکھنا پسند فرماتے تھے، اور پھر اسے رمضان کے ساتھ ملا لیتے تھے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ تعالی نے اسے صحیح قرار دیا ہے دیکھیں صحیح سنن ابوداود (461/2)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شعبان میں روزے کثرت سے رکھنے کے اسباب میں اہل علم کا اختلاف ہے جس میں کئی ایک اقوال بیان کیے گئے ہیں:

1 - سفر یا کسی اور سبب کی وجہ سے وہ مہینے کے تین روزے نہیں رکھ سکتے تھے جو جمع ہو جاتے اور انہیں شعبان میں قضا کرتے تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نفلی کام کرتے تو اس پر ثابت قدمی کرتے اور اگر رہ جاتا تو اسے قضا کرتے تھے۔

2 - ایک قول یہ ہے کہ سیدہ عائشہؓ کی رمضان میں رہ جانے والے روزوں کی قضاء شعبان میں کرتی تھیں تو اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزے رکھتے تھے، عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے وارد ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے رمضان کے روزوں کی قضاء شعبان تک موخر کر دیتی تھیں۔

3 - ایک قول یہ بھی ہے کہ: شعبان میں لوگ غفلت کا شکار رہتے ہیں، اور راجح قول بھی یہی ہے کیونکہ مندرجہ بالہ حدیث اسامہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جس میں مذکور ہے کہ:

(رجب اور رمضان کے مابین یہ مہینہ ایسا ہے جس میں لوگ غفلت کا شکار رہتے ہیں) سنن نسائی دیکھیں صحیح الترغیب والترھیب صفحہ (425)۔

جب شعبان شروع ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کچھ نفلی روزے باقی ہوتے تو آپ انہیں رمضان شروع ہونے سے قبل شعبان میں ہی مکمل کر لیتے جیسا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں یا پھر قیام اللیل رہ جاتا تو آپ اس کی بھی قضاء دیا کرتے تھے۔

اس لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اس مہینہ میں موقع پا کر اپنے رمضان کے نفلی روزے پورے کرتی تھیں کیونکہ باقی مہینوں میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشغول رہتی تھیں۔

اس لیے متنبہ رہنا چاہیے کہ اگر کسی کے ذمہ رمضان المبارک کے روزے باقی ہوں تو اسے آنے والے رمضان سے قبل وہ روزے رکھنے چاہئیں، کیونکہ بغیر کسی ضرورت کے دوسرے رمضان کے بعد تک موخر کرنا جائز نہیں (لیکن اگر کوئی ایسا عذر ہو جو دونوں رمضانوں کے مابین مستقل طور پر قائم رہے)۔

جو رمضان المبارک سے قبل ہی پچھلے رمضان کے روزوں کی قضا ادا کرنے پر قادر رہتا ہوا روزے نہ رکھے تو اس پر قضاء اور توبہ کے ساتھ ساتھ ہر روزہ کے بدلے میں ایک مسکین کا کھانا بھی بطور کفارہ ادا کرنا بھی واجب ہوگا، امام شافعی، امام احمد، امام مالک رحمہم اللہ تعالی عنہم کا بھی یہی قول ہے۔

اسی طرح شعبان میں روزے رکھنے کا فائدہ یہ بھی ہے کہ رمضان کے لیے روزے رکھنے کی مشق ہو جاتی ہے، تا کہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے میں مشقت نہ اٹھانی پڑے، بلکہ شعبان کے مہینہ میں روزے رکھ کر اس کا عادی بن چکا ہو اور رمضان المبارک کے روزے وہ پوری قوت وطاقت اور نشاط وچستی سے رکھ سکے۔

جب شعبان کا مہینہ رمضان المبارک کا مقدمے کی حیثیت رکھتا ہے تو اس لیے اس میں روزے رکھنا اور تلاوت قرآن کریم کرنا اور صدقہ وخیرات کرنا چاہیے تا کہ رمضان میں آسانی پیدا ہو سکے۔

سلمہ بن سہیل کہتے ہیں کہ: شعبان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ شعبان کا مہینہ قاریوں کا مہینہ ہے۔

جب شعبان کا مہینہ شروع ہوتا تو حبیب بن ابی ثابت کہتے یہ قراء کرام کا مہینہ ہے۔

اور شعبان کے مہینہ کے شروع ہوتے ہی عمرو بن قیس الملائی اپنی دکان بند کر دیتے تھے تا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے لیے فارغ ہو سکیں۔ (جاری ہے)

(تلخیص: عبدالوارث ساجد)

نحوست اور برکت

آبگینے

بشریٰ امیر

FACEBOOK.COM/BUSHRA.AMEER777
BUSHRAAMEER7@YAHOO.COM

ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شکار کے لئے نکلا، راستے میں اس کے سامنے سے ایک کالا حبشی گزرا، بادشاہ نے کہا آج تو میرا دن اچھا نہیں گزرے گا، اپنے کارندوں سے کہا اس منحوس کو پکڑو اور جیل میں ڈال دو، اس کالے کو جیل کی سلاخوں میں بند کر دیا گیا۔ اب بادشاہ شکار کے لئے نکلا اس نے شکار کیا تو اس دن اتنا شکار ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ شکار کر کے بادشاہ جب رات کو محل میں پہنچا تو بہت خوش تھا کہ آج کا دن بہت اچھا گزرا، کوئی مصیبت نہیں آئی۔ کسی مشکل کے بغیر شکار بھی خوب ہوا۔ اور پھر اسے یاد آیا کہ میں نے تو صبح شکار کے لئے نکلتے ہوئے ایک کالے حبشی کو قید کروایا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کالے آدمی کو نکال کر لایا جائے جسے میں نے صبح قید کروایا تھا۔ کالے آدمی کو بادشاہ کے پاس لایا گیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا پتہ ہے کہ میں نے تمہیں کیوں قید کروایا تھا؟ اس نے کہا پتہ نہیں۔ بادشاہ نے کہا میں شکار کرنے کے لئے نکلا تو تجھ کالے کو دیکھ کر منحوس سمجھا کہ آج میرے ہر کام میں نحوست چھا جائے گی اور میرا دن اچھا نہیں گزرے گا کہ میں نے تیرا منحوس چہرہ دیکھ لیا ہے لیکن یہ تو اس کے برعکس ہوا اور آج شکار بھی پہلے سے زیادہ ملا، اس کالے آدمی نے بادشاہ سے کہا بادشاہ سلامت اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں، بادشاہ نے کہا کہو۔ اس کالے آدمی نے کہا، میں صبح جب آج نکلا تو آپ کا چہرہ دیکھا اور مجھے قید کاٹنا پڑی۔ میرا سارا دن بہت برا گزرا یہ سن کر بادشاہ بہت شرمندہ ہوا۔

جی ہاں! میری بہنو! یہ واقعہ ہمارے لئے بھی بہت سے سبق دیتا ہے کہ ہم فوراً بلا سوچے سمجھے کسی کو منحوس قرار دے دیتی ہیں۔ میں نے خود کئی بہنوں کو یہ کہتے سنا کہ "ہائے سویرے سویرے متھے لگ گئی، اب تو سارا دن ہی اچھا نہیں گزرے گا۔" ایسا وہم کرنا، کسی کے بارے میں غلط خیال کرنا، کسی کام کو بدشگون قرار دینا جیسے کہ کالی بلی راستہ کاٹ جائے تو کام خراب ہو جاتا ہے۔ دودھ اگر پھٹ جائے تو مصیبت آ جاتی ہے، کسی سے اگر شیشہ ٹوٹ گیا تو کہا جاتا ہے کہ اب تو کوئی غم آنے والا ہے۔ مغرب کے بعد ناخن نہ کاٹے جائیں یہ بدشگونی ہوتی ہے۔ رات کو جھاڑو لگانے سے نحوست پھیلتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے توہمات اور کمزور عقائد رکھنا کمزور ایمان کے مسلمانوں کا وتیرہ ہے چونکہ برسہا برس ہندو اور مسلم اکٹھے رہے ہیں اور برصغیر میں اکٹھا رہنے کی وجہ سے یہ گمراہ کن عادات، توہمات اور نحوست وبدشگونی والا برا عمل مسلمانوں کے ذہنوں میں رچ بس گیا جو کہ نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ ذرا سا برا کام ہوا تو نحوست کسی دوسرے کے سر تھوپ دی۔ کوئی کام خراب ہوا تو اس کا سہرا کسی دوسرے کے سر پر سجا دیا۔ خود اپنے اعمال کو نہیں دیکھا کہ کہیں میرے کسی برے عمل کی وجہ سے تو یہ کام الٹا نہیں پڑ رہا۔ کسی گھڑی اور دن میں کوئی نقصان ہوا تو اس دن کو اس گھڑی کو منحوس قرار دے دیا گیا۔ صفر کے مہینے کو منحوس قرار دے دیتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ نحوست کا مہینہ ہے۔ اس میں شادی کرنے کو ناجائز اور منحوس قرار دے دیتے ہیں کہ اس مہینے میں کی گئی شادیاں کامیاب نہیں ہوتیں اور اگر کوئی اس مہینے میں شادی کرے اور اللہ کی طرف سے وہ کامیاب نہ ہو تو اور بھی عقیدہ کمزور ہو جاتا ہے۔ میری ایک سہیلی بھی کہہ رہی تھی کہ باجی سچ ہے ہم نے صفر میں اپنی بھانجی کی شادی کی تو ان کے لڑائی جھگڑے رہے اور وہ کامیاب نہ ہو سکی۔

یہ سب غیر مسلم اقوام خصوصاً ہندوؤں کی پیروی کرنا ہے کہ وہ کچھ وقت اور گھڑیوں کو منحوس قرار دیتے ہوئے اپنے بچوں کی شادیوں کے لئے وقت کے مہرے نکالتے ہیں کہ کون سا وقت ان کے بچوں کی شادی کے لئے اچھا رہے گا۔ ہندو لوگ پنڈتوں سے کنڈی نکلواتے ہیں۔ جاہلیت میں لوگ شوال کے مہینے کو برا کہتے تھے۔ شوال کے مہینے کی نحوست عربوں میں مشہور تھی، حضرت محمدؐ نے اس باطل خیال کو ختم کر کے شوال کے مہینے میں حضرت عائشہؓ سے شادی کی۔ حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر فرمایا، میری شادی بھی شوال میں ہوئی اور رخصتی بھی شوال میں، اگر یہ منحوس ہے تو مجھ سے زیادہ نصیبے والی کون عورت ہے۔

حدیث قدسی ہے، اللہ نے فرمایا! آدمی کا بیٹا مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ میں زمانہ ہوں میرے ہاتھ میں ہی حکم ہے۔ میں ہی دن اور رات کو بدلتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

جی ہاں! ماہ وسال، دن اور رات کا خالق اللہ ہے۔ اللہ رب العزت نے کسی دن یا کسی گھڑی یا کسی چیز کو منحوس قرار نہیں دیا۔ سوائے اس دن کے جس دن قوم عاد پر عذاب نازل ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں "بس ہم نے ان پر نحوست کے دنوں میں تند وتیز ہوا چلائی تا کہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور (اس روز) ان کو مدد بھی نہ ملے گی۔" (سورہ فصلت 16)

یہ ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ یہ دن ان کے لئے منحوس ثابت ہوئے۔ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے منحوس کہلائے گئے۔ یہ نہیں کہ ایام ہی منحوس ہیں۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھوت، براشگون اور نحوست کسی چیز میں نہیں سوائے تین چیزوں کے۔ عورت، گھر اور جانور میں۔

امام احمد بن حنبل کی مسند میں حدیث اس طرح ہے کہ حضرت ابوحسان اعرج سے روایت ہے کہ دو آدمی حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کہا حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ نحوست صرف عورت جانور اور گھر میں ہے۔ یہ بات سن کر حضرت عائشہؓ بہت ناراض ہوئیں اور کہا اس ذات کی قسم جس نے ابوالقاسم پر قرآن نازل کیا آپ ﷺ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا! آپ ﷺ نے جو فرمایا وہ یہ تھا کہ دور جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ نحوست عورت، گھر اور جانور میں پائی جاتی ہے۔

اور سلسلۃ الاحادیث صحیحہ میں ہے کہ مخمر بن معاویہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے۔ نحوست کچھ نہیں ہے اور برکت تین چیزوں میں ہے۔

اب بات یہ ہے کہ چونکہ آدمی کو ان تین چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ عورت، گھر اور سواری اس لئے کہ ان کا صحیح یا غلط استعمال ہی نحوست اور برکت کا باعث بنتا ہے۔ پہلی بات اگر گھر میں کوئی عورت بیاہ کر لائی جاتی ہے تو وہ بے نماز ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کی نافرمانی کرتی ہے۔ گھر میں لڑائی اور فساد ڈال کر گھر والوں کو آپس میں لڑاتی ہے، ایسی عورت نحوست کا سبب بنتی ہے۔ اگر اسی عورت کی تربیت ہو جائے یا کر دی جائے یا نمازی ہو جائے، اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت گزار ہو جائے۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے والی ہو جائے تو وہی عورت رحمت وبرکت کا سبب بن جائے گی۔

ایسے ہی گھر اور جگہ کا معاملہ ہے اگر کسی گھر میں کسی کو سکون ہی میسر نہ ہو، کسی کو جائے پناہ اور امن ہی نہ دے۔ مہمانوں کے لئے ہی تنگ ہو جائے، یا ایسی زمین جس کی کمائی سے صدقہ وخیرات ہی نہ نکالا جائے، اس کی اگی فصلوں سے زکوۃ نہ نکالی جائے تو ایسی گھر اور جگہ میں نحوست چھا جاتی ہے۔ اگر انہی جگہوں سے گھر والوں سمیت خلق خدا کو بھی فائدہ ملے تو یہ جگہیں باعث برکت ورحمت ہو جاتی ہیں۔

ایسے ہی سواری کے متعلق اگر گھوڑا اڑیل اور ضدی ہے یا پھر گھوڑا نمود ونمائش کے لئے ہے اس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں۔ جہاد کے لئے بھی مختص نہیں یا پھر آج کل سواری میں گاڑی ہے گھر والوں کو اس سے فائدہ نہیں ہوتا۔ مہنگی ترین گاڑی لے لی، فراری قسم کی جس میں صرف دو آدمی بیٹھ سکتے ہیں صرف اپنے شغل کیلئے۔ اس گاڑی میں کسی ہنگامی صورتحال میں کسی کی ضرورت پوری نہ ہو، وہ سواری نحوست کا باعث بن جائے گی۔ اس کے برعکس اگر سواری گھر والوں کے ساتھ ساتھ مشکل وقت میں کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کے کام آتی ہے۔ دین کے کاموں کے لئے سفر طے کرتی ہے تو وہی گاڑی اور سواری باعث برکت اور رحمت بن جاتی ہے۔

بہر حال! جو حادثہ یا واقعہ تقدیر میں لکھ دیا گیا ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔ اس حادثہ یا تکلیف کو کسی دن یا انسان کی طرف منسوب کر کے کہنا کہ یہ دن منحوس ہے یا فلاں انسان منحوس یہ سب غلط اور شریعت الٰہی کے خلاف ہے۔ یہ سب وہم ہے اس کا کوئی علاج نہیں۔ اللہ پر بھروسہ اور کامل یقین رکھیں اور یہ دعا پڑھیں:

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الحمد...... اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منک الجد (بخاری ومسلم)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری ضروریات زندگی کو باعث برکت بنائے (آمین)

قربانی کا سبق

ابوحارث

10 ذی الحج وہ تاریخی، مبارک اور عظیم الشان قربانی کا یادگار دن ہے جب امت مسلمہ کے مورثِ اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بڑھاپے میں عطا ہوئے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حکم الٰہی کی خاطر قربان کرنے کا ایسا قدم اٹھایا کہ آج بھی اس منشائے خداوندی کی تعمیل پر چشم فلک حیران ہے جبکہ دوسری طرف فرمانبرداری وجانثاری کے پیکر ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے رضامندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی گردن اللہ کے حضور پیش کر کے قربانی کے تصور کو ہمیشہ کے لئے امر کرنے کا ایسا مظاہرہ کیا جو قیامت تک یاد رکھا جائے گا۔ ان دونوں کی فرمانبرداری اور قربانی کو اسی وقت رب تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سلامتی کا پروانہ عطا کر کے ان کی جگہ ایک دنبہ بھیج دیا جسے رب تعالیٰ نے ذبح عظیم قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اور ہم نے عظیم قربانی کا فدیہ دے کر اس کو بچا لیا۔ (الصّٰفّت، 107:37) قربانی کی تاریخی اہمیت پر قرآن حکیم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اور ہم نے ہر امت کے لیے ایک قربانی مقرر کر دی ہے تاکہ وہ ان مویشی چوپایوں پر جو اللہ نے انہیں عنایت فرمائے ہیں (بوقتِ ذبح) اللہ کے نام کا ذکر کریں۔ (الحج، 34:22) مذکورہ بالا آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی (قربانی) کو دوام بخشنے پر دلالت کرتی ہے کہ سابقہ تمام امتوں پر قربانی فرض تھی۔ اسلام کا تصور قربانی نہایت ہی پاکیزہ، اعلیٰ اور افضل ہے۔ تاجدار کائنات ﷺ نے سنت ابراہیمی یعنی قربانی کا جو تصور دیا وہ اخلاص اور تقویٰ پر زور دیتا ہے۔ قربانی اور تقویٰ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عید الاضحیٰ کے روز ہر مسلمان اس عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ کرتا ہے جو رویائے صادقہ پر منشائے خداوندی سمجھتے ہوئے حضرت ابرہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے پیش کی تھی۔ خلوص اور پاکیزہ نیت سے اللہ کی راہ میں دی گئی قربانی انسان کے دل میں غمگساری، ہمدردی، مخلوق پروری اور دکھی انسانیت کی خدمت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ قربانی کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول اور شیطانی قوتوں کو خائب وخاسر بنانا ہے۔ قربانی کی اصل روح انسان میں تقویٰ کو پروان چڑھانا ہے نہ کہ محض جانور قربان کر کے گوشت اور خون اس کی نذر کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بھی ذبح جانور کا گوشت اور خون نہیں بلکہ دلوں کا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: ہرگز نہ (تو) اللہ کو ان (قربانیوں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، مگر اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔ (الحج، 37:22) معلوم ہوا کہ قربانی کا بظاہر مقصد جانور ذبح کرنا ہے مگر اس کی اصل روح تقویٰ اور اخلاص کی آبیاری ہوتی ہے۔ لیکن صد افسوس کہ آج کے ماحول میں قربانی سنت ابراہیمی کی بجائے دکھلاوے کی قربانی بن چکی ہے۔ لوگ ذاتی نمود ونمائش کے لیے قربانی میں غلو کرنے لگے، اپنی دولت کا رعب جمانے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی دوڑ میں اخلاص وتقویٰ سے اپنا دامن خالی کر کے ریاکاری کو اپنا شعار بنا چکے ہیں۔ بہت فخریہ انداز میں جانوروں کی قیمتیں بتا کر لطف لیتے ہوئے یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ ہم نے اعلیٰ سے اعلیٰ نسل کے اتنے جانور ذبح کیے۔ وہ یہ بھول چکے ہیں کہ قربانی کی قبولیت کا انحصار ریاکاری پر نہیں بلکہ خلوص پر ہوتا ہے اور جہاں اخلاص نہ ہو وہاں قبولیت بھی نہیں ہوتی۔ جبکہ اسوہ ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کا اصل مقصد جانور ذبح کرنا نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دکھلاوا نہیں بلکہ طلب رضائے الٰہی ہے۔ قربانی کے ذریعے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، انبیائے کرام علیہم السلام سے محبت اور خلوص وایثار کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

الغرض قربانی کا اصل فلسفہ تقویٰ کا حصول اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے اگر اسی جذبے سے قربانی کی جائے تو یقیناً وہ بارگاہ الٰہی میں شرفِ قبولیت کی سند پاتی ہے اور اگر ریاکاری سے کام لے کر نمود ونمائش اور اپنی دولت کا رعب ڈالنے کے لیے قربانی کی جائے تو ایسی قربانی روز محشر کے ثواب سے محروم کر دیتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانور کا خون یا گوشت نہیں بلکہ قربانی دینے والے انسان کی نیت مطلوب ہوتی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب کا حاصل کیا جاتا ہے۔ لہٰذا قربانی کا جانور خریدتے وقت سے لے کر اسے اللہ کی راہ میں ذبح کرتے وقت تک یہی خیال ذہن نشین رہنا چاہیے کہ اس قربانی کا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ کیونکہ جو جانور اللہ کی رضا کے لیے ذبح کیا جاتا ہے اس کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی قبول ہو جاتی ہے۔

جس رب نے امتِ مسلمہ کے لیے قربانی کو لازم قرار دیا ہے اسی رب نے صاحبِ نصاب آدمی پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے اور اس کے علاوہ دیگر صدقات کی بھی ترغیب دلائی ہے۔ اسلام نے اس پر قربانی کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ بھی فرض کی ہے۔ اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کی مد سے غریبوں کی مدد کی جا سکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں شادی بیاہ، تفریح طبع اور دیگر دعوتوں پر بے تحاشا رقوم خرچ کی جاتی ہیں۔ محض نمود ونمائش کے لیے قیمتی لباس زیب تن کیا جاتا ہے۔ روزانہ بہت سارا کھانا ضائع ہو جاتا ہے۔ ان تمام فضول کاموں پر خطیر رقم خرچ کی جاتی ہے اور ایسا ہم روزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ان تمام فضول رسم ورواج اور تفریحات پر جب بھاری رقوم خرچ کی جاتی ہیں بلکہ ضائع کی جاتی ہیں تب ان لوگوں کو نہ تو غریب کی بیٹی نظر آتی ہے اور نہ ہی کوئی ضرورتمند دکھائی دیتا ہے۔ ان تمام فضولیات پر اعتراض کرنے کی بجائے محض قربانی کو ہدف تنقید بنانا دین سے دوری اور اسلامی تعلیمات سے بیزاری کا نتیجہ ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قربانی دینے میں بھی غریبوں کا فائدہ ہے۔ ہمارے ہاں بے شمار غریب لوگ ایسے ہیں جنہیں سال بھر گوشت کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ قربانی کے اس عمل سے سال میں ایک بار انہیں بھی یہ نعمت میسر ہوتی ہے۔ بہت سے غریب لوگ سال بھر جانور اسی ارادے سے پالتے ہیں کہ عید پر انہیں بھی کچھ رقم حاصل ہو جائے گی۔ قربانی کی وجہ سے جانوروں کی افزائشِ نسل کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کے چارے اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے سے بھی بہت سے لوگوں کا روزگار وابستہ ہے۔ قربانی کے جانوروں کی کھالوں کے بہت سے مصارف ہیں۔ اس وجہ سے چمڑے کے کاروبار کو خوب ترقی ملتی ہے۔ قربانی کی کھالیں فلاحی اداروں، مدارس اور دیگر نیک مقاصد کے لیے دی جاتی ہیں جن سے حاصل ہونے والی رقوم بھی غریبوں کے کام آتی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دسویں ذی الحجہ کو اللہ رب العالمین کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل جانوروں کا خون بہانا یعنی قربانی ہے۔ ایک سچے مسلمان کے پیش نظر فقط رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے اور وہ مالک کے حکم کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا خالق بھی ہے اور مالک بھی، جس نے پوری مخلوق کو رزق دینے کا ذمہ لے رکھا ہے اس کی رضا جانوروں کی قربانی میں ہے تو ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ حکم خداوندی کے سامنے اپنی تاویلات اور توجیہات پیش کر کے اپنے تئیں غریبوں کا ہمدرد، معاون اور غمگسار بنتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قربانی کی اصل روح سمجھتے ہوئے جانور کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

تہجد اور سحری کے وقت اٹھنے کے طبی فوائد



رات کی آخری گھڑیوں میں اٹھ کر تہجد ادا کرنے سے ویسے تو وہ تمام میڈیکل فوائد حاصل ہوتے ہیں جو ہر نماز سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً جسم کے پٹھوں اور جوڑوں کی ورزش، سجدہ کی وجہ سے چہرے کے مساموں (Tissues) میں خون کی مزید گردش...... انسان کے Sinuses (پیٹ) میں جمع شدہ بلغم کا اخراج...... رات کو تنفس (Breathing) کی رفتار آہستہ ہونے کی وجہ سے پھیپھڑوں کے مکمل طور پر کھل نہ سکنے کی وجہ سے جو ایک تہائی ہوا (residual air) جمع ہوتی ہے، اسے بھی پھیپھڑوں سے نکلنے اور داخل ہونے کا موقع مل جاتا ہے...... سجدے کی حالت میں دماغ کو زائد خون پہنچتا ہے جو اس کی نشوونما کے لیے اہم کردار ادا کرتا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں: ''تہجد کے وقت اٹھ کر نماز پڑھنے کی عادت بنا لو کیونکہ تم سے پہلی قوموں کے صالح لوگوں کی یہ عادت تھی، یہ تمہیں خدا سے قریب کرتی ہے، تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے، تمہارے گناہوں کو مٹاتی ہے اور جسم سے بیماری کو دور کرتی ہے۔ اس قول میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کا اس پر خود اتنا عمل تھا کہ انہوں نے بہت لمبی عمر پائی۔ اسی طرح ایک صحیح حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا: ''میری امت کے لیے صبح اٹھنے میں برکت رکھی گئی ہے''۔ (ترمذی 1212) یعنی اس میں شک نہیں کہ تہجد کے وقت اٹھنا جسم سے بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ صبح جلدی بیدار ہونے سے جسم میں جمع شدہ فضلات (پیشاب و پاخانہ وغیرہ) کو جسم سے جلدی نکلنے کا موقع مل جاتا ہے جو کہ بصورت دیگر جسم میں رہ کر فساد پیدا کرتے ہیں اور گردوں پر زائد بوجھ پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ آکسیجن سے بھرپور صبح کی تازہ ہوا میں سانس لینے سے پھیپھڑوں اور دماغ کو تقویت ملتی ہے۔ امریکہ کے نامور مفکر، سیاستدان اور سائنسدان بینجمن فرینکلن (Benjamin Franklin) نے سحر خیزی کے انہی فوائد کے پیش نظر اپنی کتاب (Poor Richards Almand) میں یہ قول زریں رقم کیا تھا: Early to bed and early to rise. Maks the man healthy wealthy and wire رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اٹھنا انسان کو صحت مند، مالدار اور عقلمند بناتا ہے۔ امریکہ کے ڈاکٹر ڈینیئل کریپک اور ان کے معاون سائنسدانوں نے امریکن کینسر سوسائٹی کی چھ سالہ تحقیق (1982ء سے 1988ء تک) میں ایک ملین سے زیادہ امریکیوں کے سونے کے معمول اور صحت کے بارے میں سائنسی سروے کیا۔ اس تحقیق کے مطابق جو لوگ روزانہ 8 گھنٹے سے زیادہ سوتے ہیں ان کی شرح اموات ان لوگوں کے مقابلے میں جو روزانہ 8 گھنٹے یا اس سے کچھ کم سوتے ہیں۔ تین گناہ زیادہ ہوتی ہے۔ مزید برآں، جو لوگ روزانہ 10 گھنٹے سوتے ہیں (چھوٹے بچوں کے علاوہ) ان کے مرنے کے امکانات اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں جتنے موٹے لوگوں کے ہوتے ہیں۔ اس تحقیق کے سربراہ سائنسدان ڈاکٹر کریپک نے بتایا: ''روزانہ لازمی 8 گھنٹے سونا ضروری نہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ رات کو 7 یا 4 گھنٹے سونا بھی صحت کے لیے محفوظ ہے''۔ رات گئے سونا اور دن چڑھے اٹھنا: آج کل یہ بیماری بڑی عام ہے کہ لوگ رات گئے تک جاگتے ہیں اور نصف شب کے بعد سوتے ہیں۔ اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا ہے کہ انسان اگلے دن کی مصروفیات میں بدنظمی کا شکار رہتا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ سونے کے بعد بھی جسم سکون و طمانیت کی نعمت سے محروم رہتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے جسم کے نظاموں پر مصنوعی روشنی کافی گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ رات کو دیر سے سونا (خصوصاً جب ٹی وی یا کمپیوٹر کی سکرین سے نکلنے والی مصنوعی روشنیوں کے سامنے بیٹھا جائے) اور صبح دیر سے اٹھنا انسان کی صحت پر برے اثرات مرتب کرتا ہے۔ سورج کے غروب ہو جانے کے بعد انسان کے جسم کے اندر اللہ تعالیٰ کی لگائی فطری گھڑی (Circadian Rhythm) جسم کو یہ پیغام دیتی ہے کہ جسم سے خارج ہونے والے دباؤ (Stress) کے ہارمون یعنی (Cortisol) کی مقدار کم ہو جائے اور اس کے مقابلے میں رات کے اندھیرے میں خارج ہونے والے ہارمون (Melatonin) کی مقدار خون سے زیادہ ہو۔ (Cortisol) ہارمون کے جہاں فوائد ہیں وہاں اس کا ایک نقصان یہ ہے کہ یہ انسان کو بوڑھا جلدی کرتا ہے۔ اس کے برعکس (Melatonin) ہارمون جو دماغ کے پائینل غدود (Glands Pineal) وغیرہ کے عمل میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ (The Merck Indes مطبوعہ امریکہ 2003ء)۔ جب انسان تیز مصنوعی روشنیوں کے سامنے رات کو بیٹھا رہے اور پھر سورج نکل آنے کے بعد بھی سوتا رہے تو جسم کے اندر ہارمونز کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور جسم کے دباؤ Tissues کی مرمت وغیرہ کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے اور انسان کی صحت پر وقت گزرنے کے ساتھ برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

پبلشر قاری محمد یعقوب شیخ نے انتخاب جدید پریس 8 ایبٹ روڈ رائل پارک سے
چھپوا کر 180 ملتان روڈ لاہور سے شائع کیا۔ رابطہ ترسیل 042-37150890

سلطان الخیر کا فقیرانہ جنازہ

امیر حمزہ

دنیا میں جب بادشاہوں، صدروں، وزیراعظموں اور اسی طرح کے بڑے لوگوں کے جنازے اٹھتے ہیں تو گارڈ آف آنر کا اہتمام ہوتا ہے۔ فوجوں کی سلامیاں ہوتی ہیں، توپوں کے 21 گولے فضا میں دھماکے کر کے سلیوٹ کرتے ہیں۔ ملک کا پرچم سرنگوں کر دیا جاتا ہے، اسی پرچم میں (VVIP) کے جسد خاکی کو لپیٹا جاتا ہے، پھر جس قبر میں دفن کیا جاتا ہے، اسے پختہ بنایا جاتا ہے، اس پر عالی شان گنبد تعمیر ہوتا ہے، سنگ مرمر لگتا ہے، میت کے ساتھ جو چادر قبر میں جاتی ہے اس پر قرآنی آیات لکھی ہوتی ہیں جبکہ قبر کے اوپر پھولوں کی چادریں چڑھتی ہیں...... ہاں ہاں! دنیا کے بڑے لوگوں کے جنازے اسی سج دھج سے اٹھتے ہیں۔ ایسی سج دھج اور شان سے کہ ہم جیسے مسکینوں کے لئے یہ جنازے بھی ایک قابل دید اور عظیم الشان فنکشن ہوتے ہیں۔

ابھی 26 اکتوبر 2011ء کو سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ سلطان بن عبدالعزیز کا جنازہ اٹھا، الیکٹرانک میڈیا پر میں جنازہ دیکھ رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا کہ جامع مسجد کے امام ترکی بن عبداللہ کی امامت میں عصر کی نماز کے بعد جنازہ ہوا...... جنازے سے قبل کسی نے سلطان کے فضائل و مناقب بیان نہیں کئے جس کا بعض اہل دین کے ہاں تک بھی رواج ہو چلا ہے۔ بس سادگی سے جنازہ ہوا...... اور جب جنازہ قبرستان کی جانب جانے لگا تو ایک سادہ سا لکڑی کا سٹریچر تھا جسے لکڑی کی سیڑھی کہنا چاہئے۔ اس پر سلطان کو لٹایا ہوا تھا، چارپائی تک نہ تھی کہ بڑی نرم اور گداز ہو۔ رنگین اس کے پاوے ہوں...... اللہ اللہ! اس قدر سادگی کہ گھر سے اسی لکڑی کی سادہ سی سیڑھی پر رکھ کر لایا گیا۔ جنازہ پڑھتے ہوئے زمین پر رکھ دیا گیا...... پھر اب یہ جنازہ قبرستان کی طرف جانے لگا تو اسی سیڑھی پر...... سلطان کے سفید کفن کے اوپر مٹیالے رنگ کی چادر ڈالی گئی تھی۔ یہ شاید اس بات کی علامت تھی کہ سلطان مٹی میں جا رہا ہے۔

قبرستان کے گیٹ پر نظر پڑی تو لکھا ہوا تھا ''مقبرۃ العود'' اس مقبرے یا قبرستان میں سینکڑوں قبریں نظر آئیں، بادشاہوں کی قبریں، شاہزادوں کی قبریں مگر سب قبریں کچی تھیں، کسی پر کتبہ تک لکھا ہوا نہ تھا۔ قبریں بھی ایک بالشت سے اوپر نہ تھیں، بس سلطان کو بھی ایسی ہی ایک قبر میں دفن کر دیا گیا۔

میں یہ سارے مناظر دیکھتا جا رہا تھا اور سوچتا چلا جا رہا تھا کہ سعودی عرب وہ ملک ہے جو دنیا کا سب سے امیر ترین ملک ہے، جس سلطان کا جنازہ ایسے فقیرانہ انداز سے اٹھا ہے وہ خود ولی عہد ہے، اس کا باپ سلطان عبدالعزیز بادشاہ تھا، اس کے بھائی سعود، فیصل، خالد، فہد اور شاہ عبداللہ بادشاہ ہیں۔ وہ خود مستقبل میں ساتواں بادشاہ بننے والا تھا، وہ نسلاً بادشاہوں کی اولاد تھا، شجرہ دیکھوں تو یوں بادشاہ دکھائی دیتے ہیں، سلطان بن عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود۔

شہزادہ سلطان کی والدہ کا نام امیرہ حصّہ السدیری تھا...... شاہ عبدالعزیز کی اس بیوی سے پانچ بیٹے ہیں جن میں شاہ فہد بادشاہ بن کر اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ شہزادہ نائف اب ولی عہد ہیں، ریاض کے علاقہ کے گورنر شہزادہ سلمان ہیں۔ شہزادہ سلطان کے 32 بیٹے بیٹیاں ہیں، بڑے بیٹے کا نام خالد ہے، انہی کے نام پر شہزادہ سلطان کی کنیت ابو خالد تھی۔ شہزادہ خالد خود اہم عہدے پر فائز ہیں...... میں حیران ہوں کہ جس کے ہر جانب بادشاہ ہی بادشاہ، شہزادے ہی شہزادے، اقتدار ہی اقتدار، دولت ہی دولت ہو اس کا جنازہ اس قدر سادہ کیوں؟

شہزادہ سلطان ابو خالد کا کردار دیکھیں تو ابتدائی دینی تعلیم و تربیت اور توحید و سنت کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ وہ روس کے ملحدانہ نظام کے خلاف تھے اور اس کے خلاف انہوں نے بھرپور کردار بھی ادا کیا...... سعودی عرب کی فوج کو بڑا مضبوط کیا۔ ذاتی کردار کے حوالے سے دیکھیں تو دنیا بھر میں جود و سخاوت کے منصوبے دیکھے جا سکتے ہیں۔ انہیں سلطان الخیر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا...... وہ زخمی فوجیوں کی عیادت کرتے ہیں تو ہسپتال میں ایک ایک کے پاس جا کر کسی کا ماتھا چومتے ہیں، کسی کا سر چومتے ہیں۔ ایک عام فوجی کے دو بچے اپنے باپ سے ملنے کو آئے، شہزادہ سلطان نے ان دونوں بچوں کو اٹھایا اور چومنے لگ گئے۔

ان کی مسکراہٹ بڑی مشہور تھی، اس لئے انہیں ''صاحب الابتسامہ'' کہا جاتا تھا۔ میں جب گیارہ بارہ سال قبل عمرہ کے لئے گیا تو مسجد نبوی میں صاحب الابتسامہ نماز تراویح کے لئے تشریف لائے۔ مسکراتے ہوئے سب کو دیکھتے ہوئے، چلتے ہوئے مسجد میں چلے گئے۔ ان کی مسکراہٹ آج بھی تازہ بتازہ معلوم ہوتی ہے۔

الغرض! کسی لحاظ سے بھی دیکھیں ان کا جنازہ اس قدر سادہ کیوں تھا...... بندہ تو بڑا عظیم الشان تھا، ہر لحاظ سے عالی شان تھا مگر جنازہ اس قدر فقیرانہ کیوں تھا...... جواب ملا سعودی عرب کے اخبارات نے لکھا، سب کچھ حضور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق کیا گیا۔ ہاں ہاں! یہ ہے حضور سے محبت کہ زندگی کے ہر معاملے میں حضور ﷺ کی سنت کو اپنایا جائے۔ یہاں ہر جانب سنت کا التزام نظر آتا تھا، کاش! ہر کوئی ایسے ہی فقیر بن کر رب کے دربار میں جائے، طمطراق سے جائے گا تو نہ جانے آگے کیا ہوگا؟

ہر جانب آٹھ کلومیٹر تک لوگ ہی لوگ تھے، دفن کے بعد قبر پر جو دعا پڑھی گئی وہ بھی کمال ہے، سب لوگ پڑھ رہے تھے، اس دعا میں قرآن کے جملے ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کے الفاظ بھی ہیں، یوں کتاب و سنت کی روشنی میں جس سعودی عالم کے دل سے دعا بن کر زبان پر آتی ہے۔ اسے میں نے سنا تو اپنی آنکھوں سے آنسو ضبط نہ کر سکا۔ ملاحظہ فرمایئے! سلطان الخیر کے لئے کی جانے والی دعا کے الفاظ اور ترجمہ:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ قَبْرَہٗ رَوْضَۃً مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ وَلَا تَجْعَلْہُ حُفْرَۃً مِنْ حُفَرِ النَّارِ۔ اَللّٰھُمَّ افْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ مَدَّ بَصَرِہٖ وَافْرُشْ قَبْرَہٗ مِنْ فِرَاشِ الْجَنَّۃِ۔ اَللّٰھُمَّ اَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ اَللّٰھُمَّ امْلَأْ قَبْرَہٗ بِالرِّضَاءِ وَالنُّوْرِ وَالْفُسْحَۃِ وَالسُّرُوْرِ۔ اَللّٰھُمَّ انْقُلْہُ مِنْ مَوَاطِنِ الدُّوْدِ وَضِیْقِ اللُّحُوْدِ اِلٰی جَنَّاتِ الْخُلُوْدِ (فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ وَ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَ فَاکِھَۃٍ کَثِیْرَۃٍ لَا مَقْطُوْعَۃٍ وَلَا مَمْنُوْعَۃٍ وَ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ) اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ تَحْتَ الْاَرْضِ وَاسْتُرْہُ یَوْمَ الْعَرْضِ وَلَا تُخْزِہٖ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ (یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ۔ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ فِیْ بَطْنِ الْقَبْرِ مُطْمَئِنًّا وَعِنْدَ قِیَامِ الْاَشْھَادِ اٰمِنًا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ عَنْ یَّمِیْنِہٖ نُوْرًا وَ عَنْ شِمَالِہٖ نُوْرًا وَ مِنْ اَمَامِہٖ نُوْرًا وَمِنْ فَوْقِہٖ نُوْرًا حَتّٰی تَبْعَثَہٗ اٰمِنًا مُطْمَئِنًّا فَیُقَالُ لِنَفْسِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (اُدْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ) اَللّٰھُمَّ انْظُرْ، اِلَیْہِ نَظْرَۃَ رِضًا فَاِنَّ مَنْ تَنْظُرُ اِلَیْہِ نَظْرَۃَ رِضًا لَاتُعَذِّبْہُ اَبَدًا۔ اَللّٰھُمَّ اَسْکِنْہُ فَسِیْحَ الْجِنَانِ وَاغْفِرْ لَہٗ یَا رَحْمٰنُ

(1) اے اللہ! اس کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے باغ بنا دے۔

(2) آگ کے گڑھوں میں سے گڑھا بننے سے بچا لے۔

(3) اے اللہ! جہاں تک اس کی نظر جائے، قبر فراخ کر دے۔

(4) اس کی قبر میں جنت کے بستروں میں سے بستر لگا دے۔

(5) اے اللہ! قبر کے عذاب سے انکی حفاظت فرما دے۔

(6) اے اللہ! اس کی قبر کو خوشنودی اور نور سے، کشادگی اور سرور سے بھر دے۔

(7) اے اللہ! کیڑوں مکوڑوں کے دیس سے اسے اٹھا لے اور لحد کی تنگی سے اوپر اٹھا کر ہمیشگی والی بہشتوں میں داخل کر دے۔

(8) کانٹوں کے بغیر بیریوں کے درختوں میں، تہہ بہ تہہ کیلوں کے پودوں میں، لمبے سایوں اور وافر پھلوں کے باغات میں داخل کر دے۔

(9) ایسے باغات جو کبھی ختم ہونے پر نہ آئیں، نہ کوئی روکیں نہ ٹوکیں اور اونچے اونچے بستر (مسندیں) ہی نظر آئیں۔

(10) اے اللہ! زمین کے نیچے اس پر رحم کر دے، جس دن تیرے سامنے پیش ہو پردہ پوشی فرما لے، قیامت کے دن کی رسوائی سے بچا لے۔

(11) جس دن نہ مال کام آئے گا، نہ بیٹے کام آئیں گے، سوائے اس بندے کے جو فرمانبردار دل لے کر پیش ہوگا۔

(12) اے اللہ! اسے قبر کے پیٹ میں اطمینان دے اور جس روز ساری دنیا کے ساتھ اٹھے تو اسے امن دے دے۔

(13) اے اللہ! اس کے دائیں بائیں آگے پیچھے اور اوپر نور ہی نور کر دے، حتیٰ کہ تو اسے قیامت کے دن اٹھائے تو امن اور اطمینان سے اٹھائے اور روز قیامت اسے کہہ دیا جائے، جا! میرے بندوں میں داخل ہو جا، میری جنت میں داخل ہو جا۔

(14) اے اللہ! اس پر رضا کی نظر ڈال دے، جس پر تو رضا کی نظر ڈال دیتا ہے پھر اسے کبھی بھی عذاب نہیں دیتا۔

(15) اے اللہ! اسے جنتوں کی وسعتوں میں رہائش دے دے، یا رحمٰن! بخشش عطا فرما دے۔ امین

042-
04

سفر شوق

چوٹیوں،
گھاٹیوں، وادیوں،
صحراؤں، جزیروں، براعظموں،
ایشیا وامریکہ، یورپ اور افریقہ سے فریضہ
حج ادا کرنے والے فرزندان اسلام سعادتیں،

برکتیں اور رب کی رحمتیں سمیٹ کر اپنے اپنے علاقوں میں رشتہ داروں اور عزیز واقارب کے درمیان پہنچ گئے ہیں۔ پوری دنیا میں آج کل حج کی داستانیں سنی سنائی جا رہی ہیں۔ لذت وسرور اور راحت وسکون جو حرمین کی زیارت و عبادت سے حاصل ہوا حجاج کرام کی نوک زباں پر ہے۔

طواف کعبہ، مقام ابراہیم پر سجدہ ریزی، صفا، مروہ کی سعی، حطیم میں نوافل کی ادائیگی، آب زمزم کے جام بار بار جانے کا عمل دل کو بے تاب کرتا ہے بلکہ یہ بابرکت کام بے آب مچھلی کی طرح تڑپا دیتے ہیں۔ موسم حج گزر چکا، عمرہ کا سیزن شروع ہونے والا ہے، معتمرین شوق سفر دل میں لئے دیار حرمین جانے کو بے چین و بے قرار ہیں۔

حکومت سعودی عرب نے بڑی مستعدی سے انتظامات اور مہمانوں کے استقبال کی تیاریاں شروع کر رکھی ہیں۔ گورنر مکہ شہزادہ خالد الفیصل نے خادم الحرمین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی نیابت کرتے ہوئے امام حرم ورئیس الحرمین عبدالرحمٰن السدیس، اسلامی ممالک کے سفرا، علماء، اکابرین اور حکومتی شخصیات کی موجودگی میں مرکز امن وعبادت بیت اللہ کو ہزاروں من عرق گلاب، آب زمزم اور عطر کے ساتھ غسل دیا جس سے حرم مکی کی معطر فضائیں دوبالا ہو گئیں۔

بیت اللہ کو سال میں دو مرتبہ غسل دیا جاتا ہے، پہلا غسل اسلامی سال محرم الحرام کی پندرہ اور دوسرا غسل یکم شعبان کو دیا جاتا ہے اور ایک بار اس کا غلاف تبدیل کیا جاتا ہے۔ 60 سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ مرکزی دروازے کا تالا تبدیل کیا ہے، یہ سعادت بھی گورنر مکہ خالد الفیصل کے حصہ میں آئی ہے۔

خانہ کعبہ کے غسل کے بعد تالا کی تبدیلی کی تقریب ہوئی، پرانا تالا نکال کر نیا تالا لگایا گیا تمام جملہ اخراجات شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے اپنی جیب خاص سے ادا کئے۔

کعبۃ اللہ کی مجموعی طور پر 58 پرانی چابیاں آج بھی دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ ان میں سے 54 چابیاں ترکی کے شہر استنبول کے توپ کاپی میوزیم میں، دو چابیاں فرانس کے نہاو السعید میوزیم اور ایک قاہرہ مصر کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے۔

شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز اپنی علالت اور آپریشن کے سبب خود تو تشریف نہ لا سکے، اللہ تعالیٰ ان کو صحت وعافیت دے، آمین۔ مگر یہ سارا کام گورنر مکہ نے بحسن وخوبی کر دکھایا۔ خاندان آل سعود ایک صدی سے حجاج ومعتمرین کی خدمت کے ساتھ ساتھ حرمین کی تعمیر وتوسیع میں نمایاں اور منفرد تاریخ رقم کر چکا ہے جو ایک روشن باب ہے۔ ان کی خدمات کی بدولت عالم اسلام ان کے حق میں دعا گو ہے۔

بیت اللہ اور حرم نبوی کی خدمت وصفائی سعادت بھی ہے اور عبادت بھی۔ رب العزت نے معماران کعبہ سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل علیہما السلام کے ذمہ بیت اللہ کی تعمیر کے ساتھ اس کی نظافت اور پاکیزگی کی ذمہ داری لگائی تھی کہ طواف کرنے، اعتکاف بیٹھنے اور نماز پڑھنے والوں کے لئے اس کو صاف رکھیں۔ رسول کریم ﷺ نے اللہ کا حکم اور اپنے اجداد سابقہ انبیاء کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اللہ کے گھر کو بتوں کی پلیدی اور ہر قسم کی گندگی سے پاک رکھا، یہی ذمہ داری موجودہ حکومت کی ہے جو وہ ادا کر رہے ہیں۔

آج تک لاتعداد اور بے شمار لوگوں نے اللہ کے گھر کی زیارت کی ہے، لاکھوں لوگوں نے مختلف زبانوں میں متعدد سفرنامے سپرد قلم کر کے اپنے احساسات وجذبات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر فرید احمد پراچہ کی کتاب "سفر شوق" اس موضوع پر منفرد دستاویز اور اردو اسلوب کا شاہکار ہے، جو انہوں نے دردمند دل، بیدار مغز کے ساتھ چھلکتے ہوئے آنسوؤں میں تزکیہ نفس کے جذبے سے لکھی ہے۔

جس میں شہر امن مکۃ المکرمۃ اور اس میں موجود شعائر اللہ کا ایمان افروز ذکر ہے، وہاں کی فضاؤں میں

نشان منزل

قاری محمد یعقوب شیخ

ایمان واتحاد کا مظاہرہ اور بندے کی رب کے حضور کیفیتیں......؟ اللہ کے گھر کی طرف قدم اٹھانے والوں کا حال کچھ اس طرح قلمبند ہے:

خدا کے گھر کی طرف قدم بڑھانے والے ہر فرد کی زبان پر تلبیہ کے الفاظ ہیں، یہ یکسوئی علامت ہے دنیا بھر کے مقامات چھوڑ کر اللہ کے گھر جانے کا اعلان، ہر تعلق سے بے نیاز ہو کر تعلق باللہ کو خالص کر لینے کا اظہار "لبیک اللھم لبیک" حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، خطا کار ہوں، سیاہ کار ہوں، لیکن پھر بھی حاضر ہوں، میرے دامن میں تیرے حضور پیش کرنے کے لئے نیکیوں کے انبار نہیں، عبادتوں کے ہدیے نہیں، حسن عمل کے پھول نہیں، پھر بھی میں حاضر ہوں، شوق وولولہ، گناہوں کی بخشش کی ترغیب اور حاضری کا ذوق پیدا کرنے کے لئے یہ جملے دل میں اترتے ہی چلے جاتے ہیں

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی اور ایمان افروز بیان جو انہوں نے زیارت بیت اللہ کے حوالے سے فرمایا: وہ پراچہ صاحب کے سفرنامہ کو چار چاند لگا گیا۔

امام صاحب سے کسی نے پوچھا اس موقع پر کیا دعا مانگی جائے؟ آپ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ سے اپنے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا مانگنی چاہئے تاکہ جو بھی دعا کی جائے قبول ہو۔ انسان جاتا ہی دعاؤں کی قبولیت کیلئے ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بیوی بچے کو یہاں چھوڑ کر ان کے نمازی ہونے کی اور اس گھر کی آبادکاری کیلئے دعا فرماتے رہے، جو رب العزت نے قبول فرمائی۔

طواف کی منظرکشی تو دل میں اتر جانے والی ہے، طواف امت مسلمہ کی وحدت کا عظیم مظہر ہے۔ طواف کے دائرے میں شامل ہو جانے سے پہلے ہر فرد (میں) تھا اب وہ ہم بن گیا ہے۔

پہلے وہ ایشیائی، افریقی، عربی، پاکستانی...... تھا اب وہ امت بن گیا۔ پہلے وہ قطرہ تھا اب وہ سمندر ہے، پہلے وہ جامد تھا، اب وہ متحرک ہو گیا۔

کاش ہم اس عبارت کا مصداق بن جائیں! اللہ کیلئے امت بن کر، سمندر بن کر متحرک ہو کر اپنے زندہ ہونے کا ثبوت فراہم کریں۔ اپنی عظمت ومقام کو پہچانیں اور محرومیوں سے نکل کر بلندیوں اور سعادتوں کا سفر شروع کریں۔

شہر محبت، حرم ثانی مسجد نبوی کی اذان سنتے ہوئے قلبی کیفیات، آنکھوں کی نمناک حالت، روضہ رسول پر حاضری، درود وسلام پڑھتے ہوئے آواز کی کپکپاہٹ، میدان احد، شہداء احد کے ایمان افروز تذکرے، میدان خندق کا ذکر اور اول دن سے تقویٰ کی بنیاد پر تعمیر ہونے والی مسجد قبا کی فضیلت اور اس میں ادا کی جانے والی دو رکعات کا اجر وثواب، میدان بدر میں 313 کی حاضری، رسول کریم ﷺ کی دعائیں، وہاں ملنے والی کامیابیاں فرشتوں کا نزول اور فتح عظیم۔

شہر ابتلا طائف کی عکس بندی جہاں کفر والوں نے آپ ﷺ کا نام مٹانا اور دبانا چاہا، اے آسماں والے نے اتنا بلند کر دیا کہ اب کائنات ارضی کا گوشہ اور روز وشب کی کوئی ساعت اس نام کے ذکر سے خالی نہیں، **"ورفعنالک ذکرک"** اور ہم نے آپ کیلئے آپ کا نام بلند کر دیا۔

میری نظر میں کتاب کا وہ جملہ بڑا ہی قیمتی اور منفرد ہے جس میں بیت اللہ جانے کی غرض وغایت بھی بیان کر دی گئی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

"پہلی بار سفر مبارک کو صیغہ راز میں رکھا، اس لئے کہ مجرم کی دربار میں حاضری جشن کی متحمل نہیں ہوتی۔"

اس جملے پر سفر شوق کو جانے والے اچھی طرح غور کرتے ہوئے عمل پیرا ہو جائیں، الوداع اور استقبال کرنے والے بھی سوچیں، ریاکاری، نمائش، ہلڑبازی، ہوائی اڈوں پر دھینگا مشتی، بے پردگی جیسے قابل افسوس کاموں سے بچا جا سکتا ہے۔

یہ سفر انسان اپنی تربیت واصلاح اور فوز وفلاح کیلئے کرتا ہے، سفر شوق درحقیقت سفر آخرت کی تیاری اور نیکیوں کی کمائی کا سفر ہے۔

شمارہ نمبر 16 جمعۃ المبارک 6 جمادی الاول 1438 3 فروری 2017

انسانی روح اور ہسپتال

کوئی 35 سال قبل لاہور کے علاقے صدر میں جمعہ کا خطبہ دیا کرتا تھا۔ محترم شہزاد صاحب جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بیٹیاں دیں اور ایک بیٹا عطا فرمایا۔ ان کے اکلوتے بیٹے یحییٰ عمر کا چند دن قبل ایکسیڈنٹ ہوا۔ یحییٰ کی عمر 29 سال تھی۔ کینٹ میں حادثے کے بعد لوگ انہیں ایک سرکاری سول ہسپتال میں لے گئے۔ سر پر چوٹ کی وجہ سے یحییٰ زندگی اور موت کی شدید کشمکش میں تھا۔ ہسپتال کے ذمہ دار نے وینٹی لیٹر پر لٹانے کے پیسے مانگنے شروع کر دیے۔ اس نئی کشمکش میں کافی سارا قیمتی وقت ضائع ہو گیا۔ یحییٰ عمر کے چچا چوہدری نعیم گھمن سابق فوجی افسر ہیں وہ اپنے بھتیجے کو کینٹ کے فوجی ہسپتال "سی ایم ایچ" میں لے گئے۔ یحییٰ کو فوراً وینٹی لیٹر مہیا کر دیا گیا اور ایمرجنسی میں جو اعلیٰ ترین سطح پر فوری علاج ہو سکتا تھا وہ شروع کر دیا گیا مگر تین دن کے بعد ڈاکٹروں نے بتلا دیا کہ دماغی طور پر یحییٰ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ آپ اجازت دیں تو یحییٰ کو وینٹی لیٹر سے اتار لیتے ہیں۔ دوسری صورت میں زیادہ دن رکھنے سے جسمانی اعضا بوسیدگی کا شکار ہونا شروع ہو جائیں گے۔ چوہدری نعیم صاحب نے اجازت دے دی اور ساتھ ہی یحییٰ کے دونوں پاؤں کے تلوؤں پر کسی شے سے خارش کی تو یحییٰ کے دونوں پاؤں کے انگوٹھوں نے حرکت کی۔ ادھر وینٹی لیٹر کا سلسلہ ختم ہوا اور مشین نے یحییٰ کی جسمانی حالت کی زندگی کا درجہ جو پانچ بتلایا تھا وہ نیچے گرا، چار، تین، دو ایک اور پھر صفر ہو گیا۔ پرانے تعلق کی وجہ سے چوہدری صاحب نے مجھے فون پر بتلایا کہ یحییٰ عمر فوت ہو گیا۔ میں نے یحییٰ کا جنازہ پڑھایا۔ چوہدری صاحب نے اپنے موبائل کی فوٹیج مجھے دکھلائی جس میں خارش کرنے سے یحییٰ عمر اپنے دونوں پاؤں کے انگوٹھے ہلا رہا تھا۔ آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ صاحب لاہور تشریف لائے تو ان کے علم میں یحییٰ کا واقعہ آیا۔ انہوں نے ایک آرڈر پاس کیا کہ آئندہ کینٹ میں کوئی حادثہ پیش آ جائے تو پاکستان بھر میں کوئی سول ہو یا فوجی اس کا بلا امتیاز علاج فوجی ہسپتال میں فوراً کیا جائے۔ جنرل قمر جاوید باجوہ اپنے اختیار کے دائرے میں جو کر سکتے تھے انہوں نے انسانی ہمدردی میں کر دیا۔

قارئین کرام! انگوٹھے ہلنے کی طبی اور علمی گفتگو بعد میں...... پہلے اپنے میاں شہباز شریف صاحب کی انسانی ہمدردی کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ ننکانہ صاحب میرا شہر ہے اور میرے شہر کے ہسپتال میں میاں صاحب دو مرتبہ جا چکے ہیں اور دونوں مرتبہ ہسپتال کے ایم ایس کو معطل کر چکے ہیں۔ چند دن قبل ایک خاتون جو لاہور کے تین ہسپتالوں میں بیماری کا بستر حاصل نہ کر سکی اور فرش پر جان دے دی۔ میڈیا نے اس خبر کو نشر کیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ میاں شہباز شریف صاحب نے انسانی ہمدردی میں نوٹس لے لیا۔ قصور کا وہ ہسپتال جس میں خاتون کا علاج نہ ہوا۔ اسے بند کرنے کا نوٹس مل گیا ہے۔ یاد رہے! مذکورہ ہسپتال عمومی ہسپتال نہیں ہے۔ پلاسٹک سرجری کا ہسپتال ہے۔ یہ منفرد ہسپتال ہے اور لوگوں کو سستا علاج مہیا کرتا ہے۔ میاں شہباز شریف کی ہمدردی اب اسے بند کرنے جا رہی ہے۔ جی ہاں! ہمدردی میں مذکورہ ہسپتال بند کر دیجئے مگر حضور والا پلاسٹک سرجری کے مریضوں کا بھی بندوبست کر دیجئے۔ اسی طرح ننکانہ کے ہسپتال میں اب کوئی ایم ایس بننے پر قابل ڈاکٹر تیار ہی نہیں کہ نہ جانے میاں صاحب کب تشریف لائیں اور وہ معطل ہو جائیں۔ ہسپتال میں مریضوں کا حال پہلے سے بھی خراب ہو چکا ہے۔ لاہور کے جناح ہسپتال میں جس فزیشن پروفیسر ظفر اقبال چوہدری کو معطل کیا گیا، ان کی شہرت ایک انتہائی رحم دل اور نیک ڈاکٹر کی ہے۔ باقی ڈاکٹر بھی اسی طرح کے بتلائے جاتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ پچھلے 24 سال سے لاہور میں نئے سرکاری ہسپتال بنے ہی نہیں جو موجودہ ہیں وہاں ایک ایک بستر پر دو دو اور تین تین مریض پڑے ہیں۔ اس کے بعد مزید مریض آئیں گے تو ڈاکٹر کیا کریں گے پھر فرش ہی رہ جائیں گے تو میڈیا نے کسی ایک واقعہ کو نمایاں کر دیا اور فوراً ڈاکٹرز معطل ہو گئے۔ اس میں میاں صاحب کی انسانی ہمدردی اپنی جگہ مگر یہ مسئلے کا حل نہیں۔ حل یہ ہے کہ حکومت سہولتوں میں اضافہ کرے۔ نئے ہسپتال بنوائے۔ وزیر آباد میں چوہدری پرویز الٰہی کا بنوایا ہوا دل کا ہسپتال بند پڑا ہے۔ اس کو بحال کرے۔ موجودہ ہسپتالوں کی گنجائش زیادہ کرے۔ ننکانہ جیسے ہسپتالوں



میں ایم آئی آر مشینیں اور دیگر مشینری مہیا کرے۔ لاہور کا واحد دل کا جو سرکاری ہسپتال ہے وہاں کا واقعہ میرے علم میں ہے کہ درجنوں دل کے مریض کرسیوں پر بیٹھے تھے، بستر نہیں تھے۔ ان میں پانچ عدد کرسیوں پر ہی بیڈ کے انتظار میں فوت ہو گئے۔ میڈیا ہر روز ہسپتالوں کا دورہ کرے تو عدم گنجائش کی وجہ سے روزانہ درجنوں سنسنی خیز واقعات سامنے آئیں گے اور تمام ڈاکٹرز گھر بیٹھ جائیں گے، گزارش صرف اتنی ہے کہ جہاں ڈاکٹرز معطل ہوئے ہیں، مسائل حل نہیں ہوئے بڑھے ہیں، لہٰذا اصل مسائل پر توجہ دیں۔ نمونے کے طور پر فوج کے ہسپتالوں کے نظام سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اب آتے ہیں انگوٹھے ہلنے کی جانب۔ میں نے تحقیق کا آغاز شکم مادر میں بچے کی پرورش سے شروع کیا تو وہاں انسان کی زندگی کا آغاز اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب مرد اور عورت کا جرثومہ اور بیضہ باہم ملتے ہیں۔ نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ بچہ جب چار ہفتے یعنی ایک مہینے کا ہو جاتا ہے تو اس کا دل دھڑکنا شروع ہو جاتا ہے۔ یاد رہے! بچہ ماں کے شکم میں سانس نہیں لیتا، جب وہ دنیا میں آتا ہے تو روتا ہے۔ رونے سے اس کے پھیپھڑے کھلتے ہیں اور وہ سانس لیتا ہے اگر وہ نہ روئے تو زندگی کو خطرہ ہے۔ بہت سارے بچے نہ رونے کی وجہ سے مر جاتے ہیں لہٰذا ولادت کے وقت چائلڈ اسپیشلسٹ کا موجود ہونا ضروری ہے مگر ہمارے ہسپتالوں میں اس کا کوئی اہتمام نہیں۔ چائلڈ اسپیشلسٹ ہو تو ایک آدھ منٹ میں معاملہ سنبھال لیتا ہے۔ میاں صاحب! ذرا سروے تو کروائیے کہ پنجاب میں اور پورے پاکستان میں کتنے بچے ماہانہ نہ رونے کی وجہ سے فوت ہو جاتے ہیں۔ جناب والا! سہولت فراہم کیجئے۔

جی ہاں! میں عرض کر رہا تھا کہ زندگی کا آغاز تو پہلے دن ہی ہو گیا تھا۔ انسان کا امتیاز یہ ہے اور وہ مخلوقات میں اشرف و اعلیٰ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بچہ جب چار ماہ کا ہوتا ہے تو فرشتہ آ جاتا ہے اور اللہ کی طرف سے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ صحیح بخاری میں اللہ کے رسول ﷺ کے ایک دوسرے فرمان کے مطابق روحیں عالم بالا میں ایک جگہ موجود ہیں۔ وہاں سے روح لائی جاتی ہے اور جس روح کو جہاں حکم ہوتا ہے وہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ روح اللہ کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور قرآن نے بتلا دیا ہے کہ اس کے بارے میں تم لوگوں کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو بھی روح کہا ہے۔ مولا کریم نے اس وحی کو جو حضرت محمد کریم ﷺ پر نازل ہوئی اسے بھی روح کہا ہے یعنی روح اللہ کے اوامر اور احکام ہیں۔ انسانی روح بھی اللہ کا ایک امر اور حکم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی سے بنے ہوئے جسم میں پھونکا تھا۔ انسان کے اربوں خلیات میں یہ روح موجود ہے جب فرشتہ اسے نکال لیتا ہے تو روح عالم بالا سے آئی تھی وہیں واپس چلی جاتی ہے۔ نیک ہو تو قرآن نے کہا "علیین" میں چلی جاتی ہے۔ وہاں جنت جیسے نظارے ہیں۔ بری ہو، مظلوموں اور کمزوروں کے ساتھ ڈرامہ باز ہو، کرپٹ ہو، انسان کے حقوق غصب کرنے والی ہو تو "سجین" میں چلی جاتی ہے، یہ بدبودار قید خانہ ہے۔ نیک روح جب جسم کو چھوڑتی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا اس میں سے کستوری کی خوشبو آتی ہے۔ فرشتے اسے ہاتھوں ہاتھ لے کر مولا کریم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بری ہوتی ہے تو مردار جیسی بدبو آتی ہے۔ دنیا میں جس جسم سے نکلی وہ ساری زندگی مردار ہی کھاتا رہا تو بدبو بھی مردار کی آئے گی۔ اس کے لئے قرآن نے بتلایا کہ آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور "سجین" میں پٹخ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ جسم تو زمین کی چیز تھی زمین میں کیڑوں کی خوراک بن کر مٹی بن گیا، اصل چیز روح ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہسپتالوں کو ان کی روح کے مطابق سہولیات سے آراستہ کیا جائے تا کہ خاکی جسموں میں تڑپتی روحوں کو ڈاکٹرز سکون دے سکیں۔

قرآن نے نیند کو بھی موت قرار دیا ہے، نیند کی حالت میں روح اپنے جسم کو چھوڑ کر سیاحت بھی کرتی ہے۔ اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اچھے خواب دیکھ کر مستقبل کا کوئی واقعہ بھی دیکھ لیتی ہے۔ اس کا کنکشن اپنے جسم سے قائم رہتا ہے۔ موت یہ ہے کہ روح کا تعلق جسم سے ختم ہو جاتا ہے۔ باقی موت کے بعد حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق آنکھیں روح کا پیچھا کرتی ہیں۔ اسی لئے نگاہیں مڑ جاتی ہیں۔ یعنی جسم حسرت کرتا ہے کہ مجھے چھوڑ کر جا رہی ہے۔ یہ چند لمحوں کی بات ہوتی ہے۔ اس کے بعد روح کے بغیر جو عام زندگی ہے وہ مختلف اعضاء کی مختلف ٹائم کے لئے ہوتی ہے۔ مصنوعی سانس لگا دیا جائے تو ٹائم میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ موت تو واقع ہو چکی مگر کچھ دیر کے لئے عام یا سادہ زندگی باقی رہتی ہے۔ انگوٹھوں کا ہلنا اسی وجہ سے ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور انسانی فلاح و بہبود کا نظام پنہاں ہے کہ فوت ہونے والے شخص کے اعضاء کسی دوسرے ضرورتمند انسان کو لگ سکتے ہیں۔ اس میدان میں انڈیا بہت آگے ہے۔ آیئے! آج ہم سب اپنی روح کو اپنے کردار سے پاکیزہ بنائیں اور ایسے ہسپتال بنائیں جہاں پلانٹیشن کے سستے کام ہو سکیں اور سزا دیں تو ان ڈاکٹرز کو دیں جنہوں نے مریضوں کے دلوں کی اصلاح کے نام پر سٹنٹ میں جعل سازی کی ہے۔ میاں صاحب ایسے ڈاکٹرز کو سزا دیں، بلکہ سرعام الٹا لٹکائیں اور لٹکتے ہوئے دنیا کو دکھلائیں۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ جیسے ہمدرد حاکم کو ہمدردی کے صحیح اور درست راستے پر چلائے۔ تا کہ سچی ہمدردی آپ کی روح کو دنیا و آخرت میں سچی مسرت سے ہمکنار کر دے۔ (آمین)

KIDNAPPING



ہائے میرے یوسفؑ کا غم



بشریٰ امیر
FACEBOOK.COM/BUSHRA.AMEER777
BUSHRAAMEER7@YAHOO.COM

اولاد دنیا کی عظیم ترین نعمت ہے۔ اس نعمت کا کوئی نعم البدل نہیں اور پھر اولاد میں سے بیٹوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کی زینت قرار دیا اور والدین کے لئے اس کا بیٹا واقعی زینت ہے۔ والد کے لئے بازو کی حیثیت سے اس کی طاقت اور والدہ کے لئے اس کے بڑھاپے کا سہارا اور محافظ۔ اسی لئے والدین اپنے بیٹے کو آنکھ کا تارا بنا کر رکھتے ہیں۔ ہر دم اس پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اسے ہر بری آنکھ سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیٹا جب سکول و مدرسہ جانے کی عمر میں ہوتا ہے تو اسے محفوظ طریقے سے خود چھوڑ کر آتے ہیں۔ خود اپنی حفاظت میں ادارے سے واپس لے کر آتے ہیں۔ اگر بچہ اکیلا آتا جاتا ہے تو اس کی گھر واپسی تک دھڑکا لگا رہتا ہے۔ پھر ذرا دیر ہو جائے اور وہ گھر نہ پہنچے تو والدین کے دل بیٹھنے لگ جاتے ہیں۔ بچہ اگر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملا تو ذرا اندازہ لگایئے کہ والدین کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ اے کاش! حسد کا شکار ہو کر رشتہ دار کے بچے کو اغوا کرنے والے یا پیسوں کے لالچ میں تاوان کے بدلے بچے کو اغوا کرنے والے یہ سوچ لیں کہ بچے کی جدائی کے غم میں والدین کے دل کس طرح پھٹتے ہیں۔ بچے کی جدائی میں خون کے آنسو روتے ہیں۔ کس طرح ہر سانس کے ساتھ آہیں نکلتی ہیں۔ کس طرح ایک ایک لمحہ اور ایک ایک پل گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ غم کے لمحے صدیوں پر محیط لگتے ہیں، راتیں کانٹوں پر گزرتی ہیں۔ گم ہوئے بچے کے والدین گھر کے دروازے کھلے رکھتے ہیں۔ دن رات اس آس میں کہ کہیں سے ان کا بچہ واپس آ جائے۔ وہ بچے کی جدائی کے غم میں زندہ ہوتے ہوئے بھی زندہ لاش بن کر رہ جاتے ہیں۔ مرے کا تو صبر آ جاتا ہے لیکن گم ہو جانے والے کی جدائی پل پل تڑپاتی ہے۔ اے کاش! اغوا کرنے والے ایسی دکھ دینے والی جدائی کے غم کو سمجھ پائیں۔

آیئے! آج ہم بیٹے کی جدائی کے غم کا قصہ قرآن کے اوراق سے ملاحظہ کرتے ہیں کہ کس طرح حضرت یعقوبؑ کو اپنے پیارے بیٹے حضرت یوسفؑ کی جدائی کا غم اٹھانا پڑا۔

حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ ان میں حضرت یوسف علیہ السلام اور بن یامین ایک ماں سے اور دس بھائی دوسری ماں سے تھے۔ دس بھائی بڑے تھے اور یوسفؑ اور اس کا بھائی چھوٹے تھے۔ چھوٹے ہونے کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے والہانہ پیار تھا۔ حضرت یوسفؑ بہت خوبصورت اور حسین و جمیل اور باقی سب بھائیوں کی نسبت نیک سیرت بھی تھے انہی وجوہ کی بنا پر اپنے والد کی توجہ کا مرکز رہے۔ اس وجہ سے بڑے بھائی ان سے حسد کرنے لگے۔ کم سنی کی عمر میں انہیں ایک خواب آیا جس کا تذکرہ یوسفؑ نے اپنے باپ حضرت یعقوبؑ سے کیا اور کہا "ابا جان! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں تو باپ نے کہا: "میرے پیارے بیٹے! یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا ورنہ وہ تمہارے لئے بری تدبیریں سوچنے لگیں گے کیونکہ شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے مختصراً خواب کی تعبیر بھی بیان فرما دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں چنے گا اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے گا۔

حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے خواب کو راز ہی رکھا یوسفؑ کے بھائی باپ کی حد سے زیادہ محبت کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان کے دل حسد سے بھر گئے تھے۔ اسی حسد کی آگ نے انہیں بھیانک فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ "یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا: "یوسف اور اس کا بھائی، ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں، حالانکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں۔ ہمارا باپ تو صریح بھول میں ہے۔ (لہٰذا) یوسف کو مار ڈالو یا اسے کہیں دور پھینک دو اس طرح تمہارا باپ تمہاری طرف متوجہ رہے گا۔ پھر اس کے بعد تم نیک لوگ بن جانا۔ ان میں سے ایک نے کہا: "یوسف کو مارو نہیں بلکہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو اسے گمنام کنویں میں پھینک دو کوئی آتا جاتا قافلہ اسے اٹھا لے جائے گا۔ پروگرام بنا کر پھر وہ اپنے باپ سے کہنے لگے آپ یوسف کے بارے ہم پر اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ اس طرح وہ یوسفؑ کو ساتھ لے جاتے ہیں انہیں کنویں میں ڈال دیتے ہیں اور جھوٹ موٹ کا قمیض کو خون لگا کر باپ کو بتاتے ہیں کہ اسے بھیڑیا کھا گیا۔ قمیض صحیح و سالم دیکھ کر کہ پھٹی نہیں تو یعقوبؑ نے کہا: تم لوگوں نے ایک بری بات کو بنا سنوار لیا ہے۔ خیر اب صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس کے متعلق میں اللہ سے ہی مدد چاہتا ہوں۔ پھر یہاں سے گزرتے ہوئے قافلے کا ایک فرد پانی کی تلاش میں اس کنویں پر آیا تو اس نے ڈول لٹکایا دیکھا تو بول اٹھا بڑی خوشی کی بات ہے۔ یہاں تو ایک لڑکا ہے۔ بکاؤ مال سمجھ کر اسے چھپا لیا اور چند درہموں کے عوض حقیر سی قیمت میں بیچ ڈالا۔ اس طرح وہ عزیز مصر کے ہاتھ جا لگے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سرزمین مصر کی بادشاہت عطا فرما دی۔ علم و حکمت بھی عطا فرمائی۔

اللہ فرماتے ہیں ہم نیک لوگوں کو ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ادھر حضرت یعقوبؑ بیٹے کی جدائی میں ہر وقت روتے رہتے تھے۔ لیکن اللہ کی رحمت سے ناامید نہ تھے۔ انہیں بہر طور یقین تھا کہ وہ ایک دن ضرور یوسف کو پا لیں گے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ علاقے میں قحط پڑ گیا۔ یوسفؑ مصر کے بادشاہ تھے انہوں نے کافی غلہ محفوظ کر لیا تھا۔ اس لئے یوسفؑ کے بھائیوں کو غلہ لینے کے لئے آپ کے پاس آنا پڑا۔ حضرت یوسف نے افراد کے حساب سے غلہ دینے کے لئے بھائی بنیامین اور والد کو بھی ساتھ لانے کا مطالبہ کیا کہ ان کے حصے کا غلہ وہ آئیں گے تو انہیں دیا جائے گا۔ اب بیٹوں نے باپ کو منایا کہ وہ بنیامین کو ان کے ساتھ بھیج دیں باپ نے عہد و شرائط کے ساتھ بھیج دیا کہ اس کا خیال رکھیں گے لیکن حضرت یوسف نے حکمت عملی سے جو کہ قرآن میں مذکور ہے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ اب بھائی غلہ لے کر واپس آئے تو بنیامین کے اوپر لگے الزامات کو پختہ کر کے بتلایا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔ جس کی وجہ سے بادشاہ نے اسے روک لیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ ان کی بتائی ہوئی بات پر اور بھی غمگین ہو گئے۔ اس واقعہ نے پرانے زخم کو پھر سے ہرا کر دیا۔ آپ کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے۔ صبر ہی بہتر ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے ہائے یوسف! اور ان کی آنکھیں غم سے بے نور ہو گئیں اور وہ خود غم سے بھرے ہوئے تھے۔ تیسیر القرآن میں ہے کہ باپ کے منہ سے آہ سن کر بھی حاسد بیٹوں کو ان پر رحم نہ آیا بلکہ الٹا باپ کو ملامت کرنے لگے کہ اب اس قصہ کو چھوڑتے بھی ہو یا نہیں؟ یا اسی کے غم میں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے؟ مغموم باپ نے انہیں جواب دیا کہ میں تمہیں تو کچھ نہیں کہتا۔ تم نے جو کچھ چاہا کر لیا میں تو اپنی پریشان حالی کو اللہ کے سامنے پیش کرتا ہوں اور اسی سے صبر کی توفیق چاہتا ہوں کیونکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہے۔ قصہ مذکور ہے کہ یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو غلہ بھی دیا اور بتلا بھی دیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ بھائی اظہار ندامت سے چونک اٹھے۔ حضرت یوسفؑ نے کہا دیکھ لو اللہ نے ہم پر کیسی رحمت فرمائی اور ہم دونوں بھائیوں کو طویل جدائی کے بعد ملا دیا۔ پھر حضرت یوسفؑ نے اپنی قمیض دی اور کہا یہ لے جاؤ قمیض میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا۔ ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ ادھر یوسفؑ بیٹے کی قمیض چلی ادھر باپ نے بیٹے کی خوشبو محسوس کر لی، یہ ہے باپ بیٹے کا پیار اور اس کی انتہا، یوسف نے کہا میرے باپ کو لے کر میرے پاس آ جاؤ، بیٹے کی قمیض باپ کے چہرے کو لگی اور وہ دیکھنے لگ گئے۔ بیٹوں سمیت مصر میں آ گئے، حضرت یوسفؑ نے والدین کو تخت پر بٹھایا اور اس کے گیارہ بھائی یوسفؑ کے آگے سجدہ میں گر گئے۔ یہ تھا وہ خواب جو حضرت یوسف نے دیکھا اور وہ کئی برس بعد پورا ہوا۔ بھائیوں نے باپ سے معافی مانگ لی۔ باپ نے رب سے بیٹوں کی مغفرت کی دعا کی۔

یہ تھا ایک باپ سے بیٹے کی جدائی کا ایک لمبا غم ناک قرآنی قصہ، کسی کے مال کو دیکھ کر آج بھی حسد کرنے والے اور تاوان کی خاطر بچے اٹھانے والے والدین کو اذیت سے دوچار کرنے والے سورہ یوسف سے سبق سیکھیں کہ یوسفؑ کے بھائیوں نے حسد کی آگ میں جل کر عظیم جرم کیا۔ معافی مانگی، باپ اور بھائی یوسفؑ نے معاف کر دیا۔ اللہ سے استغفار کر کے معافی مانگ لی۔ اللہ غفور رحیم ہے۔ اللہ نے معاف فرما کر یہ قصہ قیامت تک کے لئے سبق بنا دیا کہ اغوا کرنے والے جدائی کی اذیت سے دوچار کرنے والے اپنی روش چھوڑ کر باز آ جائیں۔ معافی مانگ لیں تاوان کے نام پر جہنم کا سودا نہ کریں۔ حسد کی آگ میں جل کر کسی کے پیارے کو اغوا کر کے اسے اذیت سے دوچار کر کے جہنم کی آگ کو نہ بھڑکائیں۔ اے کاش! تیرے لئے اے اغوا کار! سورہ یوسف کا سبق ہی راہ راست کا ذریعہ بن جائے۔

یا اللہ! ہر ماں کا بچہ تیری حفاظت میں۔ جس کا بچہ گم ہو جائے وہ اللہ سے وہی دعا کرے جو حضرت یعقوبؑ مانگا کرتے تھے اللہ اس کا بیٹا ضرور اسے ملا دے گا۔ ان شاء اللہ

"انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ" (میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ سے ہی کرتا ہوں)

اے اللہ! جن کے پیارے گم ہیں ان سے ملا دے اور جن کے جگر گوشے اغوا کاروں کے ہاتھوں جان سے گئے ان کو اپنی جناب سے عطا فرما دے۔ (آمین)

ختم نبوت کی دائمی تازگی

آخری الہامی کتاب قرآن کریم کی ترتیب دو طرح سے ہے۔ پہلی ترتیب وہ ہے جو ''لوح محفوظ'' میں موجود ہے۔ اسی ترتیب کے ساتھ آج قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ دوسری ترتیب وہ ہے جس میں 23 سالوں میں حالات کے مطابق آخری رسول گرامی حضرت محمد کریمؐ پر قرآن نازل ہوتا رہا۔ پہلی ترتیب کا آغاز ختم نبوت سے ہوتا ہے جبکہ دوسری ترتیب کا اختتام ختم نبوت پر ہوتا ہے۔ اس سے ختم نبوت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ترتیبوں میں ختم نبوت کا کس عظیم الشان طریقے سے اظہار کر دیا کہ الہام الٰہی کا آغاز بھی ختم نبوت سے اور اختتام بھی ختم نبوت پر فرما دیا۔ لوح محفوظ کی ترتیب میں پہلی سورۃ فاتحہ ہے۔ اسے مفسرین نے قرآن کی اساس اور دیباچہ قرار دیا ہے۔ اس میں اللہ کی عظمت اور توحید کا بیان ہے اور بندے کی جانب سے اس پر کاربند ہونے کا اظہار ہے۔ اس کے بعد ''ذٰلک الکتاب'' سے قرآن کے مضامین کا آغاز ہوتا ہے۔ آغاز ہوتے ہی اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کی چوتھی صفت یہ بیان فرماتے ہیں کہ اے میرے پیارے حبیبؐ! یہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور جو کتابیں آپؐ سے پہلے اتاری گئیں، یہ ان پر بھی ایمان لاتے ہیں یعنی تورات، زبور اور انجیل پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ بھی اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تھیں۔ جی ہاں! ماضی کی الہامی کتابوں کا بھی تذکرہ ہو گیا اور حالیہ الہامی کتاب قرآن کا بھی تذکرہ ہو گیا۔ مستقبل کی کسی کتاب کا اللہ نے ذکر نہیں فرمایا۔ اگر مستقبل میں کوئی نبی اور اس پر کتاب کا نزول ہونا ہوتا تو اللہ تعالیٰ مستقبل کا تذکرہ یوں فرما سکتے تھے ''وَمَا یُنزَلُ مِن بَعْدِکَ'' اور وہ اس پر بھی ایمان لائیں گے کہ جو آپ کے بعد نازل ہوگا۔ مگر کوئی نبی آنا ہی نہ تھا، نہ کتاب نے نازل ہونا تھا تو تذکرہ کیسے ہوتا؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ماضی کی کتب اور حالیہ کتاب قرآن کا تذکرہ کرنے کے بعد قیامت کا ذکر فرما دیا کہ ایسے پرہیزگار لوگ ''وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ'' آخرت (قیامت) پر یقین رکھتے ہیں۔ یعنی قرآن اور صاحب قرآن حضرت محمد ذی شانؐ کے بعد قیامت ہی آئے گی۔ حضورؐ کی نبوت قیامت تک ہر دم اور ہر آن تازہ رہے گی۔ ہر ثانیہ اور ہر لحظہ جدید ترین اور ماڈرن ترین رہے گی۔ قارئین کرام! 23 سالوں میں اترنے والی دوسری ترتیب کو ''نزولی'' کہا جاتا ہے۔ اس کی آخری آیت جو حضورؐ کے الوداعی اور آخری حج پر نازل ہوئی۔ ختم نبوت کا پیغام یوں سناتی ہے:

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے بطور نظام کے اسلام کو پسند فرما لیا۔'' (المائدہ:3)

جی ہاں! دین مکمل ہو گیا، یہی ختم نبوت ہے، کائنات کی سب سے بڑی نعمت کا اتمام ہو گیا۔ اس کے بعد کوئی نعمت نہ رہی۔ یہی ختم نبوت ہے اور یہ سب سے بڑی اور آخری نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو پسند فرما لیا ہے، اس میں یہ پیغام ہے کہ حضورؐ کے ذریعہ جو پیغام آ گیا اس کے بعد قیامت تک اللہ کی کوئی پسند ہی نہیں۔ یوں ختم نبوت کے بارے میں تین مختلف انداز اختیار کر کے اللہ نے آخری رسولؐ کے آخری حج پر اپنا آخری پیغام سنا دیا۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ قرآن کی پہلی ترتیب کا آغاز ختم نبوت ہے تو دوسری ترتیب کا اختتام بھی ختم نبوت ہے۔ قیامت تک ایسی بہار آفریں تازگی کے مقابلے میں مسیلمہ کذاب ہو، بہاء اللہ جیسا دجال ہو یا مرزا قادیانی جیسا خناس ہو۔ ان کی دعوت فرسودگی، سراسر ناپاکی اور تباہی و بربادی ہے۔

اللہ کے رسولؐ چار بیٹیوں کے باپ ہیں۔ چاروں جوان ہوئیں اور شادیاں ہوئیں، یوں حضور نبی کریمؐ چار خواتین کے والد گرامی ہیں۔ ہمارے حضورؐ چار بیٹوں کے بھی باپ ہیں، چاروں بچے طاہر، طیب، قاسم اور ابراہیم بچپن اور شیرخوارگی میں وفات پا گئے، لہٰذا ہمارے حضورؐ جوانی کی عمر کو پہنچنے والے کسی مرد جوان کے باپ نہیں ہیں۔ مسلمانوں کی 9 روحانی مائیں تھیں اللہ چاہتے تو جوان بیٹوں کی صفیں بن جاتیں، مگر پھر ہو سکتا تھا کہ آنے والے دور میں کوئی کذاب اٹھتا۔ اپنے آپ کو حضورؐ کی صلبی اولاد میں سے بیٹا قرار دیتا اور نبوت کا اعلان کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولؐ کی ختم نبوت اس قدر عزیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کی شاندار عمارت میں ایسی ممکنہ نقب کا راستہ بھی بند کر دیا اور فرمایا!'' (اے مسلمانو! میرے پیارے مصطفیٰ حضرت) محمدؐ تم مرد حضرات میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ آپ کا منصب اللہ کا رسول ہونا ہے۔ آپ تمام نبیوں کا اختتام کرنے والے (آخری نبی) ہیں۔ (اللہ تعالیٰ مستقبل کے ممکنہ سوراخ اس لئے بند کر رہے ہیں کیونکہ) اللہ تعالیٰ (قیامت تک) ہر وقوع پذیر واقعہ کا علم رکھتے ہیں۔''



(الاحزاب:40)

قارئین کرام! احد کے میدان میں ایک غلطی کی وجہ سے جب مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو مشہور ہو گیا کہ اللہ کے رسولؐ شہید ہو گئے۔ اب بعض لوگوں نے تلواریں رکھ دیں کہ جب اللہ کے رسولؐ نہ رہے تو لڑنے کا کیا فائدہ؟ اس موقع پر اللہ نے جو رہنمائی فرمائی ملاحظہ ہو، ختم نبوت کی کیسی تازہ خوشبو دے رہے ہیں جو آج بھی پاسداران ختم نبوت کے دلوں کو وجد آفریں بنا دیتی ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا'' جناب محمد کریمؐ بھی ایک رسول ہیں (مسلمانو! مت بھولو) ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر آپ وفات کی صورت میں ہمارے پاس آ جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم واپس پیچھے کو مڑ جاؤ گے اور جو پچھلے پیروں بھاگ اٹھے تو اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا (اپنا ہی نقصان کرے گا) المائدہ۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اشارتاً معلوم ہوتا ہے کہ مسیلمہ کذاب آپؐ کے چالیس ہزار لوگوں کو مرتد کر کے حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر کے سامنے آیا اور واصل جہنم ہوا۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا آیت پر اس انداز سے بھی غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ماضی میں گزرنے والے انبیاء کا ذکر تو کیا مگر یہ نہیں کہا کہ اچھا اگر میرے رسول حضرت محمد کریمؐ شہید کر دیئے گئے تو کوئی بات نہیں، انبیاء پہلے بھی شہید ہوتے رہے ان کی جگہ دوسرے نبی آتے رہے، اب بھی اور نبی آ جائیں گے۔ اللہ اللہ! مولا کریم نے بعد کا ذکر نہیں کیا، ماضی کا ذکر کیا۔ معلوم ہوا بعد میں کوئی نبی نہ آئے گا۔ یوں مندرجہ بالا آیت سے ختم نبوت کی خوشبو آ رہی ہے۔ کسی کا دماغ اس خوشبو کو سونگھنے سے دائمی طور پر محروم ہو تو اس کے سونگھنے کی قوت ختم ہو چکی، اب ڈاکٹر کیا کر سکتا ہے؟

اللہ کے رسول حضرت محمد کریمؐ جب بارہ ربیع الاول کو اس دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے محبوب گرامیؐ سے سنا ہوا فرمان صحابہؓ کو یوں سنایا'' اللہ تعالیٰ ہر نبی کو ایسے مقام پر وفات دیتے ہیں جس جگہ وہ دفن ہونا پسند کرتے ہیں لہٰذا حضورؐ کو آپؐ کے بستر والی جگہ پر ہی دفن کر دو (ترمذی:1018) جی ہاں! اللہ کے رسولؐ نے اپنے حجرہ مبارک اور منبر شریف کے درمیان والی جگہ کو جنت کا باغ قرار دیا تھا۔ (بخاری:1196) یہی جگہ ہمارے حضورؐ کی پسندیدہ تھی اس لئے کہ یہ جگہ فردوس بریں کا حصہ ہے۔

اللہ اللہ! یہ مبارک مقام ''روضۂ رسولؐ'' کے مبارک نام سے معروف ہے۔ مسجد نبوی کی توسیع ہوئی تو ''روضہ رسولؐ'' فردوس بریں کا سبز نگینہ بن کر دلوں کا سرور بن گیا۔ مسجد نبوی شریف کی زیارت کو جائیں تو جنت کا یہ مقام آنکھوں کا نور بنتا ہے۔ روضۂ رسول بھی جنت کا لعل ہے اور مسجد نبوی میں ممبر رسول کا مقام بھی جنت (ریاض الجنۃ) کا یاقوت ہے۔ جنت میں کھڑے ہو کر حضورؐ کے بہشتی روضے کا نظارہ لطف و سرور کو ڈبل اور دوبالا کر دیتا ہے۔ میرے حضورؐ کا ایک اور فرمان ہے'' تین مسجدوں کو ہی خصوصی مقام سے نوازا گیا ہے کہ ان کی جانب ثواب کے ارادہ سے سفر کیا جائے۔ ان کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف اونٹوں کے کجاوے کس کر سفر نہ کیا جائے وہ تین مساجد مسجد حرام، اللہ کے رسولؐ کی مسجد اور مسجد اقصیٰ ہیں۔'' (بخاری :1190) ہمارے حضورؐ نے یہ بھی فرمایا!'' میں تمام نبیوں میں سے آخری نبی ہوں اور میری مسجد تمام مسجدوں میں سے آخری مسجد ہے۔'' (مسلم :507) اللہ اللہ! آخری مسجد کے طاقچوں میں آخری قرآن، آخری مسجد کے پہلو میں آخری رسول کا روضہ۔ قرآن، رسول اور مسجد تینوں ہی ختم نبوت کے شعار۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

مرزا قادیانی کے دور میں تین ایسے علمائے کرام ہو گزرے ہیں جو مسلمانوں کی آنکھوں کے تارے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے مباہلے کے نتیجے میں مرزا قادیانی ان کی زندگی میں موت سے دوچار ہوا۔ مولانا پاکستان آ کر فوت ہوئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اور حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ نے بھی ختم نبوت میں باکمال کردار ادا کیا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ کا یہ شعر مجھے بڑا ہی سرور دیتا ہے۔

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے شعر کے کئی پہلو ہیں، ان پر کتاب لکھ سکتا ہوں مگر سردست میرے سامنے ختم نبوت کا پہلو ہے۔ مسیلمہ کذاب کے چالیس ہزار مرتدوں نے اپنی آنکھوں کو اس وقت گستاخ بنا لیا جب حضرت محمد کریمؐ سے آنکھوں کو ہٹا لیا اور مسیلمہ کذاب پر مرکوز کر لیا اور پھر یہ آنکھیں ریاست مدینہ کو گھورنے لگیں چنانچہ جن سروں پر تھیں حضرت خالدؓ بن ولید نے اللہ کی تلوار بن کر ان کو تن سے جدا کر کے بے نور کر دیا تھا۔ پیر مہر علی شاہ جیسے محب رسول تعجب کرتے ہیں کہ اے قادیانیو! تمہاری نگاہیں اس مرزا پر مرکوز ہو گئیں جو اپنی ناپسندیدہ ترین جگہ پر موت سے دوچار ہوا۔ ہیضے کے مرض میں مبتلا لیٹرین میں مرا۔ بقول تمہارے کہ وہ سچا تھا تو پھر تم نے اسے لاہور کی رام گلی کے مکان کی لیٹرین میں کیوں نہ دفنایا؟ قادیان کیوں لے کر گئے؟ ہمارے حضورؐ نے لیٹرین کو شیطانوں کی آماجگاہ بتلایا ہے اور حکم دیا ہے کہ وہاں جاؤ تو یہ دعا پڑھ کر جاؤ: ''اللھم انی اعوذبک من الخبث و الخبائث''

''اے اللہ! میں آپ سے ناپاک جنوں اور چڑیلوں کی شرارتوں سے پناہ مانگتا ہوں۔''

اللہ کی پناہ! کذاب کے ایسے ذلت آمیز حشر سے......

قادیانی غیر مسلم قرار پائے۔ ان کو پاکستان میں امن ہے مگر غیر مسلم بن کر رہیں۔ جی ہاں! جن لوگوں نے حالیہ قانون سازی میں ان کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی اور ختم نبوت کی خوبصورت عمارت کے حسن میں کمی اور نقص کی انتہائی مذموم کوشش کی، ان کو منظر عام پر لا کر سزا ضرور ملنی چاہئے۔ نگہبانی کا کردار ادا کرنے والے تمام لیڈروں اور علماء کو سلام عقیدت۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضورؐ کے مبارک ہاتھوں سے حوض کوثر کا جام نصیب فرمائے۔ ختم نبوت کا دمکتا تخت تا قیامت زندہ باد، پاسداران ختم نبوت پائندہ باد۔

جہیز، قطعاً سنت نہیں ہے

حافظ صلاح الدین یوسف

لفظ "جھز" سے استدلال کی اصل حقیقت:

19 مارچ 2004ء کے ہفت روزہ "غزوہ" میں جناب سلیم اختر صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس میں موصوف نے مروجہ جہیز کو سنت رسول قرار دیا ہے۔ فاضل مضمون نگار "جامعہ ام القریٰ" سبزہ زار لاہور، میں استاد ہیں یا وہاں کسی منصب پر فائز ہیں؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔ تاہم اس کے سنت ہونے کے جو دلائل دیئے گئے ہیں، وہ نہایت عجیب ہیں اور ان سے ان کے دعوے کا قطعاً اثبات نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر انہوں نے ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے واقعے سے استدلال کیا ہے جن کا نکاح حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے نبی ﷺ کے ساتھ کیا تھا اور نبی ﷺ کی طرف سے حق مہر بھی خود ادا کیا تھا۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ ہیں۔ وَ جَھَّزَ ھَا مِنْ عِنْدِہِ (سنن نسائی، حدیث 3352) اس کا ترجمہ سلیم اختر صاحب نے کیا ہے:

"پھر اپنے پاس سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا جہیز تیار کیا" یہ ٹکڑا ہی ان کے استدلال کی سب سے بڑی بنیاد ہے لیکن یہ بنیاد ہی غلط ہے۔ اس لئے کہ یہ ترجمہ ہی غلط ہے۔ عربی میں جَھَّزَ جہیز تیار کرنے کے معنی میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا، وجہ یہ ہے کہ مروجہ جہیز کا عرب میں کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ عربی زبان میں جَھَّزَ کے معنی مطلق تیار کرنے کے ہیں۔ جیسے دلہن کو خاوند کے لئے تیار کرنا، مجاہد کو سامان حرب وغیرہ دے کر جہاد کے لئے تیار کرنا، مسافر کا سامان باندھ کر اسے سفر کے لئے تیار کرنا، وغیرہ۔ عربی زبان میں یہ اس کے چند استعمالات ہیں۔ جیسے سیدہ صفیہ (ام المومنین) رضی اللہ عنہا کے واقعے میں آتا ہے کہ خیبر سے واپسی پر نبی ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ اس واقعے میں ہے:

حتی اذا کان بالطریق جھزتھا له ام سلیم فاھدتھا الیه من اللیل. الحدیث (سنن نسائی، النکاح، حدیث 3381)

"راستے میں سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے تیار کیا اور انہیں شب باشی کے لئے نبی ﷺ کے پاس بھیج دیا۔"

کیا یہاں جھزتھا کے معنی یہ ہوں گے کہ "ام سلیم نے سیدہ صفیہ کے لئے جہیز کا سامان تیار کیا۔" یا وہ معنی ہوں گے جو ہم نے کئے ہیں؟

بالکل یہی لفظ جَھَّزَ سیدہ ام حبیبہ کے واقعے میں استعمال ہوا ہے، جس کے معنی ہیں کہ نجاشی نے سیدہ ام حبیبہ کو حق مہر دیا اور اپنے پاس سے انہیں تیار کیا (یعنی نئے کپڑے اور خوشبو وغیرہ دے کر) اور انہیں شرجیل بن حسنہ کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

مجاہد کو تیار کرنے کی مثال: نبی ﷺ نے فرمایا:

من جھز غازیا فی سبیل اللہ فقدا غزا (صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، حدیث 2843)

"جس نے کسی غازی کو (اسلحہ وغیرہ دے کر) تیار کیا، اس نے جہاد کیا۔"

یہاں جَھَّزَ کے معنی ہیں، کسی غازی کو اسلحہ اور دیگر وسائل مہیا کر کے اسے جہاد کے لئے تیار کرنا۔

سامان سفر تیار کرنے کی مثال: قرآن مجید میں یوسف علیہ السلام کے قصے میں جَھَّزَ کا لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ولما جھزھم بجھازھم "جب ان کا سامان (واپسی کے لئے) تیار کر دیا۔"

ان مثالوں پر غور کرنے سے سیدہ ام حبیبہ کے جہاز یا جہیز کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا مطلب ہے، دلہن کو زیب و زینت سے آراستہ کر کے شب عروسی کے لئے تیار کرنا۔ اسی لئے حدیث کے الفاظ ہیں جھزتھا (ام حبیبہ کو تیار کیا) یا اس سے ملتے جلتے الفاظ۔ جھزلھا جھازھا (ان کے لئے جہیز کے سامان تیار کیا) یا اس سے ملتے جلتے الفاظ۔ لیکن جھزتھا کا مفہوم تو دلہن کو تیار کرنا ہی ہوگا نہ کہ سامان جہیز تیار کرنا۔ یہ مفہوم سیدہ حفصہ کے واقعے میں منقول الفاظ سے جو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں) مزید واضح ہو جاتا ہے۔

2- سلیم اختر صاحب نے جہیز کے جواز کی دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی زینب کا نکاح جب ابو العاص سے کیا، تو بوقت رخصتی ان کو ایک ہار دیا۔ (غزوہ مذکور)

اس میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ یہ قبل از اسلام کا واقعہ ہے، جو ہمارے لئے حجت نہیں۔

دوسرے، یہ کہ اس میں نبی ﷺ کا حوالہ دینا یکسر غلط ہے۔ اس ہار کے دینے میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی دخل نہیں۔ اس لئے کہ اگر آپ کا ایماء یا مشورہ اس میں شامل ہوتا، تو نبی ﷺ اپنی دوسری بیٹیوں کو بھی ہار ضرور دیتے۔

تیسرے، یہ کہ حدیث میں وارد الفاظ پر غور کیا جائے، تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی تعلق مسئلہ زیر بحث سے نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب اہل مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ بھیجا، تو سیدہ زینب نے اپنے شوہر (جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور مسلمانوں کے پاس قید تھے) سیدنا ابو العاص رضی اللہ عنہ کی رہائی کے عوض اپنا وہ ہار بھیجا جو شادی کے موقع پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو دیا تھا۔ اس کی بابت حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں، وہ قابل غور ہیں۔

بعثت زینب فی فداء ابی العاص بمال وبعثت فیه بقلادة لھا کانت عند خدیجة ادخلتھا بھا علیٰ ابی العاص (سنن ابی داؤد، الجہاد، باب فی فداء الاسیر بالمال، حدیث 2692۔ دارالسلام، الریاض)

"سیدہ زینبؓ نے (اپنے شوہر) ابو العاصؓ کی رہائی کے لئے کچھ مال بھیجا، اور اس میں وہ ہار بھی بھیجا جو (ان کی والدہ) سیدہ خدیجہؓ کے پاس تھا، وہ ہار انہوں نے زینب کو اس وقت دیا تھا جب انہیں ان کے شوہر ابو العاص کے پاس (پہلی رات کو) داخل کیا تھا۔"

ادخلتھا بھا کے یہی معنی صاحب عون نے بھی بیان کئے ہیں۔

والمعنی دفعتھا الیھا حین دخل علیھا ابو العاص وزفت الیه. (ج 3، ص 14)

"مطلب یہ ہے کہ سیدہ خدیجہ نے یہ ہار زینب کو اس وقت دیا تھا، جب ابو العاص زینب کے پاس (پہلی مرتبہ) آئے اور زینب نے ان کے ساتھ شب عروسی گزاری۔"

اب ان الفاظ اور ان کے مفہوم پر غور کیا جائے، تو کوئی بھی تعلق اس ہار کا جہیز کے ساتھ بنتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا تعلق بھی دلہن کے اس زیب و زینت اور سولہ سنگھار سے ہے، جو شب عروسی کے لئے دلہن کا کیا جاتا ہے۔

3- تیسری دلیل جو پیش کی ہے، وہ وہی مشہور روایت ہے جس میں سیدہ فاطمہ کے جہیز کا ذکر ہے۔ جس کی رو سے نبی ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک چادر، ایک مشکیزہ اور چمڑے کا تکیہ (جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی) جہیز میں دیا۔

اس روایت کو شیخ البانی نے ضعیف سنن النسائی (صفحہ 101) میں درج کر کے اسے ضعیف الاسناد قرار دیا ہے۔ تاہم دوسرے محققین نے اسے اس کے دوسرے طرق اور شواہد کی بنا پر صحیح کہا ہے۔ خود شیخ البانی نے بھی اسے ابن ماجہ میں (غالباً دوسری سند کی بنیاد پر) صحیح کہا ہے۔

بنابریں اس روایت کو ناقابل حجت نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس سے موجودہ جہیز کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس کا کوئی تعلق مروجہ جہیز سے ہے ہی نہیں۔ یہاں بھی اس "جہیز" سے مراد ان ہی اشیاء کا مہیا کرنا ہے جن سے میاں بیوی حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔ چنانچہ ابن ماجہ کے الفاظ ہیں:

ان رسول اللہ ﷺ اتی علیا و فاطمة وھما فی خمیل لھما. والخمیل القطیفة البیضاء من الصوف. قد کان رسول اللہ ﷺ جھزھما بھا، ووسادة محشوة اذخرا وقربة (صحیح سنن ابن ماجہ، ص 359، 3366)

"رسول اللہ ﷺ سیدنا علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئے، اور وہ دونوں ایک سفید اونی چادر میں تھے۔ یہ چادر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو (حقوق زوجیت ادا کرنے کے لئے) عطا کی تھی، نیز ایک اذخر (گھاس) بھرا تکیہ اور ایک مشکیزہ دیا تھا۔"

اس روایت کے الفاظ جھزھما بھا (اس چادر کے ساتھ دونوں کو تیار کیا) مروجہ جہیز کی نفی اور جہیز کے اس معنی کی تائید کر رہے ہیں جو دوسری مذکورہ روایات سے واضح ہو رہے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی گھر بار نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ ہی ان کے کفیل تھے، آپ کے پاس ہی ان کی پرورش ہوئی۔ جب آپ نے اپنی صاحبزادی کے ساتھ ہی ان کا نکاح بھی کر دیا تو گھر بسانے کے لئے مندرجہ بالا چند چیزیں آپ نے انہیں عطا فرمائیں۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ ساری چیزیں نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کی ایک چادر فروخت کر کے خریدی تھیں گویا یہ سامان بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کی رقم سے تیار ہوا۔

یہ ہے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی اصل حقیقت۔ اس کا اور ہماری مروجہ جہیز کا تقابل کر لیں۔ ان کے درمیان کیا نسبت ہے؟ کیا اس سے ہمارے مروجہ جہیز کا اثبات ہوتا ہے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ ان کا آپس میں کوئی تقابل ہی نہیں۔

فاضل مضمون نگار کی یہی تین بڑی بنیادیں تھیں، جن سے موصوف کو یہ مغالطہ لگا اور لوگوں کو بھی مغالطے میں ڈالا کہ جہیز (نعوذ باللہ) سنت ہے لیکن ہماری بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہے کہ جہیز قطعاً سنت نہیں ہے بلکہ ایک رسم ہے، نہایت تباہ کن رسم۔ ایک بندھن ہے، سخت خوفناک بندھن جس میں ہم نے خود اپنے آپ کو جکڑ لیا ہے۔ اور ایک آفت ہے جس نے بے وسیلہ اور کم وسیلہ لوگوں کو نیم جان کر رکھا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں جہیز کے بارے میں اپنی ایک تحریر بھی قارئین کرام کے ملاحظے کے لئے پیش کر دی جائے جو راقم کی کتاب "مسنون نکاح اور شادی بیاہ کی رسومات" نامی کتاب میں شامل ہے۔ یہ ایک سائل کے سوال کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ وھو ھذا:

جہیز، کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد شادیاں کیں، لیکن آپ کی ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں، آپ نے چاروں کی شادیاں کیں، لیکن آپ نے کسی کو بھی شادی کے موقع پر جہیز نہیں دیا۔ اسی طرح صحابہ کرام میں سے بھی کسی سے اس رواج کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے یہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔ اس لئے کہ ہندو مذہب میں عورت وراثت کی حقدار نہیں ہے، باپ کی جائیداد کی وارث صرف اولاد نرینہ ہوتی ہے۔ اس بنا پر ہندو شادی کے موقع پر لڑکی کو گھریلو نوعیت کے سامان کی شکل میں اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ دے دیتے ہیں۔

مسلمانوں نے بھی اس رواج کو اختیار کر لیا۔ اس کی وجہ سے وہ متعدد مشکلات کا شکار ہو گئے۔ ایک تو جہیز کو لازمی تصور کر لیا گیا ہے حتیٰ کہ اس کے لئے بھاری قرض بھی لینا پڑے تو لیتے ہیں۔ اور پھر ساری عمر قرض کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔ ثانیاً ہندوؤں کی طرح پھر لڑکیوں کو بالعموم وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے، بھائی جہیز ہی کو وراثت کا بدل قرار دے کر، بہنوں کو وراثت سے محروم رکھنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔ اس طرح اور بھی متعدد قباحتیں ہیں جو جہیز میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی قباحت یہ ہے کہ مرد منگتا بن جاتا ہے اور وہ لڑکی والوں سے فرمائشی سامان طلب کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عورتوں پر قوام بنایا ہے، اور اس کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جسمانی اور دماغی قوت و صلاحیت میں عورت سے ممتاز کیا ہے۔ دوسری یہ کہ وہ عورت پر اپنا مال خرچ کرنے والا ہے۔ یہ مال خرچ کرنا کیا ہے؟ عورت کو مہر دینا۔ اس کے نان و نفقہ کا انتظام کرنا اور شادی کے بھی بیشتر اخراجات برداشت کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں مرد کو ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن لڑکی یا لڑکی کے والدین پر کوئی خرچ نہیں ڈالا گیا ہے۔ بنابریں مرد کی طرف سے جہیز کا مطالبہ کرنا اس کے شیوۂ مردانگی کے بھی خلاف ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں، اپنی اولاد کو عطیہ یا ہبہ دینا، کوئی بری بات تو نہیں۔ یقیناً یہ بات تو صحیح ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اپنی اولاد کو عطیے یا ہبے کے طور پر دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔ لیکن عطیہ یا ہبہ تو دل کی خوشی سے دیا جاتا ہے۔ دوسرے، اپنی طاقت کے مطابق دیا جاتا ہے۔ تیسرے اس میں کسی کا دباؤ نہیں ہوتا۔ چوتھے اسے وراثت کا بدل نہیں سمجھا جاتا۔ کیا جہیز میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔

ہمارے مروجہ جہیز میں تو ہدیہ یا ہبہ والی مذکورہ چیزیں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ اس کو تو شادی کا لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے، کسی کے پاس طاقت ہے یا نہیں؟ اس سے کسی کو کوئی غرض نہیں۔ بھاری بھرکم جہیز ضرور ہونا چاہئے۔ نہیں تو سسرال میں لڑکی کا جینا دوبھر کر دیا جائے گا۔ اس دباؤ اور مجبوری کی وجہ سے ہر شخص کو بھاری مقدار میں جہیز مہیا کر کے دینا پڑتا ہے۔ چاہے اس کے بعد وہ ساری عمر قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہے۔

بہرحال جہیز کے بارے میں معتدل موقف یہی ہے کہ ماں باپ اپنی طاقت کے مطابق، تھوڑا یا زیادہ، کچھ دیں، تو یہ یقیناً ایک جائز عمل ہے، لیکن اس میں ایک تو معاشرے کا دباؤ یا لڑکے والوں کی طرف سے مطالبہ نہ ہو۔ دوسرا، اسے وراثت سے محروم کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ تیسرا، شادی کے موقع پر کچھ نہ دیا جائے۔ (بعد میں اگر ضرورت پیش آ جائے) تو حسب ضرورت اس سے تعاون کر دیا جائے پھر شاید اس کا جواز نکل آئے اور اسے ہندوانہ رسم قرار نہ دیا جا سکے۔ (مسنون نکاح اور شادی بیاہ کی رسومات۔ ص 41-43، مطبوعہ دارالسلام لاہور)

وزیراعظم کی رحمۃ للعالمین کانفرنس اور ریاست مدینہ

رحمۃ للعالمین حضرت محمد کریمؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر کتاب میں لکھ دیا ہے ''میری رحمت میرے غصے پر بھاری ہے۔'' (بخاری: 3022)
قرآن نے آگاہ فرمایا کہ اس عرش کو آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے۔ قرآن نے مزید آگاہ فرمایا کہ عرش کو اٹھانے والے اور عرش کے گرد رہنے والے (بے شمار فرشتے) جہاں اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے سبحان اللہ، الحمدللہ کہتے ہیں، اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہیں وہیں اہل ایمان کے گناہوں کی معافی کی درخواست بھی کرتے ہیں اور یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہر شے کو رحمت اور علم کے لحاظ سے اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ (المومن: 7)

قارئین کرام! ثابت ہوا کہ عرش کے اوپر بھی رحمت کا پیغام ہے۔ عرش کے اردگرد بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صدائیں ہیں اور جنہوں نے عرش اٹھا رکھا ہے ان کی زبان سے بھی رحمت ہی کے پیغام مل رہے ہیں یعنی عرش کے اوپر، عرش کے گرد اور عرش کے نیچے رحمت ہی رحمت کی تجلیات اور انوار کی بارشیں برس رہی ہیں۔ اس کے نیچے فردوس نام کی جنت ہے۔ حضرت محمد کریمؐ نے فرمایا! تمام جنتوں میں سب سے اعلیٰ و بلند جنت **''جنۃ الفردوس''** ہے۔ یہ عرش کے نیچے ہے۔ اسی سے تمام نہروں کے پھوٹنے کا آغاز ہوتا ہے۔ (بخاری: 2790) اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو ایسے لوگوں کا رب ان افراد کو اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا اور واضح کامیابی تو یہی ہے۔'' (الجاثیہ: 30)۔

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے یہاں جنت کو اپنی رحمت قرار دیا ہے۔ حضرت محمد کریمؐ نے شرح فرماتے ہوئے مزید واضح کر دیا، فرمایا!

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ لِلْجَنَّۃِ اَنْتِ رَحْمَتِی اَرْحَمُ بِکِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِیْ

(بخاری، کتاب التفسیر: 4850)

اللہ تعالیٰ نے جنت کو مخاطب کر کے فرما دیا، تو میری رحمت ہے، اپنے بندوں میں سے جس پر میں رحم کروں گا تیرے ذریعے رحم کروں گا۔ قارئین کرام! میں نے اصل عربی عبارت اس لئے لکھ دی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے قرآنی آیت کی تفسیر میں عربی جملہ ارشاد فرمایا ہے۔ اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ میرے حضورؐ کے جملے کو **''کتاب التفسیر''** میں لائے ہیں۔ ثابت میں یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اصل مقام اور محل جنت ہے اور جنتیں بھی بے شمار ہیں، پھر ان بے شمار جنتوں میں سب سے اعلیٰ و ارفع فردوس ہے، تو فردوس وہ جنت ہے جو اللہ تعالیٰ کی انتہائی رحمت کا مرکز ہے۔ جو یہاں پہنچ گیا وہ رحمتوں بھرے ایسے عظیم مقام پر پہنچ گیا کہ جس کی عظمت نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے، نہ کان نے سنی ہے اور نہ دل و دماغ میں اس کا تصور تک آیا ہے۔ (بخاری: 3244)

لوگو! رب تعالیٰ نے انسانیت پر ایک خاص فضل و کرم اور احسان فرمایا کہ انسانیت کو حضرت محمد کریمؐ جیسا عظیم رسول عطا فرمایا جن کو تمام جہانوں کے لئے **''رحمۃ للعالمین''** بنا کر بھیجا۔ یعنی پوری انسانیت کو اللہ کی رحمت کی عظیم قیام گاہ فردوس اور دیگر جنتوں کی صورت میں ملے گی تو حضرت محمد کریمؐ کے مبارک قدموں کے نقوش سے ملے گی۔

آپؐ ''ربیع الاول'' میں اس دنیا میں تشریف لائے۔ ''ربیع'' کا معنی بہار ہے۔ اول ساتھ شامل ہوا تو ربیع الاول کا مہینہ ''پہلی بہار'' کا مطلب دے گیا۔ میں کہتا ہوں، ہر رسول اور نبی جب کبھی بھی آیا تو بہار کا سماں لے



کر آیا مگر ''رحمۃ للعالمین'' رسول صرف ایک بار آیا لہٰذا رحمت اپنی انتہا کے ساتھ انسانیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ صرف اسی وقت آئی جب حضرت آمنہ کے آنگن میں حضرت محمد کریمؐ جیسا ننھا بچہ تشریف لایا۔ یہ پہلی بہار اس لحاظ سے بھی اولین ہے کہ حضورؐ نے واضح کر دیا کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب جناب آدمؑ جسم اور روح کی درمیانی حالت میں تھے۔ (مسند احمد: 20596) آمد مصطفیٰ کی بہار اس لحاظ سے بھی اولین بہار ہے کہ آپؐ نے فرما دیا! ''میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں۔'' (مسلم: 2278) یعنی اولین اور آخرین سردار حضرت محمدؐ ذیشان اور عالیشان ہیں۔ آپؐ تمام رسولوں اور نبیوں کے امام ہیں کہ معراج کی رات اپنی پہلی منزل مسجدِ اقصیٰ میں جب آپؐ تمام رسولوں اور نبیوں کے ساتھ موجود تھے تو حضرت جبریلؑ نے آپؐ کا ہاتھ مبارک پکڑا اور امامت کے مصلّے پر کھڑا کر دیا۔ یوں آپؐ ہی امام الانبیاء یعنی تمام رسولوں اور نبیوں کے لیڈر اور رہنما ہیں۔ الغرض! حضرت آدمؑ سے لیکر قیامت تک ساری انسانیت کے لئے میرے حضور کی ہستی ہی موسم بہار کا مرکز ہے۔ اگلی زندگی میں پوری انسانیت کے لئے شفاعت کریں گے تو حضرت محمد کریمؐ ہی کریں گے۔ رحمتوں کے مرکز کا دروازہ کھلوائیں گے تو حضرت محمد کریمؐ ہی کھلوائیں گے۔ جنت کا دروازہ کہ جس کی چوڑائی سو سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ حضورؐ وہاں تشریف لائیں گے تو دربان فرشتہ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے گا **''أنا محمدؐ''** میں محمد ہوں تو تب دربان یہ کہہ کر دروازہ کھولے گا کہ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ جناب محمد کریمؐ سے پہلے کسی کے لئے دروازہ نہیں کھلے گا، لہٰذا جنت کا دروازہ حشر کے میدان میں کھلے گا تو حضرت محمد کریمؐ کی تشریف آوری سے کھلے گا۔ آپؐ کا قدم مبارک اللہ کی رحمت کے مرکز میں داخل ہو کر افتتاح فرمائے گا۔ یوں **رحمۃ للعالمین** کے افتتاح کے بعد پوری انسانیت میں سے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہوگا وہ داخل ہوگا، یا رحمٰن! ہمیں حضور کا ساتھ نصیب فرما دینا۔ (آمین)

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا، میرے رسولؐ آگاہ کر دو، اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کے خواہشمند ہو تو میرے نقش پا پہ چلنا شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنا شروع کر دیں گے۔ (ال عمران: 31) جی ہاں! اللہ کی محبت میرے حضورؐ کے مبارک قدموں پہ چلنے سے مشروط ہے۔ یہ مل گئی تو رحمتوں کا مرکز یعنی فردوس مل گیا۔ لوگو! میرے حضورؐ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو (100) حصے بنائے۔ ان میں سے صرف ایک حصہ دنیا میں بھیجا۔ اس کی وجہ سے تمام جاندار آپس میں محبت کرتے ہیں حتیٰ کہ گھوڑی اپنے بچے پر آیا ہوا اپنا پاؤں (جلد کے ساتھ چھوتے ہی) اوپر اٹھا لیتی ہے تو اس حصۂ رحمت کی وجہ سے اٹھاتی ہے جو دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ یاد رکھو! باقی ننانوے حصے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تقسیم فرما دیں گے۔ (مسلم: 2752)۔ جی ہاں! وہ ننانویں حصے تقسیم ہوں گے تو **رحمۃ للعالمین** کے ذریعے تقسیم ہوتے نظر آتے ہیں۔ آپؐ کی شفاعت تمام انبیاء کی امتوں کے لئے ہے۔ تمام رسولوں کی قوموں کے لئے ہے۔ آپؐ کا مقام ''مقامِ محمودؐ'' ہے۔ میں کہتا ہوں، آج یورپ و امریکہ جاپان و چین نے جو ترقی کی ہے۔ فلاحی سٹیٹ اپنے آپ کو بنایا ہے وہ اس وجہ سے بنایا ہے کہ انہوں نے انسانیت کو اس کے حقوق دیئے ہیں۔ انسانیت کو محبت دی ہے، استاد کو قدر دی ہے، معذوروں کا خیال کیا ہے، بوڑھوں کو مقام دیا ہے، بچوں کی فلاح کا اہتمام کیا ہے، تعلیم پر سرمائے کا بے دریغ استعمال کیا ہے، میرٹ کے بھرم کا قیام کیا ہے، بے لاگ عدل کو قائم اور انصاف کو بالا و بالام کیا ہے، ظلم کا اختتام کیا ہے۔ جی ہاں! یہ سب کچھ ان لوگوں نے ہمارے حضورؐ عالیشان رحمتوں بھرے سیاسی نظام سے لیا ہے۔ آپؐ کے ساتھیوں ابوبکرؓ و عمرؓ سے لیا ہے۔ محترم عمران خان وزیراعظم پاکستان! آپ **رحمۃ للعالمین** کانفرنس کر رہے ہیں۔ یہ عمل مبارک ہو، ربیع الاول میں بہار کا جھونکا ہے مگر موسم بہار تو عملی طور پر دیکھنے میں اسی وقت آئے گا جب پاکستان کی ریاست ''مدینہ کی ریاست'' بنے گی۔ کیسے کردار سے بنے گی۔ آئندہ کے چند کالموں میں اسی پر خامہ فرسائی کرنے کی کوشش کروں گا۔ خواہش صرف اپنے اللہ سے وابستہ ہے اور وہ حضورؐ کے اس پاکیزہ وفد میں شرکت کی تمنا ہے جو جنت کے افتتاح میں شامل ہوگا۔

گورونانک اور رائے بلار

ننکانہ کا پرانا تاریخی نام ''تلونڈی'' تھا۔ اصل تلونڈی وہ ہے جہاں صدیوں سے ڈھولر نامی قبرستان ہے۔ گورونانک کے زمانے میں بھی یہاں قبرستان تھا اور آج بھی قبرستان ہے۔ میرے کچھ عزیزوں کی قبریں بھی اسی قبرستان میں ہیں۔ ایک بار میں اپنے والد محترم مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ کے ہمراہ مذکورہ قبرستان میں تھا تو والد محترم مجھے قبرستان کی چوٹی پر لے گئے۔ قبرستان ایک چھوٹے پہاڑ کی مانند ہے۔ وہاں والد صاحب نے مجھے بتلایا کہ یہ قبر رائے بلار بھٹی کی ہے۔ بلار صاحب بابا گورونانک کے دوست تھے اور مسلمان تھے۔ تب تک گورونانک ایک مذہبی بزرگ کی حیثیت سے معروف ہو چکے تھے۔ وہ ہندوؤں کی جنجوا اور حکمرانی کرنے والی قوم کھشتری میں مہتا کلیان کے گھر پیدا ہوئے تھے۔ ان کے دوستانے مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ ہندو مذہب کی بت پرستی اور ذات پات کی اونچ نیچ سے انہیں نفرت ہو چکی تھی۔ رائے بلار بھٹی بھی مسلمان تھے۔ انہوں نے جب گورونانک میں بت پرستی سے نفرت دیکھی، توحید کی باتوں کو ملاحظہ کیا تو اپنی جاگیر میں سے ساڑھے سات سو مربع زمین بابا گورونانک کے نام کر دی۔ اسی زمین کی آمدن سے پچھلے ساڑھے پانچ سو سالوں سے گورودواروں کی دیکھ بھال پر اخراجات کا نظام چلتا آ رہا ہے۔ رائے ریاض احمد بھٹی جو رائے بلار کی اولاد سے ہیں، محکمہ انکم ٹیکس میں آفیسر ہیں، میرے دوست اور کلاس فیلو ہیں، ہم دونوں نے چھٹی سے لیکر دسویں تک گورنمنٹ گورونانک ہائی سکول سے تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ مجھے کبھی کبھار کہا کرتے تھے، ہمارے باپ رائے بلار نے گورونانک کو اتنی بڑی جاگیر دے دی اور اپنی اولاد کو محروم کر دیا۔ الغرض! مذکورہ بات رائے ریاض بھٹی ازراہِ تفنن کیا کرتے تھے۔

قارئین کرام! میں دس دسمبر 2018ء کی سہ پہر گورودوارہ کرتارپور صاحب میں تھا۔ عرفان مہیس میرے ساتھ تھے۔ گورودوارے کے انچارج اور گیانی گوبند سنگھ نے ہماری آؤ بھگت اور سیوا کی۔ میں نے گیانی صاحب سے پوچھا کہ باباجی نے کرتارپور میں ڈیرہ لگایا، وہ کھیتی باڑی کیا کرتے تھے، دریائے راوی سے پار انہوں نے اپنا ڈیرہ بنایا تھا۔ یہ ڈیرہ اب انڈیا میں ہے۔ اسے ''ڈیرہ بابانانک'' کہا جاتا ہے۔ مذکورہ زرعی زمین کتنی تھی اور باباجی کو کس نے دی تھی۔ کہنے لگے، باباجی کی بزرگی کو دیکھ کر دو ہندوؤں نے باباجی کو زمین دی۔ یہ ہندو اجیتا رندھاوا اور دونی چند تھے۔ جو زمین انہوں نے دی اس کا رقبہ 104 ایکڑ ہے۔ میرے دوست رائے ریاض بھٹی کی پریشانی اور حسرت اپنی جگہ پر مگر فرق کس قدر ہے کہ دو ہندو جاگیرداروں نے مل کر باباجی کو جو زمین دی وہ چار مربع ہے اور اکیلے مسلمان جاگیردار نے جو زمین باباجی کو دی وہ ساڑھے سات سو مربع ہے۔ ماسٹر تارا سنگھ اگر صرف اسی بات پر غور کر لیتا تو میرے باباجی قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ کی بات کو رد نہ کرتا اور آج سکھ قوم کے پاس پورے پنجاب میں مذہبی اور معاشرتی زندگی کی آزادی ہوتی۔

بہرحال! وہ وقت گزر گیا، اب پھر سکھوں کو سینے سے لگایا ہے تو پاک فوج کے سربراہ جناب جنرل قمر جاوید باجوہ نے لگایا ہے۔ نوجوت سنگھ سدھو کو سینے سے لگایا۔ کرتارپور کی راہداری کو کھولا۔ اب وہاں بہت بڑا کمپلیکس اور انڈیا کے ڈیرہ بابانانک تک روڈ بن رہا ہے۔ یہ راہداری امن کی راہداری ہے۔ متعصب لوگوں نے نوجوت سنگھ کے سر



کی قیمت لگا دی ہے۔ یعنی ایک جانب سینے سے لگایا جا رہا ہے دوسری جانب دہشت گردی کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ مودی حکومت دہشت گردی کے اعلان پر خاموش ہے۔

اب میں کرتارپور کے گورودوارے میں داخل ہوا۔ آج میرا مقصد صرف اس قدر تھا کہ باباجی کے وہ سلوگن جو گورودوارے کے اندر اور باہر بورڈوں کی صورت میں آویزاں کئے گئے ہیں، میں وہ قارئین کی خدمت میں پیش کروں اور دنیا بھر کی سکھ برادری کو یہ باور کراؤں کہ باباجی گورونانک نے نظریات لئے تو حضرت محمد کریمؐ کی تعلیمات سے لئے اور انہیں زمین ملی تو وہ بھی میرے حضورؐ کا کلمہ پڑھنے والے سے ملی اور سینے سے لگا کر جپھی ملی تو میرے حضورؐ کے ایک غلام۔۔۔۔ جو حرمتِ رسولؐ اور ختم نبوت کا علمبردار ہے سے ملی۔ میری مراد! جنرل قمر جاوید باجوہ ہے۔ ان سے جپھی ملی، محبت ملی، امن کی راہداری ملی۔ کرتارپور کے درشن کی دیداری اور چابی ملی۔

یہ وہ حقائق ہیں کہ ان کو سامنے رکھتے جاؤ، ہندو بنیے کی تنگدلی اور سنگدلی دیکھتے جاؤ جبکہ میرے رسولؐ مہربان و عالیشان کے پیروکاروں کی وسعتِ ظرفی اور سینے کی کشادگی دیکھتے جاؤ۔

سکھوں کی آخری گوروان کی مذہبی کتاب ہے جسے گورو گرنتھ صاحب کہا جاتا ہے۔ باباجی نانک نے پاکپتن کے بابا فرید رحمۃ اللہ کے اشعار کو بھی اپنے گرنتھ صاحب کا حصہ بنایا ہے۔ بابا نانک توحید کے کیسے علمبردار تھے۔ میرے والد محترم مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ باباجی نانک کا ایک شعر سنایا کرتے تھے!

دادو! دنیا باوری
تے مڑیاں پوجن اوت
جیڑے موت دے مارے مرگئے
تنیوں کتھوں دیون گے پوت

باباجی گورونانک کا دوست دادو تھا۔ اسے مخاطب کر کے کہا، دنیا کے وہ لوگ باوری (پاگل) ہیں جو ہندو سادھوؤں کی لاشوں کی ڈھیریاں یعنی مڑیاں پوجتے ہیں۔ یہ ایسے بے وقوف ہیں کہ ان کو اتنی خبر نہیں کہ ان کو موت آئی وہ مر گئے۔ اب تجھے بیٹا کیا اور کہاں سے دیں گے۔۔۔۔۔ جی ہاں! کرتارپور کے گورودوارے میں ایک سلوگن اس طرح سے تھا۔ '' وہ اپنے آپ سے ہے اور یکتا ہے۔'' یعنی نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس سے پیدا ہوا اور وہ یکتا یعنی اکیلا اور واحد ہے۔ سورۃ اخلاص کی یہی تعلیم ہے اور وہیں سے یہ خوشبو لی گئی ہے۔ دوسرا سلوگن یوں ہے '' صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرو'' تیسرا سلوگن ہے ''اللہ تعالیٰ سے بڑا اور کوئی نہیں''، جی ہاں! اللہ اکبر کی مہک آ رہی ہے۔ اگلا سلوگن یوں ہے '' جس پروردگار نے پیدا کیا، اس کی بندگی کرو'' سورۃ البقرہ میں ہے، اے انسانو! اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے۔ پانچواں سلوگن اس طرح سے ہے '' اللہ تعالیٰ بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے اے نانک''، قرآن میں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسولؐ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں، کہہ دو! اے اللہ بادشاہوں کے بادشاہ جس کو چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ چھٹا سلوگن میں نے یوں دیکھا '' اللہ تعالیٰ ہر کسی کے دل کی بات جانتا ہے'' ساتواں یوں ہے '' اللہ تعالیٰ کے ذکر کے برابر اور کوئی چیز نہیں۔'' قرآن بتاتا ہے '' وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ'' (العنکبوت: 45) حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا ذکر ہی سب سے بڑی شے ہے۔ قارئین کرام! کالم کی تنگ دامانی حائل ہو گئی ہے ورنہ میں سلوگن لکھتا جاتا اور آپ لوگ دیکھتے چلے جاتے کہ بابا گورونانک مسلمان صوفیا اور بزرگوں کے پاس بیٹھ کے میرے حضورؐ کے خادموں اور غلاموں کے خوشہ چین بنتے چلے گئے۔ پھر میں کیوں نا سکھ دوستوں سے کہوں! یارو۔۔۔۔۔ توحیدی نظریات میں بھی تم ہمارے ساجھے دار، زمینداری یعنی دنیاداری میں بھی ہم تمہارے طرفدار اور اب پھر ہم ہی ہیں امن کے علمبردار۔

ابنِ نون نبیؑ اور کب کشمیر کی آزادی؟

حضرت ابوہریرہؓ بتاتے ہیں کہ حضرت محمد کریمؐ نے فرمایا! نبیوں میں سے ایک نبیؑ نے جہاد کیا۔ انہوں نے اپنی عوام سے کہا، وہ شخص میرے ہمراہ جہاد کو نہ جائے جس نے کسی عورت سے نکاح تو کرلیا ہو مگر رخصتی نہ کی ہو جبکہ وہ اپنی منکوحہ کی رخصتی کا خواہشمند ہو۔ ایسا شخص بھی میرے ساتھ نہ جائے جو گھر کی تعمیر کررہا ہو مگر اس نے چھت نہ ڈالی ہو۔ ایسا شخص بھی ہمارے لشکر میں شامل نہ ہو جس نے حاملہ بکریاں اور اونٹنیاں خرید رکھی ہوں اور وہ منتظر ہو کہ یہ بچے دینے والی ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ نبی جہاد کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ اپنی جہادی مہم میں ایک شہر (یروشلم، القدس) کو فتح کرنے کے لئے جب اس کے قریب پہنچے تو عصر کا وقت ہونے کو تھا یا ہو چکا تھا انہوں نے سورج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، تم بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہو اور میں بھی اسی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے عرض کی، اے اللہ کریم! اس سورج کو ہم پر غروب ہونے سے روک دیں چنانچہ جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح نہ عطا فرمائی سورج کو روکے رکھا۔ (صحیح بخاری:3124)۔ یاد رہے! مذکورہ حدیث ''مسند امام احمد بن حنبل:2\325'' میں بھی صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے۔ وہاں حضور نبی کریمؐ کے الفاظ مبارک اس طرح ہیں کہ ''سوائے حضرت یوشعؑ علیہ السلام کے سورج کو کسی انسان کی گزارش پر نہیں روکا گیا جو کہ القدس (یروشلم) کو فتح کرنے کی مہم پر نکلے تھے۔'' قارئین کرام! بائبل میں حضرت یوشع بن نون کو یشوع بن نون کہا گیا ہے۔ ان کے نام سے بائبل میں چیپٹر بھی ہے۔ میں نے وہ کھولا تو آیت نمبر 12 تا 15 میں یوں لکھا ہوا ہے ''یشوع نے خداوند کے حضور بنی اسرائیل کے سامنے یہ کہا، اے سورج! تو جبعون (پہاڑ پر) ٹھہرہ، چنانچہ سورج آسمان کے بیچوں بیچ (درمیان میں) ٹھہرا رہا اور تقریباً سارے (بقیہ) دن ڈوبنے میں جلدی نہ کی۔ اور ایسا دن نہ کبھی اس سے پہلے ہوا اور نہ اس کے بعد جس میں خداوند نے کسی آدمی کی بات سنی ہو۔''

ثابت ہوا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ایسے حکمران اور چیف کمانڈر تھے جنہوں نے انسانی ضروریات اور مجبوریوں کو پیش نظر رکھا اور تین قسم کے مجبور انسانوں کو اپنے ہمراہ لشکر میں نہ لیا۔ پہلا وہ شخص ہے جو اپنی منکوحہ بیوی کو گھر لانے کی تیاری کررہا ہے، دوسرا وہ ہے جو گھر کی چھت نہیں ڈال سکا۔ لامحالہ دونوں کا دھیان پیچھے رہے گا۔ ایک منکوحہ کا سوچ کر بے چین رہے گا تو دوسرا اپنے بیوی بچوں کا سوچتا رہے گا کہ وہ چھت کے بغیر نہ جانے کیسے گزر بسر کررہے ہیں۔ تیسرا وہ شخص ہے کہ جس کی اونٹنیاں اور بکریاں بچے جننے کے قریب ہیں۔ یہ بھی سوچ فکر میں رہے گا کہ اس پر اس کے معاش کا انحصار ہے۔ یہ ساری باتیں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے رحم و کرم اور نرمی کو واضح کرتی ہیں۔ جی ہاں! جو حکمران اپنی قوم اور قوم سے بنی ہوئی فوج پر مہربان ہوتا ہے، ان کے انسانی حقوق کا احترام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا پر سورج کو بھی روک دیتا ہے۔ ٹائم اور وقت کو بریک لگا دیتا ہے۔ (سبحان اللہ)

قارئین کرام! بنو اسرائیل جب فرعون کی غلامی سے نکل کر صحرائے سینا کی وادیوں میں آئے تھے تو ان کی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی اس سرزمین میں جا کر آباد ہوں جو سب کے سب نبی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کہ جن کی قبریں بھی سرزمین فلسطین میں تھیں۔ ایک حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر مصر میں تھی مگر وہ وصیت فرما گئے تھے کہ بنو اسرائیل جب مصر کو چھوڑیں اور یہاں سے جائیں تو ان کے جسد کو بھی اپنے ساتھ لے



جائیں۔ حضرت محمد کریمؐ نے پوری تفصیل کے ساتھ آگاہ فرمایا کہ بنو اسرائیل کس طرح حضرت یوسفؑ کے جسم مبارک کو مصر سے جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔'' (سلسلہ صحیحہ للالبانی) بائبل میں یوں لکھا ہے ''اور انہوں نے یوسف (علیہ السلام) کی ہڈیوں کو (جسم مبارک) کہ جس کو بنی اسرائیل مصر سے لے آئے تھے۔ سکم میں اس زمین کے قطعہ (ٹکڑے) میں دفن کیا جسے یعقوب (علیہ السلام) نے سکم کے باپ حمور کے بیٹوں سے چاندی کے 100 سکوں میں خریدا تھا اور وہ زمین بنی یوسف کی میراث ٹھہری (یشوع:33)۔ یعنی جو بات بائبل میں ہے حضرت محمد کریمؐ کے فرمان سے اس کی تصدیق ہو گئی۔

جی ہاں! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنو اسرائیل سے کہا کہ آباؤ اجداد کی زمین مل جائے گی مگر جہاد کرنا پڑے گا اور پھر حکم دیا کہ جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس پر وہ تیار نہ ہوئے۔ قرآن میں بنو اسرائیل کا جواب موجود ہے ''اے موسیٰ تم جاؤ اور تمہارا رب بھی جائے، دونوں مل کر جہاد کرو، ہم تو یہاں (سینا) میں بیٹھے ہیں۔'' اس جواب پر اللہ کی ناراضی کا اظہار یوں ہوا کہ چالیس سال تک کے لئے بنو اسرائیل مذکورہ زمین میں نہ جا سکے۔ من و سلویٰ کھاتے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی تربیت کرتے رہے۔ اتنے عرصے میں بنو اسرائیل کے وہ سارے لوگ فوت ہو گئے جو مصر سے آئے تھے۔ ان لوگوں کی اولاد تربیت پا کر مومن، مجاہد اور بہادر بن گئی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے تیار کردہ لوگوں کے ساتھ القدس کو فتح کرنے کے لئے تیار تھے کہ موت کا فرشتہ جان لینے آ گیا۔ صحیح بخاری میں اس موقع پر حضرت محمد کریمؐ کا فرمان موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موت کے فرشتے کو مکا مارا وہ انسانی صورت میں آیا تھا۔ اس کی آنکھ پھوٹ گئی۔ وہ اللہ کریم کے پاس گیا۔ اپنا حال بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ درست فرمائی اور واپس بھیجا کہ میرے موسیٰ علیہ السلام سے کہو، بیل کی کمر پر ہاتھ پھیر دو جتنے بال نیچے آئیں اتنے سال زندہ رہ لو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا پھر؟ فرشتے نے کہا پھر میں آ جاؤں گا۔ فرمایا ابھی لے چلو تیار ہوں۔ قارئین کرام! مجھے تو یوں سمجھ آئی ہے کہ اللہ کے جلیل القدر رسول زندگی کی خواہش کررہے تھے تو اس لئے کررہے تھے کہ چالیس سالہ محنت کا پھل بیت المقدس کی فتح کی صورت میں دیکھ لیں مگر پھر اپنے اللہ کی رضا کو مقدم رکھا۔ اپنے خادم یوشع بن نون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا اور خود اپنے اللہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ اب یروشلم اور فلسطین فتح ہوا تو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہاتھ سے۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر سورۃ نصر نازل ہوئی تو صحیح بخاری میں ہے حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس سورت سے ہم یہی سمجھے کہ اللہ کے رسول کا کام مکمل ہو گیا۔ اب آپؐ اپنے رب کریم کے پاس جائیں گے چنانچہ دو سال بعد اللہ تعالیٰ نے بلا لیا اور حضورؐ نے قیصر و کسریٰ کی فتح کی جو پیشگوئیاں فرمائی تھیں وہ حضرت عمرؓ کے ہاتھوں پوری ہوئیں۔ یعنی کس سے کس قدر کام لینا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں۔

کشمیر کی آزادی کے لئے اہل کشمیر نے بے پناہ قربانیاں دی ہیں، اہل کشمیر ایسے پرعزم ہیں کہ 1932ء میں جب پورے برصغیر پر انگریز کا راج تھا۔ کشمیر میں ظالم ڈوگرہ راج تھا۔ اذان پر راجہ نے پابندی لگا دی تو بائیس کشمیریوں نے شہادتیں پیش کر کے اذان کو مکمل کیا تھا۔ آج تو حالات بدل چکے ہیں۔ پوری کشمیری قوم ایمان کی طاقت سے بھرپور اک بہادر سپاہ بن چکی ہے۔ پوری پاکستانی قوم ان کی پشت پر کھڑی ہے۔ پاکستان مضبوط سے مضبوط تر ہو رہا ہے۔ امریکہ افغانستان میں آیا تھا تو جنرل حمید گل رحمہ اللہ نے فرمایا تھا، نائین الیون بہانہ، افغانستان ٹھکانہ اور پاکستان نشانہ...... الحمدللہ! آج پاک فوج کی قربانیوں اور پاک وطن کے باسیوں کی قربانیوں سے پاک فوج مضبوط ہو چکی ہے۔ میں نے کئی بار لکھا کہ عراق، یمن، شام، لیبیا اور افغانستان کے پاس مضبوط فوج نہ تھی، وہاں کے ملک خون میں نہا گئے۔ ہمارے ساتھ اغیار کے پروگرام ان سے بھی برے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاک فوج کے ڈیفنس کی نعمت سے نواز رکھا تھا چنانچہ نشانہ بنانے والے افغانستان میں خود نشانہ بن گئے۔ آیئے! اے اہل وطن، اسی جذبے سے مل کر چلیں ان شاء اللہ کشمیر بھی آزاد ہو گا۔ کس کے ہاتھوں سے ہو گا یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے مگر آزاد ضرور ہو گا۔ اک ذرا صبر کہ جبر کے دن تھوڑے ہیں۔

پاکستان زندہ باد

پاک فوج پائندہ باد

حادثہ ساہیوال اور انصاف کا انتظار

کراچی میں بری حکمرانی سالہا سال اپنے ہی لوگوں کو قتل کرتی رہی۔ بوریوں میں لاشوں کے ٹکڑے کر کے کچرے پر پھینکتی رہی۔ لاہور میں ایسی ہی ایک بری حکمرانی ماورائے عدالت قتل کرتی رہی۔ اسی قتل کا سلسلہ چلتے چلتے اب ساہیوال میں رونما ہونے والے انتہائی خوفناک واقعہ تک جا پہنچا ہے۔ محترم وزیراعظم پاکستان جناب عمران خان صاحب نے مذکورہ واقعہ کے بارے میں قوم کو یقین دلایا ہے کہ مجرموں کو عبرتناک سزا دی جائے گی۔ مذکورہ واقعہ بدترین سیاسی حکمرانی کی ایک مثال ہے۔ لیکن یہ پچھلی حکمرانیوں کی حکمرانی کا تسلسل ہے۔ موجودہ حکومت تحریک انصاف کی حکومت ہے وہ بدتر حکمرانی میں تبدیلی کا نعرہ لے کر حکومت میں آئی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں اب پولیس اور عدلیہ کے پورے سسٹم میں تبدیلی آنی چاہئے۔ یہ تبدیلی آ گئی تو محترم عمران خان صاحب کی حکمرانی مبارک بھی ہو گی اور ریاست مدینہ کی یاد کو بھی تازہ کرے گی (ان شاء اللہ) جب آرمی پبلک سکول پر خارجی اور تکفیری عناصر نے حملہ کیا تھا، معصوم بچوں اور خواتین و مرد اساتذہ کو شہید کیا تھا تو تب جنرل (ر) راحیل شریف آرمی چیف تھے۔ انہوں نے شدید ترین ایکشن لیا۔ دہشت گردوں کو سزائیں ملیں۔ موجودہ آرمی چیف جناب محترم جنرل قمر جاوید باجوہ صاحب کے زمانے میں "ردّ الفساد" کے عنوان سے یہ سلسلہ جاری رہا اور آج الحمدللہ پاکستان ایک پرامن ملک ہے۔ ہم سمجھتے ہیں بری حکمرانی جس میں ریاست کے لوگ ہی نچلی سطح پر ظلم کر جاتے ہیں، ان کو سزائیں ملنی چاہئیں اور شدید ترین سزائیں ملیں۔ اس لئے کہ ان کے کردار سے پوری ریاست بدنام ہوتی ہے جیسا کہ وزیر مملکت برائے داخلہ شہریار آفریدی نے قاتلوں کو عبرتناک مثال بنانے کا اعلان کیا، ایسا ہونے سے یقیناً آئندہ پاکستان جیسی ریاست بدنام نہ ہو گی بلکہ نیک نام ہو گی کہ جسے پاک فوج کے سات ہزار نوجوانوں نے بے پناہ قربانیوں کے ذریعے قوم کو امن دیا ہے۔ پولیس میں بھی اچھے لوگوں نے قربانیاں دے کر اپنا حصہ ڈالا ہے مگر پاکستان جیسے محبوب وطن کو بدنام بھی پولیس میں موجود کالی بھیڑوں نے ہی کیا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ پولیس کو ایسے عناصر سے پاک صاف کر دیا جائے جو عدلیہ کے فرائض بھی بطور خود ہی ادا کر دیتے ہیں اور جلاد بن کر سرعام فوراً سزا بھی دے دیتے ہیں۔ لامحالہ ایسے کردار سے ایسے لوگ کانوں سے بہرے اور آنکھوں سے اندھے ہو جاتے ہیں۔

حضرت محمد کریمؐ نے حج کے موقع پر ڈیڑھ لاکھ کے قریب حاجیوں کو ایک مسلمان کی جان کا سبق کچھ اس طرح یاد کروایا تھا کہ جس طرح مکہ حرمت



والا شہر ہے اسی طرح ہر مسلمان کی جان حرمت والی ہے۔ جس طرح قربانی کا دن محترم ہے اسی طرح ہر مسلمان کی جان محترم ہے۔ جس طرح حج کا مہینہ عزت و آبرو والا ہے اسی طرح ہر مسلمان کی جان کی عزت و آبرو ہے۔ (بخاری: 67)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضورﷺ کو طواف کرتے ہوئے دیکھا اللہ کے رسولؐ نے کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا اے کعبہ! تو کس قدر شاندار ہے، تیری خوشبو کس قدر پیاری ہے، تیرا مرتبہ کتنا عظیم ہے، تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدﷺ کی جان ہے۔ مومن کے مال و جان کی حرمت اللہ کے ہاں تیری حرمت سے زیادہ ہے۔ (صحیح ابن ماجہ 3932، صحیح)

حضرت عمرؓ جو ریاستِ مدینہ کے دوسرے نامور حکمران تھے، انہوں نے فرمایا تھا، اگر فرات کے کنارے بکری بھی ماری گئی تو عمر سے اللہ کے ہاں پوچھا جائیگا۔ آج اسلام آباد سے ساہیوال چھ گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ فون کے ذریعے یہ کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ وہاں اتنا بڑا ظلم ہو گیا، امید ہے اس ظلم کے بعد تحریک انصاف کی سول حکمرانی پاکستان کو تبدیل کر دے گی، بالکل اسی طرح جس طرح پاک فوج نے دہشت گردوں سے پاکستان کو تبدیل کر کے پاک وطن بنا دیا۔

میرے پیارے ملک پاکستان میں پراسیکیوشن کا نظام انتہائی ناقص ہے۔ ایف آئی آر کے اندراج سے ہی جھوٹ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جھوٹے گواہ ڈالے جاتے ہیں۔ سچے گواہ جان کے ڈر سے بھاگتے ہیں۔ عدالت میں وکیل حضرات کی اکثریت مقدمے کو لمبا کرتی ہے۔ جج حضرات بھی تاریخوں پر تاریخیں ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ مظلوم فریق بھی بے پناہ پیسہ خرچ کر کے کئی سالوں کے بعد فیصلے کی دہلیز پر فیصلہ سننے کے دن کو سامنے پاتا ہے۔ یہ ظلم نہیں تو کیا ہے؟ موجودہ چیف جسٹس جناب آصف سعید کھوسہ صاحب نیک نام چیف جسٹس ہیں، ان کے بیانات بھی بڑے اچھے آئے ہیں۔ انہوں نے پارلیمنٹ کے بارے میں حکمرانوں سے کہا ہے کہ وہ قانون سازی کریں تاکہ عدالتی نظام کو جلد انصاف کے جدید تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔ آخر پر وزیراعظم پاکستان جناب محترم عمران خان صاحب کے سامنے حضرت محمد کریم کا وہ فرمان پیش کرنے جا رہا ہوں کہ جب قریش خاندان کی ایک عورت کی سفارش سامنے آئی تھی۔ حضورؐ نے واضح کیا کہ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک اور برباد ہو گئے کہ ان میں جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور آدمی چوری کر لیتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اس اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمدﷺ کی جان ہے یہ تو بنو مخزوم کی فاطمہ ہے اگر محمدﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی اس کی جگہ ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ (بخاری: 4303)

جی ہاں! یہ ہے مدینہ کی ریاست کی مثال کہ جس میں مؤثر لوگ چاہے ان کا تعلق پولیس جیسے محکمہ سے ہو مگر عدل میں رتی بھر فرق نہیں پڑے گا۔ آج قوم اسی بات کا تقاضا کر رہی ہے کہ ملک میں قانون کی حکمرانی کا قانون طے پا جائے تاکہ ریاستی عملداری میں پولیس کو دیکھ کر، ہر شہری اور ہر بچے اور عورت کو تحفظ کا احساس ہو نا کہ جان جانے کا خوف ہو۔

سیرت کی کلیاں اور گلاب

آبگینے

بشریٰ امیر
FACEBOOK.COM/BUSHRA.AMEER777
BUSHRAAMEER7@YAHOO.COM

ربیع الاول کا چاند طلوع ہوا۔ نئے ہلال کو دیکھا تو وہی مسنون دعا پڑھی جو رسول اکرمؐ رحمۃ للعالمین نے سکھلائی۔ "اللھم اھلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی و ربک اللہ"۔ ترجمہ: "اے اللہ اس چاند کو ہمارے لیے امن و ایمان سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع کر۔ میرا رب اور تیرا رب اللہ ہے"۔

ربیع الاول کا مہینہ وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں اللہ کے حبیبؐ اس دنیا میں تشریف لائے بھی اور اللہ کا پیغام پہنچا کر اسی مہینے میں رفیق الاعلیٰ نے انہیں اپنے پاس بھی بلا لیا۔ آپ کا آنا بھی رحمت اور جانا بھی رحمت و برکت لٹا کر گیا۔ آپؐ کے سیرت کے موتی ہم آج بھی چن رہے ہیں۔ قیامت تک چنتے رہیں گے اپنی زندگیوں کو سیرت مصطفیؐ سے سجاتے اور سنوارتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ ابھی ان دنوں میرے تین پروگرام ہوئے جن میں میں نے شان مصطفیؐ اور سیرت رسولؐ بیان کی، کچھ حصہ آپ کی نذر۔

میرے پیارے نبی مکرمؐ ابھی دنیا میں تشریف نہیں لائے، والدہ ماجدہ آمنہ کے بطن مبارک میں ہیں کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ میرے جسم سے ایک نور نکلا ہے جس سے قیصر و کسریٰ کے کنگرے روشن ہو گئے۔ نبی کریمؐ کی پیدائش مکہ میں ہوئی۔ شرفائے عرب میں دستور یہ تھا کہ بچوں کو ماں کے پاس نہ رکھتے تھے بلکہ اکثر پرورش اور فصیح زبان سکھانے کے لیے دوسری عورتوں کو دے دیتے تھے اور عموماً قرب و جوار کے قبائلی دیہات کا چناؤ کیا جاتا۔ بچے دیہات کی کھلی آب و ہوا میں پرورش پاتے اور پھر چند برس بعد ان کے والدین انہیں واپس لے جاتے۔ یہ رواج اس قدر مستحکم تھا کہ تھوڑے تھوڑے عرصے بعد دیہات کی غریب عورتیں خود ہی شہر میں آتیں اور جو بچے اس مدت میں پیدا ہوتے انہیں لے جاتیں۔ جب محمد کریمؐ اس دنیا میں تشریف لائے سات دن تو اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد حضرت ثویبہؓ نے دودھ پلایا، پھر قبیلہ بنی سعد کی چند عورتیں بچے لینے مکہ آئیں تو ان میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ سب عورتوں نے مالدار گھرانوں سے بچے لے لیے۔ حلیمہ سعدیہ کی قسمت میں یتیم بچہ آیا، خاوند کے مشورے سے کہ یہ سردار قریش عبدالمطلب کا پوتا ہے۔ باپ تو ہے نہیں البتہ دادا کی شرافت اور عالی نسبی اس بچہ کے طفیل ہمارے لیے بہتری کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ شوہر نے کہا کوئی حرج نہیں۔ یہ بچہ لے لو۔ انہیں کوئی خبر نہ تھی کہ قسمت ان کی جھولی میں کون سی عظیم ہستی ڈالنے والی ہے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ بچہ دین و دنیا کا سردار ہے اور اسے دودھ پلا کر وہ ابدی سعادت و عظمت حاصل کرنے والی ہیں۔ ان دنوں عرب میں قحط کا عالم تھا۔ خشک سالی کی وجہ سے جانوروں کے تھنوں میں دودھ سوکھ گیا تھا۔ خود عورتوں کو بھی دودھ نہیں آتا تھا۔ بچے بھوک سے بلبلاتے تھے۔ حضرت حلیمہؓ کی گود میں بھی ایک شیر خوار بچہ تھا جو بھوکا پیاسا رہتا۔ حضرت حلیمہؓ بیان کرتی ہیں جس دن میں نے سرورؐ کائنات کو گود میں لیا۔ ہماری حالت یکسر بدل گئی میری خشک چھاتیوں میں دودھ اتر آیا اور ہماری اونٹنی کے تھن بھی دودھ سے بھر گئے۔ سب نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ ہم جب مکہ سے چلنے لگے تو ہمارے قافلے میں ایک مریل سا گدھا بھی تھا جو پیچھے رہ جاتا۔ وہ اتنا تیز رفتار ہو گیا کہ سارے قافلے سے آگے چلنے لگا۔ قافلے کے دوسرے سب لوگ بار بار یہی کہہ رہے تھے کہ یہ بچہ بہت برکت والا ہے۔ حلیمہ خوش قسمت ہے کہ ایسا سعادت مند بچہ اسے مل گیا۔ گاؤں کے دوسرے جانوروں کا دودھ بدستور خشک تھا۔ اور لوگ ہماری حالت پر رشک کر رہے تھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔ دس نی حلیمہ:

کیوں اپنی تیز ڈاچی نوں وڑائی جانی ایں۔ حلیمہ کہتی ہے۔

جیدھی کوئی نہیں مثال بے مثال لبھیا
مینوں آمنہ دی جھولی وچوں لال لبھیا
اس لال نوں میں سینے نال لائی جانی آں
تائیوں اپنی تیز ڈاچی نوں وڑائی جانی آں

حضرت محمد کریمؐ نے پانچ برس تک حضرت حلیمہ کے پاس پرورش پائی حتیٰ کہ واقعہ شق صدر پیش آیا۔ فرشتہ آیا سینہ چاک کیا اور علم و حکمت سے بھرا ہوا تھال سینہ میں ڈال کر اسے سی دیا۔ اس کے نشان بعد میں بھی دکھائی دیتے تھے۔ اس مبارک وجود کے ساتھ بہت معجزات ہوئے۔ کہیں انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ جس کی تصدیق امریکہ کی خلائی کمپنی ناسا آج بھی کرتی ہے کہ اس نے چاند کی جو تصویر لی ہے اس میں بھی چاند کے دو ٹکڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

سبحان اللہ! کیا معجزہ تھا رسول اللہ کا اللہ کے حکم سے۔ مکہ سے ہجرت کے وقت راستے میں اُم معبد کے خیمے کے سامنے جا کر یہ مقدس قافلہ رک گیا۔ ام معبد بہت مہمان نواز خاتون تھیں اور مسافروں کی خدمت تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتیں۔ کھجوریں، دودھ، پانی، گوشت جو کچھ میسر ہوتا پیش کر دیتیں۔ وہ خیمہ کے سامنے بیٹھی تھیں قافلے والوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس گوشت یا دودھ ہے۔ ہم معاوضہ دیں گے اور خرید لیں گے۔ ام معبد نے کہا۔ اللہ کی قسم اگر ہمارے پاس کوئی چیز ہوتی تو میں دے دیتی۔ آپ کی نظر خیمہ کے ایک کونے پر پڑی بکری دکھائی دی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ام معبد یہ بکری کیسی ہے۔ کہا یہ بکری کمزوری کی وجہ سے ریوڑ سے پیچھے رہ گئی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: کیا اس میں کچھ دودھ ہے۔ انہوں نے کہا: یہ اس قابل نہیں کہ دودھ دے۔ آپؐ نے اجازت مانگی کہ میں اسے دودھ لوں۔

ام معبد نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان دودھ ہے تو دوھ لیں حضرت محمد کریمؐ نے بکری پر ہاتھ پھیرا، اللہ کا نام لیا، اس کی ٹانگوں کو کھولا اس کا دودھ دوہنے لگے، اس نے کثرت سے دودھ دیا۔ آپؐ نے خود بھی پیا ام معبد کو بھی پلایا اس کے برتن بھی بھر دیے۔ سب نے بھی باری باری پیا اور شکم سیر ہو گئے۔ ام معبد کا خاوند جب گھر آیا تو اس نے پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا گھر میں تو صرف ایک لاغر بکری تھی۔ جو دودھ نہیں دیتی تھی اور اس کے تھن سوکھ چکے ہیں۔

ام معبد نے جواب دیا ایک بہت ہی مبارک صاحب تشریف لائے تھے انہوں نے جونہی بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا تھن دودھ سے بھر گئے پھر انہوں نے دودھ دوہا سب کو پلایا جو باقی بچا چھوڑ کر چلے گئے۔

ابو معبد نے کہا ذرا اس مبارک ہستی کا حلیہ تو بیان کر۔ ام معبد نے اپنے شوہر کے سامنے رسول اکرمؐ کا اپنے مخصوص الفاظ میں جو حلیہ مبارک بیان کیا عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے۔

"کتاب: رحمۃ العالمین" میں قاضی سلیمان منصور پوری اور کتاب "الرحیق المختوم" میں مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری اور سیرت کے سچے موتی میں مولانا امیر حمزہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ خوبصورت الفاظ میں پیش کیا ہے۔ (اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد) عربی میں حلیہ کے اوصاف دیکھنے کے لیے (البدایۃ والنہایۃ: 16-29)

آپؐ کا سارا جسم مبارک ہی رحمت و برکت والا تھا۔ اللہ نے اپنے حبیبؐ کے لعاب میں بھی شفا و برکت رکھ دی تھی۔ غار ثور میں یار غار کی ران پر سر رکھ کر آپ آرام فرما رہے ہیں۔ غار کے سارے سوراخ بند کر دیے گئے ایک سوراخ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایڑی رکھ لی، سوراخ سے زہریلی شے نے کاٹ لیا تکلیف سے آنسو نکل آئے ایڑی نہ ہٹائی کہ پیارے رسول اور سفر کے ساتھی جاگ جائیں گے آنسو حضورؐ کے چہرہ مبارک پر گرے آنکھ کھل گئی۔ پوچھا پیارے صدیق کیا ہوا۔ ابوبکرؓ نے کہا کسی موذی نے ڈنگ مارا ہے۔ تکلیف بہت ہے۔ آپؐ نے لعاب مبارک لگایا اسی وقت درد ختم ہو گیا۔ ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ کو خیبر کے مقام پر بھیجا، تلوار دے کر کہا جا کر لڑو حضرت علیؓ کی آنکھیں خراب تھیں کہا میری آنکھیں خراب ہیں آپؐ نے لعاب لگایا۔ آنکھیں فوراً ٹھیک ہو گئیں۔ حضرت علیؓ روانہ ہو گئے۔

عبداللہ بن عتیک کو گستاخ رسول ابورافع کو قتل کرنے بھیجا اس کے قلعہ میں گئے اسے قتل کیا واپسی میں قلعہ کی دیوار سے باہر پھلانگے تو ٹانگ ٹوٹ گئی درد کی شدت سے ٹانگ گھسیٹتے ہوئے محمد عربیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا جس کام کے لیے آپؐ نے بھیجا تھا اس گستاخ کو تو میں جہنم واصل کر آیا۔ اب میری ٹانگ ٹوٹی ہے اور تکلیف بہت ہے۔ آپؐ نے عبداللہ بن عتیک کی ٹوٹی ہوئی ہڈی پر لعاب دہن لگایا۔ اسی وقت تکلیف ختم ہو گئی اور ہڈی بھی جڑ گئی۔

سبحان اللہ! کسی پنجابی شاعر نے کیا خوب کہا:

لعاب لگیا تے پیڑاں مکیاں نیں
جڑ گیاں ہڈیاں ٹٹیاں نیں
بھکھاں مکیاں نیں لشکر دیاں
واہ شاناں بدر منیر دیاں

صلح حدیبیہ کے موقع پر حدیبیہ کے مقام پر خشک کنواں، آپؐ نے وضو کیا کلی کر کے اس کنویں میں پھینک دی، پانی ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ 1400 صحابہ کرام اور ان کے جانوروں نے شکم سیر ہو کر پیا۔

تیس ہزار کا لشکر تبوک گیا۔ ادھر بھی لعاب مبارک ہی کا کمال تھا کہ کلی کر کے اس میں ڈالا تو ٹیوب ویل بن گیا۔ 30000 کا لشکر سیراب ہو گیا یہ معجزہ آج بھی تبوک میں ٹیوب ویلوں اور باغات کی صورت میں جاری ہے۔

آیئے! اپنے پیارے رسولؐ سے محبت بہت کریں ساتھ سیرت رسول کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں۔ یاد رکھیں! کہیں ایسا نہ ہو کہ بقول شاعر ہماری حالت ایسی ہو جائے کہ!

تیرے حسن خلق کی اک رمق میری زندگی میں نہ مل سکی
میں اسی میں خوش ہوں کہ شہر کے در و بام کو سجا لیا

اے اللہ کے بندو اور بندیو! سیرت رسولؐ سے اپنے اندر روشنی پیدا کرو۔ اللہ توفیق دے۔

چاندرات......حیا اور غیرت کا جنازہ

مسز ناصر ہاشمی

چاند نظر آ گیا! چاند نظر آ گیا! خوشی و مسرت سے لبریز مسلمان ایک دوسرے کو عید مبارک کہہ رہے تھے۔ کل عید ہے۔ آج چاند رات ہے۔ ابھی تو گھر والوں نے جی بھر کر شاپنگ بھی نہیں کی۔ ایک شخص بولا۔ اصل میں روزے رکھ کر کمزوری اور سستی محسوس ہونے لگتی ہے اور بازار کم ہی نکلا جاتا ہے۔ آج جی بھر کر شاپنگ کریں گے۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ دکانوں والے بھی پہلے پرانا سٹاک لگا لیتے ہیں۔ نیو ورائٹی تو اب آئے گی۔ ایک آنٹی نے شوشہ چھوڑا۔

چلو چلو...... بازار چلو اور ساری دنیا باہر نکل آئی۔ کچھ لوگ شاپنگ کرنے اور کچھ لوگ شوقیہ چاندرات منانے۔

یہ شہر کا ایک بارونق اور مشہور بازار ہے۔ رش کی انتہا ہو چکی ہے۔ ہر طرف دھکم پیل ہے۔ کھوے سے کھوا چھل رہا ہے۔ مرد و زن کی تفریق ختم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ آیئے چاند رات میں اس بازار حسن کا تھوڑا سا نظارہ کریں۔

جگمگ کرتا یہ بازار لش پش کرتے لوگوں سمیت بہت خوبصورت منظر پیش کر رہا ہے۔ (دنیا داروں کی نظر میں) اشیا کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ پھر بھی لوگ دھڑا دھڑ خریدتے جا رہے ہیں کیونکہ...... کل عید ہے وہ تو منانی ہے ناں۔ روزے رکھیں یا نہ رکھیں۔ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں لیکن عید ضرور منائیں گے۔

لمبی سی مرسیڈیز بازار کے وسط میں آ کر رکی۔ تین چار جوان لڑکیاں شرٹ نما قمیصیں اور پینٹ نما پاجامے پہنے ہوئے اتراتی ہوئی باہر نکلیں۔ بوڑھا باپ کار ہی میں بیٹھا رہا۔ جاؤ بچیو! آج کھلی چھٹی ہے۔ جتنی چاہو شاپنگ کرو۔ وہ انہیں کہہ رہا تھا۔ تھینک یو پاپا اور پھر وہ ادھر ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے چوڑیوں کے سٹال پر جا کھڑی ہوئیں۔ چھوٹی سسٹر کو ایک سیٹ پسند آ گیا وہ اسے پہن کر دیکھنا چاہتی تھی۔ دکاندار بھائی جان نے اسے چوڑیاں پہنانے کی پیشکش کی۔ ہاں مجھ سے تو یہ ٹوٹ جائیں گی۔ لباس مردانہ مگر انداز نازکانہ۔ سودکاندار اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرم نرم دباتے ہوئے اسے چوڑیاں پہنانے میں مصروف ہو گیا۔

چند اور لڑکیاں موبائل ہاتھوں میں تھامے' گانے گاتے ہوئے جیولری شاپ پر کھڑی ہیں۔ تین چار لڑکے بھی وہاں منڈلا رہے ہیں۔ کوئی ان پروانوں سے پوچھے تو سہی کہ ان کا کاسمیٹکس اور جیولری کی اشیا سے کیا تعلق؟

یہ گارمنٹس کی دکان ہے۔ دو بہن بھائی ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اندر داخل ہوئے اور پھر بہن ریڈی میڈ کپڑے اپنے ساتھ لگا لگا کر بھائی کو دکھانے لگی تاکہ وہ چوائس میں اس کی مدد کرے۔ پھر اس نے نیم عریاں سا لباس چنا اور بھائی اپنی غیرت کو دبا کر اس کی پسند کو داد دینے لگا۔

سامنے ہی گنے کے رس کا ٹھیلہ ہے۔ دو میاں بیوی گنے کا رس پی رہے ہیں لڑکی جس نے پورا نقاب بھی کیا ہوا تھا ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے شوہر سے باتیں کر رہی تھی۔ رس پینے کے بعد آدمی نے ایک گفٹ پیک لڑکی کی طرف بڑھایا اور پھر...... وہ دونوں مخالف سمت چل پڑے۔ اوہو...... یہ تو کوئی "عاشقان نامراد" تھے۔ دل نے گواہی دی۔ جو چاندرات منانے نکلے ہوئے تھے۔ لڑکے نے اسے تھوڑی بہت شاپنگ کروا دی اور وہ خوشی خوشی واپس چل پڑی یہ سوچتے ہوئے کہ اس کا محبوب بہت اچھا ہے اس کے والدین سے بھی زیادہ مخلص۔

بے انتہا رش کی وجہ سے ایک راہ گیر لڑکا کسی دوشیزہ سے ٹکرا گیا اور پھر سوری کرنے لگا۔ وہ دلفریب انداز میں مسکراتے ہوئے بولی "نو پرابلم"

کہاں تک سنیں گے' کہاں تک سنائیں۔ یہ تو ایک بازار کا نظارہ تھا۔ یہاں تو ہر بازار ہی میں جشن کا سماں ہوتا ہے۔ جہاں حیا مفقود اور فحاشی عود کر آتی ہے۔ میرا دل چاہا انہیں چیخ چیخ کر پوچھوں

غیرت کہاں کھو گئی ہے تمہاری؟
کہاں تیرا مسلم وہ عزتیں بچانا؟

جو مسلمان اپنی ماؤں بہنوں کی عزتوں کو اپنے ہی ہاتھوں روندتے پھریں وہ دوسرے اسلامی ملکوں میں اسلامی بہنوں کی عزت بچانے کیونکر جائیں گے؟ ان سے پوچھا جائے تو آگے سے جواب ملتا ہے کہ "ہمیں شرم آتی ہی نہیں تو ہم کیوں پینڈوؤں کی طرح شرماتے پھریں۔ ہم اپنے آپ میں غیرت کس طرح لائیں۔ کچھ حقوق نسواں بھی تو ہوتے ہیں۔ ہم ان پر پردے کی پابندیاں عائد کر کے ظالم کیوں بنیں؟ اور تو اور Backword ہونے کا طعنہ کس طرح سنیں؟

اے میری اسلامی بہن! تجھ میں حیا ہو یا نہ ہو۔
اے میرے اسلامی بھائی! تجھ میں غیرت رہے یا نہ رہے۔

تجھے یہ اپنے اندر پیدا کرنی پڑے گی کیونکہ شرم و غیرت ایمان کا تقاضا ہے یہ تیرے دین کا حکم ہے۔ تجھے اس کا مادہ اپنے اندر پیدا کرنا پڑے گا۔ اگر تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پیروکار ہے تو اس کے تقاضے بھی پورے کرنے پڑیں گے لیکن اگر

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

کا اصول ہی اپنے اوپر لاگو کرنا ہے تو اسلام کا نام لینا چھوڑ دے' اس سے فرق ہی کتنا پڑے گا۔

عزیز و محترم! اسلام میں چاندرات کا کوئی تصور نہیں اور اس پر انتہا کو چھوتی ہوئی فحاشی و بے غیرتی کا مظاہرہ' ان لوگوں کو عید منانے کا حق کس نے دیا؟ عید تو روزہ داروں کے لئے ہے' جنہوں نے مہینہ بھر روزے رکھے اور عبادت کی' جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تحفتاً انہیں عید سے نوازا تاکہ وہ خوشی منائیں۔

عید ان منافق مسلمانوں کے لئے نہیں ہے جو نبیﷺ کے اس فرمان کو بھولے ہوئے ہیں کہ "الحیاء من الایمان" حیا ایمان کا حصہ ہے۔

آپ نے اس شخص کو دیوث قرار دیا' جو اپنی عورتوں کو بے حیائی سے نہ روکے۔

"اسلام نے عورت کے لئے باہر نکلنے کی گنجائش ضرور رکھی ہے مگر ساتھ ہی یہ حکم بھی لاگو کیا ہے اور اپنی ایماندار عورتوں سے کہہ دے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی سج دھج کو ظاہر نہ کریں مگر جو چیز کھلی رہے' مثلاً برقع وغیرہ اور اپنے سینوں پر دوپٹے کی بکل مارا کریں۔" (31 النور)

اسلام اور کفر کے فرق کو ان نام نہاد مسلمانوں نے مٹا کر رکھ دیا ہے انہیں عذاب الٰہی کی بے آواز لاٹھی سے ڈرنا چاہئے جو کسی بھی وقت ان پر وارد ہو سکتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے وعید ہے "ان بطش ربک شدید اور واللہ عزیز ذوانتقام" بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اور وہ سب سے بڑھ کر انتقام لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق دے اور عذاب الٰہی سے بچائے۔ آمین!

رویے بدلیں، گھر بچائیں

20 سال سے کم عمر 5 ہزار دلہنوں سمیت آٹھ ہزار سے زائد خواتین عدالت پہنچ گئیں۔ تنسیخ نکاح کے دعوے کئے گئے۔ خلع کے مقدمات درج کرائے گئے۔

اس دہلا دینے والی اور پرسوز خبر نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا کہ یہ خبر کئی گھر اجاڑ دینے والی خبر تھی۔ کئی جڑے ہوئے خاندانوں کو توڑ دینے والی خبر تھی۔ میاں بیوی کی علیحدگی کی خبر تھی اور شیطان کو خوش کر دینے والی خبر تھی اور شیطان سب سے زیادہ اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ میاں بیوی میں جدائی ڈلوا دے انہیں طلاق دلوا دے، خلع کروا دے۔

سب سے پہلے تو اس بات کی وضاحت کرتی ہوں کہ خلع کیا ہے؟

خلع کا مطلب ہے الگ ہو جانا، علیحدگی اختیار کر لینا، خاوند کا دیا ہوا مال واپس لوٹا کر اسے چھوڑ دینا۔

شوہر و بیوی کا بندھن انتہائی پیار و محبت والا بندھن ہوتا ہے۔ اعتماد اور دوستی اس بندھن کو مضبوط کرتی ہے اور جب اس رشتے میں بداعتمادی اور شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں تو یہ مضبوط بندھن پل بھر میں ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ جہاں میاں بیوی میں اختلافات زیادہ بڑھ جائیں تو ناپسندیدہ ہوتے ہوئے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے طلاق جیسا عمل مرد کے اختیار میں دے دیا لیکن جہاں مرد زیادتی میں اپنی بیوی پر حد سے گزر جائے اسے مار پیٹ کرے اور اس کی جان بھی نہ چھوڑے یعنی اسے طلاق نہ دے، تو عورت کو خلع کا حق دے دیا، یعنی عورت خاوند سے علیحدہ ہونا چاہے اور خاوند طلاق دینے پر تیار نہ ہو تو عورت جان چھڑانے کے لئے اپنا حق مہر یا عدالت کی طرف سے فدیہ دے کر اپنی جان چھڑوا سکتی ہے، چونکہ یہ طلاق نہیں صرف عورت کی طرف سے علیحدگی کا مطالبہ ہے اس لئے اسے خلع کہتے ہیں۔

بلاوجہ خلع کا مطالبہ شریعت میں ناپسندیدہ عمل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! ''جو عورت بلاوجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے لیکن مار پیٹ اور تنگ کرنے کی صورت میں عورت کو علیحدگی کے حصول کا پروانہ بھی عطا فرما دیا۔

ایک صحابیہ حبیبہ بنت سہلؓ کو ان کے خاوند ثابت بن قیسؓ نے اس قدر مارا کہ ان کا کوئی عضو توڑ ڈالا۔ وہ رات گزرنے پر فجر کے بعد آپ ﷺ کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ آپؐ نے دروازے کے قریب اندھیرے میں اسے کھڑے پایا تو فرمایا ''یہ کون ہے؟ کہنے لگیں! حضور ﷺ! میں سہل کی بیٹی حبیبہ ہوں، آپ ﷺ نے پوچھا اس وقت کیسے آنا ہوا کہنے لگیں میں نہیں یا ثابتؓ نہیں...... اب میں اور ثابتؓ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اتنے میں ثابت بن قیس بھی آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! ''یہ حبیبہ آئی ہیں انہوں نے یہ بات کی ہے۔ ساتھ ہی حبیبہؓ بول پڑیں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ انہوں نے جو کچھ حق مہر دیا ہے وہ میرے پاس ہے آپ ﷺ نے ثابتؓ سے کہا۔ حبیبہ سے کچھ مال لے لو اور اسے فارغ کر دو۔ حضرت ثابتؓ نے کہا میں نے انہیں حق مہر میں دو باغ دیئے ہیں اور وہ حبیبہؓ کے پاس ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ لے لے اور اس سے جدا ہو جا۔

آپ ﷺ نے اپنے بہترین اسوہ سے معاشرے کو بچانے کی ہر طرح کوشش کی لیکن بگاڑ کی صورت میں علیحدگی کی اجازت بھی دے دی۔

افسوس کہ آج طلاق کی شرح متواتر بڑھ رہی ہے۔

خلع کے مقدمات میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ لاہور سمیت پنجاب کی فیملی عدالتوں میں میاں بیوی کے درمیان گھریلو ناچاقی کے بے بہا مقدمات زیر سماعت اور خواتین اپنے شوہروں سے علیحدگی حاصل کرنے کے لئے مختلف الزامات لگاتی ہیں۔ روز بروز بڑھتی علیحدگی اور خلع کے اسباب اور وجوہات کیا ہیں؟

آیئے ذرا اس پر نظر ڈالتے ہیں۔ ساس، بہو اور نندوں کا جھگڑا بھی اس علیحدگی کا ایک پہلو ہے۔ ایک بیٹی جب اپنے والدین کا بھرا ہوا گھر چھوڑتی ہے۔ ماں، باپ اور بہن بھائیوں کو چھوڑ کر اگلے گھر جاتی ہے تو وہ اس گھر میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتی ہے جو کہ ساس اور نندوں کا گھر ہے۔ اگر تو شوہر اچھا ہے تو وہ گھر والوں میں توازن قائم کر سکے گا۔ گھر میں موجود ہر عورت کو اس کا مقام دئے گا تو گھرانہ پرسکون ہو گا۔ اگر گھر کی بڑی یعنی والدہ لڑکے کی ماں جو آنے والی دلہن کی ساس ہے وہ اپنے اچھے تعلقات سے اسے بیٹی کا رشتہ دے تو سب کچھ چھوڑ کر آنے والی بھی اسی طرح تعاون کرے گی اور لڑکے کی بہنیں بھی نندوں کی بجائے بہنوں کا روپ دھار لیں تو گھر کا ماحول خوشگوار ہو جائے گا۔ لیکن! جب گھر میں



آنے والی کے ساتھ سسرال کی طرف سے اچھا سلوک نہیں ہوتا۔ وہ دیکھتی ہے کہ یہ تو ساس نندوں کا گھر ہے جس خاوند کے لئے وہ اپنے پیاروں کو چھوڑ کر آئی ہے وہ بھی ماں بہنوں کے مقابلے میں اس کی قدر نہیں کرتا ان کی باتوں میں آ کر مارتا پیٹتا ہے تو وہ اس گھر سے فرار چاہتی ہے، چھٹکارا چاہتی ہے۔ اس جہنم زدہ ماحول سے نکلنا چاہتی ہے اور علیحدگی کے مطالبہ کے لئے عدالت کا رخ کر لیتی ہے۔

لیکن خلع کا سب سے بڑا اور اہم سبب یہ بھی ہے کہ صحیح اسلامی اور شرعی طریقے نوجوان بچیوں کو سکھائے ہی نہیں گئے، ان کی تربیت اسلامی طرز پر کی ہی نہیں گئی۔ صحابیات کے طرز عمل کو ان کی عملی زندگی میں شامل ہی نہیں کیا گیا۔ ڈش، کیبل اور نیٹ نے جو سبق انہیں پڑھائے ان بچیوں نے انہیں اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ انڈین ڈراموں کی ڈرامہ بازیاں انہیں لے ڈوبیں۔ انڈین ڈراموں اور فلموں سے سبق سیکھنے والی کسی شریف گھرانے میں کیسے گزارا کر سکتی ہے۔ ایک شریف شوہر کی خدمت گزار بیوی کیسے بن سکتی ہے۔ ایک گھریلو عورت بن کر کیسے رہ سکتی ہے؟ اس کی آنکھوں کے سامنے تو اس کی ماڈل اور آئیڈیل ہالی وڈ اور وہاں کی اداکارائیں ہیں۔ وہ کلبوں کی زینت بننا چاہتی ہے۔ کئی بانہوں میں جھولنا چاہتی ہے۔ بقول شاعر

میں تو ہوں ایک تتلی اڑنے پھرنے والی
کیسے رہوں گی بیٹھی ایک ہی پیڑ کی ڈالی

جب ایک شریف اور غیرت مند شوہر یہ اطوار و انداز پسند نہیں کرتا تو ایسی آزاد عورت طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، خلع چاہتی ہے۔ ایسا ناجائز مطالبہ کرنے والی عورت پر جنت کی خوشبو حرام کر دی گئی جو 100 سال کی مسافت سے آتی ہے۔

علیحدگی کی ایک اور وجہ بھی عدالتی رپورٹس میں ہے کہ 80 فیصد لومیرج کیسز ہیں۔ لومیرج کی صورت میں ہونے والی شادیاں دیرپا نہیں ہوتیں اور ایک سے زائد شادیاں کرنے والے مرد بھی توازن قائم نہ رکھنے کی بنا پر اس علیحدگی کے ذمہ دار ہیں۔

اس کا ایک سبب عدم برداشت بھی ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کی بات برداشت نہیں کرتے اور اوپر سے میڈیا عورت کی آزادی کے نام پر اس کو مظلوم بنا کر پیش کر رہا ہے اور سونے پر سہاگہ عدالتیں اس خوبصورت اور نازک رشتے کو توڑنے میں آسانیاں پیدا کر رہی ہیں تو یہ سب ازدواجی تربیت کا فقدان ہے۔

عورت کو خلع جیسے ناپسندیدہ فعل پر مجبور کرنے والے بعض مرد حضرات بھی ہیں۔ مرد کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں پر قوام یعنی حاکم اور محافظ بنایا ہے لیکن مرد حضرات نے اس کا مفہوم الٹ کر دیا اور اپنے آپ کو عورتوں پر ڈکٹیٹر اور سردار سمجھ بیٹھے۔ عورت کو مار پیٹ اور دہشت زدہ ماحول دیا۔ ایسے گھٹے اور تلخ ماحول نے عورت کو علیحدگی پر مجبور کر دیا۔ مجھے چند دن پہلے ایک عورت ملی جو بے حد پریشان تھی۔ غالباً اس کے تین بچے تھے۔ اس نے بتایا کہ اس کے خاوند نے دوسری شادی کر رکھی ہے اور وہ مجھے خرچہ نہیں دیتا۔ کرائے کا گھر ہے۔ کپڑے سلائی کر کے بچوں کا پیٹ پالتی ہوں اور گھر کے اخراجات چلاتی ہوں جب کبھی پیسوں کا مطالبہ کیا تو وہ مارنے پیٹنے لگ جاتا ہے۔ بچوں کے اخراجات کے لئے میں نے کورٹ میں درخواست دی ہوئی ہے اور خلع کا کیس بھی درج کروایا ہے کیونکہ نہ تو وہ مجھے چھوڑتا ہے اور نہ ہی بچوں کا خرچ دیتا ہے۔

لیہ میں مقیم ایک ٹیچر میری ملنے والی ہے۔ اس کے خاوند نے بھی دوسری شادی کر کے اسے دوسری بیوی کے کہنے پر گھر سے نکال دیا۔ وہ اپنے دو بچوں کو لے کر میکے آ گئی۔ اس کا خاوند نہ تو اسے خرچہ دیتا اور نہ ہی اسے طلاق دیتا تھا۔ اب اس نے اس سے خلع لے کر علیحدگی اختیار کر لی ہے اور سکول میں پڑھا کر اپنے دو بچوں کی پرورش کر رہی ہے لیکن بچوں کے باپ کی طرف سے بچوں کو شفقت نہ ملنے پر اکثر افسردہ ہو جاتی ہے اور بچے بھی شفقت پدری کی کمی محسوس کرتے ہیں۔

اس علیحدگی کا نتیجہ بے حد خطرناک نکلتا ہے۔ ایسے والدین کی اولادیں جرائم پیشہ بن جاتی ہیں، محبت نہ ملنے کے سبب ایسے بچے نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ خلع والی عورت کو معاشرہ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اپنی ازدواجی زندگی تباہ کرنے والے مرد کو بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا! یاد رکھو تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے بہترین ہیں۔

اور مزید تلقین فرماتے ہوئے کہا لوگو! اللہ کی کمزور بندیوں کو مت مارا کرو۔

جو خود کھاتے ہو انہیں بھی کھلایا کرو اور جیسا خود پہنتے ہو ایسا ہی انہیں پہناؤ۔

آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ تبارک وتعالیٰ نرم خو ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے اور نرم خوئی پر جو عطا فرماتا ہے وہ ترشی اور کرختگی پر نہیں دیتا۔

اپنے رویوں میں نرمیاں اختیار کریں تو ان شاء اللہ اس روز بروز خانگی جھگڑوں اور خلع جیسے ناپسندیدہ فعل سے ہم لوگ بچ سکتے ہیں اور بچوں کی زندگیوں کو بھی جہنم زار بننے سے بچا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں اور رشتوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

تحفظِ حقوقِ نسواں بل ۲۰۰۶ء کے اسلام سے متصادم پہلو

حافظ حسن مدنی

سلامی ریاست کے ایک بنیادی تقاضے کی تکمیل اور طفیؐ کی طرف اہم پیش رفت کرتے ہوئے ۱۰ر فروری و جنرل ضیاء الحق نے حدود آرڈیننس نافذ کیا، بعد میں ی اسمبلی نے اس کی توثیق کرکے اُنہیں آرڈیننس سے انین' کا درجہ دیا۔ اس کے بعد ملک میں کئی اسمبلیاں ختم ہوئیں لیکن اُنہوں نے حدود قوانین کی ترمیم و تنسیخ ے ان کو برقرار رکھ کر اپنی مہر تصدیق ثبت کی۔ اسلامی کونسل نے متعدد بار اور سرحد اسمبلی نے ۲۰۰۳ء میں ان کے مطابق اسلام ہونے کی قرارداد منظور کی۔ دو مرتبہ ٹی نے اسمبلی میں ان قوانین کی تنسیخ کا بل پیش کیا، لیکن ذِ قبولیت نہ مل سکی!

گذشتہ ڈیڑھ دو برس سے ان قوانین کے خلاف این جی رگرمیوں میں تیزی آئی۔ بعض ابلاغی اداروں کے کے ساتھ روشن خیال حکومت نے اس بل کو منظور کرانا ں ہدف قرار دیا تاکہ اپنے نظریاتی حامیوں کی کلی تائید نی حمایت حاصل کی جاسکے۔ میڈیا کے یکطرفہ ے اور ملک میں فردِ واحد کے اقتدار کے بل بوتے پر قانون پاکستان کی پارلیمنٹ سے منظور ہوا، جو نہ صرف ر دستورِ پاکستان سے متصادم ہے بلکہ اس میں مسلم ے کی تہذیبی روایات اور مسلمہ اقدار کو پامال کرنے کی جسارت بھی کی گئی ہے۔

پہلے تو 'حدود قوانین' کو مسلسل کئی ماہ میڈیا پر ٹرائل کا نا پڑا۔ پھر جولائی راگست میں اقتدار کے ایوانوں میں ث مباحثہ شروع ہوا، اور ۲۱ راگست ۲۰۰۶ء کو اسے قومی ں پیش کردیا گیا۔ اس بل کا اصل نام تو 'فوجداری ں ۲۰۰۶ء' تھا، لیکن خواتین کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لئے میٹی کی اوّلین ترمیم کی رو سے اس کا نام 'تحفظِ خواتین ۲ء' رکھنا قرار پایا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سارے کا زنا کی شرعی سزا میں ترمیم و تخفیف کے گرد ہی گھومتا ں کی ۲۹ ترامیم ہیں جن کے ذریعے ۲۲ر دفعات پر حد زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء' کی ۱۲ دفعات کو منسوخ اور ۶ ں کردیا گیا ہے۔ ایسے ہی اس بل کے ذریعے 'حد قذف ں' کی ۲۰ دفعات میں سے بھی ۸ کو منسوخ اور ۶ میں ترمیم تجویز کی گئی ہے۔ جس کے بعد حد زنا آرڈیننس میں محض ۴ دفعات اور حد قذف آرڈیننس میں محض ۶ دفعات اپنی اصل صورت میں، صحیح سالم باقی رہ گئی ہیں۔

قومی اسمبلی میں پیش ہونے کے بعد بل کو سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کردیا گیا، ۱۵ ررکنی سلیکٹ کمیٹی نے ۴ ستمبر کو اس میں ۸ ترامیم تجویز کیں۔ انہی دنوں حکومت کی دعوت پر ملک کے ممتاز علما نے ۱۱ ر ستمبر کو تین ابتدائی ترامیم پیش کیں۔ حکومت نے اُنہیں بل میں شامل کرنے کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ انہیں شامل کرنے کا خوب ڈھنڈورا بھی پیٹا، لیکن مقامِ افسوس ہے کہ اسمبلی سے منظور ہونے والے حالیہ بل میں، ان میں سے ایک ترمیم بھی شامل نہیں کی گئی۔ دوسری طرف ۱۳ ر نومبر کو مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے اس بل میں مزید ۴ ترامیم تجویز ہوئیں اور آخر کار ۱۵ ر نومبر کو سلیکٹ کمیٹی کی ۸ ترامیم سمیت، ۱۳ ر نومبر کی مزید ۴ ترامیم شامل کرکے قومی اسمبلی نے حدود قوانین میں ترمیم کا بل پاس کرلیا۔

ملک کے ممتاز اور جید علما (جو کسی بھی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں ہیں) کا موقف پہلے بھی یہ تھا کہ حکومت کا تیار کردہ بل خلافِ اسلام ہے، اگر اس بل میں یہ تین ترامیم کردی جائیں تو بل کی خامی میں قدرے کمی واقع ہوسکتی ہے، لیکن وعدے کے باوجود ان ترامیم کو نظر انداز کیا گیا۔ اب ۱۵ ر نومبر کو منظور ہونے والے بل کے بارے میں بھی ملک بھر کے تمام علمائے کرام کا متفقہ موقف یہی ہے کہ یہ بل اسلام سے متصادم ہے۔ یاد رہے کہ اس بل کے خلافِ اسلام ہونے پر کسی ایک عالم دین یا کسی دینی حلقہ کا بھی آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حتیٰ کہ حدود آرڈیننس پر شدید تنقید کرنے والے دانشور بھی اس بل کے غلط ہونے پر علمائے کرام کے ہم نوا ہیں، اسکے باوجود حکومت لگاتار اپنے دعوے اور فتوے پر ہی مصر ہے!!

تحفظِ خواتین بل میں خلافِ اسلام ترامیم

بل کی ترمیم نمبر ۷ کے الفاظ یہ ہیں:

''۴۹۶ب) زنا: a ایسے مرد اور عورت جن کی آپس میں شادی نہ ہوئی ہو، اگر رضامندی سے جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں تو وہ زنا کے مرتکب ہوں گے۔

b زنا کے مرتکب مرد وعورت کو جو سزا دی جائے گی، وہ زیادہ سے زیادہ پانچ سال قید ہوسکتی ہے اور اُنہیں ۱۰ ہزار روپے تک جرمانے کی سزا دی جائے گی۔

☆

۴۹۶ج) زنا کے جھوٹے الزام کی سزا: جو کوئی بھی کسی شخص کے خلاف زنا کا جھوٹا الزام لگائے یا گواہی دے وہ زیادہ سے زیادہ پانچ سال تک قید اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ ہزار روپے کے جرمانے کا مستوجب ہوگا۔''

تبصرہ: (۱) اس ترمیم کے ذریعے تعزیراتِ پاکستان میں دو دفعات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اسلام کا معمولی علم رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ ان دونوں جرائم کی سزائیں صریحاً خلافِ اسلام ہیں۔ زنا کی سزا قرآنِ کریم میں یہ بیان ہوئی ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (النور:۲)

''زانی عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو ۱۰۰ کوڑے کی سزا دو۔''

قرآنِ کریم کا واضح حکم یہ ہے کہ زانی کی سزا ۱۰۰ کوڑے ہے، جبکہ منظور کردہ بل میں اس کی سزا زیادہ سے زیادہ ۵ سال قید یا جرمانہ رکھی گئی ہے۔ یعنی کم سے کم سزا محض چند روز قید اور چند روپے جرمانہ بھی ہوسکتی ہے۔ کیا زنا کی سزا میں یہ ترمیم خلافِ اسلام نہیں؟؟

ممکن ہے، کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس سزا میں پارلیمنٹ یا حاکم وقت کو ترمیم یا تخفیف کا اختیار ہے۔ لیکن ایسا دعویٰ محض قرآن وسنت سے لاعلم شخص ہی کرسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں واضح طور پر بتا دیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾ (الاحزاب:۳۶)

''کسی مؤمن اور مؤمنہ کے لئے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ فرما دیں تو اپنے پاس سے نئے فیصلے کرنا شروع کردیں۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ واضح گمراہی کا شکار ہوگیا۔''

اللہ کی طے کردہ عقوبات (حدود اللہ) میں حاکم وقت یا پارلیمنٹ تو کجا، کسی شیخ الاسلام اور مجتہد العصر کو بھی ترمیم کا کوئی اختیار نہیں۔ اسلام میں نبی کریم ﷺ سے بڑی حیثیت کسی کی نہیں ہوسکتی، لیکن ان حدود اللہ میں کوئی ترمیم یا کمی بیشی کرنے کے آپ ﷺ بھی مجاز نہیں۔ دورِ نبوی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ''قریشی قبیلہ کی فاطمہ نامی ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا، تو نبی کریم ﷺ کے ایک محبوب صحابی حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کے ذریعے صحابہ کرامؓ اس عورت (فاطمہ) کا ہاتھ نہ کاٹنے کی سفارش لے کر آئے۔ آپ ﷺ ان کی اس جسارت پر سخت ناراض ہوئے اور یہ تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا:

أتشفع في حد من حدود الله.لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد يدها (صحیح بخاری: حدیث ۶۲۹۰)

''کیا تم حدود اللہ کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ اگر (میری بیٹی) فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرتی تو محمد ﷺ اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے۔''

اس مشہور واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حدود اللہ میں تبدیلی کا اختیار روئے کائنات میں کسی کے پاس بھی نہیں، اشرف المخلوقات اور سید المرسلینؐ کے پاس بھی اگر یہ اختیار ہوتا تو آپ اپنے پیارے صحابہؓ کی بات تسلیم کرلیتے اور اس قریشی عورت کی سزا میں تخفیف فرما دیتے۔

پارلیمنٹ کا زنا کی حد میں ترمیم کرنا اپنے اختیار سے صریحاً تجاوز، اسلام سے بے وفائی اور اپنے حلف سے غداری ہے۔ مزید برآں دستورِ پاکستان کی دفعات کی صریح خلاف ورزی بھی ہے۔ جس طرح کسی پارلیمنٹ کی ایسی قانون سازی...... کہ بہن بھائی آپس میں شادی کرسکتے ہیں...... کی اسلام کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں، اسی طرح زنا کی شرعی سزا میں ترمیم یا تخفیف کی بھی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے کھلم کھلا جنگ ہے!!

(۲) جس طرح اسلام میں زنا کی سزا اللہ تعالیٰ نے مقرر کردی ہے اور اس میں تبدیلی کا کوئی بھی مجاز نہیں، اسی طرح اسلام نے زنا کے جھوٹے الزام (تہمت یا قذف) کی سزا بھی متعین کردی ہے۔ موجودہ بل میں زنا کی تہمت (قذف) کی شرعی حد میں بھی ترمیم کی جسارت کی گئی ہے۔ تہمت یا قذف کی سزا بڑی مشہور ہے، جس کی بنیاد یہ آیتِ کریمہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ (النور:۴)

''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کا جھوٹا الزام لگاتے ہیں، اُنہیں ۸۰ کوڑے مارو اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔''

زنا کی تہمت کی سزا ایک طرف قرآنِ کریم بیان کرتا ہے اور دوسری طرف ہماری حکومت اسے بھی پانچ سال قید میں تبدیل کررہی ہے۔ اوپر درج کردہ قرآنی آیات اور فرامین رسولؐ کی رو سے کس نے حکومت یا اَراکینِ پارلیمنٹ کو حدود اللہ میں ترمیم و تخفیف کا یہ اختیار دیا ہے؟

(۳) تحفظِ خواتین بل ۲۰۰۶ء کی ترمیم نمبر ۵ کے الفاظ یہ ہیں کہ

''کسی مرد کو زنا بالجبر کا مرتکب کہا جائے گا، جب وہ کسی عورت کے ساتھ مندرجہ ذیل پانچ حالات میں کسی صورت میں جماع کرے:

۱۔ اس کی مرضی کے خلاف

۲۔ اس کی رضامندی کے بغیر......

۵۔ لڑکی کی رضامندی یا اس کے بغیر، جب کہ وہ ۱۶ برس سے کم عمر کی ہو۔''

اس ترمیم سے پہلی بات تو یہ معلوم ہورہی ہے کہ عورت کی مرضی کے خلاف یا اس کی رضامندی کے بغیر کیا جانے والا جنسی فعل 'زنا بالجبر' کہلائے گا۔ اس قانون کی رو سے کوئی شوہر اگر اپنی بیوی کی رضامندی کے بغیر اس سے جماع کرتا ہے تو وہ بھی زنا بالجبر کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ یہ ترمیم اسی مطالبے کی بازگشت ہے جو مغربی حقوقِ نسواں اور این جی اوز کی پروردہ عورتیں کافی عرصہ سے کررہی ہیں اور چند ماہ قبل پیپلز پارٹی کی ایک رکنِ قومی اسمبلی کا یہ مطالبہ قومی اخبارات میں شائع بھی ہوچکا ہے۔ یہ تو روشن خیال اور مغرب نواز لوگوں کا مطالبہ ہے

بقیہ نمبر 1 صفحہ 3 پر ملاحظہ فرمائیں

بھارتی جیلوں میں قید مجاہدین کا رمضان اور عید (آخری قسط)

یہ تحریر ایک ایسے مجاہد کی ہے جو 12 سال سے اب تک بھارتی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہا ہے، اس اللہ کے مخلص بندے کی کتاب قیدی مجاہد کی داستان بھی شائع ہو چکی ہے۔ رمضان المبارک کے آغاز پر غزوہ کے نام ایک بھارتی جیل سے ان کا خط موصول ہوا اس ایمان افروز مراسلے کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کرتے ہیں کہ نجانے پھر نصیب ہوگا کہ نہیں ہوگا تو خود ہماری ایمانی، جسمانی حالت کیا ہوگی، یہ اپنے اللہ سے معافیاں مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ہم قید میں تھے، مناسب خدمت نہ کر سکے، ہمارے اعمال کے نقائص سے درگزر فرما کر قبول فرما۔ ہمیں ماہ صیام کے بعد اسی طرح صالحہ اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ فرمانا جو اس ماہ مقدس کو پا کر بھی محروم رہتے ہیں، بلکہ اپنے نیک بندوں میں شامل فرما، آمین۔

الحمدللہ کچھ ساتھی جمعہ کی شام سے ہفتہ کی شام شروع ہونے تک درود شریف (مسنون) کا وہ اہتمام کرتے ہیں کہ نام نہاد عشق رسول ﷺ کے دعوے دار ان کے اخلاص کے سامنے پھیکے خربوزے محسوس ہوتے ہیں' کثرت تلاوت کا یہ حال ہوتا ہے کہ ایک دن میں کئی کئی قرآن ختم ہوتے ہیں' اللہ قبول فرمالے اور یہی اخلاص آزاد فضاؤں میں رہنے والوں کو نصیب فرمائے۔ آزاد فضاؤں والوں کو جن نعمتوں کی قدر نہیں ہوتی کم ہی احساس ہوتا ہے، وہ اسیروں کو بڑی محسوس ہوتی ہے اور ان کی قدر معلوم ہوتی ہے مثلاً ہوا، پانی روشنی، دھوپ، صحت، آزاد ہاتھ پاؤں، وغیرہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں وہ کوئی ان اسیروں سے پوچھے روزہ کی حالت میں جب بار بار ان کافروں کو منہ لگانا پڑتا ہے۔ ان کی بے تکی کڑوی سننی پڑتی ہیں۔ پھر انہیں اپنوں کی یاد آتی ہے کہ ماں باپ کتنی بڑی نعمت ہیں اکابرین کتنا بڑا اللہ کا احسان ہیں جب ان کی طرف دیکھو دل بھی خوش ہو ثواب بھی ملے۔ اے کاش! آزاد فضاؤں میں رہنے والے ان اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں، اس پر اس کا خوب شکر ادا کریں، ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں قبل اس کے کہ اللہ نہ کرے وہ ان میں سے کچھ نعمتوں سے محروم کر دیے جائیں۔

اے ملت اسلامیہ! آپ نے اپنے ایک بھلا دیے گئے طبقے کی تیاری کی ایک جھلک پڑھ لی اللہ آپ کی تیاری میں برکت عطا فرما، اپنی نیک دعاؤں میں اور مجلسوں میں انہیں یاد رکھنا، اپنی خوشیوں کے موقع پر انہیں یاد رکھنا انشاء اللہ یہ تو حق

قیدی مجاہد کا خط

بندگی ادا کرنے کی کوشش کریں گے ہی آپ بھی اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے حق بندگی ادا کرنے کی کوشش کرنا، اللہ تعالیٰ ان کی اور آپ کی تمام عبادات کو شرف قبولیت سے نوازے، انہیں اپنے آپ کو اور آپ کو ان کا حق پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، اے اللہ تو جانتا ہے کہ یہ خالص تیری رضا کے لئے لکھا ہے، اللہ تو اسے ہر طرح کے عیوب سے پاک کر کے وہ مقاصد عطا فرما جن کے لئے یہ لکھا ہے، اللہ ہم سب کو دکھاوے کے مرض سے بچا، اے اللہ ہمیں اپنے مہمان مہینہ کی درست طریقہ سے خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اس میں کی جانے والی کوتاہیوں کو معاف کر کے ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادات کو قبول فرما، ہمیں مانگنا نہیں آتا بن مانگے عطا فرما، اے اللہ ہم تری ہر ہر نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں جو تو نے عطا کی جو عطا نہیں کیں جن کا ہمیں شعور ہے اور جن کا شعور نہیں، جو ہمیں تو عطا کرنا چاہتا ہے، ہمیں زیادہ سے زیادہ صبر و شکر کرنے والا بنا، اے اللہ ہم تیرے غلام' ہمارے ماں باپ تیرے غلام ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوتے تجھ سے تیرے پاک ناموں کے ساتھ مانگتے ہیں تو ہمیں معاف فرما۔ ہمارے والدین کے درجات بلند فرما۔ مسلم حکمرانوں کو غیرت ایمانی نصیب فرما، انہیں گمراہی کی دلدل سے نکال کر راہ مستقیم پر گامزن کر دے اے دلوں کو پھیرنے والے ان کے دلوں کو پھیر دے، اور جن مسلمانوں کے دل متزلزل ہیں ان کے قلوب کو استقلال نصیب فرما۔ اے اللہ جو مسلمان مخالفت جہاد کے جرم میں مبتلا ہیں ان قابل رحم لوگوں کو ہدایت نصیب فرما۔ اے اللہ جو ذاتیات کی وجہ سے جہاد کے فریضہ کے مخالف ہیں یا اس سے دوسروں کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں سمجھ عطا فرما۔ اے اللہ! ہر ہر گھر سے مجاہد پیدا فرمادے مسلمانوں کو جہاد کی عظمت سمجھا دے۔ اے اللہ! انہیں کفار کے حربوں سے بچا لے، انہیں صرف اور صرف، اپنا بنا لے، کفر کو اس کی اصلیت بتلا دے، اے اللہ قبلہ اول کو آزادی نصیب فرما۔ اے اللہ جہاں جہاں تحریکیں چل رہی ہیں انہیں ہر طرح کے شر سے بچا کر کامیاب و کامران فرما۔ اے اللہ اپنی زمین پر اپنا نظام نافذ فرما۔ اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہمیں اپنا بنا لے، آمین۔ یا رب العالمین! اے ملت اسلامیہ! اللہ تعالیٰ آپ کو اس ماہ مقدس کی تمام خیر و برکات سے نواز کر حقیقی عید کی خوشیاں نصیب فرمائے، آپ کو یہ ماہ مقدس بھی مبارک پھر عید بھی مبارک، اللہ یہ سب مبارک کر دے، آمین۔

محترم امیر حمزہ، اللہ آپ پر اپنی رحمتوں کی برکھا برسائے، یہ اپنے غزوہ میں شامل فرمائیں، اس قابل تو نہیں، پھر بھی کوشش کی ہے، اگر قابل اشاعت سمجھی جائے تو اللہ کے لئے میرا نام نہ لکھنا بس ایک قیدی لکھنا شکریہ، محترم و مکرم حضرت اقدس حافظ صاحب اور دیگران تمام کی خدمت عالیہ میں بہت بہت سلام دعا، دعاؤں کی التجاء کے ساتھ، اللہ جلد آپ کی زیارت کروائے، آمین۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاۃ

چاندرات............حیا اور غیرت کا جنازہ

چاند نظر آ گیا! چاند نظر آ گیا! خوشی و مسرت سے لبریز مسلمان ایک دوسرے کو عید مبارک کہہ رہے تھے۔ کل عید ہے۔ آج چاند رات ہے۔ ابھی تو گھر والوں نے جی بھر کر شاپنگ بھی نہیں کی۔ ایک شخص بولا۔ اصل میں روزے رکھ کر کمزوری اور سستی محسوس ہونے لگتی ہے اور بازار کم ہی نکلا جاتا ہے۔ آج جی بھر کر شاپنگ کریں گے۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ دکانوں والے ابھی پہلے پرانا سٹاک لگا لیتے ہیں۔ نیو ورائٹی تو اب آئے گی۔ ایک آنٹی نے شوشہ چھوڑا۔

چلو چلو...... بازار چلو اور ساری دنیا باہر نکل آئی۔ کچھ لوگ شاپنگ کرنے اور کچھ لوگ شوقیہ چاند رات منانے۔

یہ شہر کا ایک بارونق اور مشہور بازار ہے۔ رش کی انتہا ہو چکی ہے۔ ہر طرف دھکم پیل ہے۔ کھوے سے کھوا چھل رہا ہے۔ مرد و زن کی تفریق ختم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ آیئے چاند رات میں اس بازار حسن کا تھوڑا سا نظارہ کریں۔

جگمگ کرتا یہ بازار لش پش کرتے لوگوں سمیت بہت خوبصورت منظر پیش کر رہا ہے۔ (دنیا داروں کی نظر میں) اشیا کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ پھر بھی لوگ دھڑا دھڑ خریدتے جا رہے ہیں کیونکہ...... کل عید ہے وہ تو منانی ہے ناں۔ روزے رکھیں یا نہ رکھیں۔ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں لیکن عید ضرور منائیں گے۔

لمبی سی مرسیڈیز بازار کے وسط میں آ کر رکی۔ تین چار جوان لڑکیاں شرٹ نما قمیصیں اور پینٹ نما پاجامے پہنے ہوئے اتراتی ہوئی باہر نکلیں۔ بوڑھا باپ کار ہی میں بیٹھا رہا۔ جاؤ بچیو! آج کھلی چھٹی ہے۔ جتنی چاہو شاپنگ کرو۔ وہ انہیں کہہ رہا تھا۔ تھینک یو پاپا اور پھر وہ ادھر ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے چوڑیوں کے سٹال پر جا کھڑی ہوئیں۔ چھوٹی سسٹر کو ایک سیٹ پسند آ گیا وہ اسے پہن کر دیکھنا چاہتی تھی۔ دکاندار بھائی جان نے اسے چوڑیاں پہنانے کی پیشکش کی۔ ہاں مجھ سے تو یہ ٹوٹ جائیں گی۔ لباس مردانہ مگر انداز نازکانہ۔ سو دکاندار اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرم نرم دباتے ہوئے اسے چوڑیاں پہنانے میں مصروف ہو گیا۔

چند اور لڑکیاں موبائل ہاتھوں میں تھامے' گانے گاتے ہوئے جیولری شاپ پر کھڑی ہیں۔ تین چار لڑکے بھی وہاں منڈلا رہے ہیں۔ کوئی ان پروانوں سے پوچھے تو سہی کہ ان کا کاسمیٹکس اور جیولری کی اشیا سے کیا تعلق؟

یہ گارمنٹس کی دکان ہے۔ دو بہن بھائی ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اندر داخل ہوئے اور پھر بہن ریڈی میڈ کپڑے اپنے ساتھ لگا لگا کر بھائی کو دکھانے لگی تا کہ وہ چوائس میں اس کی مدد کرے۔ پھر اس نے نیم عریاں سا لباس چنا اور بھائی اپنی غیرت کو دبا کر اس کی پسند کو داد دینے لگا۔

سامنے ہی گنے کے رس کا ٹھیلہ ہے۔ دو میاں بیوی گنے کا رس پی رہے ہیں۔ لڑکی جس نے پورا نقاب بھی کیا ہوا تھا ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے شوہر سے باتیں کر رہی تھی۔ رس پینے کے بعد آدمی نے ایک گفٹ پیک لڑکی کی طرف بڑھایا اور پھر...... وہ دونوں مخالف سمت چل پڑے۔ اوہو...... یہ تو کوئی ''عاشقان نامراد' تھے۔ دل نے گواہی دی۔ جو چاند رات منانے نکلے ہوئے تھے۔ لڑکے نے اسے تھوڑی بہت شاپنگ کروا دی اور وہ خوشی خوشی واپس چل پڑی یہ سوچتے ہوئے کہ اس کا محبوب بہت اچھا ہے اس کے والدین سے بھی زیادہ مخلص۔

بے انتہا رش کی وجہ سے ایک راہ گیر لڑکا کسی دوشیزہ سے

مسز ناصر ہاشمی

ٹکرا گیا اور پھر سوری کرنے لگا۔ وہ دلفریب انداز میں مسکراتے ہوئے بولی ''نو پرابلم''

کہاں تک سنیں گے' کہاں تک سنائیں۔ یہ تو ایک بازار کا نظارہ تھا۔ یہاں تو ہر بازار ہی میں جشن کا سماں ہوتا ہے۔ جہاں حیا مفقود اور فحاشی عود کر آتی ہے۔ میرا دل چاہا انہیں چیخ چیخ کر پوچھوں۔

غیرت کہاں کھو گئی ہے تمہاری؟
کہاں تیرا مسلم وہ عزتیں بچانا؟

جو مسلمان اپنی ماؤں بہنوں کی عزتوں کو اپنے ہی ہاتھوں روندتے پھریں وہ دوسرے اسلامی ملکوں میں اسلامی بہنوں کی عزت بچانے کیونکر جائیں گے؟ ان سے پوچھا جائے تو آگے سے جواب ملتا ہے کہ ''ہمیں شرم آتی ہی نہیں تو ہم کیوں پینڈوؤں کی طرح شرماتے پھریں۔ ہم اپنے آپ میں غیرت کس طرح لائیں۔ کچھ حقوق نسواں بھی تو ہوتے ہیں۔ ہم ان پر پردے کی پابندیاں عائد کر کے ظالم کیوں بنیں؟ اور تو اور Backword ہونے کا طعنہ کس طرح سنیں؟

اے میری اسلامی بہن! تجھ میں حیا ہو یا نہ ہو۔

اے میرے اسلامی بھائی! تجھ میں غیرت رہے یا نہ رہے۔

تجھے یہ اپنے اندر پیدا کرنی پڑے گی کیونکہ شرم و غیرت ایمان کا تقاضا ہے یہ تیرے دین کا حکم ہے۔ تجھے اس کا مادہ اپنے اندر پیدا کرنا پڑے گا۔ اگر تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پیروکار ہے تو اس کے تقاضے بھی پورے کرنے پڑیں گے لیکن اگر

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

کا اصول ہی اپنے اوپر لاگو کرنا ہے تو اسلام کا نام لینا چھوڑ دے' اس سے فرق ہی کتنا پڑے گا۔

عزیز و محترم! اسلام میں چاند رات کا کوئی تصور نہیں اور اس پر انتہا کو چھوتی ہوئی فحاشی و بے غیرتی کا مظاہرہ' ان لوگوں کو عید منانے کا حق کس نے دیا؟ عید تو روزہ داروں کے لئے ہے' جنہوں نے مہینہ بھر روزے رکھے اور عبادت کی' جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تحفتاً انہیں عید سے نوازا تا کہ وہ خوشی منائیں۔

عید ان منافق مسلمانوں کے لئے نہیں ہے جو نبی ﷺ کے اس فرمان کو بھولے ہوئے ہیں کہ "الحیاء من الایمان" حیا ایمان کا حصہ ہے۔

آپ نے اس شخص کو دیوث قرار دیا' جو اپنی عورتوں کو بے حیائی سے نہ روکے۔

''اسلام نے عورت کے لئے باہر نکلنے کی گنجائش ضرور رکھی ہے مگر ساتھ ہی یہ حکم بھی لاگو کیا ہے اور اپنی ایماندار عورتوں سے کہہ دے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی سج دھج کو ظاہر نہ کریں مگر جو چیز کھلی رہے' مثلاً برقع وغیرہ اور اپنے سینوں پر دوپٹے کی بکل مارا کریں۔'' (31 النور)

اسلام اور کفر کے فرق کو ان نام نہاد مسلمانوں نے مٹا کر رکھ دیا ہے انہیں عذاب الٰہی کی بے آواز لاٹھی سے ڈرنا چاہئے جو کسی بھی وقت ان پر وارد ہو سکتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے وعید ہے "ان بطش ربک لشدید اور واللہ عزیز ذو انتقام" بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اور وہ سب سے بڑھ کر انتقام لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق دے اور عذاب الٰہی سے بچائے۔ آمین!

قانونِ توہین رسالت پر اکیس اعتراضات کے جوابات

توہین رسالت کی جسارتیں نئی ہیں اور نہ اس کے تحفظ کے لئے سر، سینے اور بروئے کار آتے قلموں کی روایت نئی ہے۔ ملک میں بپا ہونے والے حالیہ واقعات اور ان کا انجام سب کے سامنے ہے۔ کئی قوتیں اٹھیں مگر حرمت رسول کے محافظوں کے سامنے پسپا ہو کے رہ گئیں۔ اس موضوع پر اٹھائے گئے اعتراضات و شبہات کا علمی جواب محترم قاری یعقوب شیخ حفظ اللہ نے دیا ہے، اللہ جزائے خیر دے۔ ان کی یہ وقیع کاوش قارئین جرار کے جذبہ حب رسول کی نذر کی جارہی ہے (ادارہ)

پہلا اعتراض

گستاخ رسول کی سزا کا ذکر قرآن مجید میں نہیں؟

ﷺ رسول اللہ کی گستاخی کرنا، آپ کو تکلیف دینا، آپ کی اہانت کرنا کفر ہے اور یہ کام فتنہ وفساد کا ذریعہ اور لعنت کا سبب ہے۔ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا [الأحزاب : ٥٧]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے نہایت رسوا کن عذاب ہے۔''

کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب وتنقیص اور کفر و اہانت کر کے اللہ تعالیٰ کو ایذا دیتے اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اس لیے یہ لعنت کے مستحق ہیں اور ان کی سزا قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا﴾ [الأحزاب:٦١]

''ان پر پھٹکار برسائی گئی، جہاں بھی مل جائیں پکڑے جائیں اور خوب ٹکڑے ٹکڑے کردیے جائیں۔''

ایسے گستاخ اور لعنتی لوگوں کی تائید ومدد بالکل نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی ان کے لیے کوئی نرم گوشہ رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا﴾ [النساء:٥٢]

''یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ لعنت کردے، تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔''

جو مددگار بننے کی کوشش کرے وہ خود بھی ملعون اور مستوجب سزا ہے۔

گستاخی کرنیوالے غیر مسلم (ذمی) کی سزا

رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والا مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کی سزا سزائے موت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ﴾ [التوبة : ١٢]

''اگر یہ لوگ عہد وپیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمھارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان کے (اماموں) سرداروں سے جنگ کرو ان کی قسمیں کوئی چیز نہیں، ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آجائیں۔''

بدعہدی اور دین میں طعن کرنے کی وجہ سے انھیں قتل کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی و بے ادبی ''طعن فی الدین'' ہے اور ایسا کرنے والا کفر کا امام، لیڈر اور سردار ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" فَثَبَتَ أَنَّ كُلَّ طَاعِنٍ فِي الدِّينِ فَهُوَ إِمَامٌ فِي الْكُفْرِ فَإِذَا طَعَنَ الذِّمِّيُّ فِي الدِّينِ فَهُوَ إِمَامٌ فِي الْكُفْرِ فَيَجِبُ قِتَالُهُ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ " [الصارم المسلول : ٢٢]

''پس یہ بات ثابت ہوئی کہ دین میں ہر طعن کرنے والا کفر کا سردار ہے۔ جب کوئی غیر مسلم دین میں طعن کرے گا تو کفر کا امام ٹھہرے گا، پس اس کا قتل لازمی طور پر ہوگا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی روشنی میں ﴿فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ ''کفر کے پیشواؤں سے لڑائی کرو۔''

دوسرا اعتراض

نبی کریم سراپا شفقت ورحمت تھے، آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کو معاف کردیا، کبھی سزا نہیں دی تو ہمیں بھی معاف کردینا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ اپنے حقوق کو خود تو معاف کرسکتے ہیں لیکن ، دوسرے کو کیا حق حاصل ہے کہ نبی مکرم ﷺ کا حق معاف کرتا پھرے۔ آپ کے وصال کے ساتھ ہی معافی کا حق ساقط ہوگیا۔ صدر ہو یا وزیر اعظم یا کوئی اور کسی کو کوئی اختیار ، کہ وہ معافی دے۔ تعجب ہے کہ گستاخی رسول اللہ ﷺ کی ہوتی ہے اور معافی دینے کے لیے کوئی دوسرا کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے امت کے کسی شخص، قوم یا ادارے کو یہ اختیار دیا تھا کہ میرے گستاخ کو تم معافی دے ؟ بالکل نہیں۔ یہ بات بھی درست نہیں کہ آپ ﷺ کے تاخ دشمن کو کبھی کوئی سزا نہیں ملی، بلکہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں گستاخوں کو قتل کی سزا دی گئی ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر پر ''خود'' تھا، جس وقت آپ نے ''خود'' اتارا تو ایک شخص نے آکر خبر دی کہ ابن خطل (گستاخ رسول) کعبۃ اللہ کے پردوں سے لٹک رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اُقْتُلُوْهُ)) ''اس کو قتل کردو۔'' [بخاری:٤٢٨٦]

توہین رسالت اتنا سنگین جرم ہے کہ ایسے مجرم کو حرم میں بھی پناہ نہیں مل سکتی۔ آپ ﷺ نے گستاخوں کے خلاف اعلانِ جنگ وقتال تو مکی دور میں طواف کعبہ کے دوران کردیا تھا۔

((أَتَسْمَعُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذَّبْحِ))

''اے قریش کے لوگو! کیا تم سنتے نہیں۔ اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میں تمھیں ذبح کرنے کے لیے آیا ہوں۔''

[مسند أحمد : ٦١٠، ج : ١١، ح : ٧٠٣٦۔ دلائل النبوة : ٢/٢٧٦۔ تعليق التغليق على صحيح البخاري، ص : ٨٨، ج : ٤]

اعلانِ مکہ کا نفاذ مدینہ کے میدانوں میں ہوا۔ چشم فلک نے دیکھا کہ بدر کے میدانِ مقتل میں گستاخ کی گردنیں کٹ گئیں اور ان کی لاشوں کو بدر کے بدبودار کنویں میں پھینک دیا گیا۔

گستاخوں کو فرضیت جہاد سے قبل چھوڑا گیا اور ان سے درگزر کیا گیا، مگر! جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرضیت جہاد کا حکم آگیا تو پھر صرف ان کی سرکوبی ہی کی گئی ہے، معافی نہیں دی گئی:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [البقرة : ١٠٩]

''اور اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد وبغض کی بنا پر تمھیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں، آپ بھی معاف کردو اور چھوڑو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے حکم جاری کردیا اور قتال کرنے، تلوار اٹھانے کی اجازت مل گئی تو پھر مغرور گردنیں اور گستاخ سر قلم کردیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾ [الحج:٣٩]

''جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انھیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔'' (جاری ہے)

ایڈیٹر پرنٹر، پبلشر، حمزہ عمران فاروقی نے پاک وطن پرنٹنگ پریس رائل پارک لاہور سے چھپوا کر
180 ملتان روڈ چوک حمایت اسلام لاہور سے شائع کیا، رابطہ ترسیل 0423-7240945

عشق ومحبت کے خبط میں عقیدہ توحید کا خون

محترم ومعزز قارئین کرام!......ایک عرصہ بعد آپ سے آدھی ملاقات ہورہی ہے۔ کچھ عجیب وغریب وجوہات کی بناء پر ایک عرصہ تک میرا کالم بند رہا۔ اس دوران قارئین نے مجھے بالکل اسی طرح یاد رکھا جس طرح کہ میرے کالموں کے مجموعے "قلم کے آنسو" کو کمال پذیرائی بخشی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے تین ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے بعض احباب نے اسے دعوت دین کے جذبے کے تحت خرید کر تقسیم کیا اور کتنے ہی والدین نے بیٹیوں کو جہیز وغیرہ میں تحفہ دیا۔ فللہ الحمد۔ اس دوران راقم کا فون ہمیشہ ان لوگوں کی کالیں سننے میں مصروف رہا جو یہ دریافت کررہے تھے کہ آپ کالم کیوں نہیں لکھ رہے؟ اور میں انہیں یقین دہانیاں کرواتا رہا کہ ان شاء اللہ اس دفعہ ضرور لکھوں گا۔ اب جب کالم لکھنے پر عائد پابندی ختم ہوئی ہے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

آج میں نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے اس کی حساسیت، نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر قلم کانپ رہا ہے...... ذہن سنسنا رہا ہے...... فکر پریشان، عقل حیران اور خود پشیمان ہوں...... کہ اس موضوع کو نبھاؤں کیسے...... لکھوں کہ نہ لکھوں...... لیکن پھر خیال کرتا ہوں کہ لکھنا بھی ضروری ہے بلکہ فرض عین ہے...... اگر فتنہ کی حشر سامانیوں کو سپرد قلم نہ کروں گا تو اللہ کریم کے ہاں جوابدہ ہوں گا، پکڑا جاؤں گا اور پھر میرا بھرپور احتساب کیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج صلیبیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور پھر ہمارے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا نے پوری امت کے سامنے اگر کوئی مسئلہ سنگین بنا کر پیش کیا ہے تو وہ صرف اور صرف عورت اور پھر اس کے عشق ومحبت میں کھو کر بلکہ فنا ہو کر رہ جانا ہے۔ اس کمینگی میں نہ صرف یہ کہ اخلاقیات کی حدوں کو پھلانگنے کا درس دیا جارہا ہے بلکہ عقیدہ جو کہ ایک مومن کی جان ہوتا ہے کا بھی بے دریغ خون کیا جارہا ہے۔ خاص طور پر عقیدہ توحید۔ ایک مومن عقیدہ توحید کے دفاع کیلئے جان تک قربان کردینا اپنی سعادت، خوش بختی اور دنیا وآخرت میں کامیابی خیال کرتا ہے، اگر کسی کے پاس صرف توحید کی دولت ہے تو وہ صرف 50 روپے کا مالک نہ ہو کر بھی دنیا کا مالدار ترین شخص ہے اور اگر کوئی ارب پتی ہو کر بھی شرک کا مرتکب ہے تو وہ دنیا کا مفلس وقلاش اور غریب ترین شخص ہے۔

آج قوم کی نوجوان نسل (لڑکوں اور لڑکیوں) کو عشق ومحبت کے خبط میں مبتلا کرکے عقیدہ توحید سے بالکل خالی کیا جارہا ہے، ان کو کافر ملحد اور بے دین بلکہ دین بیزار بنایا جارہا ہے۔ ان کو جذبہ عشق ومحبت کی تسکین کیلئے ایسا کلام ایسے اشعار اور پھر خاص طور پر ایسا میوزک اور گانے رٹائے جارہے ہیں جو کہ ایک مسلمان کے عقیدہ کو تباہ وبرباد کرکے اس کو شرک وکفر کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گرا کر کافر ومرتد بنا چھوڑتے ہیں، یوں اس کو اللہ کا باغی بنا کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم کا ایندھن بنا دیتے ہیں۔ لاشعوری طور پر شیطان کے بہکاوے پر خاص طور پر ہندو مشرک پلید کے اس جذبہ شیطانیہ کی تسکین کیلئے فراہم کئے گئے گیت نوجوان لڑکے اور لڑکیاں صبح وشام گنگناتے پھرتے ہیں۔ اگر وہ کبھی غور کریں کہ ہم اپنے رب کریم کے عطا کردہ خوبصورت لبوں سے کیسے کفریہ کلمات ادا کررہے ہیں تو لرز کر رہ جائیں۔ یہ عشق ومحبت کے خبط میں مبتلا ہو کر صریحاً کھلم کھلا رب ذوالجلال والاکرام کی ذات کے ساتھ شرک کررہے ہوتے ہیں اور مالک کائنات کی شدید قسم کی توہین وتضحیک کررہے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی ہم کچھ مثالیں آپ کے سامنے رکھیں گے۔ لیکن شرک کے متعلق جان لیں کہ اللہ کریم کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا جرم شرک ہے، جو کسی بھی صورت میں معاف نہیں کیا جائے گا۔ اللہ کریم قرآن مجید میں واضح اعلان فرماتے ہیں کہ میں بندے کے باقی ہر طرح کے تمام گناہ معاف کرسکتا ہوں لیکن شرک نہیں۔ اس کی سزا ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلنا سڑنا اور جھلسنا ہے۔ مختصراً شرک یہ ہے اللہ کریم کی ذات، اس کی صفات اور اختیارات میں کسی بھی طرح کسی دوسرے کو شریک کرنا یعنی جو چیز صرف اللہ کریم کیلئے ہے اس پر کسی دوسرے کا حق جتلانا یا تسلیم کرنا۔ اس جرم کا سب سے زیادہ شکار نوجوان طبقہ ہے۔ مثلاً ہندو فلموں سے متاثر آج ہر تیسرا مسلم جوان یہ گاتا نظر آتا ہے!

عشق عبادت عشق ہے پوجا
عشق خدا کا نام ہے دوجا

لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔ اے نوجوان تو مسلمان ہے اور دیکھ کہہ کیا رہا ہے!؟...... عشق...... عربی لغات کے مطابق دوسری صنف کو اپنانے کے ایسے جذبے کو کہتے ہیں کہ جس میں شہوت اور ہوس کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ آدمی جب اپنی گندی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے تو اس کے جذبہ محرکہ کو عشق کہتے ہیں...... اور سوچ تو کیا کہہ رہا ہے...... یہی عشق...... عبادت ہے...... پوجا ہے...... یعنی اس کی عبادت وپوجا کرنی چاہئے...... اور پھر تو نے دو قدم آگے بڑھ کر اپنا بیڑا غرق کرتے ہوئے۔ "عشق خدا کا نام ہے دوجا" کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو بھی "عشق" کہہ دیا یعنی اس کا نام عشق رکھ کر اس ذات بابرکات کو گالی دی ہے کہ جس نے تجھے پیدا کیا اور اسی نے مار کر دوبارہ قیامت والے دن اٹھا کر تجھے جنت وجہنم کا مالک بنانا ہے۔

اسی گندے نظریے کا حال یہ گانا بھی جوان سرعام گنگناتے نظر آتے ہیں:



یہ عشق ہی مسیحا، یہ عشق ہی خدا ہے
مجھ کو میرے یارا کچھ ہونے لگا ہے

کائنات میں عبادت صرف اور صرف اللہ کریم کی ہونی چاہئے اس کی نشاندہی قرآن مجید نے کی ہے، کسی اور کی نہیں کہ یہ حق صرف اور صرف اللہ رب العزت کا ہے لیکن ہمارے ہاں عام طور پر کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہو کر یہ گانا گایا جاتا ہے:

پتھر کے صنم تجھے ہم نے محبت کا خدا جانا
بڑی بھول ہوئی تجھے ہم نے یہ کیا سمجھا یہ کیا جانا

اور یہ گانا بھی عام بسوں کاروں اور پبلک مقامات میں سننے میں آتا ہے:

تمہی میری منزل تمہی میری پوجا
تمہی دیوتا ہو، تمہی دیوتا ہو

اور ہر جگہ جگہ سنے جانیوالے اس ہندو گانے میں نوجوان لڑکیوں کو یہ سبق دیا جارہا ہے کہ اللہ کے علاوہ محبوب کی پوجا کرنا جائز ہے اور محبت کا تقاضا ہے:

دل میں تجھے بٹھا کے، کرلوں گی میں بند آنکھیں
پوجا کروں گی تیری، ہو کے رہوں گی تیری

یہ واہیات اور توہین رب العالمین پر مبنی گانا کس نے نہیں سنا کہ جس میں ہندو، مسلمان لڑکیوں کو یہ سبق دے رہا ہے کہ میری عبادت کے لائق اللہ کریم نہیں بلکہ صرف میرا محبوب ہے۔ کہتا ہے:

محبت زندگی ہے محبت بندگی ہے
تمہی ہو زندگی میری تمہی میری عبادت ہو

شاید اسی لئے بے ہدایتے جوان یہ گانا گنگناتے چلے پھرتے فرزانے بنے نظر آتے ہیں:

بے وفا صنم! تو جو چلا گیا
ہم سے چاہت کا خدا روٹھ گیا

یہاں ایک لڑکی کے تصور کو خدا بنا کر اس کے سامنے سجدہ ریزیاں کی جارہی ہیں اور کھلے لفظوں میں محبوب کو خدا کا درجہ دے کر خدا کہہ دیا گیا ہے لیکن جوان ہیں بلا سوچے گنگنائے جاتے ہیں جبکہ کراماً کاتبین اس کی زندگی کی یہ کارروائی فوراً حساب کتاب کے رجسٹر میں لکھتے جارہے ہیں۔

مسلمان کے نزدیک پوجا وعبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہوتی ہے لیکن ہندوانہ گانوں نے اس عقیدہ کو مسلم نوجوانوں کے ذہن سے کھرچ دیا ہے۔ اس لئے وہ اللہ کریم کی عبادت سے منہ موڑ کر اس کی سرعام توہین کرتے ہوئے یوں بکتے پھرتے ہیں:

دل میں تیری تصویر ہے آنکھوں میں تو ہی تو
خدا کی قسم خدا کے بعد تیری ہی پوجا کریں گے

یہ گانا بھی ہر جگہ سنا جاتا ہے کہ جس میں رب کے بندے بننے کی بجائے ایک عورت کے بندے بن کر اس کی بندگی کی تعلیم دی جارہی ہے:

تو...... میری زندگی ہے...... تو...... میری ہر خوشی ہے
تو ہی پیار تو ہی چاہت تو ہی بندگی ہے

یہ گانے جہاں ایک مسلمان کو کافر مشرک ملحد اور مرتد بناتے ہیں وہیں نام کے مسلمان اور عمل کے کافر کو اللہ کریم کی دشمنی اور بغاوت پر ابھارتے ہیں اور اسے یہ حقیقت بھلا دیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا ہے، مسلمان ہے اور صرف اللہ کریم کا فرمانبردار و مطیع ہے۔ اس کی نشاندہی آپ اس گانے میں دیکھیں جو ہر پان سگریٹ کی دکان اور چائے کے کھوکھے پر لگا سنائی دیتا ہے:

تمہارے سوا اب نہ چاہت کریں گے
جب تک جئیں گے محبت کریں گے
سزا جو دے گا وہ منظور ہم کو
کہ اب ہم تمہاری ہی عبادت کریں گے

نعوذ باللہ من ذلک الخرافات...... یعنی ہمیں اب عشق کے جذبات کی تسکین کے راستہ میں حائل کوئی رکاوٹ منظور نہیں...... خواہ وہ خدا ہی ہو، ہاں دیکھا جائے گا، وہ سزا ہی دے لے گا نا...... تو وہ سزا ہم سہہ لیں گے لیکن تیرے عشق سے باز نہ آئیں گے بلکہ ہم تو عبادت بھی تیری ہی کریں گے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ایسے ہندوانہ گانے مسلمان جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے دور کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ شیطان عشق کی جلتی آگ پر اور تیل چھڑکتا ہے تو کلمہ گو مسلمان جوان یا اللہ کریم سے بیزاری اور دوری ولاتعلقی کا اعلان کردیتے ہیں اور یہ کفریہ جملے لبوں سے نکال بیٹھتے ہیں:

ان کو خدا ملے خدا کی جنہیں تلاش!
مجھ کو تو اک جھلک میرے دلدار کی ملے
یہ دنیا یہ محفل میرے کام کی نہیں
یہ دنیا یہ محفل میرے کام کی نہیں

لیجئے! خدا کی ضرورت ختم، بدبخت کہہ رہا ہے کہ خدا ان کو ملے جو خدا کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ مجھے تو خدا کی تلاش نہیں، مجھے خدا نہیں بلکہ اپنے محبوب کی ایک جھلک ہی نظر آئے تو کافی ہے، ہم اللہ کریم کی پناہ چاہتے ہیں ایسے بیہودہ کفریہ شرکیہ کلمات سے۔ (آمین)

اے امت مسلمہ کے بیٹو اور بیٹیو! یاد رکھو......

عقیدہ توحید کا مسئلہ بہت نازک ہے۔ یہ سب گانے شرک کی غلاظت سے اٹے پڑے ہیں۔ ایسے گندے گیت جانتے بوجھتے اور سوچ سمجھ کر گانے والا پکا ٹھکا مشرک ہے اور مشرک کا ٹھکانا اللہ کریم نے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ بتایا ہے۔

اے نوجوان بھائی اور اے بہن!...... ذرا غور کر کیا ایسے جوان کو جو اللہ کریم کی کبریائی کو، اس کی عزت کو، اس کے حقوق صفات کو...... اس کی غیرت کو...... اس قدر ڈھٹائی سے چیلنج کر رہا ہو...... معاف کردے گا...... ہم کسی گالی دینے والے کو خالی نہیں جانے دیتے...... وہ اپنی ذات کو اس قدر گھناؤنی گالیاں دینے والے کو بخش دے گا...... کیا وہ ایسے افراد کو مرتے وقت ایمان اور کلمہ نصیب کرے گا...... دنیا میں کامیابی اور آخرت میں کامیابی عطا کرے گا...... ہرگز نہیں۔

غور کریں کہیں آپ بھی ایسے جوانوں کی لسٹ میں شامل تو نہیں کہ جو اللہ کے باغی لکھے جاچکے ہیں اور جہنم کو جن کا مقدر بنا دیا گیا ہے۔ فیصلہ لکھا جاچکا ہے۔ وہ زندگی کی سانسیں پوری کررہے ہیں جہنم کے مسافر بن کر...... ابھی غور کریں (جاری ہے)

The periodic
JARRAR
Lahore
سلسلہ وار جرار لاہور

نبی ﷺ کی ایک فدائی کی عزیمت وشہادت

محسن فارانی

دھان پان سی لڑکی بڈھانہ ضلع مظفرنگر کے ہندو ''آہیر'' (گڈریا) گھرانے میں پیدا ہوئی تھی۔ نام اس کا ''ہیرا'' تھا اور فکر وکردار کے لحاظ سے وہ واقعی ہیرا تھی اور اس میں نیک روح سمائی ہوئی تھی۔ اسے پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا مگر آٹھویں پاس کرنے کے بعد اسے گھر کے کام کاج میں لگا دیا گیا، تاہم گھر والوں کی مرضی کے خلاف اس نے ہائی سکول میں داخلے کا فارم بھرا۔ فیس اور کتابوں کے لئے آٹھ دن کھیتوں میں مزدوری کی۔ جب کتابیں اس کی سمجھ میں نہ آئیں تو گاؤں کے ایک برہمن کی لڑکی سے ٹیوشن پڑھنے جانے لگی۔ برہمن کا ایک بیٹا ڈاکوؤں کے گروہ سے منسلک تھا جو ایک رات ہیرا کو بھگا کر جنگل میں لے گیا۔ وہاں جا کر لڑکی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ چھپ کر چپکے چپکے روتی رہی۔ اس گروہ میں ادریس پور کا ایک مسلمان نوجوان بھی تھا۔ اس کے پوچھنے پر ہیرا نے خدشہ ظاہر کیا کہ یہاں اسے اپنی غیرت خطرے میں لگ رہی ہے۔ اس نوجوان نے کہا: ''میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔ میں ایک غیرت مند بھائی کی طرح تیری عزت کی حفاظت کروں گا اور تجھے صحیح سلامت تیرے گھر پہنچانے کی کوشش کروں گا''۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں کو قائل کر لیا کہ اس بہادر لڑکی کو مردانہ کپڑے پہنا کر گروہ میں شامل کر لیا جائے۔ وہ ہیرا کو الگ کمرے میں سلاتا اور رات کو بار بار اٹھ کر دیکھتا کہ کوئی ساتھی ادھر تو نہیں گیا۔

چند روز بعد اس مسلم نوجوان نے کسی بہانے ہیرا کو بڑوت بھیجا اور تلقین کی کہ وہاں سے تانگے میں بیٹھ کر ادریس پور ہمارے گھر چلی جانا اور میرے چھوٹے بھائی کو اعتماد میں لے کر بتانا کہ وہ یہاں جنگل میں آکر کہے کہ ہیرا کو بڑوت والوں نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ چھوٹے بھائی نے آکر یہی کہانی سنا دی مگر بڑے بھائی نے علیحدگی میں اسے ہدایت کی کہ واپس جا کر ہیرا کو تھانے بھیج دینا اور وہ پولیس سے یہ کہے کہ میں بمشکل ڈاکوؤں سے جان بچا کر یہاں پہنچی ہوں۔ ہیرا نے ایسا ہی کیا تو پولیس نے بڈھانہ تھانے رابطہ کیا جہاں ہیرا کے اغواء کی رپورٹ درج تھی۔ چنانچہ بڈھانہ سے لیڈیز پولیس آئی اور انہوں نے ہیرا کی خواہش پر اسے بڈھانہ پہنچا دیا۔ خاندان والوں نے باتیں بنائیں اور ناپسندگی ظاہر کی تو اس کے باپ اور چچا نے ہسپتال سے ہیرا کا ڈاکٹری معائنہ کرایا جس سے ثابت ہوا کہ اس کی عصمت محفوظ ہے۔

جنگل سے واپس آکر ہیرا مسلمانوں کا بہت ذکر کرنے اور یہ کہنے لگی کہ ایک مسلمان نوجوان نے اس کی عصمت بچائی ہے۔ وہ آس پاس کے مسلم گھرانوں میں بھی جانے لگی۔ ایک مسلمان لڑکی نے اسے ''دوزخ کا کھٹکا اور جنت کی کنجی'' نامی کتاب پڑھنے کو دی۔ اس کے چچا نے اسلامی کتاب گھر میں دیکھی تو اسے دھمکی دی کہ آئندہ ایسی کوئی کتاب گھر میں لائی تو تیرے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا لیکن اس کے دل میں تو اسلام گھر کر چکا تھا۔ اس نے گھر والوں کی سختی کی کوئی پروا نہ کی اور ایک روز ایک مسلمان لڑکی کے ساتھ مسجد جا کر مولوی صاحب کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔ وہ ایک کتاب میں پڑھ چکی تھی کہ پیارے نبی محمد ﷺ بعثت سے پہلے غار حرا میں عبادت کیا کرتے تھے، چنانچہ اس نے خود ہی اپنا نام ''ہیرا'' کے بجائے ''حرا'' رکھ لیا۔ وہ چپکے چپکے نماز سیکھنے اور پڑھنے بھی لگی۔ وہ گھر کے مشرکانہ ماحول سے سخت بیزار تھی چنانچہ اس کی خواہش پر مولوی صاحب اپنی بیوی کے ہمراہ اسے پھلت مولوی کلیم احمد صدیقی کے پاس چھوڑ آئے۔ صدیقی صاحب نے احتیاطاً اسے دہلی اپنی بہن کے ہاں بھجوا دیا۔ مولوی صاحب کی بہن نے جسے وہ رانی پھوپھو کہتی تھی، اس کی بہترین تربیت کی۔

''حرا'' ڈیڑھ سال دہلی میں رہی اور اس عرصے میں وہ ایسی پختہ مسلمان بن گئی کہ قرون اولیٰ کی مسلم خاتون نظر آنے لگی۔ وہ بڑے ذوق وشوق سے قرآن کی تلاوت کرتی۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کی ماں مرگئی ہے۔ اس پر اس کے دل میں ماں کی محبت نے جوش مارا اور وہ مولوی کلیم صدیقی کے منع کرنے کے باوجود بڈھانہ جانے پر تل گئی۔ مولوی صاحب نے اسے تلقین کی کہ اگر جانا ہی ہے تو اپنے گھر والوں کو اسلام کی دعوت دینے کی نیت سے جاؤ۔ تب اگر تمہارے گھر والوں نے تمہیں مار بھی دیا تو شہید کہلاؤ گی، چنانچہ رخصت کے وقت اس نے دو رکعت نماز پڑھی، گھر والوں کی ہدایت کے لئے دعا کی اور انہیں دعوت اسلام دینے کی باقاعدہ نیت کی۔

حرا اپنے گھر پہنچی تو اس کے چچا نے اسے بری طرح مارا مگر وہ مار کھاتی اور کہتی رہی: ''میں اب مسلمان ہوں۔ کوئی مار اور اذیت مجھے اسلام سے نہیں ہٹا سکتی''۔ وہ مار کھاتے ہوئے بھی گھر والوں کو اسلام کی دعوت دیتی اور انہیں مسلمان ہونے کو کہتی۔ دو ماہ بعد اس کی ماں مرگئی تو اس نے اصرار کیا کہ میری ماں کی لاش مسلمانوں کے حوالے کی جائے کہ وہ اسے دفن کر دیں کیونکہ اس نے میرے سامنے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ لیکن اس کے چیخنے چلانے کے باوجود اس کی ماں کی لاش جلا دی گئی۔ وہ کبھی اپنے بھائیوں کو مسلمان ہونے کو کہتی اور کبھی اپنے باپ کو دین کی دعوت دیتی۔ اس پر گھر والوں نے تنگ آکر اسے اس کے ننھیال پہنچا دیا مگر وہاں بھی اس نے اسلام کی دعوت کا کام جاری رکھا، چنانچہ اس کے ماموں نے اس کے باپ اور چچا کو بلا کر کہا کہ اس ادھرم کو واپس لے جائیں۔ آخر کار اس کے چچا اور پتا نے بجرنگ دل والوں سے مشورہ کر کے اس کو مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے چچا نے ندی کے کنارے پانچ فٹ گہرا گڑھا کھودا اور پھر دونوں بھائیوں نے حرا کے ننھیال جا کر اسے اس کی پھوپھی سے ملانے کے بہانے ساتھ لیا۔ حرا نے چلنے سے پہلے نہا کر نئے کپڑے پہنے اور چچا سے کہا: ''مجھے آخری نماز پڑھ لینے دو''۔ نماز پڑھ کر وہ خوشی خوشی ان کے ساتھ چل دی۔

منصوبے کے مطابق کھودے ہوئے گڑھے کے پاس پہنچے تو چچا نے حرا کو دھکا دے کر اس میں گرا دیا اور کہا: ''تو ہمیں نرک (دوزخ) کی آگ سے ڈرایا کرتی تھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچانا چاہتی تھی۔ لے آج اس نرک کا مزہ چکھ''۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تھیلے سے پانچ لیٹر پٹرول کا ڈبہ نکال کر حرا پر انڈیل دیا اور اوپر ماچس کی جلتی تیلی پھینک دی۔ آناً فاناً وہ آگ میں جلنے لگی مگر آگ کے شعلوں میں بھی اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور پکارنے لگی: اے اللہ! تو مجھے دیکھ رہا ہے نا! میرے اللہ! تو غار حرا سے بھی محبت کرتا ہے اور گڑھے میں جلتی حرا سے بھی۔ اے اللہ! تیری محبت اور رضا کے بعد مجھے کسی اور محبت کی ضرورت نہیں''۔ پھر وہ اپنی ابتلا بھول کر زور زور سے کہنے لگی: ''پتا جی! اسلام ضرور قبول کر لینا۔ چاچا! مسلمان ضرور ہو جانا!'' اس دوران میں باپ کے دل میں بیٹی کی محبت جاگ اٹھی اور اس نے کہا: ''ایک بار اور اسے سمجھا کر دیکھ لیتے ہیں''۔ لیکن چچا نہ مانا۔ حرا کی آخری آواز جو ان کے کانوں میں پڑی وہ ''لا الہ الا اللہ'' کی تھی۔ یوں حرا شہیدوں کے مقدس گروہ میں شامل ہو گئی مگر اپنے باپ اور چچا کی اخروی نجات کا سامان بھی کر گئی۔ اس کی المناک شہادت کا باپ پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ گھر آتے ہی بیمار پڑ گیا۔ یہ بیماری اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی، تاہم مرنے سے دو روز پہلے اس نے اپنے بھائی سے کہا: ''میں اپنی بیٹی کی آخری خواہش رد نہیں کر سکتا جس نے آگ کے شعلوں میں جلتے ہوئے بھی مجھے مسلمان ہونے کو کہا تھا۔ میں پچھتاوے کی آگ میں جل

بقیہ نمبر 2 صفحہ 3 پر ملاحظہ فرمائیں

کالموں پر تنقید، تبصرے اور تجاویز کیلئے 0321-4050046

نماز استسقاء اور اس کا طریقہ

اگر قحط سالی ہو جائے' مینہ نہ برسے تو اس وقت مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک دن تجویز کر کے سورج نکلتے ہی پرانے کپڑے پہن کر عاجزی اور گریہ زاری کرتے ہوئے آبادی سے باہر کسی کھلی جگہ میں نکلیں اور منبر بھی رکھا جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ پرانے کپڑے پہنے' خشوع اور آہستگی سے چلتے ہوئے' عاجزی اور گریہ زاری کرتے ہوئے نکلے اور نماز (استسقاء) کی جگہ پہنچے۔

(ابو داؤد' صلاۃ الاستسقاء' ١١٦٥۔ ترمذی' الجمعۃ' باب ماجاء فی صلاۃ الاستسقاء' ٥٥٧۔ امام ترمذی' امام ابن خزیمہ (حدیث ۱۴۰۵'۱۴۰۸'۱۴۱۹) امام ابن حبان (حدیث ۶۰۳) امام حاکم (۱/۳۲۶) اور امام نووی نے اسے صحیح کہا)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے عیدگاہ میں منبر رکھنے کا حکم دیا۔ جب سورج کا کنارہ ظاہر ہوا تو آپ نکلے اور منبر پر بیٹھے' اللہ کی بڑائی اور حمد بیان کی' پھر فرمایا: ''تم نے اپنے علاقوں میں قحط سالی اور بروقت بارش نہ ہونے کی شکایت کی ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو حکم ہے کہ تم اس کو پکارو اور اس نے تمہاری دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے'' پھر فرمایا:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ - اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا إِلٰى حِيْنٍ''.

''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' بہت رحم کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ روز جزا کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اے اللہ تو (سچا) معبود ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو غنی اور بے پرواہ ہے اور ہم (تیرے) محتاج اور فقیر (بندے) ہیں ہم پر بارش برسا اور جو بارش تو نازل فرمائے اسے ہمارے لیے ایک مدت تک قوت اور (مقاصد تک پہنچنے کا) ذریعہ بنا'' (ابو داود' الاستسقاء' باب رفع الیدین فی الاستسقاء' ١١٧٣۔ امام حاکم (۱/۲۶۸) ابن حبان (۶۰۴) اور حافظ ذہبی نے اسے صحیح کہا)۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقاء کے علاوہ کسی دعا میں اپنے دونوں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے' ہاتھوں کو دراز کیا' حتیٰ کہ بغلیں دکھائی دیں۔ (بخاری' الاستسقاء' باب رفع الامام یدہ فی الاستسقاء' ١٠٣١۔ مسلم' صلاۃ الاستسقاء' باب رفع الیدین بالدعاء فی الاستسقاء ٨٩٥)۔

رسول اللہ ﷺ بارش کے لیے دعا کر رہے تھے آپ کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے اپنے ہاتھوں کو چہرہ کے سامنے کیا ہوا تھا اور ہاتھ سر سے اونچے نہیں تھے۔ (ابو داود' الاستسقاء باب رفع الیدین بالدعاء فی الاستسقاء' ١١٦٨۔ امام ابن حبان (حدیث: ۶۰۱، ۶۰۲) نے اسے صحیح کہا)

آپ ﷺ کے ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف تھی۔ (مسلم: ۸۹۵)

پھر امام لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے قبلہ رخ ہو جائے۔ (اور ہاتھ اٹھائے رکھے) اور مندرجہ ذیل دعائیں بڑی عاجزی سے رو رو کر پڑھے۔ اور سب لوگ بھی بڑے خضوع سے آبدیدہ ہو کر ہاتھوں کو الٹا کر کے اٹھائیں اور دعا مانگیں۔ دعائیں یہ ہیں:

''اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا' اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا' اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا''.

''اے اللہ! ہمیں پانی پلا' اے اللہ! ہمیں پانی پلا' اے اللہ! ہمیں پانی پلا''. (بخاری)

''اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَّرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ''.

''اے اللہ! ہمیں پانی پلا' ہم پر ایسی بارش نازل فرما جو ہماری تشنگی بجھا دے۔ ہلکی پھواریں بن کر غلہ اگانے والی' نفع دینے والی ہو نہ کہ نقصان پہنچانے والی' جلد آنے والی ہو نہ کہ دیر لگانے والی'' (ابو داود: ١١٦٩۔ امام ابن خزیمۃ (١٤١٦) امام حاکم (۱/۳۲۷) اور ذہبی نے اسے صحیح کہا)

''اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ''.

''اے اللہ! اپنے بندوں اور جانوروں کو سیراب کر' اپنی رحمت کو پھیلا اور اپنے مردہ شہروں کو زندہ کر دے'' (ابو داود: ١١٧٦) اس کی سند حسن ہے)

صلوٰۃ استسقاء میں ایک اہم مسئلہ چادر کا پلٹنا ہے۔ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ استسقاء کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلے' آپ نے اپنی پیٹھ لوگوں کی طرف کی اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرنے لگے پھر اپنی چادر کو پلٹا پھر ان کو دو رکعتیں نماز پڑھائی اور اس میں بلند آواز سے قراءت کی۔ (بخاری' الاستسقاء' باب کیف حول النبی ﷺ ظہرہ الی الناس' ١٠٢٥)

آپ ﷺ پر سیاہ چادر تھی آپ نے اس کا نچلا حصہ اوپر لانا چاہا مگر مشکل پیش آئی تو آپ نے اسے اپنے کندھوں پر ہی الٹ دیا۔

(ابو داود' صلاۃ الاستسقاء' حدیث ١١٦٤۔ امام ابن خزیمہ (۱۴۱۶) اور امام ابن حبان نے اسے صحیح کہا)

یعنی چادر پلٹتے وقت چادر کا دایاں کنارہ بائیں کندھے پر اور بایاں کنارہ دائیں کندھے پر ڈال دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر چادر کو پلٹا، اس کے اندر کا حصہ باہر کی طرف کیا اور صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ چادروں کو پلٹا۔ (مسند احمد ٤/٤١، ١٦٥٧٩) (ابن دقیق العید نے اسے صحیح کہا)۔

نبی اکرم ﷺ نے نماز عید کی طرح لوگوں کو دو رکعتیں نماز استسقاء پڑھائی۔

مدنی راج اور رام راج

آج سے 71 سال قبل دو ملک پاکستان اور انڈیا معرض وجود میں آئے تو حضرت قائداعظم محمد علی جناح جو پاکستان کے بانی اور پہلے گورنر جنرل تھے انہوں نے واضح کر دیا تھا کہ پاکستان میں مدینے کی ریاست کا تجربہ کیا جائے گا۔ اس کے برعکس انڈیا کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے کہا، انڈیا سیکولر ریاست ہوگا، چنانچہ انڈیا اپنے آئین کے اعتبار سے ایک سیکولر ملک ہے یعنی انڈیا ایسی ریاست ہے جو ہندومت کی حامل مذہبی ریاست نہیں ہے۔ سیکولر ریاست بنانے کا ایک سبب جو انتہائی اہم اور بنیادی ہے اس کا ذکر مہاتما گاندھی نے یہ کہتے ہوئے کیا تھا کہ مسلمانوں کے پاس نظام حکومت چلانے کے لئے حضرت محمدؐ کے دو اہم ترین ساتھیوں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ادوار حکومت ہیں۔ مہاتما گاندھی نے انڈیا کی پہلی وزارتی کابینہ کے اجلاس سے مخاطب ہوتے ہوئے مزید کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کا دور حکومت اور حضرت عمرؓ کی حکمرانی بہترین اور مثالی ہے۔ ہم اس سے رہنمائی لے سکتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے پاس رام وغیرہ کی حکمرانی کی جو مثالیں ہیں، کیا کریں وہ سب طلسماتی ہیں۔ شخصیات بھی طلسماتی ہیں جن کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔

قارئین کرام! پچھلے چند سالوں سے انڈیا کی انتہا پسند مذہبی بھارتیہ جنتا پارٹی برسراقتدار ہے۔ پہلا دور حکومت اٹل بہاری واجپائی کا دور تھا جس میں انتہا پسندی قدرے کم تھی۔ موجودہ وزیراعظم مسٹر نریندر مودی کے دور حکومت میں انتہا پسندی تشدد کی آخری حدوں کو چھونے لگ گئی۔ ہندوتوا کا اعلان کر دیا گیا یعنی ہندوستان میں "رام راج" کو قائم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ اب آئین میں تو ہندوستان بدستور سیکولر ہے مگر عملی طور پر مسلمانوں، سکھوں اور مسیحی لوگوں کے لئے عقوبت خانہ بن چکا ہے۔ چند دن قبل بھارتی آرمی چیف بپن راوت نے پاکستان کو مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ تم پاکستان کو سیکولر ریاست بناؤ اس کے جواب میں پاک فوج کے ترجمان میجر جنرل آصف غفور نے واضح کیا کہ ہم جو ہیں وہی ہیں یعنی ہم اپنے دوقومی اسلامی نظریے کے پہلے دن سے علمبردار ہیں۔ تم ذرا دیکھو تمہارا سیکولرازم کہاں ہے؟

رام راج قائم کرنے کے لئے بابری مسجد کو شہید کیا گیا، وہاں رام مندر بنانے کا اعلان کیا گیا۔ جس شہر میں بابری مسجد تھی، اس کا نام فیض آباد ہے۔ فیض آباد نام تبدیل کر کے شہر کا نام ایودھیا کر دیا گیا۔ رام بھی ہندوؤں کا دیوتا ہے۔ رام کی بیوی سیتا بھی ہندوؤں کی دیوی ہے۔ رام کی بیوی سیتا کو راون اغوا کر کے لے گیا اور سری لنکا میں جا کر اسے قید کر دیا۔ سیتا کو راون کے چنگل سے ہنومان دیوتا نے چھڑایا۔ ہنومان کا منہ بندر جیسا ہے۔ دم بھی ہے۔ انسانوں کی طرح بھاگتا دوڑتا اور گفتگو کرتا ہے۔ سری لنکا جاتے پہاڑ کو بھی اٹھا لیتا ہے۔ اسے ہنومان جی کہتے ہیں۔ اسی لئے تو گاندھی مہاتما کو کہنا پڑا کہ جس رام راج کی بات کی جاتی ہے وہ رام، سیتا اور ہنومان جی وغیرہ تو اک طلسماتی داستان ہے اور اس داستان کے کردار بھی طلسماتی ہیں۔ رام کے نام سے رام راج قائم کرنے کا بی جے پی نے بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ اسی بات پر مودی نے اپنی وزارت اعلیٰ کے دور میں احمد آباد میں دو ہزار مسلمانوں کو زندہ جلا دیا اور سینکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اب پولیس آفیسر اور انڈین فوج کے لیفٹیننٹ جنرل رینک کے ایک افسر نے کتاب لکھ دی ہے۔ انکشافات سامنے آ گئے ہیں کہ مودی خود قتل عام کا ذمہ دار تھا۔ کشمیر کی وادی جس کے عوام کی تعداد ایک کروڑ سے بھی کم ہے۔ باقی ہندوستان کہ جہاں کی آبادی ایک ارب پینتیس کروڑ ہے۔ وہاں اس قدر نابینا افراد نہیں جس قدر مقبوضہ کشمیر میں ہیں۔ صرف اس ایک ظلم سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مظالم کی باقی اقسام کا حال کیا ہوگا؟ یہ ہے رام راج کہ جس میں



گائے کے تقدس کی خاطر سینکڑوں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جا چکا ہے۔ بابری مسجد تو علامتی نام ہے۔ ہندوستان میں سینکڑوں مساجد کو مندر بنایا جا چکا ہے۔ گزشتہ 71 سال میں کانگریس کا سیکولرازم ہو یا بی جے پی کا ہندوتوا کا نظریہ...... لاکھوں مسلمانوں کو فسادات میں شہید کیا جا چکا ہے۔ صرف ایک رات میں آپریشن بلیو سٹار کے تحت دس ہزار سکھوں کو قتل کیا گیا اور دو ہزار سکھوں کے گلے میں ٹائر ڈال کر جب اسے آگ لگائی جاتی تو انسان کوئلہ بن جاتے۔ اتر پردیش صوبے میں متعصب ہندو سادھو اور مندر کے پجاری آدتیہ ناتھ نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ کسی اور مذہب کا ایسا آدمی کسی ملک کے صوبے کا وزیراعلیٰ ہوتا اور مودی جیسا وزیراعظم ہوتا تو اس ملک کو دہشت گرد ریاست قرار دے دیا جاتا مگر مودی حکومت اتنے سارے ظلم کرنے کے باوجود بھی دنیا میں تسلیم شدہ ہے، حیرانی ہوتی ہے۔

مدینے کی ریاست کی بات میں صرف جانوروں کے حوالے سے کروں تو امام طبرانی ایک حدیث لائے ہیں۔ سرکار مدینہ حضرت محمد کریمؐ تشریف لے جا رہے تھے دیکھا کہ ایک شخص بکری کی گردن پر پاؤں رکھا ہوا ہے اور چھری کو تیز کر رہا ہے۔ بکری تیز ہوتی ہوئی چھری کو دیکھ رہی ہے حضور رحمت دو عالمؐ نے دیکھا تو اسے مخاطب کر کے یوں جھڑکا "تیرا ارادہ یہ ہے کہ اس بکری کو متعدد موتوں سے دوچار کرے، تم نے اسے ذبح کرنے سے پہلے اپنی چھری کو تیز کیوں نہ کر لیا؟" (الصحیحہ :24) حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ میں اپنی خلافت کے دور میں ایک شخص کو ایسے ہی دیکھا کہ وہ بکری کو لٹا کر چھری تیز کر رہا ہے جبکہ بکری اس چھری کو دیکھ رہی ہے تو حضرت عمرؓ نے اس شخص کو دُرّے سے مارا اور کہا "تم ایک جاندار کو تکلیف دے رہے ہو، اس بکری کو ذبح کرنے کے لئے پکڑنے سے پہلے تم نے چھری کو تیز کیوں نہ کیا" (بیہقی، الصحیحہ :30)

لوگو! یہ تھا مدینے میں رحمۃ للعالمین حضرت محمد کریمؐ کا رحمتوں بھرا راج کہ جس میں جانوروں کا بھی تحفظ تھا۔ مہاتما گاندھی اسی لئے تو حضرت عمرؓ کے دور کی بات کرتے تھے۔ انہی حضرت عمرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ جو سرکار مدینہؐ کے صحابی بھی تھے۔ بکریوں کے چرواہے کو دیکھا کہ اس نے ایک تنگ جگہ میں بکریوں کو ٹھونس رکھا ہے۔ وہ جگہ صاف ستھری بھی نہیں تھی۔ جبکہ دوسری جگہ کشادہ بھی تھی اور بہتر بھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس چرواہے سے کہا "اے چرواہے اتم برباد ہو گئے۔ بکریوں کی بری جگہ کو اچھی جگہ سے تبدیل کرو۔ میں نے اللہ کے رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر نگران کو اس کی زیر نگرانی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (مسند احمد :5869، حسن)

جی ہاں! یہ تھے مدینہ منورہ کے پاکباز لوگ، حضرت محمد کریمؐ کے صحابہؓ جو جانوروں کا بھی خوب خیال کرتے تھے۔

حضرت ابودرداءؓ معروف صحابی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیت نازل فرمائی کہ (اے مسلمانو!) "تم اس وقت تک نیکی (کے اعلیٰ درجے) کو نہیں پا سکتے یہاں تک کہ تم لوگ اس چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو کہ جسے تم سب سے بڑھ کر چاہتے ہو۔" حضورؐ نے مذکورہ فرمان ربانی اپنے صحابہؓ کو سنایا تو مدینہ منورہ میں حضرت ابودرداءؓ کا کھجوروں کا باغ کہ جو انہیں سب سے بڑھ کر پسند تھا، وہ حضرت محمد کریمؐ کی خدمت میں پیش کر دیا کہ انہوں نے یہ باغ اللہ تعالیٰ کو دے دیا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے باغ میں آئے، اپنی اہلیہ کو آواز دی کہ اس باغ سے باہر آ جاؤ اب یہ ہمارا نہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں حضرت محمد کریمؐ کے حوالے کر دیا ہے۔ ایسے معروف اور متقی صحابیؓ کا حال یہ تھا کہ ان کا ایک اونٹ تھا، اس کا نام انہوں نے دمون رکھا ہوا تھا۔ فوت ہونے لگے تو اسے مخاطب کر کے کہا، اے دمون! میرے رب کے ہاں کل کو مجھ سے جھگڑا نہ کرنا، میں نے تجھ پر ہمیشہ اتنا ہی بوجھ لادا ہے جتنا تو اٹھا سکتا تھا۔ یاد رہے! حضرت ابودرداءؓ مذکورہ اونٹ کسی کو ادھار پر دیتے تو اس شرط پر دیتے کہ میرا اونٹ فلاں حد تک وزن اٹھا سکتا ہے اس سے زائد وزن اور بوجھ نہیں لادنا۔ (الصحیحہ :30) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ ان کا غلام ایک خچر پر کام کرتا تھا۔ روزانہ چاندی کا ایک درہم لاتا تھا (مسلمانوں کے خلیفہ اس سے اپنا گزارہ کرتے تھے) ایک دن وہ ڈیڑھ درہم لے آیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے پوچھا، آج زیادہ کمائی کیسے ہو گئی۔ غلام عرض کرنے لگا، منڈی میں مانگ بڑھی ہوئی تھی۔ فرمایا، نہیں تم نے خچر کو تھکایا ہے۔ اب یہ تین دن آرام کرے گا (الصحیحہ :30) جی ہاں! جس مدنی راج میں جانوروں کے ساتھ ایسا رحمتوں بھرا سلوک ہو وہاں انسانوں کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا۔ پاکستان تو ایسی مدنی ریاست چاہتا ہے۔ میں کہوں نہ کہوں، کہاں مدنی ریاست کا رحمتوں بھرا نظام، کہاں ظلموں اور ظلمتوں سے بھرا مودی کا رام راج؟

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں

بابا مردانہ کے گاؤں کی خوشبو

اڑان

امیر حمزہ

وزیراعظم عمران خان، جنرل قمر جاوید باجوہ اور نوجوت سنگھ سدھو نے پاکستان اور انڈیا کے درمیان امن کی خوشبو کے لئے کرتارپور کا دروازہ کھولنے کا اعلان کیا تو امن کے خواہش مندوں کی خوشیاں دیدنی تھیں۔ میں اس حوالے سے صوفی منش بزرگ بابا جی گورونانک پر دو کالم لکھ چکا ہوں۔ آج کا کالم بابا جی گورونانک کے اہم ترین دوست بابا جی مردانہ پر لکھنے کا پروگرام بنایا تا کہ کرتارپور کے راستے سے امن کا جو خوشبودار چراغ جلا ہے وہ مدھم نہ ہونے پائے۔ میں نے چراغ میں تیل ڈالنے کا پروگرام بنایا اور مردانہ گاؤں جا پہنچا۔ نارووال شہر کے جنوب میں مردانہ گاؤں ہے اور شمال میں کرتارپور گاؤں ہے۔ نارووال دونوں دیہات کے وسط میں ہے۔ دونوں گاؤں دریائے راوی کے کنارے سے قدرے ہٹ کر ہیں۔ بابا گورونانک اور بابا مردانہ دونوں ہی ننکانہ میں پیدا ہوئے۔ بابا مردانہ مسلمان گھرانے میں 1459ء میں پیدا ہوئے جبکہ بابا گورونانک ہندو گھرانے میں 1469ء میں پیدا ہوئے یوں بابا مردانہ دس سال بڑے تھے۔ دونوں دوست تھے۔ ننکانہ سے نکلے تو بابا مردانہ نے مردانہ گاؤں کی بنیاد رکھی اور مرتے دم تک یہیں رہے۔ بابا گورونانک نے کرتارپور کی بنیاد رکھی اور آخری دم یہیں رہا۔ میں مردانہ گاؤں پہنچا تو میرے ہمراہ عرفان مہیس اور صلاح الدین تھے۔ گاؤں کے بڑے چودھری جناب رانا اقبال اپنے ڈیرے پر ہمارے منتظر تھے۔ انہوں نے مردانہ کی تاریخ کے پرت کھولنے کے لئے اپنے چچا رانا نصراحمد اور دیگر بزرگوں کو بلا رکھا تھا۔ جناب نصراحمد صاحب بتانے لگے کہ سارا گاؤں بابا مردانہ کی اولاد ہے۔ اردگرد کے پانچ دیہات جن میں ملک وال اور میرو وال وغیرہ ہیں وہاں بھی زیادہ تر بابا مردانہ کی اولاد ہی بس رہی ہے۔ مردانہ گاؤں مغل بادشاہوں کے دور میں بہت بڑا قصبہ تھا۔ یہاں عطریات کے ایک سو چالیس کارخانے تھے۔ کولہو چلتے تھے اور عطر تیار ہوتا تھا۔ یہ عطر سارے ہندوستان میں سپلائی ہوتا تھا۔ خاص طور پر اعلیٰ ترین عطر مغل بادشاہوں کے دربار میں جاتا تھا۔ شاہ ہند جہانگیر اور ان کی ملکہ نور جہاں کے پاس لاہور کے قلعہ میں عطر یہیں مردانہ سے جایا کرتا تھا۔ بابا جی محترم نصراحمد صاحب بولتے جا رہے تھے کہ ہم حضرت علیؓ کے بیٹے حضرت عباس علمدار رحمہ اللہ کی اولاد میں سے ہیں۔ ہمارے بڑے افغانستان میں آئے اور وہاں سے سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کے ساتھ پنجاب آئے تھے۔ یہاں ہندو راجپوتوں کے ساتھ شادیوں کی وجہ سے ہمارے بڑے راجپوت اور رانے کہلوانے لگ گئے۔ بابا مردانہ انہی کی اولاد میں سے تھے یوں اب ہمارے اردگرد کے دیہات بھی راجپوتوں کے دیہات کہلاتے ہیں۔

رانا رحمت علی بولے کہ ہمارے گاؤں کے ساتھ جب سیم نہر کی کھدائی کی گئی تو مغلیہ دور کے چاندی کے سکے برآمد ہوئے۔ ساتھ ہی بی آر بی کی نہر ہے اور اس کے بعد دریائے راوی ہے۔ انہوں نے ایک تاریخی تندور کا بھی ذکر کیا۔ میں دیکھنے کو ان کے ساتھ چل دیا چنانچہ گاؤں سے کوئی آدھ کلومیٹر کے فاصلے پر سطح زمین سے نیچے دبا ہوا تندور دیکھا جہاں مغلوں کے دور میں یہاں کے باسی روٹیاں پکایا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مغلوں کے دور کا مردانہ بہت بڑا قصبہ تھا جہاں کھیتوں میں ہر جانب طرح طرح کے پھول کھلا کرتے تھے۔ دریائے راوی کا پانی ان کھیتوں کو سیراب کرتا تھا۔ ہر جانب خوشبوؤں کی بہار تھی۔ پھر ان پھولوں سے عطر بنتا تھا، کیمیکلز کا اس دور میں رواج نہ تھا۔ 140 کارخانوں کے عطریات کی خوشبو جب مردانہ گاؤں کی گلیوں اور چہار اطراف میں پھیلتی تھی تو کیا منظر بنتا ہو گا۔ اب تو یہ چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے اور بلندی پر واقع ہے۔ یہیں بابا مردانہ کی چند سال پہلے تک قبر بھی واضح تھی مگر اب مجھے دور سے رانا رحمت علی وہ گھر دکھلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ بابا جی کی قبر جس کو ہم نے خود دیکھا اس کا نشان مٹ گیا اور اب اس پر گھر بن چکا ہے۔ بابا مردانہ جب 1534ء میں 75 سال کی عمر میں فوت ہوئے تو بابا جی گورونانک یہاں تعزیت کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے واویلا کرنے والوں کو نصیحت کی تھی کہ میرے دوست کے لئے واویلا کیوں کرتے ہو، وہ تو اپنے اللہ کے پاس گیا ہے۔ بابا جی گورونانک نہ جانے اپنے دوست سے کتنی بار ملنے کو مردانہ آئے جبکہ آخری بار دوست کی وفات پر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ سکھوں نے ضلع گورداسپور میں بھی مردانہ نام کا ایک قصبہ بنا دیا ہے۔ اس سے بابا مردانہ کے ساتھ سکھوں کی محبت کا پتہ چلتا ہے۔ عقیدت کا عالم یہ ہے کہ گولڈن ٹیمپل امرتسر کے خزانے کی چابیاں بابا مردانہ کی مسلمان اولاد کے پاس ہیں جو نسل در نسل نذر کی گئی رقم کے محافظ و نگہبان ہیں۔ سمجھدار سکھ آج بھی حسرت و افسوس سے ہاتھ ملتے ہیں کہ 1947ء میں ماسٹر تارا سنگھ کو اتنی بھی سمجھ نہ آئی کہ جب گولڈن ٹیمپل کا مقدس خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے تو پنجاب کی ایکتا اور یکجہتی کے لئے اس نے بابا جی قائداعظم کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ بہرحال! یہ تو اب تاریخ ہے لیکن حقیقت تو یہی ہے کہ گورونانک کا جگری یار بابا مردانہ، یار کی اولاد اور گاؤں کہ جہاں کئی بار گورونانک آئے سب کچھ پنجاب اور پاکستان میں ہے۔

بابا گورونانک اور بابا مردانہ نے زندگی میں کل چار بڑے سفر کئے، پہلا سفر بنگال، آسام، اڑیسہ اور وسطی ہندوستان سے ہوتے ہوئے راجستھان کا سفر کیا اور بارہ سال بعد 1509ء میں واپسی ہوئی۔ دوسرا سفر جنوبی ہند اور سری لنکا کا ہے۔ پانچ سال بعد واپسی ہوئی تو کرتارپور کی بنیاد رکھی۔ تیسرا سفر کوہ ہمالیہ کی پہاڑی ریاستوں، تبت اور کشمیر کا ہے جس میں تین سال لگے۔ آخری اور چوتھا سفر ایران اور عراق سے ہوتے ہوئے سعودی عرب کا سفر ہے۔ بابا جی گورونانک کو اس سفر کا کس قدر شوق تھا اس کا اندازہ ''جنم ساکھوں'' نامی کتاب میں ان کا یہ قول ہے ''مردانہ! ان حاجیوں کو جانے دو، اگر ہماری قسمت میں کعبہ کا حج ہے تو ہم بھی پہنچ جائیں گے۔'' قارئین کرام! بابا جی کے مندرجہ بالا قول سے واضح ہوتا ہے کہ بابا مردانہ نے اپنے دوست گورونانک کے دل میں دیدار حرمین کی چاہت کو اس قدر بڑھا دیا تھا کہ حاجیوں کے جس قافلے میں وہ شرکت نہ کر سکے اس پر بابا گورونانک بابا مردانہ کو تسلی دیتے ہیں کہ آئندہ سہی...... دوسری بات یہ کہ بابا گورونانک باقاعدہ حج کرنے کا قصد رکھ کر حج کرنے کو گئے۔ اور پھر دونوں دوستوں نے مکہ اور مدینہ میں ایک سال قیام کیا۔ بابا جی گورونانک پر حج کے جو اثرات مرتب ہوئے اس پر وہ قرآن مجید کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کل جگ کے (آخری زمانے) میں قرآن شریف ہی منظور شدہ کتاب ہے۔ دوسری تمام کتابیں منسوخ ہو گئی ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانی جلوہ گر ہے۔'' بابا جی گورونانک پل صراط کے بارے میں لکھتے ہیں ''پل صراط کا راستہ بڑا کٹھن ہے وہاں کوئی کسی کا ساتھ نہ دے گا۔ ہر ایک کو اکیلا گزرنا ہو گا۔'' حضرت محمد کریمؐ کے بارے میں کہتے ہیں'' سچے دل سے تصدیق کرو کہ اللہ اور اس کا رسولؐ برحق ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہ پوچھو۔'' جی ہاں! گوروگرنتھ صاحب کہ جس کی پہلی بانی ''جپ جی'' ہے وہ سورہ اخلاص کی شرح ہے۔ بابا جی گورونانک اس کے بعد بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ کے اشعار لائے ہیں ''اٹھ فریدا وضو ساج صبح نماز گزار'' یعنی اے فرید! صبح سویرے اٹھو اور نماز پڑھو...... جی ہاں! جس طرح بابا فرید رحمہ اللہ کا کلام گرنتھ صاحب کا حصہ ہے۔ اسی طرح بابا مردانہ کا کلام بھی ''گرنتھ صاحب'' کا حصہ ہے۔ بابا مردانہ بھی صوفی بزرگ اور شاعر تھے۔ توحید کے علمبردار تھے۔ اسی لئے بابا جی گورونانک کی شاعری میں توحید کو کلیدی، بنیادی اور اساسی اہمیت حاصل ہے۔ حج کے سفر نے توحید کے رنگ کو مزید گہرا کر دیا۔ مدینہ منورہ میں رہائش کے دوران حضور نبی کریمؐ کی محبت کا رنگ چڑھا۔ یہی وجہ ہے کہ حج کے سفر کے بعد بابا جی کرتارپور سے باہر نہیں گئے۔ گئے تو بابا مردانہ کی وفات پر مردانہ گاؤں میں گئے۔ میں مردانہ میں رانا اقبال صاحب کے ڈیرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ تب مردانہ گاؤں میں پھولوں اور عطریات کی خوشبوئیں تو تھیں ہی، توحید و رسالت کی خوشبوئیں بھی خوب تھیں۔

پاکستان کی طرف سے کرتارپور کوریڈور کا کام تیزی سے کیا جا رہا ہے۔ انڈیا کی طرف سے مکمل خاموشی ہے۔ راوی پر جو پل بن رہا ہے، انڈیا نے بغیر وجہ کے اور بغیر بتلائے پانی چھوڑ کر تعمیراتی سامان کا نقصان کر دیا ہے۔ سامنے کی بات یہ ہے کہ انڈیا امن کو موقع نہیں دینا چاہتا۔ بہرحال! پاکستان کو اپنا کام مکمل کرنا ہے۔ میری ایک تجویز ہے کہ مردانہ گاؤں اور کرتارپور گاؤں میں ہر طرح کے پھولوں کے دو باغ لگائے جائیں۔ ان باغوں میں عطریات کی دو فیکٹریاں بھی لگائی جائیں۔ مردانہ اور نانک کے ناموں کی خوشبویات تیار کی جائیں۔ کرتارپور سے مردانہ تک دو رویہ شاندار سڑک بھی تیار کی جائے۔ اس سے علاقے میں معاشی سرگرمی خوب گرم ہو گی۔ ساتھ ساتھ امن کی خوشبو بھی پھیلے گی تو اس امن کے ساتھ پورے خطے کو امن نصیب ہو گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اک فقط نام محمد ﷺ سے محبت کی ہے

بہت متحمل مزاج، بردبار اور سلیقہ شعار شخص بھی کبھی چیخ اٹھتا ہے۔ کبھی چیخنا بھی وقار اور کبھی باآواز بلند پکارنا بھی انسانیت کا نکھار ہوتا ہے سو کل ایک ایسا ہی دن تھا، ہنگامے وولولے، جذبے اور خروش کا دن!

لاہور جب ویک اینڈ کی چھٹی سے معطل ہوا پڑا تھا۔ گلیاں سنسان تھیں اور شاہراہوں پہ سناٹا سو رہا تھا تو ایسے میں سرد ہوا کے تھپیڑوں کو چیرتا، اپنے جذبہ ایمانی کی حدت سے فضا کو دہکاتا، جذبوں میں آگ لگاتا، سوئے ہوؤں کو جگاتا ایک قافلہ نعرہ زن تھا۔ یہ کارواں نہ تو زرداری کی مخالفت میں نکلا تھا اور نہ میاں صاحبان کی حمایت میں، یہ کسی آرٹیکل 6 کے لئے نکلا تھا نہ دفعہ 248 کے خلاف۔ یہ کارواں کسی ذاتی مفاد یا سیاسی عناد کے لئے بھی ہرگز سرد موسموں کے سپرد نہ ہوا تھا۔ انسانیت سوز مہنگائی کے خلاف اظہارِ جذبات کے لئے بھی یہ ہجوم نہ امڈ آیا تھا۔ دراصل یہ ناروے کی گستاخانہ اور جارحانہ رکیک حرکت کے خلاف ناموسِ رسالت کے پاسبانوں کا قافلہ تھا۔ زخمی روح، مجروح دل اور بھیگی آنکھوں کے حامل کبیدہ خاطروں کا اجتماع...... ندامت اور بے بسی سے جن کارواں رواں کانپ رہا تھا۔ احساس ہزیمت جن کے آنسوؤں سے برستا، عزم جن کی پیشانیوں پہ دمکتا اور حرفِ احتجاج جن کے لبوں پہ مچلتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حکمرانوں کے ہاتھوں اپنی بہت تذلیل برداشت کر لی تھی مگر وہ اپنے محبوب پیغمبر کی شان میں اک گستاخانہ جملہ بھی برداشت نہ کر سکے تھے۔ کرتے بھی تو کیونکر، ان کی الفت و محبت، انکے عقیدہ و عقیدت اور ان کی اخروی نجات داؤ پہ لگنے کی نوبت آ گئی تھی، سو حرمت رسول کی جہاں پناہ سوچ انہیں جوق در جوق اس ٹھنڈ میں باہر لے آئی تھی۔ آفتن پوسٹن کی چیف ایڈیٹر مغالطے کا شکار تھی کہ اب اس رسول کے امتی نکل نہ سکیں گے اور یہ اس کا زعمِ باطل آشکار کرنے نکلے تھے۔ اس نبی کے لئے نکلے تھے جس نے اپنی ہر صبح اور ہر شام بلکہ پوری زندگی از اول تا انجام انسانیت کی فلاح کے نام کر دی تھی۔ جس نے انسان کے لئے دکھ جھیلے اور درد اٹھائے تھے۔ جس نے غریبوں کو نوازا، بیواؤں کو عطایا، بے کسوں کو تقویت دی اور جو بے نواؤں کی نوا بنا رہا تھا۔ وہ جس نے مخلوق کو خالق کا پتا دیا، آدمی کو آدمیت اور انسان کو انسانیت کی راہ دکھائی مگر کچھ بدطینت انسان نما حیوانوں نے اسی وقارِ انسانیت اور نکھارِ آدمیت پہ حرفِ ملامت کسنے کی کوشش کی تھی، تو آج یہ لوگ ان بے اصل گستاخوں کو یہ بتانے نکلے تھے کہ جب تک اس نبی کا ایک بھی امتی باقی ہے ہر گستاخ زباں گدی سے کھینچ پھینکی جائے گی، ہر میلی آنکھ پھوڑ دی جائے گی اور ہر بد دماغ کی کھوپڑی کے ناریل کو چٹخا دیا جائے گا۔ یہ حمیت کے حامل اس آفتن کی آفت کا جواب بن کے نکلے تھے۔ دراصل اس نے کہا تھا "اب کے بھرپور ردعمل نہ ہوگا" اور ان میں سے ہر سینہ اپنی جگہ محبت کا بھرپور نمونہ بنا دہک رہا تھا۔ رسولِ رحمت کے نازیبا خاکوں کی اشاعت اور پھر اس پر مسلمانوں کی حمیت کو تازیانہ لگاتے یہ لفظ نہ تھے اک پگھلا سیسہ تھا جو امن عالم کے دعویداروں نے اہل اسلام کے کانوں میں انڈیلا۔ یہ حرف نہیں زہر میں بجھے وہ تیر ہیں جنہوں نے ہر غیرت مند مسلمان کا کلیجہ چھلنی کر دیا ہے۔ دل انگارہ ہوا جاتا ہے اور دماغ چولہے پہ ابلتی ہنڈیا بنا جاتا ہے جب اپنی بے بسی اور حکمرانوں کی بے حسی کی طرف نظر جاتی ہے۔ تو بے اختیار سوچتا ہوں افسوس کس بے چہرہ عہد سے پالا پڑا ہے جہاں عزت سے ہمکنار کرنے والے ہی کی عزت پہ حملہ کیا جاتا ہے مگر اہل اقتدار اپنے اختیار بروئے کار نہیں لاتے۔ اسلام کے قلعہ پاکستان کے صدر زرداری صاحب نے فرمان جاری کیا کہ وہ شہادت کے آرزومند ہیں مگر افسوس ان کی شہادت کی تڑپ میں حب رسول کا کوئی شعلہ فروزاں نہیں۔ وہ بس قتیل قصرِ صدارت کہلانے تک محدود ہیں۔ یہاں ایک وزیراعظم گیلانی ہیں، جو سید ہیں اور رسول رحمت کے خاندان سے نسبت کے دعویدار بھی ہیں مگر اس پاکیزہ نسبت کی لاج رکھنے کے لئے جان وارنا تو کجا، خم ٹھونک کے میدان میں اترنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ یہاں کچھ شریف بستے ہیں جو سترھویں ترمیم، تیسری بار وزیراعظم نہ بننے کی شقوں کے خلاف تو سڑکوں پہ نکل سکتے ہیں، مگر اپنے آخری پیغمبر کی حرمت کے تحفظ کے لئے حرکت و عمل سے غافل ہیں۔ یہاں اقتدار کے نشے سے چور اک سیاستدان موجود ہے، عسکریت کے مایہ ناز سپوت تمغے سجائے پھرتے ہیں مگر کسی کی غیرت کسی کا سینہ گستاخوں کا جواب نہیں ہوتا۔ یہ اپنی جعلی عزت و ناموس کے لئے لڑنا مرنا تو جانتے ہیں مگر جس کی سفارش و شفاعت پہ انحصار ہے اس کی عزت کی خاطر لڑنے مرنے کی طرف نہیں آئے۔

لرزیدہ تصور تڑپتا ہے، کاش ہم بے حمیت کرتی



سیاست اور ہڈیوں کے گودوں سے غیرت کو چوس لیتی مصلحت سے دور کسی صحرانورد کے دور میں ہوتے، جہاں بلند و بالا برج الخلیفہ نہ ہوتے، جہاں جراتوں کو پامال کرتی آسائشیں نہ ہوتیں، جہاں احساس مروت کو کچلتے، آلات بھی نہ ہوتے۔ صحرا ہوتا، ریگستان میں کہیں کہیں نخلستان ہوتے، ریت کے ٹیلوں میں بکریاں گم ہوتیں اور کھجور کے جھنڈ کہیں کہیں سایہ کرتے مگر حمیت ہوتی، غیرت ہوتی، اپنے پیغمبر کی حرمت کی شناخت ہوتی۔ جہاں کوئی ابوبکر ہوتا، حسان بن ثابت ہوتا، خبیب ہوتا اور وہ ہوتے جو گردن کٹا دیتے لیکن سر نہ جھکنے دیتے تھے۔

رسولِ رحمت کے خلاف جسارت ہو چکی اور اس پر اہل ایمان کی غیرت کو چیلنج بھی کیا جا چکا، بے بس اہل ایمان نے رو رو کر برا حال کر لیا ہے مگر حکمرانوں کے کاروبار سیاست و محبت میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکی۔ جب ہم صحرانشین تھے تو کفار کا اک سفیر آیا تھا، عروہ بن مسعود الثقفی، وہ آیا تھا مگر ایسی پرامن خبریں لے کر واپس نہ گیا تھا جیسی ناروے، سوئٹزرلینڈ اور ڈنمارک کے سفیر گستاخی کے باوجود ہمارے حکمرانوں کے متعلق اپنے ملکوں کو بھیج رہے ہیں۔ عروہ نے دیکھا، صحابی پیغمبر کے وضو کا پانی زمین تک جانے نہیں دیتے اور رسول رحمت کے لعاب دہن تک کو جسم و جاں پر لیتے ہیں، یہ محبت و عقیدت کا ایسا حیران کن منظر تھا جو عروہ نے کسی دربار اور کسی سلطنت میں نہ دیکھا تھا۔ اس نے اس منظر سے بے تاب ہو کر کفار کو خبر دی کہ ایسے اہل محبت سے جنگ نہیں جیتی جا سکتی، بقا چاہتے ہو تو صلح کی چارہ جوئی کرو۔ یہ بھی سوچیے کہ کیا آج کے سفیر ہمارے ردعمل سے ایسی خبریں بھیجیں گے؟

پریس کلب کے سامنے مقررین کے اظہار جذبات کے بعد کاروانِ پاسبان حرمت رسول چل پڑا تھا اور میں بھی اسی جذبے کے دریا کا حصہ تھا۔ جوش و خروش اور جواں جذبے کو دیکھ کر میں سوچ رہا تھا کہ اس جرأت و جذبے کے حامل لوگوں کو اگر کوئی قائد مل گیا ہوتا تو یہ دنیا کا نقشہ بدل دیتے۔ کس جذبوں بھری قوم کو کیا سرکس میں تماشا کرتے موم کے بے حس پتلے قائد نصیب ہوئے ہیں؟ اسمبلی کی گزرگاہ پہ میں دکھ سے سوچتا رہا۔

جب کارواں جذبہ الفت رسول کی حدت سے دہک رہا تھا تو اس کے گرم جوش ولولے سے اردگرد بھی مجھے پگھلتا محسوس ہو رہا تھا، سکیورٹی پہ نظر رکھتے ایلیٹ فورس کے جوانوں کی گاڑی ساتھ ساتھ جا رہی تھی اور چیئرنگ کراس سے گزر کر وہ گاڑی اک ذرا ہمارے مقابل رکی اور فرنٹ پہ بیٹھے آفیسر نے اپنا بازو شیشے سے باہر نکال کے لہرا اور وکٹری کا نشان بنا دیا۔ اگلے چوک میں ٹریفک کا بہاؤ سنبھالتے چوراہے پہ متعین کانسٹیبل کے لب بھی میں نے مجمع سے ہم آہنگ ہلتے دیکھے۔ دورویہ لوگ اس ہجوم کے جذبے کو بصد حیرت ملاحظہ کر رہے تھے، کبھی وہ بھی بازو لہرانے لگتے اور مجمع کا ساتھ دیتے، مجھے لگا شاید رسول کائنات کی تقدیس بھرے سینوں سے اردگرد کے عوام ہی ہم آہنگ نہیں شجر و حجر بھی ہم نوا ہیں۔ سب ساتھ تھے مگر اک ذرا پرے گورنر ہاؤس سے کوئی نکلا تھا اور نہ صوبائی اسمبلی کی عمارت ہی سے کوئی نکلا۔ کل یہ فضا بھی گواہی دے گی اور یہاں کی یہ شاہراہ بھی گواہی دے گی۔ تب اللہ تعالیٰ کے محفوظ ویڈیو کلپ چلیں گے تو اسمبلی کی عمارت، گورنر ہاؤس اور اس میں بستے لوگ رب کو کیا منہ دکھائیں گے؟؟ وہ کس منہ سے حضور حوض کوثر پیش ہو سکیں گے؟ ہاں مگر ثابت ہوگا، کچھ بے نوا نکلے تھے، وہ بے بس تو تھے بے حس ہرگز نہ تھے، انہوں نے اپنے گلے کی ساری توانائی کو آواز بنایا تھا کہ شاید حکمرانوں کے کانوں تک کوئی صدا پہنچ جائے۔ وہ حرمتِ رسول کا پرچم لے کر نکلے تھے کہ محبتِ رسول کے تعلق دار اس کی چھاؤں میں آ جائیں اور یہ قافلہ نکل چکا، رستہ متعین ہو چکا، ان شاء اللہ حرمتِ رسول کے نام پر یہاں بہت سے سینے نکلیں گے، بہت سے سر ہوں گے، فتنے باز اخبار کی چیف ایڈیٹر کو جھوٹا ثابت کرنے یہاں ایک نہیں لاکھوں لوگ نکلیں گے۔ وہ ثابت کر دیں گے کہ دنیا نے ایک بار پھر غلط اندازہ لگایا۔ محمد ﷺ سے محبت تو ہماری وہ میراث ہے جو ہر جبر و صبر کے دور میں ہم نے لٹنے سے بچائی ہے۔ ہم آگ میں جلے، ہم کانٹوں پہ چلے، ہم نے سنگینوں کے سایوں میں زندگی بسر کی، ہم جنگوں میں اترے اور ہم نے شہداء سے اپنے صحن بھر لئے۔ ہم نے سب کچھ جھونک دیا، ہم نے اپنی آن، بان اور جان ہر شے لٹا دی مگر کبھی حرمتِ رسول پر سودا نہیں کیا۔ لوگو! گھروں میں بیٹھے آنسو نہ بہاؤ، باہر نکلو، رسول اللہ ﷺ سے اپنی محبت کے طفیل یہ ثابت کر دو کہ یہاں حکمرانوں کے سوا کوئی بے حس نہیں۔ خط لکھو، ای میلز بھیجو اور فون کرو۔ گستاخ ملکوں کے سفارتخانوں کو بتا دو، اس اخبار کو بتا دو ابھی کتنے سینوں میں محمد کی محبت بستی ہے، ابھی کتنے سروں میں اس پر کٹنے کی تمنا مچلتی ہے اور ابھی کتنے بازوؤں میں اس کے لئے گستاخوں کے سر کاٹ لینے کی قوت باقی ہے۔ اٹھو اور ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر دنیا پر ثابت کر دو۔

ہم نے ہر دور میں تقدیس رسالت کے لیے
وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے
توڑ کر سلسلۂ رسم سیاست کا فسوں
اک فقط نام محمد ﷺ سے محبت کی ہے

گستاخانہ خاکوں کی اشاعت پر خاموشی سنگین جرم، جرأت دکھانا ہوگی

حافظ محمد سعید

مسلم امہ متحد ہو کر لائحہ عمل اختیار کرے، حکومتوں کی خاموشی انتہائی افسوسناک ہے، مسلمان صدمہ سے دوچار ہیں

ہیٹی کے زلزلہ متاثرین کی ہر ممکن مدد کریں گے، ہر شخص حصہ ڈالے: امیر جماعۃ الدعوۃ کا خطبہ جمعہ اور وفود سے گفتگو

لاہور (نمائندہ جرار) جماعۃ الدعوۃ پاکستان کے امیر پروفیسر حافظ محمد سعید نے کہا ہے کہ افغانستان کا مسئلہ حل کرنے سے متعلق ترک وزیر خارجہ کا بیان خوش آئند ہے حکومت پاکستان ترکی کی اس پیش کش کا مثبت جواب دے۔ ترکی کی پاکستان سمیت اس خطہ میں امن وامان کی

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 27)

لاہور (نمائندہ جرار) امیر جماعۃ الدعوۃ پاکستان پروفیسر حافظ محمد سعید نے کہا ہے کہ تحفظ حرمت رسول ﷺ

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 28)

قومی اسمبلی، گستاخانہ خاکوں کیخلاف متفقہ قرارداد منظور

اسلام آباد (نیوز رپورٹ) قومی اسمبلی نے ناروے کے اخبار میں ایک مرتبہ پھر گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف مذمتی قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی۔ صاحبزادہ

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 30)

حرمت رسول کارواں، لاہور کے مرکزی مقامات پر خطابات

جلسے کے اختتام پر شرکاء مال روڈ پر آ گئے، قائدین نے عوام سے خطاب کیا

لاہور (اسپیشل رپورٹر) تحریک حرمت رسولؐ پاکستان کے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف مظاہرے کے اختتام پر ہزاروں شرکاء نے ایک بڑے کارواں کی صورت اختیار کر لی۔ محبان رسولؐ حرمت رسول کے تحفظ پر اپنی جان و مال قربان کرنے کے

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 29)

"جان پہ کھیل جائینگے حرمت رسول ﷺ بچائینگے"

لاہور میں زبردست جلسہ

ناموس رسالت کے دفاع کے لئے اعلان جہاد کرتے ہیں، ناروے اور ڈنمارک کا ہر سطح پر بائیکاٹ کیا جائے

جلسے سے مولانا امیر حمزہ، اعجاز چودھری، زاہد الکاشی، حافظ عاکف سعید، یوسف اعرار، عاصم مخدوم، قاضی ظفر الحق ودیگر نے خطابات

لاہور (اپنے نمائندے سے) ناروے کے اخبار میں پیغمبر رحمتؐ کے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف تحریک حرمت رسول کا زبردست جلسہ اور دعوتی کارواں، شاتم رسول گستاخ کاٹورنسٹ کو کیفر کردار تک پہنچانے والا اسلام کا ہیرو قرار دیا گیا۔ جان پر کھیل کر حرمت رسول

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 31)

توہین رسالت روکنے کیلئے مسلم ورلڈ لیگ کی کوششیں شروع

توہین کرنیوالوں کیخلاف قانونی کارروائی اور مغربی ممالک میں دفاتر کے قیام کا بھی منصوبہ

مکہ مکرمہ (ایجنسیز) مسلم ورلڈ لیگ کی جانب سے حال ہی میں منعقدہ ایک فورم میں کئی اسلامی تنظیموں نے حصہ لیا ہے، یہ فورم ناپاک سازشوں

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 32)



لاہور میں تحریک حرمت رسول ﷺ کی جانب سے ناروے کے خلاف احتجاجی جلسے اور کارواں کے مناظر جو اس حوالے سے تاحال سب سے بڑا پروگرام تھا

جلسہ کی جھلکیاں

☆ محبان رسولؐ اپنے ہاتھوں میں کلمے والے پرچم لئے تیرا میرا رشتہ کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے لگا رہے تھے۔

☆ شرکاء نے مختلف قسم کے بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن میں گستاخ رسول کو کیفر کردار تک پہنچانے والے کو اسلام کا ہیرو لکھا تھا۔

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 33)

توہین رسالت برداشت نہیں، سب کچھ قربان کر سکتے ہیں: امیر حمزہ

امریکہ کو تباہی نظر آ رہی ہے، اسلام دشمنوں کا چیلنج قبول ہے، قصور میں خطاب

قصور (مبین غزنوی سے) تحریک حرمت رسولؐ کے کنوینئر مولانا امیر حمزہ نے کہا ہے کہ امریکہ کی تباہی کا فیصلہ ہو چکا۔ عنقریب افغانستان میں بدترین شکست سے دوچار ہوگا۔ دنیا کا کوئی بھی ملک ہمارے نبیؐ کی شان اقدس میں گستاخی کرے ہم برداشت نہیں کر

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 34)

اراکین سٹیئرنگ کمیٹی

لاہور (نیوز رپورٹ) تحریک حرمت رسولؐ کے زیر اہتمام ملک گیر تحریک چلانے کے لئے خصوصی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس میں مولانا امیر حمزہ، قاری محمد

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 36)

لاہور جلسہ، خاکوں کیخلاف عالمی میڈیا میں پہنچنے والا پہلا پروگرام

دنیا بھر میں پہلا پروگرام جسے بین الاقوامی میڈیا نے جگہ دی، بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوا

لاہور (نیوز رپورٹ) ناروے میں چھپنے والے گستاخانہ خاکوں کے خلاف اتوار کو ہونے والا تحریک حرمت رسول کا جلسہ عالمی میڈیا میں پہنچنے اور اہمیت پانے والا پہلا

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 35)

جلسے سے مولانا امیر حمزہ، اعجاز چودھری، زاہد القاسمی، حافظ عاکف سعید، یوسف انزار، عاصم مخدوم، قاری شفیق الرحمن و دیگر نے خطابات

لاہور (اپنے نمائندے سے) ناروے کے اخبار میں پیغمبر رحمتؐ کے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف تحریک حرمت رسول کا زبردست جلسہ اور دعوتی کارواں، شاتم رسول گستاخ کاٹورنسٹ کو کیفر کردار تک پہنچانے والا اسلام کا ہیرو قرار دیا گیا۔ جان پر کھیل کر حرمت رسول

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 31)

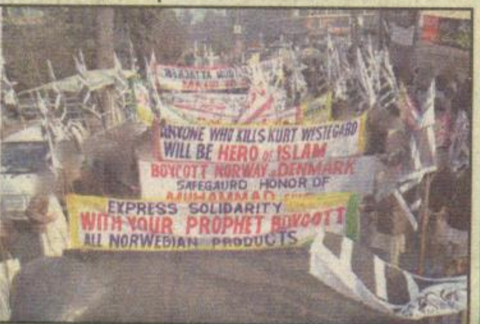
توہین رسالت روکنے کیلئے مسلم ورلڈ لیگ کی کوششیں شروع

توہین کرنیوالوں کیخلاف قانونی کارروائی اور مغربی ممالک میں دفاتر کے قیام کا بھی منصوبہ

مکہ مکرمہ (ایجنسیز) مسلم ورلڈ لیگ کی جانب سے حال ہی میں منعقدہ ایک فورم میں کئی اسلامی تنظیموں نے حصہ لیا ہے، یہ فورم ناپاک سازشوں

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 32)





لاہور میں تحریک حرمت رسول ﷺ کی جانب سے ناروے کے خلاف احتجاجی جلسے اور کارواں کے مناظر جو اس حوالے سے تاحال سب سے بڑا پروگرام تھا

توہین رسالت برداشت نہیں، سب کچھ قربان کر سکتے ہیں: امیر حمزہ

امریکہ کو تباہی نظر آ رہی ہے، اسلام دشمنوں کا چیلنج قبول ہے، قصور میں خطاب

قصور (مبین غزنوی سے) تحریک حرمت رسولؐ کے کنوینر مولانا امیر حمزہ نے کہا ہے کہ امریکہ کی تباہی کا فیصلہ ہو چکا۔ عنقریب افغانستان میں بدترین شکست سے دوچار ہوگا۔ دنیا کا کوئی بھی ملک ہمارے نبیؐ کی شان اقدس میں گستاخی کرے ہم برداشت نہیں کر

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 34)

جلسہ کی جھلکیاں

☆ محبان رسولؐ اپنے ہاتھوں میں کلمے والے پرچم لئے تیرا میرا رشتہ کیا لا الٰہ الا اللہ کے نعرے لگا رہے تھے۔

☆ شرکاء نے مختلف قسم کے بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن میں گستاخ رسول کو کیفر کردار تک پہنچانے والے کو اسلام کا ہیرو لکھا تھا۔

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 33)

لاہور جلسہ، خاکوں کیخلاف عالمی میڈیا میں پہنچنے والا پہلا پروگرام

دنیا بھر میں پہلا پروگرام جسے بین الاقوامی میڈیا نے جگہ دی، بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوا

لاہور (نیوز رپورٹ) ناروے میں چھپنے والے گستاخانہ خاکوں کے خلاف اتوار کو ہونے والا تحریک حرمت رسول کا جلسہ عالمی میڈیا میں پہنچنے اور اہمیت پانے والا پہلا

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 35)

اراکین سٹیرنگ کمیٹی

لاہور (نیوز رپورٹ) تحریک حرمت رسولؐ کے زیر اہتمام ملک گیر تحریک چلانے کے لئے خصوصی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس میں مولانا امیر حمزہ، قاری محمد

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 36)

توہین آمیز خاکوں کیخلاف ملک گیر تحریک چلانے کا فیصلہ

قومی رہنماؤں پر مشتمل سٹیرنگ کمیٹی تشکیل دیدی گئی، ملک گیر اجتماعات، جلسے ہونگے، علماء کنونشن بھی بلایا جائے گا

اجلاس میں مولانا امیر حمزہ، علامہ زبیر ظہیر، ابتسام الٰہی ظہیر، قاری زوار بہادر، امجد خان، سیف الدین سیف، اعجاز چودھری، نوبہار شاہ، کرارو ی و دیگر کی شرکت

لاہور (اسپیشل رپورٹر) ناروے میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے خلاف تحریک حرمت رسولؐ نے ملک گیر تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ تحریک میں شامل مذہبی، سیاسی تنظیموں نے ناروے کے سفیر کو ملک بدر کر کے اپنے سفیر کو واپس بلانے کا مطالبہ کیا۔ ناموس رسالت کے تحفظ کی خاطر بین الاقوامی قانون بنانے کی ضرورت

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 37)

تحریک حرمت رسول کی ہر آواز پر لبیک کہیں گے، محسنان پاکستان فاؤنڈیشن

خاکوں کی اشاعت کیخلاف تحریک کا شاندار کردار رہا، حرمت رسول کیلئے اپنا کردار ادا کرینگے

لاہور (خصوصی رپورٹر) محسنان پاکستان فاؤنڈیشن نے ناروے کے اخبارات میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے خلاف مہم چلانے کے لئے تحریک حرمت رسول کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔ ماضی میں گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف تحریک حرمت

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 38)



ڈنمارک میں توہین رسالت پرمبنی خاکے بنانے والے ملعون کارٹونسٹ کورٹ ویسٹ گارڈ کی رہائش، ساتھ ہی وہ کھڑکی نظر آرہی ہے جسے توڑ کر صومالی نوجوان نے ملعون پر حملہ کیا تھا

حضورؐ کی حرمت کا اعلان، یورپی یونین کا ایوان

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ اپنی ''صحیح بخاری'' میں حضرت عروہ بن زبیرؓ کے حوالے سے ایک روایت لائے ہیں کہ ثُویبہ ابولہب کی لونڈی تھی۔ ابولہب نے اپنی اس لونڈی کو آزاد کر دیا تھا۔ ثُویبہ نے حضور نبی کریمؐ کو دودھ پلایا تھا۔ ہوا یوں کہ جب ابولہب فوت ہو گیا تو اس کے خاندان میں سے ایک شخص نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بری حالت میں گرفتار ہے۔ خاندان کے ایک شخص نے اس سے پوچھا، تیرے ساتھ آخرت میں کیا ہوا؟ ابولہب کہنے لگا جس دن سے میں تم لوگوں سے جدا ہوا ہوں، مجھے کبھی سکون نہیں ملا۔ ہاں سکون ملا ہے تو اس قدر کہ مجھے اس انگلی سے پانی پلایا جاتا ہے کہ جس سے اشارہ کر کے میں نے ثُویبہ کو آزاد کیا تھا۔ (بخاری: 5101)

امام سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ حضورؐ پیدا ہوئے تو ثُویبہ نے ابولہب کو خوش خبری دی کہ (تمہارے بھائی عبداللہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے) تو ابولہب نے اسے اسی وقت آزاد کر دیا۔ (الروض الانف: 3\99)

قارئین کرام! مذکورہ خواب دیکھنے والے کون تھے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے ابولہب کی موت کے ایک سال بعد یہ خواب دیکھا تھا۔ (فتح الباری: 19\181) حضرت عباسؓ اور ابولہب دونوں سگے بھائی تھے۔ دونوں حضرت محمد کریمؐ کے سگے چچا تھے۔ ابولہب شدید ترین دشمن تھا تو حضرت عباسؓ تب تک اسلام تو نہ لائے تھے مگر حضرت محمد کریمؐ سے دلی محبت رکھتے تھے اور اسلام کو سچا دین مانتے تھے، چنانچہ میں یہی سمجھا ہوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ مذکورہ خواب اپنی صحیح بخاری میں لائے ہیں تو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ خاندان کے فرد یعنی حضرت عباسؓ جو مستقبل میں مسلمان ہونے والے تھے۔ اللہ نے انہیں ایک سچا خواب دکھلا دیا۔ امام سہیلی رحمہ اللہ اور امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی معرکۃ الآرا کتابوں میں تذکرہ کیا، تو مثبت انداز میں تذکرہ کر کے اپنے اسی موقف کا اظہار کیا جو امام بخاری کا موقف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف مذکورہ خواب کو سچا جانتے تھے، تبھی اپنی کتابوں میں مثبت انداز سے لائے۔ میں کہتا ہوں جہاں رب کریم کے حبیب اور خلیل حضرت محمد کریمؐ کی شان عالیشان بن رہی ہو وہاں ہمیں مثبت انداز سے ہی آگے بڑھنا چاہئے، اس لئے کہ حضورؐ کی محبت اور ادب کا یہی تقاضا مجھے معلوم ہوتا ہے۔ آج پھر ایک ایسا ہی تقاضا میرے سامنے آیا ہے۔

یہ تقاضا یورپی یونین کی ایک عدالت کے فیصلے کا ہے۔ اس فیصلے کا تعلق میرے حضورؐ کی حرمت کے تحفظ کے حوالے سے ہے، میں سوچ رہا تھا کہ اس پر بہت سارے اہل قلم کے ہاتھ اپنے قلم کو تھامیں گے، مگر مجھے جناب خورشید ندیم کے قلم کے علاوہ کوئی قلم چلتا ہوا دکھائی نہ دیا۔ یورپ کے بعض ملکوں سے میرے حضورؐ کی توہین کا آغاز ہوا۔ ہم سب لوگ سراپا احتجاج ہوئے۔ میں نے ان توہین آمیزیوں کا جواب دینے کے لئے سیرت پر پانچ کتابیں لکھیں۔ بہت سارے مضامین اور کالم لکھے۔ انگریزی ترجمے کروا کر دنیا بھر کے موثر لوگوں کو بھیجے۔ تحریک حرمتِ رسولؐ کے عنوان سے پرامن احتجاج کے سلسلے سالوں تک چلائے۔ بعض حکمرانوں، اہل علم اور عوام نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اسی کردار کا یہ نتیجہ ہے کہ یورپ میں اب یوٹرن لینے کا آغاز ہوا ہے۔ یورپ کے ایک اہم ملک آسٹریا میں ایک خاتون نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا۔ آسٹریا کے دارالحکومت ''ویانا'' کی عدالت میں اس پر مقدمہ چلا۔ چنانچہ فروری 2011ء میں اسے مجرم قرار دیا گیا اور جرمانہ عائد کرنے کے ساتھ ساتھ مقدمے کا سارا خرچہ بھی اس پر ڈال دیا



گیا۔ یہ فیصلہ اپیل کورٹ میں گیا تو وہاں بھی اسے برقرار رکھا گیا۔ 2013ء میں یہ مقدمہ آسٹریا کی سپریم کورٹ میں گیا تو اس نے بھی مذکورہ فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے مقدمے کو ختم کر دیا یعنی حتمی فیصلہ یہی قرار پایا کہ توہین آمیزی کی سزا درست ہے۔ اس کے بعد مذکورہ گستاخ خاتون اپنے مقدمے کو یورپی یونین کی عدالت برائے انسانی حقوق میں لے گئی۔ یہ عدالت اپنے ممبر ممالک کے شہریوں کے ایسے مقدمات سنتی ہے جن میں انسانی حقوق کی پامالی ہو۔ مذکورہ عدالت انسانی حقوق کے تحت فیصلے سناتی ہے۔ اس پر 47 ممالک نے دستخط کر رکھے ہیں۔ یہ عدالت 47 ججوں پر مشتمل ہے۔ ان ججوں کے نام یورپی یونین کے ممبر ممالک ہی تجویز کرتے ہیں۔

آسٹریا سے عدالتی جنگ ہارنے والی گستاخ خاتون کا نام ''ای ایس'' لیا جاتا ہے۔ اس خاتون کے مقدمے کو سننے کے لئے ''یورپی یونین عدالت برائے انسانی حقوق'' کے سات ججوں کا پینل بنایا گیا۔ 2018ء جب اپنے اختتام کی طرف جا رہا ہے تو توہین آمیزی کے مذموم سلسلے کو ختم کرنے کے لئے ساتوں ججوں نے متفقہ فیصلہ سنایا۔ انہوں نے آسٹریا کی تمام عدالتوں کے فیصلے کو سراہا اور کہا کہ اس سے مذہبی امن و امان برقرار رکھنے کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں واضح کیا کہ جہاں رائے کے اظہار کی آزادی ہے وہاں حدود و قیود بھی ہیں۔ اس کے ساتھ فرائض اور حقوق بھی ہیں۔ اظہار رائے کی آزادی اپنی جگہ پر مگر اس کی آڑ میں دوسروں کے جذبات زخمی نہیں کئے جا سکتے۔ عدالت کے ساتوں ججوں نے ''ای ایس خاتون'' کے خیالات کو حدود سے تجاوز قرار دیا۔ اللہ کے رسول حضرت محمد کریمؐ پر حملہ قرار دیا اور کہا اس سے تعصب کو ہوا ملے گی اور فساد پیدا ہو گا۔

قارئین کرام! آپ نے یورپی یونین کی عدالت کے فیصلے کے اہم جملے ملاحظہ فرما لئے۔ میں کہتا ہوں 47 ملکوں کے ایوان میں، یورپی یونین کی عدالت سات رکنی بنچ کے متفقہ فیصلے نے آخر کار حضرت محمد کریمؐ کی حرمت کے تحفظ کا اعلان کر دیا ہے۔ ہمیں اس اعلان کو دنیا بھر میں پھیلانا چاہئے۔ اس طرح کہ جس طرح ابولہب جیسے دشمنِ اسلام کی اچھی ادا کو امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں لائے۔ امام سہیلی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الروض الانف'' میں لائے۔ امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی شرح صحیح بخاری ''فتح الباری'' میں لائے۔ ہمیں آج اپنے عظیم آخری رسولؐ کی حرمت کے تحفظ کی بات کو ٹی وی چینلز پر لانا ہو گا۔ کالم لکھنے ہوں گے۔ اخبارات میں تذکرے کرنا ہوں گے۔ تقاریر کا موضوع بنانا ہو گا۔ سوشل میڈیا پر شیئر کرنا ہو گا کہ آخر کار دنیا کو ماننا پڑا کہ حضورؐ کی توہین ہو گی، محسنِ انسانیت کی توہین ہو گی تو انسانیت کا امن و سکون غارت ہو گا۔ فساد بپا ہو گا اور وہی ذمہ دار ہوں گے جو تمام انسانوں کے لئے رحمت بن کر آنے والی ہستی کے مقام کے ساتھ کھلواڑ کریں گے۔

حضور **رحمۃ للعالمین**ؐ کہ جن کی زندگی کی اللہ نے **''لعمرک''** کہہ کر قسم اٹھائی ہے۔ اس مبارک زندگی کی توہین آمیزی پر آج یورپی یونین کی عدالت برائے انسانی حقوق نے جو تاریخ ساز فیصلہ دیا ہے ہم اس فیصلے پر معزز جج حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے مذکورہ فیصلہ کر کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں پر ہی احسان نہیں کیا کہ جو حضورؐ کی حرمت پر سب کچھ نثار کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں بلکہ اس تمام انسانی برادری پر احسان کیا ہے کہ جو اگرچہ میرے حضورؐ کا کلمہ نہیں پڑھتے مگر تکریم انسانیت پر ایمان رکھتے ہوئے توہین انبیاء پر دکھی ہوتے ہیں۔ عدالت نے فسادیوں کو ناکام اور امن کے علمبرداروں کو کامران کیا ہے۔ آخر پر یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ابولہب جیسے دشمن کو مولا کریم نے ریلیف دے دیا ہے تو یورپی یونین کے ججوں کو بھی رب کریم ضرور ریلیف دیں گے (ان شاء اللہ) کہ جنہوں نے رب کریم کے محبوب اور پیارے دوست حضرت محمد کریمؐ کی حرمت کا دفاع کیا ہے۔ دنیا میں حضورؐ کا کلمہ پڑھنے کی نعمت مل جائے تو اس سے بڑھ کر انعام کوئی نہیں۔ اس نعمت سے محرومی رہے تو آخرت میں ابولہب سے زیادہ ریلیف کی توقع کی جا سکتی ہے۔ باقی اللہ مہربان اپنے بندوں سے خوب واقف ہیں۔

یکجہتی کشمیر کا عنوان اور مولانا فضل الرحمٰن

کشمیر کی آزادی اور اہل کشمیر کے ساتھ اظہار یکجہتی ایک ایسا عنوان ہے کہ جس کے ساتھ پوری پاکستانی قوم یک جہت ہے اور تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کی قیادت بھی یک سمت ہے۔ ہر سال پانچ فروری کو اہل کشمیر کے ساتھ پاکستان میں سرکاری سطح پر یکجہتی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یکجہتی کا یہ اظہار اب اس قدر قوت پکڑ چکا ہے اور وسعت اختیار کر چکا ہے کہ یکم فروری سے اہل کشمیر کے ساتھ یکجہتی کے پروگرام شروع ہو جاتے ہیں اور پانچ فروری کو تو پوری پاکستانی قوم بھرپور انداز سے مظلوم کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کرتی ہے۔ اس بار 2 فروری کو مولانا فضل الرحمٰن نے خنجراب سے لیکر کراچی اور گوادر تک کی پاکستانی قیادت کو اسلام آباد میں اکٹھا بٹھا دیا۔ سب کا ایک عنوان تھا۔ کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی کے اظہار پر مکمل اتفاق تھا۔ جناب آصف علی زرداری سابق صدر پاکستان جو اپنی صحت کے اعتبار سے کمزور دکھائی دے رہے تھے مگر اظہار یکجہتی کے لئے انہوں نے جو جملہ بولا وہ بھرپور جوان تھا۔ جملہ سن کر میری آنکھوں کے سامنے جواں سال آصف علی زرداری کی بڑی بڑی اور آخر پر اوپر کو اٹھی ہوئی مونچھیں پرانی یادیں تازہ کرنے لگ گئیں۔ ویسے آصف کا معنی طوفان بھی ہے۔ جناب زرداری صاحب نے انڈیا کے ظالموں کے لئے طوفانی جملہ بولتے ہوئے کہا کہ مقبوضہ کشمیر میں میرے بچے شہید ہو رہے ہیں۔ ان شاء اللہ مقبوضہ کشمیر ہماری زندگی میں آزاد ہو جائے گا۔ جی ہاں! جناب زرداری صاحب کا مذکورہ جملہ سن کر مجھے یوں لگا کہ اہل کشمیر پر ہندوستان کی آٹھ لاکھ فوج کے ظلم نے زرداری صاحب کو نئے سرے سے جوان کر دیا ہے۔ انہوں نے خود ہی بلاول کا ذکر کر دیا کہ اب وہ لیڈر بن کر سامنے آ چکا ہے یعنی جوان لیڈر بیٹا بھی یکجہتی کے اظہار میں اپنے نانا اور ماں کے راستے پر یک جہت، یک سمت اور یک راست رہے گا۔ آصف علی زرداری صاحب نے یہ بھی کہا کہ کشمیر کے لئے ہم سب ایک ہیں۔ یہ جملہ جناب حامد میر کے ذہن میں ایک سمت کا نقش یوں گہرا کر گیا کہ اپنی باری پر گفتگو کرتے ہوئے کہنے لگے: جناب عمران خان کا نیا پاکستان ابھی تک تو نہیں بن سکا مگر مولانا فضل الرحمٰن نے پرانا پاکستان آج یہاں کشمیر کے عنوان پر اکٹھا کر کے دکھا دیا ہے۔ اس پرانے پاکستان کی ایک جھلک میرے سامنے یوں ہے کہ ایم کیو ایم کے سربراہ وفاقی وزیر جناب خالد مقبول صدیقی اور جماعۃ الدعوۃ کے مولانا امیر حمزہ نہ صرف اکٹھے بیٹھے ہیں بلکہ باہم راز و نیاز کی باتیں بھی کر رہے ہیں۔ جناب حامد میر صاحب کے اس جملے نے ساری مجلس کو کشتِ زعفران بنا دیا۔

مولانا فضل الرحمٰن حفظہ اللہ کی ابتدائی اور تعارفی گفتگو کے بعد کل جماعتی مجلس مشاورت کے شرکاء کی آراء کے اظہار کا آغاز ہوا تو محترم غلام محمد صفی کی گفتگو سے آغاز کیا گیا کہ آپ سید علی گیلانی کے نمائندہ اور حریت کانفرنس کے مرکزی رہنما ہیں۔ مقبوضہ وادی کے ایک اور ممتاز رہنما جناب پروفیسر یوسف نسیم نے وادی میں انڈین غاصب فوج کے ہاتھوں مظالم کی داستان بیان کی تو ہر آنکھ اشکبار اور نمناک ہو گئی۔ انہوں نے محترم مجید نظامی مرحوم، قاضی حسین احمد مرحوم اور جنرل حمید گل مرحوم کو یاد کیا اور اس توقع کا اظہار کیا کہ ہمیں ان جیسے یکجہتی والے لیڈران کی ضرورت ہے۔ پروفیسر نسیم صاحب سے میرا حرمت رسولؐ کے مقدس حوالے سے انتہائی گہرا تعلق ہے۔ ان کی اہلیہ محترمہ مہر النساء صاحبہ جب آزاد کشمیر اسمبلی کی ڈپٹی سپیکر تھیں تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور حرمت رسول کے تحفظ میں قرارداد منظور ہوئی۔ تب سے دونوں میاں بیوی اور میرے درمیان بھائی اور بہن کا اسلامی رشتہ ہے، اور یہ رشتہ ہر کشمیری کے ساتھ ہے۔ میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اے پی سی میں شامل افراد راجہ ظفر الحق



چیئرمین مسلم لیگ ن، لیاقت بلوچ، ساجد نقوی، فضل الرحمٰن خلیل، خواجہ معین کوریجہ اور دیگر سارے لوگ جو یہاں موجود ہیں آپ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ وزیراعظم پاکستان اور افواج پاکستان آپ کے ساتھ کھڑی ہیں۔ سب نے پانچ فروری کو یکجہتی کا بھرپور اظہار کر دیا ہے۔ پروفیسر حافظ محمد سعید حفظہ اللہ ایک ایسی شخصیت ہیں کہ اہل کشمیر کے ساتھ یکجہتی کا تذکرہ ہو تو ان کی جدوجہد پاکستان کے نگر نگر، بستی بستی اور گلی گلی میں دکھائی دیتی ہے اور ایسی ہی صورتحال مقبوضہ وادی میں بھی نظر آتی ہے۔ اہل کشمیر کے ساتھ ان کا یکجہتی کا اظہار بھارتی نیتاؤں کو ہضم نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ وہ بین الاقوامی پریشر بنوا کر پاکستان کی حکومت کو انڈر پریشر کرتے ہیں۔ یہ پریشر حافظ محمد سعید اور ان کی جماعت پر آتا ہے۔ ایسے ہی ایک پریشر کے بعد حافظ صاحب نے کہا تھا کہ پاکستان کے تحفظ اور پریشر سے نکالنے کے لئے میں اپنی ایک جماعت نہیں اس جیسی بیسیوں جماعتیں قربان کر سکتا ہوں۔ مگر کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی کے اظہار سے پسپا نہیں ہو سکتا۔ میں سمجھتا ہوں ایسی یکجہتی اور پاکستانیت کی مثال ملنا مشکل اور ناممکن ہے۔

سب مسلمان دن میں پانچ بار اور بار بار یک جہت ہوتے ہیں۔ یہ یکجہتی کعبہ کی سمت میں اپنے ایک رب کریم کی عبادت کے لئے ہوتی ہے۔ جب یک جہت مسلمان عبادت سے فارغ ہوتا ہے تو اختتام السلام علیکم ورحمۃ اللہ سے کرتا ہے۔ دائیں بائیں منہ کر کے مشرق و مغرب کے مسلمانوں کے لئے جان و مال کی سلامتی کا اظہار کرتا ہے۔ ہمارے حضور حضرت محمد کریمؐ نے ساڑھے چودہ سو سال قبل کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے کعبہ! تو بڑا شاندار ہے، تیری بڑی تعظیم و تکریم ہے مگر ایک مسلمان کی جان اور آبرو کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے (صحیح للالبانی) جی ہاں! ایک جہت مسلمانوں کو ہمارے حضورؐ نے عقیدہ سمجھا دیا ہے کہ مسلمان کی حرمت کعبہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ حرمت آج مقبوضہ وادی میں پامال ہے۔ آزاد کشمیر کے وزیراعظم محمد فاروق حیدر کے بعد آزاد جموں و کشمیر کے صدر جناب مسعود خان کہہ رہے تھے کہ 1947ء میں دو لاکھ 37 ہزار کشمیریوں کو قتل کیا گیا۔ 5 لاکھ کشمیریوں کو پاکستان میں دھکیلا گیا۔ ڈوگرہ دور میں زندہ لوگوں کی کھالیں کھینچی گئی تھیں تو آج مودی کے دور میں چھ ہزار کشمیریوں کو پیلٹ گنوں سے نابینا کر دیا گیا ہے۔ ایسے موذی دشمن جو آنکھوں کی بینائی ضائع کرتے ہیں۔ چھرّہ کان میں لگ جائے تو کان کا پردہ پھاڑ کر قوت سماعت ضائع کر دیتے ہیں ایسے دشمنوں کے لئے حضورؐ کی دعا یوں ہوا کرتی تھی "اے اللہ! مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے فائدہ پہنچاتے رہیے (دشمن سے محفوظ رکھیے) اس کے بعد اللہ کے ہاں درخواست کی "وَانْصُرْنِي عَلَىٰ عَدُوِّي وَأَرِنِي مِنْهُ ثَأْرِي" (اے اللہ) میرے دشمن کے خلاف میری مدد فرما اور مجھے اس سے بدلہ لے کر دکھلا (الادب المفرد للبخاری: 650 صحیح)

قارئین کرام! یہ حدیث پڑھیے اور بار بار پڑھیے، صدقے قربان جاؤں حضرت محمد کریم ختم المرسلین پر کہ جن کے بارے میں سورہ نجم میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ "آپ اپنی مرضی سے بولتے ہی نہیں جب تک کہ وحی نہیں ہو جاتی۔" ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے حضورؐ کے یہ الفاظ مودی جیسے ظالموں کے لئے نازل ہوئے ہیں اور اہل کشمیر کو کہا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے حضور ایسی دعائیں کرتے رہیں، مولا کریم ان مظلوموں کے ساتھ ہیں۔ مظلوموں کے لئے اللہ کے رسول حضرت محمد کریمؐ کی ایک اور حدیث ہے، فرمایا "(قیامت کے دن) جہنم سے ایک (بہت بڑی) گردن ظاہر ہو گی، وہ گفتگو کرتے ہوئے کہے گی: آج مجھے تین قسم کے لوگوں پر مسلط کر دیا گیا ہے (1) ہر اس جابر پر جو حد سے نکل کر ظلم کرنے والا ہے (2) وہ (بت پرست) شخص کہ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنایا ہے (3) وہ شخص کہ جس نے کسی ایسے انسان کو قتل کر دیا کہ جس نے کسی کو قتل نہ کیا تھا۔ اب وہ گردن ایسے لوگوں کو لپیٹا مارے گی اور جہنم کی گہرائیوں میں چھپا ڈالے گی" (مسند احمد، مسند عبد بن حمید، مسند ابو یعلی، طبرانی اوسط، صحیحہ 2699)

مزید فرمایا! وہ گردن ایسے لوگوں کو پانچ سو سال پہلے ہی لپیٹ کر جہنم کی طرف چل دے گی۔ جی ہاں! قیامت کے دن ظالموں کا یہ انجام ہے جبکہ مظلوموں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرنے والوں کے لئے ایسا شاندار انعام ہے کہ حضورؐ نے فرمایا! "جس مومن نے بھی مصیبت میں اپنے بھائی کے ساتھ یکجہتی اور تسلی کا اظہار کیا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن عزت کی پوشاک (وردی) زیب تن کروائیں گے۔" (ابن ماجہ: صحیحہ 195) اللہ کے حضور دعا ہے کہ کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی کا جس جس مسلمان نے اظہار کیا اس کو مولا کریم کی طرف سے خصوصی عزت دار لباس سے معزز بنا دیا جائے۔ (آمین)

صلاۃ وسلام اور حکومتی زبان

سرکار مدینہ حضرت محمد کریمؐ فرماتے ہیں جس رات مجھے معراج کروایا گیا اس رات میں نے حضرت ابراہیمؑ سے بھی ملاقات کی (جب میں رخصت ہونے لگا) تو حضرت ابراہیمؑ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا، اے محمدؐ! میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہنا اور انہیں بتلانا کہ جنت کی زمین انتہائی نفیس اور پاکیزہ ہے۔ بہت ہی وسیع وعریض ہے۔ میٹھے پانی والی ہے۔ اس میں وسیع وادیاں ہیں۔ ان وادیوں میں شجرکاری کریں۔ شجرکاری سبحان اللہ! الحمدللہ، لاالہ الا اللہ، واللہ اکبر، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ...... ہے (ترمذی، مسند احمد، الصحیحہ :105)

یادرہے! وسیع وادیوں کے لئے حضور نبی کریمؐ نے ''قِیعَان'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یہ قَاعٌ کی جمع ہے، یعنی ایسا میدان کہ جو وسیع وعریض ہو اور اس کی بلندی پر آسمان سے پانی آئے اور وہ وہاں رک جائے۔ جی ہاں! یہ پانی جب جھرنوں اور آبشاروں کی صورت میں نیچے نشیبی وادی میں آئے گا تو جو شجرکاری ہوگی وہ خوب برگ وبار لائے گی۔ مومن اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا تو ان وادیوں میں درخت لگتے جائیں گے۔ باغات بنتے جائیں گے...... یہ وہ مشورہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اور آخری رسول حضرت محمد کریمؐ کے ذریعے امتِ محمدیہ کو دیا ہے۔ سب سے پہلے سلام کہا اور پھر سلامتی کا مشورہ بھی دے دیا کہ اصل سلامتی یہ ہے کہ انسان جنت میں آجائے کہ جسے قرآن نے ''دارالسلام'' کہا ہے۔ اللہ اللہ! کتنی بڑی سعادت ہے امت محمدیہ کے لئے کہ حضرت ابراہیمؑ کا سلام قیامت کے دن تک ہر اس مسلمان کے نام ہے جس نے حضرت محمد کریمؐ کا کلمہ پڑھ رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی خوبی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''بلاشبہ ابراہیمؑ آہیں بھرنے والے، بلند حوصلہ انسان تھے۔'' (التوبہ:114) دوسرے مقام پر فرمایا ''بلاشبہ ابراہیمؑ حوصلہ مند، آہیں بھرنے والے اور بار بار اللہ سے لَو لگانے والے تھے۔ (ہود:75)۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسماعیلؑ جیسے بیٹے کی خوشخبری دی تو انہیں بھی حلیم وحوصلے والا قرار دیا۔ (الصافات:101) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے آخری رسول حضرت محمد کریمؐ کو پیدا فرمایا تو حضرت محمد کریمؐ کو ''رحمۃ للعالمین'' بنا دیا یعنی جو اپنوں، بیگانوں اور دشمنوں کے لئے بھی سراسر رحمت ہی رحمت تھے۔ سرکارِ مدینہؐ کی حکمرانی کا جو زمانہ ہے۔ آپؐ نے اسے ''نبوت و رحمت'' قرار دیا اور خلفاء راشدین کے زمانے کو ''نبوت کے راستے پر'' قرار دیا۔ اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہت کا ذکر فرمایا اور جبری حکمرانی کا ذکر فرمایا کہ وہ مسلط ہوگی۔ آج انسانیت اسی جبری حکمرانی کا شکار ہے۔ دی اکانومسٹ نے پوری دنیا کی مجموعی حکمرانی پر ایک رپورٹ شائع کی ہے کہ دنیا کی صرف ساڑھے چار فیصد آبادی مکمل جمہوریت میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساڑھے پچانویں فیصد آبادی جبر کی حکمرانی میں زندگی گزار رہی ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ جمہوریت ایک طرز حکمرانی ہے جس کی بنیادی اساس منصفانہ الیکشن ہیں۔ اور پھر جمہوری رویے ہیں۔ ان میں دیانت، امانت، حوصلہ، برداشت، اللہ کے بندوں کے حقوق کی پاسبانی، سب کے لئے معاشی ذرائع کے برابر مواقع۔ اگر یہ نہیں تو پھر جمہوریت نہیں کچھ اور ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جمہوری ممالک میں پاکستان کا نمبر 112 واں ہے یعنی انسانی گراوٹ میں ہم



ایک سو گیارہ ملکوں کے بعد کا درجہ رکھتے ہیں۔ مزید یہ بتایا گیا کہ ہمارے پاکستان میں جو جمہوریت ہے وہ بھی زوال کا شکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آصف علی زرداری اور میاں نواز شریف نے گزشتہ دس سال میں صحیح معنوں میں جمہوری حکمرانی کی ہوتی، دیانت داری کو شعار بنایا ہوتا تو آج ہمارے ملک کا یہ حال نہ ہوتا۔ جہاں تک موجودہ حکومت کا تعلق ہے اس میں بھی تجربہ کاری اور سنجیدگی انتہائی کم دکھائی دیتی ہے جبکہ زبانوں کے تیرونشتر اس قدر تیز ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ جواب میں اپوزیشن بھی کلہاڑیاں اور زبانوں کے خنجر لئے کھڑی ہے۔ مگر حقیقت تو بہرحال یہی ہے کہ بنیادی ذمہ داری حکمرانانِ وقت کی ہے۔

میری دادی محترمہ فاطمہ رحمہا اللہ ایک نیک خاتون تھیں، وہ اپنے تینوں بیٹوں کے پاس باری باری زندگی کا آخری وقت گزار رہی تھیں۔ بچوں کو وہ کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ تقریباً ایک سو دس سال کی عمر میں وہ فوت ہوئیں۔ مجھے انہوں نے ایک کہانی یوں سنائی۔ ایک لکڑہارا جنگل میں گیا۔ وہاں وہ لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ جنگل کا شیر آ گیا۔ لکڑہارا نے اپنے دفاع میں شیر پر کلہاڑی کا کاری وار کیا اور ساتھ ہی اسے مخاطب کرتے ہوئے ''اوئے جنگل کے کتے'' کہا، وقت گزرتا رہا، ایک دن جب لکڑہارا لکڑیاں کاٹ رہا تھا، پھر وہی شیر آ گیا مگر اب وہ دوست بن کر آیا۔ دونوں باتیں کرنے لگ گئے۔ لکڑہارا نے شیر کی خیریت دریافت کی اور پوچھا، جناب کے زخم کا کیا حال ہے، شیر کہنے لگا، وہ زخم جو جناب نے میرے جسم پر لگایا وہ تو ٹھیک ہو گیا مگر جو زخم جناب نے میرے دل پر لگایا ہے وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ وہاں سے متواتر خون رستا رہتا ہے۔ لکڑہارا حیران و پریشان ہو کر پوچھنے لگا، جناب والا! دل پر تو میں نے کوئی زخم نہیں لگایا، یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ شیر نے کہا، آپ یاد کریں، آپ نے میرے جسم پر کلہاڑی مارتے ہوئے کہا تھا، ''اوئے جنگل کے کتے'' آپ نے جنگل کے بادشاہ کو جنگل کا کتا کہہ دیا۔ بس یہ وہ زخم ہے جو آج بھی تازہ اور ہرا ابھرا ہے۔ دادی اماں اس کہانی سے بچوں کی تربیت کرتے ہوئے سمجھاتی تھیں کہ بیٹا کسی کا دل نہیں دکھانا۔ سخت کلام نہیں بولنا۔ سیاستدانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ سخت کلامی اور توہین آمیز جملوں سے عزت نہیں ملتی۔ گراف گرتا ہے اور یقین جانئے، بہت گر چکا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ حوصلے والے، ہمدرد اور انسانیت کی ہمدردی میں آہیں بھرنے والے تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے کے لئے فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے تھے اور انہیں بتلایا کہ ہم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے جا رہے ہیں تو وہ جھگڑا کرنے لگ گئے کہ اور مہلت دو، نرمی کرو...... اللہ تعالیٰ نے اس جھگڑے کو اپنے اور فرشتوں کے ساتھ جھگڑا قرار دیا ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ کی اس ہمدردی کی تعریف بھی کی ہے کہ وہ انسانیت کی ہمدردی میں آہیں بھرنے والے تھے۔

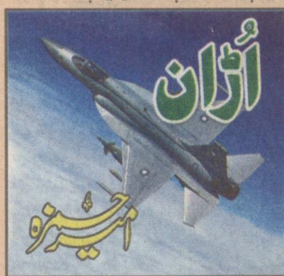
قارئین کرام! میں جب اپنے حکمرانوں کو دیکھتا ہوں تو یوں نظر آتا ہے کہ یہ ہمدرد سیاسی حکمران نہیں بلکہ چھریاں، کلہاڑیاں، ٹوکے اور زبان کے خنجر لئے بیٹھے ہیں جن کے ہر طرف خون ہی خون بکھرا پڑا ہے۔

ہر مسلمان جب نماز کے آخری حصہ تشہد میں بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بعد حضرت محمد کریمؐ پر سلام بھیجتا ہے۔ اللہ کی رحمت اور برکت کی بات کرتا ہے، پھر اپنے پر سلامتی کی درخواست کرتا ہے۔ پھر تمام نیک لوگوں کے لئے سلامتی طلب کرتا ہے۔ اس میں پہلے انبیاء کی امتوں کے نیک لوگ بھی شامل ہیں۔ پھر درودِ ابراہیمی پڑھتا ہے۔ حضرت محمد کریمؐ اور آپ کی آل پر درود اور پھر حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر درود...... اے سیاستدانو! یاد رکھو...... یہ اعزاز اس لئے ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بھی انسانیت کی ہمدردی میں آہیں بھرنے والے تھے اور حضرت محمد کریمؐ نے عبداللہ بن ابی جیسے شدید ترین دشمن اور منافق اعظم کے لئے بھی کبھی ایسا جملہ نہیں بولا جس سے عبداللہ بن ابی کا دل دکھی ہو۔ بلکہ ہمیشہ اس کی عزت کا خوب خیال رکھا۔ صدقے اور قربان جاؤں ایسے سرکار مدینہؐ کے پاکیزہ اخلاق پر...... جی ہاں! ریاست مدینہ کے قول کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ زبان کو اخلاقی شہد میں بھگو کر میڈیا کے سامنے آیا کرو، جنت میں شجرکاری کر کے بولا کرو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائیں۔ آمین۔

حضور کی دریا دلی......حکمرانوں کی تنگ دلی

تورات کے دس احکام میں سے پہلا حکم "لاالٰہ الا اللہ" ہے۔ حضرت محمد کریمؐ نے اپنی دعوت کا آغاز "صفا پہاڑی" پر کھڑے ہو کر اسی کلمہ کے اعلان سے فرمایا۔ مکہ کے لوگ ہم وطن تھے، ہم زبان تھے، رشتہ دار تھے مگر چونکہ بت پرست مشرک تھے، لہٰذا فیصلہ یہ کیا کہ ان کی عورتوں سے شادی ناجائز ہے۔ اس کے برعکس یہودی اور مسیحی لوگوں کی عورتوں سے شادی کو بھی جائز قرار دیا۔ انہیں اہل کتاب کہا، ان کا ذبیحہ بھی جائز ٹھہرایا اس لئے کہ وہ عقیدے کے میرٹ پر اپنے رشتہ دار قریشیوں کی نسبت مسلمانوں کے قریب تر تھے۔ یعنی حضورؐ دریا دل تھے تو میرٹ پر تھے، اس میں قبیلے، برادری، علاقے اور زبان وغیرہ کا کوئی دخل نہ تھا۔ نماز کی بات کریں تو یہودیوں کا ایک فرقہ آج بھی نماز میں رکوع بھی کرتا ہے اور سجدہ بھی کرتا ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے کامل ترین صورت میں نماز دی۔ رکوع اور سجدہ کہ جس کو مسیحی بھی چھوڑ چکے، یہودی بھی ترک کر چکے۔ ان کا ایک چھوٹا سا فرقہ مسخ شدہ نماز میں سے رکوع اور سجدے کو برقرار رکھے ہوئے تھا۔ حضورؐ نے ان کو اہم ترین ارکان قرار دیا۔ روزے کی بات کریں تو قرآن نے واضح کیا کہ اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ جی ہاں! یہود میں بھی روزے رکھے جاتے ہیں۔ مسیحی لوگوں میں بھی روزے موجود ہیں۔ حتیٰ کہ ہندوؤں میں بھی "برت" کے نام سے روزے موجود ہیں مگر سب کی شکلیں مختلف ہیں۔ حضرت محمد کریمؐ نے کامل صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے روزے عطا فرمائے۔ صدقہ وخیرات بھی ہر مذہب میں موجود ہے۔ حضورؐ نے کامل ترین صورت میں "زکوٰۃ" اور عشر کا مالی نظام دیا۔ اسلام کے پانچ ارکان ہیں، اسلام نے پانچوں ارکان صحیح ترین صورت میں انسانیت کو دیئے اور جس مذہب کے پاس جس قدر صحیح تصور اور عمل تھا اس کو ختم نہیں کیا۔ اسے حق کا حصہ بنا ڈالا۔ ثابت یہ کیا کہ حقیقت اور حق انسانیت کی مشترکہ میراث ہے۔ اس میں تعصب کی کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا حق کو اس کی اصل صورت میں حضرت محمد کریمؐ کی گفتار اور کردار سے واضح کر دیا گیا ہے۔ یہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی دریا دلی ہے۔ انسانوں کو زندگی میں اسی طرز عمل کو اپنانا چاہئے۔

قارئین کرام! اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک حج ہے۔ مشرکین مکہ جس طرح حج کیا کرتے تھے، عمرہ کیا کرتے تھے، سب کو اسی طرح برقرار رکھا گیا۔ صرف ان چیزوں کو ترک کیا گیا جن کو مشرکین نے اپنے طور پر بنا لیا تھا۔ احرام اور میقات بھی وہی رہے، حدود حرم بھی وہی رہے، حجر اسود اپنی جگہ رہا، طواف کے چکر سات ہی رہے، صفا مروہ کی سعی بھی وہی رہی، لبیک اللھم لبیک کا تلبیہ بھی وہی رہا۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ اس تلبیہ میں انہوں نے "الا شریکا لک تملکہ وما ملک" کا اضافہ کر لیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہاں وہ شریک ہے تیرا کہ اس شریک کا مالک بھی تو ہے اور جس کا وہ شریک مالک ہے اس شئے کا بھی آخر کار مالک تو ہی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، کاش یہ لوگ "لاشریک لک" پر ٹھہر جاتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ بہرحال! تلبیہ وہی رہا اور جو اضافہ تھا حضورؐ نے ختم کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ چونکہ مشرکین تلبیہ پڑھتے رہے ہیں لہٰذا سارا ہی بدلا جائے۔ قربان جاؤں حضورؐ کی دریا دلی پر کہ میرٹ پر حق ہی کو ترجیح ہے کہ جس کے پاس جس قدر حق ہے اس کو اپنایا گیا ہے اور جو ناحق ہے اس کو مٹایا گیا ہے۔



ساجیات اور سوشل سسٹم کا رخ کریں تو صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اسلام سے قبل دور جاہلیت میں نکاح کی چار اقسام تھیں، اسلام نے ایک کو اپنا لیا اور باقی تین کو ختم کر دیا، جن تین کو ختم کیا ان میں سے پہلی یوں تھی کہ خاوند اپنی بیوی کو کسی اعلیٰ ذات، خوبصورت اور مالدار سردار کی خدمت میں پیش کرتا، اس لئے کہ اس کا جو بچہ ہو وہ خوبصورت اور اچھی صفات والا ہو۔ یہ حرکت صریحاً بدکاری تھی، اسلام نے اس کو ختم کر دیا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ایک عورت کے تعلقات کئی مرد حضرات سے ہوتے، بچہ پیدا ہوا تو عورت نے جس مرد کا نام لے کر کہہ دیا کہ یہ بچہ اس کا ہے معاشرتی سسٹم کے تحت یہ بچہ اسی کا ہوتا تھا۔ تیسری صورت یہ تھی کہ ایک عورت کے پاس اس کی اجازت اور رضامندی سے مختلف لوگ آتے تھے، جب بچہ پیدا ہوتا تو قیافہ شناس شخص کو بلایا جاتا وہ قیافے سے جس مرد کی طرف اشارہ کرتا وہ بچہ اسی کا بیٹا قرار پاتا۔ بدکاری کی یہ سب اقسام ختم ہو گئیں اور ہمارے پیارے حضورؐ نے اسی ایک قسم کو باقی رکھا جو اس دور کے خاندانی اور معزز لوگوں میں رواج پذیر تھی کہ ولی کے ذریعے حق مہر طے کر کے خاندان کے لوگوں میں اعلانیہ شادی ہوتی جیسا کہ آج کل ہوتی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جاہلیت میں جو اچھی چیزیں تھیں وہ باقی رہیں اور جو غلط تھا وہ مٹا دیا گیا۔

حضورؐ نے مکہ فتح کیا تو ارادے کا اظہار کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ کی قائم کردہ بنیاد پر نئے سرے سے تعمیر کر دوں لیکن فرمایا کہ لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، یہ نہ کہیں کہ جناب محمد کریمؐ ہر شئے کو بدل رہے ہیں، یعنی آپ فتح مکہ کے بعد سارے عرب کے حکمران ہو کر بھی مصلحت اور حکمت کو سامنے رکھ رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب مکہ کے حکمران بنے تو انہوں نے کعبہ میں حطیم کو شامل کر کے نئی تعمیر کر دی۔ بعد میں بنوامیہ کے ایک خلیفہ نے بظاہر سیاسی مخالفت میں اسے ختم کر کے حطیم کو کعبہ سے خارج کر دیا۔ پھر ایک نئے اموی حکمران نے حطیم کو شامل کر کے کعبہ بنانا چاہا تو علماء وقت نے اسے روکا کہ حکمران لوگ اگر اللہ کے گھر کو یوں اپنی خواہشات کا مرکز بنائیں گے تو کعبے کی حرمت و توقیر متاثر ہو گی۔ چنانچہ اموی حکمران باز آ گیا اور کعبہ شریف آج تک حکمرانوں کی کھلواڑ سے محفوظ ہے۔ (الحمدللہ) کہنے کا مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں، ہمارے حضور رحمۃ للعالمین ہیں۔ پوری انسانیت سامنے ہے۔ میرٹ پر حق کا نام اسلام ہے اور وہ ختم المرسلین کے ذریعے آخری اور مکمل دین بن کر آج ہمارے پاس ہے۔

اب آتے ہیں پاکستان کے حکمرانوں کی سیاست اور تنگ دلی کی طرف۔ میاں نوازشریف نے موٹروے کو پانچ لائنوں والا بنایا۔ محترمہ بے نظیر مرحومہ کی حکومت آئی تو تین لائنوں والا بنا دیا۔ لاہور ایئرپورٹ کی جٹیوں کی تعداد 21 تھی۔ پرویز مشرف کا دور آیا تو یہ تعداد 7 کر دی گئی۔ چودھری پرویز الٰہی صاحب نے وارڈن پولیس اور ایمبولینس سروس کا بہترین انتظام کیا۔ میاں شاہباز وزیراعلیٰ بنے تو دونوں کا ستیاناس کر دیا۔ ایسا تعصب کہ ایمبولنس کا رنگ بدل کر کروڑوں روپیہ ضائع کر دیا۔ اب پی ٹی آئی کی حکومت آئی ہے تو لاہور کی آئی ٹی یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور آئی ٹی بورڈ کے بانی اور دنیا کے مانے ہوئے آئی ٹی ماہر ڈاکٹر عمر سیف کو فارغ کر دیا ہے۔ مسلم لیگ ن کے دور کے دوسرے دیانتدار ماہر ذوالفقار چیمہ جنہوں نے ٹیکنیکل اداروں کی بہتری کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا، وہ بھی فارغ ہو گئے۔ ناصر درانی جیسے پولیس افسر بھی گھر بیٹھ گئے۔ بلدیاتی نمائندوں کو پی پی پی اور ن لیگ نے اختیارات سے محروم رکھا۔ سو دن بیت گئے، پی ٹی آئی نے بھی محرومی کو برقرار رکھا ہے۔ پولیس کو سیاسی نمائندوں کے اثر ورسوخ سے آزاد کرنے کی نوید تھی مگر پی پی اور ن لیگ کا چلن جاری ہے۔ محترم وزیراعظم پاکستان عمران خان صاحب! دریا دل بنئے، اچھے لوگوں کو برقرار رکھئے۔ اگر یوٹرنوں سے عظیم لیڈرشپ آپ کا ویژن ہے تو اچھے یوٹرن لیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

جہیز' بارات اور مروجہ شادی'......حقیقت کیا ہے؟

حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ

حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ ملک کے نامور عالم دین اور عالم باعمل ہیں۔ جہیز جیسے مسئلہ میں ان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ فی الحال مصروفیت اور بیماری کی وجہ سے میں اس موضوع پر لکھ کر نہیں دے سکتا۔ ہم نے کہا کہ پھر کبھی آپ کے پاس آ کر آپ کا موقف ریکارڈ کر لیں گے۔ جس پر انہوں نے بتایا کہ لفظ جَھْز سے جو مراد لیا جاتا ہے یہ غلط ہے اس سے مراد جہیز نہیں۔ اس موقع پر میری کتاب احکام و مسائل سے اس مسئلہ کے متعلق سوال و جواب سے استفادہ کر لیں۔ لہٰذا ہم ان کی کتاب سے اس موضوع پر سوالات و جوابات بعینہ نقل کر رہے ہیں۔ (نقاش)

(س)......آپ شادی کرنے کا شرعی طریقہ لکھ کر دیں؟ جزاکم اللہ خیراً۔ حافظ برہان ثاقب نیو دین پورہ لاہور۔

(ج)......آپ نے سوال فرمایا: ''آپ شادی کرنے کا شرعی طریقہ لکھ کر دیں؟'' تو محترم! کتاب و سنت میں شادی کے سلسلہ میں جو چیزیں آئیں وہ اختصاراً مندرجہ ذیل ہیں بتوفیق اللہ تبارک و تعالیٰ وعونہ ☆ نکاح ☆ دلہا کی رضا و اجازت ☆ دلہن کی رضا و اجازت ☆ لڑکی کے ولی کی رضا و اجازت ☆ مہر ☆ عادل گواہ ☆ ولیمہ ☆ لڑکے اور لڑکی دونوں کا محصن و عفیف ہونا ☆ لڑکے کا مسلم ہونا ☆ لڑکی کا مسلم یا کتابیہ ہونا ☆ لڑکی کو زیور پہنانا۔ باقی شادی بیاہ کے موقع پر ''برات' جہیز'' اور دیگر رائج رسومات کتاب و سنت میں مجھے کہیں نہیں ملیں۔ واللہ اعلم

(س)......کیا جہیز ایک لعنت ہے؟ کیا جہیز دینے والا کافر ہے؟ کیا جہیز دینے والا دائمی جہنمی ہے؟ کیا شادی کے موقع پر سرپرست/ والد/ ولی (منکوحہ) بچی کو سامان دے سکتا ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ عبیداللہ عفیف: معہد الشریعۃ والصناعۃ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ۔

(ج)......مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ ''جہیز'' کا رسول اللہ ﷺ سے ثبوت نہیں ملتا جو روایت اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ واللہ اعلم

(س)......کیا اگر شادی کے موقع پر (منکوحہ کو) سامان دیا جائے تو شرعی قباحت تو نہیں ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت طلب ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ عبیداللہ عفیف: معہد الشریعۃ والصناعۃ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ۔

(ج)......جہیز کے متعلق مجھے کوئی آیت یا صحیح حدیث معلوم نہیں۔ واللہ اعلم۔

(س)......آج کل مسلمانوں میں جو بیاہ شادیاں ہوتی ہیں اور جو بارات لڑکی والوں کے گھر والے سرمایہ دار لوگ بارات کے ساتھ بے شمار باراتی لاتے ہیں جن میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں یعنی نیک لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور بے نماز بے دین بدمذہب لوگوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ اس پر ظلم یہ کہ بے شمار برہنہ عورتیں خوب میک اپ کئے ہوئے ننگے سر شامل ہوتی ہیں' برات کا استقبال کرنے والے بھی نیک و بد دونوں طرف لائنیں بنا کر کھڑے ہوتے ہیں' اسی طرح برہنہ عورتیں بھی استقبال میں شامل ہوتی ہیں' جس سے بے حیائی اور بے پردگی کی انتہا ہوتی ہے۔ جو قلم لکھ نہیں سکتا۔ کھڑے ہو کر کھانا کھاتے ہیں علاوہ ازیں آمد و رفت سڑکیں بند کر دی جاتی ہیں اور بجلی کا اتنا وسیع انتظام ہوتا ہے ہزار ہا بلب اور ٹیوبیں جلا کر رات کو دن بنا دیا جاتا ہے اس کے علاوہ بے شمار کھانا ضائع ہوتا ہے اور ویڈیو فلمیں بنائی جاتی ہیں اور بر سر مجلس دلہا اور دلہن کی تصویریں اتاری جاتی ہیں۔ یہ تو سرمایہ داروں کی حالت ہے اب نچلا طبقہ بھی اسی لائن پہ چل نکلا ہے جس کی وجہ سے بے حیائی بہت زیادہ پھیل رہی ہے' سنا ہے کہ زمانہ نبوت میں باراتوں کا رواج نہیں تھا اور نہ ہی جہیز کا رواج تھا' ولیمہ سنت تھا آج کل بہت سی لڑکیاں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے گھروں میں بوڑھی ہو رہی ہیں اور صرف جہیز نہ ہونے کی وجہ سے ان کی زندگیاں تباہ ہو گئی ہیں۔ سنا ہے کہ زمانہ نبوت میں لڑکی والوں پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا جاتا تھا نہ بارات کا نہ جہیز کا۔ برائے مہربانی فتویٰ صادر فرمائیں کہ بارات اور جہیز کا ثبوت زمانہ نبوت ؟ میں تھا یا نہیں؟ عبدالستار جامع کلاتھ مارکیٹ گوجرانوالہ۔

(ج)......آپ نے سوال کیا ہے ''بارات اور جہیز کا ثبوت زمانہ نبوت میں تھا یا نہیں؟'' تو اس سلسلہ میں جواباً گزارش ہے کہ ان کا ثبوت کتاب و سنت میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ اعلم۔

(س)......راقم الحروف کو حکیم عبدالعزیز بانی تحریک صراط مستقیم (لاہور فون: 7723944' موبائل: 0300-4270377) کا لٹریچر ملا' پڑھ کر پتہ چلا کہ جہیز ایک بہت بڑی لعنت ہے اور لینے دینے والا لعنتی ہونے کے ساتھ ساتھ ابدی جہنمی ہے' ہو سکتا ہے کہ آپ کی نظروں سے مذکورہ لٹریچر گزرا ہو۔ بہرحال حکیم صاحب سورۃ النساء کی آیات 11 تا 14 کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں احکام وراثت اللہ کی حدود ہیں اور جہیز لینے دینے والا احکام وراثت سے پہلو تہی کرتا ہے اور جہیز کو ہی اس کا بدل ٹھہراتا ہے۔ اس لئے ابدی جہنمی ہے نیز اس وقت معاشرہ میں جتنی بھی برائیاں ہیں جہیز ان کا اصل سبب ہے اور یہ ہندوانہ رسم ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ جماعت حقہ اہل حدیث کے بڑے بڑے علماء شیوخ الحدیث مفتی صاحبان بھی جہیز دینے میں پیش پیش ہیں تو سوچتا ہوں کہ حکیم عبدالعزیز صاحب کو ضرور غلطی لگی ہے جو وہ جہیز کو لعنتی عمل کہتے ہیں اور ابدی جہنمی ہونے کا سبب گردانتے ہیں کیونکہ ایسا تو ہرگز نہیں کہ شیوخ الحدیث اور مفتی صاحبان کی نظر سے مذکورہ آیات نہ گزری ہوں اور انہوں نے ان کو نہ سمجھا ہو۔ کیونکہ دوسری صورت میں معاذ اللہ وہ جان بوجھ کر اس گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اللہ کے لئے اس مسئلے میں میری رہنمائی فرمائیں اور قرآن و سنت سے واضح فرمائیں کہ جہیز واقعی غلط ہے اور دینے لینے والا اور ایسی شادی میں شرکت کرنے والا ابدی جہنمی ہے اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

محمد احمد مرید کے 13 جولائی 1993ء۔

(ج)......آپ نے سوال کیا ہے ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹیوں کو اپنی گرہ سے جہیز دیا ہے؟'' تو جواباً گزارش ہے کہ مجھے اس چیز پر دلالت کرنے والی کوئی صحیح یا حسن حدیث معلوم نہیں۔ واللہ اعلم۔

نام میں کیا رکھا ہے؟

محمد طاہر نقاش

دنیا میں ہر ماں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بچہ دنیا میں بے مثال ہو، اس کے نام کا ڈنکا بجے وہ خود بھی دنیا میں صاحب عزت ہو اور ان کی نیک نامی کا بھی باعث بنے۔ گزشتہ دنوں ایک دوست بحث کرتے ہوئے کہنے لگا: نام میں کیا رکھا ہے؟ جو دل چاہے بچے کا نام رکھ دیں۔ عام طور پر لوگ سمجھتے بھی یہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نام میں بہت کچھ رکھا ہے، نام ہی آدمی کی پہچان ہوتی ہے۔ اس کے اور اس کے خاندان کے خیالات، افکار، نظریات اور سوچوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ نام کے انسان کی زندگی پر بہت گہرا ہے اور دیرپا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لوگ انسان کے نام کے مثبت و منفی یا کسی اور طرز فکر کے حامل ہونے کی بنا پر ویسا ہی ذہن صاحب نام کے بارے میں رکھتے ہیں اور سوچتے ہیں۔ آج کل مسلمانوں پر غزوہ فکری کے حملے کے نتیجے میں ناموں میں عجیب وغریب طرح کی تبدیلی دیکھنے میں آرہی ہے۔ لوگ کثرت سے ذومعنی اور نسوانی نام لقب اور عرف اختیار کرتے جارہے ہیں۔

1994ء میں مجلة الدعوة کی سرخیاں کاتب سے لکھوانے کے دوران وہاں پڑا ایک ناول دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ مکروہ اور گندی فحش فکر کا حامل تھا۔ میں نے مؤلف کا نام دیکھا، لکھا تھا "مینا ناز" میں نے غصے سے کہا "عورت ذات ہوتے ہوئے بھی اس مصنفہ کو شرم نہ آئی کہ وہ کیا بکواس و واہیات لکھتی جارہی ہے۔ عبدالرحیم کاتب کہنے لگا: ابھی ہم آپ کی مؤلفہ سے گفتگو کرادیتے ہیں، آپ ان کو سمجھادیں، پتہ چلا اس کا دفتر اسی بلڈنگ میں ہے، پانچ منٹ بعد وہ میرے سامنے کھڑی تھی...... نہیں...... بلکہ کھڑا تھا...... یہ ایک لمبا تڑنگا عجیب الہیئت شخص تھا، معلوم ہوا میری طرح تمام لوگ اس کو عورت سمجھتے ہیں اور اس کے ناول پڑھتے ہیں۔

ایک صاحب ہیں کہ اچھے خاصے صاحب ریش (ڈاڑھی والے) ہو کر انہوں نے اپنا قلمی اور تعارفی نام "گلِ نوخیز اختر" رکھ چھوڑا ہے۔ لوگ ان کو بھی عورت سمجھتے ہیں۔ اس طرح بعض زنانہ صفت لوگوں نے اپنا نام ساجن، گلناز، گل بدن وغیرہ رکھا ہوا ہے۔ اور یہ مرض تیزی سے کلمہ گو باشرم باغیرت اور باحیاء مسلم گھرانوں کے جوانوں میں بڑھتا جارہا ہے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ ان کی حرکات وسکنات، لب و لہجہ، رہن سہن میں بھی زنانہ پن عود کر آیا ہے۔ یہ سب اسلام کی اس بارے میں جاری شدہ ہدایات سے روگردانی اور لاعلمی کے نتیجے میں وقوع پذیر ہورہا ہے۔

O پوش علاقوں کے بعض لوگوں (کہ جن کو اپر کلاس کے لوگ بھی کہا جاتا ہے) نے میڈیا کی صلیبی یلغار سے متاثر ہو کر اپنے بچوں کے سنجیدہ و اسلامی نام رکھنے کی بجائے مون، چاند، سنی، جانی، ٹنکی، موسی، پوپی، ڈولی، بوبی، پنکی اور روبی رکھ لئے ہیں۔ متوسط طبقہ کے لوگ اپنے بچوں کے نام گگو، ببلو، شہزادہ، بادشاہ اور لاڈو، مانو، گڈو، بلو، چاندنی، مہوش وغیرہ رکھ لیتے ہیں۔

O بعض لوگ اپنی بچیوں بچوں کا نام بدنام زمانہ لوگوں کے نام پر رکھ کر فخر محسوس کرتے ہیں، ایک نابکار نے تو اپنی بیٹی کا نام ریما رکھ دیا، بعض لڑکیوں نے اپنا نام خود ہی کاجل، نیلی اور نرگس رکھ لیا ہے۔ بعض لوگوں کے نام اگرچہ اسلامی تو نہیں ہوتے اور ان کے معنی بھی غلط نہیں ہوتے لیکن وہ کسی غلط اور قابل نفرت شخصیت سے نسبت ہونے کی وجہ سے باعث نفرت و کراہت ہوتے ہیں حتیٰ کہ فرعون اور زلیخا بھی ایسے ناموں میں شامل ہیں۔

O بعض جاہل لوگ اپنے بچوں کا نام پیراں دتہ، عبدالنبی، عبدالرسول وغیرہ اور دولے شاہ کا چوہا، پاکدامناں دی کتی، بوٹا، منگتا، سگ فلاں وغیرہ رکھ دیتے ہیں۔

O بعض لوگوں کے والدین نے تو ان کا نام کچھ اور رکھا ہوتا ہے لیکن وہ اپنی سوسائٹی اور حلقے میں ان ناموں کو انگریزی کے سانچے میں ڈھال کر اپنے احساس کمتری کو احساس برتری میں بدلنے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً اللہ دتہ و اللہ رکھا کو مسٹر AD اور مسٹر AR، غلام نبی اور غلام رسول کو مسٹر GN و مسٹر GR عبدالرحمٰن کو مسٹر AR محمد شفیع کو مسٹر MS یا میم شین محمد دین کو مسٹر MD...... یوں وہ اپنے دل کو دلاسہ دیتے رہتے ہیں کہ انہیں کوئی پینڈو، بیک ورڈ، بنیاد پرست، بورژوا اور کمتر و حقیر نہیں سمجھ رہا بلکہ وہ اپ گریڈ ہو کر ہائی سوسائٹی کیلئے قابل قبول ہوگئے ہیں۔

O بعض سرحدی لوگ بے معنی لایعنی دین کی کسی نسبت سے دور نام رکھ کر اپنی قومیت کی شناخت بنانے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً سمندر خان، بلند خان، گل خان، گل زمان، گلاب خان، ہمت خان وغیرہ بالکل ایسے جیسے سکھ ہر چیز کو سنگھ لگا کر اپنا نام بنالیتے ہیں جیسے کھڑک سنگھ، کرتار سنگھ اور تارا سنگھ وغیرہ......

بالکل ایسے جیسے ہمارے ہاں بعض نادان و جاہل لوگ ہر چیز کے آگے شاہ کا لاحقہ لگا کر ایک نیا نام بنا چھوڑتے ہیں بلکہ متبرک و بابرکت نام سمجھتے ہیں، کریلے شاہ، ککڑ شاہ، بتاؤں (بینگن) شاہ، بھانجڑ شاہ وغیرہ ایسے ہی نام ہیں۔

O بعض ناسمجھ اور نفسیاتی طور پر مرعوب و احساس کمتری کے شکار دین سے دور لوگوں نے اپنے اور اپنے بچوں کے نام ڈش وکیبل کی ہندو ثقافت کی یلغار سے متاثر ہو کر کچھ ایسے رکھ چھوڑے ہیں: راجا، اجے، سنیل، دھرمیندر، اگنی، سوریا، یا سوریہ اور دلیپ، بندھن، روپ، پوجا، روجا، عروج، بیا، مینا، ٹینا، جیا، کامنی، پدمنی، شانتی، شلپا، شہلا، کاجل، تلسی وغیرہ وغیرہ سمجھانے پر یہ لوگ سمجھنے اور شرمسار ہونے کی بجائے اتراتے اور خوشی و فخر محسوس کرتے ہیں۔

O بعض احساس کمتری ومحرومی کے شکار لوگوں نے اپنے اچھے بھلے اسلامی نام چھوڑ کر حقیر، فقیر، پرتقصیر، عاصی، ناچیز، ناکام، نامراد، ناشاد، آپ کے پاؤں کی خاک، خاکسار، خاکی رکھ لئے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگوں نے دین سے دوری عبادات میں کمزوری کی وجہ سے عاشقانہ چکروں میں پھنس کر اپنے نام زخمی، دکھی، پریمی، مجروح، مقتول، قتیل، رسوا، سودا، جوش، آتش وغیرہ رکھ لئے ہیں۔

O بعض انفرادیت پسند لوگوں نے اپنی اولادوں کے بے مقصد نام یوں رکھے ہیں نسیم، شمیم، شہناز، گلناز، نجمہ، پروین، کوکب، روبینہ، شعیل، شرجیل وغیرہ وغیرہ......!!

میرے محترم بزرگو اور بھائیو! ایسا کیوں ہے؟ ایک مسلمان کا نام تو بامقصد، بامعنی اور خود دوسروں کیلئے ایک دعوت عمل و دعوت فکر کا غماز ہوتا ہے۔ لیکن یہ ہم کس طرح کے ناموں میں پڑ گئے ہیں۔ نہ دین اسلام سے محبت کا اظہار باقی رہا، نہ مستقبل میں اپنے بچوں کی عزت و توقیر اور معاشرتی مقام کا خیال رہا، مسلمان کا نام تو ایسا ہوتا ہے کہ جسے سنتے ہی اللہ کریم اور اس کے رسول سے محبت کی جھلک نظر آتی ہو۔ ان سے نسبت کی مہک اٹھتی محسوس ہو، اس کا نام سن کر آدمی مثبت سوچ و فکر میں ڈوب جائے۔ اس کے نام ہمیشہ ایسے ہوتے ہیں جو اس کے خالق و مالک اور پیارے رسول کو پسند ہوں۔ جن کے شروع یا آخر میں اللہ اور رسول رحمت سے نسبت کے ساتھ یا اچھے اور اشارے ہوں، عظمتوں، سطوتوں، رفعتوں، مجاہدوں، غازیوں کی ہیبتوں کے آئینہ دار ہوں۔

اچھے نام انسان کیلئے برائیوں سے تحفظ کا ذریعہ بھی بنتے ہیں، ایک تو آدمی خود بھی خیال رکھتا ہے کہ میں اپنے نام کے مصداق اچھے کام کروں اگر وہ بھول جائے تو لوگ اسے یہ کہہ کر کہ نام تو ابوبکر، عثمان، زبیر وخالد ہے اور کام کیسے کررہے ہو۔ یوں آدمی ایسے ویسے کسی کام سے رک جاتا ہے۔

اگر آپ کے یا آپ کے بچوں کے نام اس طرز عمل سے خالی ہیں تو آج ہی بدل دیں کہ یہ رسول رحمت کی سنت ہے وہ برے ناموں کو فوری تبدیل فرما دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک بچی کا نام عاصیہ (نافرمان) سے بدل کر جمیلہ کردیا، ایک شخص کا نام شیطان بن قرط سے عبداللہ بن قرط کردیا۔ ایک آدمی کا نام غافل سے عاقل کردیا۔ اسی طرح ایک شخص کا نام اسود (کالا کلوٹا) سے ابیض (گورا چٹا) کردیا۔ ایک صحابی کا نام عاصی (نافرمان) سے مطیع (فرماں بردار) کردیا۔ اسی طرح اور بہت سے لوگوں کا نام تبدیل کردیا۔ اے بھائیو! اگر آپ کا نام بھی کچھ ایسا ہی ہے تو آج ہی سنت پر عمل کرکے اسے بدل ڈالیں اور ایسا نام تجویز کریں کہ روز محشر اگر آپ کو اس نام سے پکارا جائے تو آپ کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے بلکہ آپ سعادت مند ٹھہریں۔ یاد رکھیں! آپ کے بچے کا نام بہت اچھا، خوبصورت اور پیارا ہونا چاہئے، اس لئے کہ بچے کی شخصیت وکردار پر اس کے نام کا بھی اثر پڑتا ہے۔ بچے کے لئے ایسے نام کا انتخاب کرنا چاہئے جو لفظ و معنی دونوں اعتبار سے بہتر اور مناسب ہو۔

اپنے بچے کے لئے ایسا نام تجویز کرنے کی کوشش کیجئے جو آخرت میں آپ کے لئے باعث فخر اور بچے کے لئے باعث عزت ہو، ایسا نام رکھنے سے پرہیز کیجئے جس سے ابتذال اور غیر سنجیدگی ٹپکتی ہو یا ہنسی مذاق کا ذریعہ بن سکتا ہو یا اس سے بدخلقی کی بو آتی ہو یا شرف وعظمت کے خلاف ہو۔ یا یہود و نصاریٰ کے ناموں سے مشابہہ ہو یا ایسا نام ہو جو بے معنی ہو جیسے مغرب زدہ لوگ رکھتے ہیں۔

دین کے طالب علم کی قدر و منزلت (ابوعبداللہ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

قل ربی زدنی علماً. ترجمہ: دعا کیجئے کہ: اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما

گویا کہ علم حاصل کرنا کتنی بڑی سعادت کی بات ہے۔

مشکوٰۃ کی حدیث ہے کہ: من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ. ترجمہ: جو کوئی طلب علم کیلئے نکلا پس وہ ایسا ہے کہ جیسا اللہ کے راستے میں نکلا۔

اور ایک حدیث میں فرمایا کہ: العلماء ورثة الانبیاء. ترجمہ: علماء ہی نبیوں کے وارث ہیں۔

لیکن کیسا عالم...... بائیولوجی کا، کیمسٹری کا، یا حساب کا...... نہیں نہیں یہ تو سب کے سب فنون ہیں کہ انسان ان میں مہارت حاصل کرتا ہے فقط دنیا کیلئے۔ اصل علم دین کا علم ہے اور اصل علم شریعت کا علم ہے۔

مسلمؒ کے مقدمہ کے اندر محمد بن سیرین کا قول ہے کہ:

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم

بے شک یہ علم دین ہے تم دیکھو کہ کس سے یہ علم حاصل کررہے ہو ہر شخص کا اس معاملے میں اعتبار نہ کرو۔

آج ہمارے معاشرے کے اندر یہ بات عام ہوچکی ہے کہ علم کی طرف آنے والے عالم لوگ یا حافظ، قاری ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ بلاشبہ آج دنیا کے اندر ہمیں ان کی قدر ومنزلت کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ آج قرآن کے قاری کو...... عالم کو...... عالم کو...... محدث کو...... فقیہ کو...... آج کا ہمارا ماڈرن طبقہ اور کفار دہشت گرد کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو علم ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے پختگی کے ساتھ ان راستوں کو اختیار کیا تو نہ صرف انہوں نے دنیا پر ایک پرامن معاشرے کا نمونہ پیش کیا بلکہ کفر کو بھی ہلا کے رکھ دیا۔

یہ طالب علم آج دنیا کی نظر میں کچھ نہیں تو کیا ہوا۔ مگر اللہ کی نظر میں تو بہت بلند پایہ ہے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ: من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین

دنیا کے اندر رہتے ہوئے۔ کھانا، پہننا، اوڑھنا گزر بسر جتنی نعمتیں رب کائنات نے قسمت میں لکھی ہیں وہ مل کررہیں گی۔ لیکن جب اللہ بھلائی کا ارادہ کرے کہ میں نے اس بندے کو بہت کچھ دینا ہے۔ اضافی دینا ہے۔ تو اللہ اس کو مال ودولت نہیں بلکہ دین کی سمجھ وفقہ عطا فرماتا ہے۔ ہارون الرشید کا دور ہے۔ ملکہ زبیدہ اور ہارون رشید بازار کی طرف جارہے ہیں۔ کہ نوجوانوں کی بھیڑ ایک سمت دوڑے جارہی ہے۔ ملکہ نے ہارون الرشید سے سوال کیا کہ یہ لوگ کہاں جارہے ہیں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ آج جامع مسجد میں ابن المبارک کا درس ہے۔ اس لئے یہ بھاگے جارہے ہیں۔ تو اس وقت ملکہ زبیدہ نے جو الفاظ کہے وہ سونے کے پانی سے لکھے جانے کے قابل ہیں کہ:

"ہارون تمہاری حکومت صرف ملک پر ہے۔ اصل حکومت تو اس کی ہے کہ وہ ان لوگوں کے دلوں پر حکومت کررہا ہے"۔

تو یہ کس وجہ سے تھا...... علم کی وجہ سے اللہ کے قرآن کی محبت کی وجہ سے...... حدیث نبوی کے ساتھ دلی لگاؤ کی وجہ سے......

ترمذی کی حدیث ہے کہ: الدنیا ملعونة وملعونة ما فیھا الا العالم والمتعلم او من ولاہ.

دنیا لعنت زدہ ہے اور دنیا کے اندر کی تمام اشیاء ملعون ہیں۔ سوائے عالم اور متعلم اور ایسے شخص کے کہ جو علم والوں کی کفالت کرتا ہے ان کا والی بن جاتا ہے۔ جو مال سے وقت سے ہاتھ سے ان کی مدد کرتا ہے۔

واللہ کیا فضیلت ہے عالم کے ساتھ علم حاصل کرنے والے کی۔

ابوایوب السختیانی فرماتے ہیں کہ: ایک نوجوان کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اس کو کسی عالم کی صحبت میسر آجائے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی دین کے طالب علموں میں شامل کردے۔ آمین

عورتوں کی زندہ درگوری

چند دن پہلے اخبار میں پڑھا کہ بلوچستان میں نصیر آباد کے گاؤں میں پانچ عورتوں کو غیرت کے نام پر زندہ دفن کر دیا گیا۔ اس واقعہ میں حکمران جماعت کے چند بااثر افراد بھی ملوث پائے گئے۔ خبر میں زندہ درگوری کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ عورتیں اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ اس خبر کے چند روز بعد ٹیلی ویژن پر ایک سینیٹر جو بلوچستان کے سرداروں میں شمار ہوتے ہیں اس واقعہ پر اظہار خیال کر رہے تھے۔ میں ان کی گفتگو سن کے دنگ رہ گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ زندہ درگوری ان کی روایات میں شامل ہے اور ان روایات کی پاسداری کی گئی ہے۔ ان فقرات کو سنتے ہی مجھے زمانہ جاہلیت کا دور یاد آ گیا جب لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے اور اسلام صرف اس لئے قبول نہیں کرتے تھے کہ اسلام ان لوگوں کو روایات کے سنگین سمندر سے نکال کر ایک ایسی جگہ عطا کرنا چاہتا تھا کہ جس میں سب انسانوں کی برابری کا تصور ہو جس میں آقا و غلام کی تمیز ختم ہو جائے جس میں عورت کو جانور نہیں بلکہ باعث تعظیم سمجھا جائے۔ اسلام نے عورت کو اتنا مقام دیا کہ جنت کو ماں کے قدموں تلے رکھ دیا۔

لیکن اصل بات جو میں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آج بھی ہم کتنی سختی سے غلط روایات و رسومات کو اپنائے ہوئے ہیں اور ان کو پورا کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں اور اس فرض کو نبھاتے ہوئے اگر دین کو بھی پس پشت ڈالنا پڑے تو ہم پر گراں نہیں گزرتا کیا ہم مسلمان ہیں؟ ہم میں اور زمانہ جاہلیت کے ان سرداروں میں کیا فرق ہے جنہوں نے اپنی روایات کو اسلام پر مقدم جانا؟ اور دوسری اہم بات میں عورت کی آزادی کے حوالے کروں گا۔ اسلام ایک مکمل دین ہے اور نہایت آسان وسادہ ہے عورت کی آزادی کے دو نظریے اس دنیا میں چل رہے ہیں ایک مغربی نظریہ جس کی پاکستان میں سرپرستی حضرت پرویز مشرف نے کی اور روشن خیالی کے زیر سایہ عورتوں کو اتنا عریاں کر دیا کہ مسلمان عورت اور مغربی عورت میں فرق کرنا دشوار ہو گیا۔

اور دوسرا نظریہ اسلامی نظریہ ہے۔ اسلام میں عورت کو حیاء کا پیکر سمجھا جاتا ہے اور اس کی عزت کا خیال رکھا جاتا ہے اس کے علم حاصل کرنے پر کوئی قید نہیں اسلامی تاریخ بھی مسلمان عورتوں کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ حضورﷺ کی پہلی بیوی نے آپﷺ کو محبت اور پیسے کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ حضورﷺ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے خدیجہ یاد آتی ہے، اسی طرح خواتین میں سب سے زیادہ احادیث بھی حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہیں۔ عورتوں نے جنگوں میں بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ جنگ خندق میں ایک ایسا واقع آیا کہ جب یہودیوں نے یہ دیکھ کر ساری مسلمان فوج خندق کھودنے میں مصروف ہے تو اس قلعہ پر حملہ کرنا چاہا جس میں عورتیں اور بچے پناہ گزین تھے اور ایک یہودی قلعہ کے دروازے کے قریب آ گیا یہ دیکھ کر حضرت صفیہ نے خیمہ کی



ایک چوب اٹھا کر اس یہودی کے سر پر مار کر اسے جہنم رسید کر دیا۔ اس واقعہ کے نتیجے میں یہودی اتنے خوفزدہ ہوئے کہ پھر کسی کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی طرح جب حضرت عمر فاروق حق مہر مقرر فرمانے لگے تو ایک عورت نے ان کی اصلاح کی۔ اسی طرح نکاح کے معاملے میں بھی حضورﷺ نے فرمایا کہ "بیوہ عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے صاف صاف زبان سے اجازت نہ لے لی جائے اسی طرح کنواری لڑکی کا بھی نکاح نہ کیا جائے جب تک وہ اذن نہ دے لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! وہ اذن کیونکر دے آپﷺ نے فرمایا اس کا اذن یہی ہے کہ وہ سن کر چپ ہو جائے"۔

مندرجہ بالا احادیث وواقعات سے اسلام میں عورت کے کردار کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس میں کہیں بھی عورت کو زندہ درگور کرنے کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ نکاح تک میں عورت کی رضامندی کو مقدم جانا گیا ہے۔ آج کل کے معاشرے میں جب میڈیا، ٹیکنالوجی اور سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے۔ عورت کی شادی کے معاملے میں رائے لینا بہت ضروری ہے۔ عورت کی تعظیم ہر مسلمان پر فرض ہے اور زندہ درگور والی جو بات بلوچستان میں دیکھی گئی ہے وہ اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔ اس پر حکمرانوں کو احساس شرمندگی ہونا چاہئے نہ کہ وہ اس کو اپنی روایت کہہ کر اس پر اتراتے پھریں کیونکہ کل قیامت کے دن ان سے ان بے گناہ قتلوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

شہر اللہ کی فضیلت

اللہ کا فرمان ہے: "اے ایمان والو! تم پر روزہ واجب کیا گیا ہے جیسے کہ تم سے پہلے والوں پر بھی واجب کیا گیا تھا شاید کہ تم متقی ہو جاؤ"۔

ماہ رمضان المبارک رحمت وفضیلت کا مہینہ ہے، یہ وہ مقدس اور بابرکت مہینہ ہے جس میں مسلمان خود کو معبود برحق کی بارگاہ میں پاتے ہیں اور روزہ داری سے اپنے اندر تقویٰ و پرہیزگاری کی زمین اپنے وجود پر ہموار کرنے میں سرگرم رہتے ہیں۔ اس مبارک مہینے میں مومن اپنے اعمال وطریقہ کار سے خداوند عالم کی خوشنودی طلب کرتا ہے۔

"یہ وہ مہینہ ہے جو خداوند عالم کی نظر میں دیگر تمام مہینوں سے افضل ہے، نگاہ الٰہی میں اس مہینے کی تمام راتوں کو بہترین رات، تمام دنوں کو بہترین دن اور تمام لحات کو بہترین لمحوں کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں تمہیں الٰہی دعوت و مہمانی میں شرکت کے لئے مدعو کیا گیا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں تمہیں لطف وکرامت خداوندی سے مالا مال کیا گیا ہے۔

اس مہینے کی خاص فضیلت یہ ہے کہ اس میں عظیم ترین آسمانی کتاب قرآن کریم کا نزول ہوا یعنی "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن جو کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے روشن دلیلوں اور حق کو باطل سے جدا کرنے والا اقرار دیکر بھیجا گیا ہے" (سورہ بقرہ آیت 185)۔ اس لئے تلاوت کلام الٰہی کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اسی وجہ سے اس ماہ کو "ماہ قرآن" بھی کہا گیا ہے، اس طرح ماہ صیام اور قرآن کریم کے درمیان موجود گہرا رابطہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

فضائی حادثے سے بڑا سانحہ

حادثے یوں بھی ہو جاتے ہیں، گلوں سے لدے پھندے آشیاں ایسے بھی اجڑ جاتے ہیں، خوشیوں اور مسرتوں سے دمکتے آنگن بھی آن واحد میں اس طرح آہوں اور سسکیوں کے مسکن بن جاتے ہیں کہ دل دہل جاتے ہیں۔ 28 جولائی کی صبح نو بج کر بیالیس منٹ پر مارگلہ کی حسین وجمیل پہاڑی نے کس قدر اشک فشانی کی ہوگی، جب152 افراد کی فلک شگاف چیخوں، نالوں اور آہ وفغاں نے قیامت صغریٰ بپا کی ہوگی، جہاز کا ملبہ پہاڑیوں پر جگہ جگہ بکھر گیا، انسانی جسم بوٹیوں اور ہڈیوں میں تقسیم ہوکر بکھر گئے، موت نے سینکڑوں گھرانوں کی آسودگیوں کو اچک لیا، موت وہیں آکر رہتی ہے جہاں لکھی ہوتی ہے۔ دیکھ لیجئے کہ ایئر ہوسٹس ام حبیبہ کی اس دن ڈیوٹی ہی نہ تھی مگر وہ ساتھی ایئر ہوسٹس کی رخصت کے باعث ڈیوٹی پر آگئی اور ابھی تک اس کے جسم کی ایک بوٹی بھی نہ مل سکی۔ اس کی ماں کا کرب دیکھا نہیں جاتا، وہ اس قدر حواس باختہ ہو چکی ہے کہ اب بھی کہتی ہے کہ میری بیٹی زندہ ہے، اللہ معجزہ دکھائے گا اور وہ ہم سے ملنے آجائے گی، اویس اور رمیصہ جن کی شادی چار دن قبل ہوئی تھی، ان کے جسموں کی باقیات بھی نہ مل سکیں، کسی لاش کا ڈی این اے ٹیسٹ ان کے والدین سے میچ نہ ہوا، کوٹری کے ایک ہی خاندان کے چار افراد مارگلہ کی پہاڑی پر جل مرے، تابوتوں کی کراچی آمد کا سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہا، ورثا اپنے پیاروں کا آخری دیدار تک نہ کرسکے، اس لئے کہ ان کے چہرے نہیں کٹے پھٹے اور ٹکڑوں میں بٹے مختلف اعضا تابوتوں میں بند کرکے لائے گئے تھے، ایک خاندان نے تابوت میں بند اپنی بیٹی کے کٹے ہوئے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کو دیکھ کر شناخت کیا، ایک اور خاندان نے اپنے بیٹے کے کٹے ہوئے پاؤں پر ایک مخصوص نشان کے ذریعے اس کی لاش کو شناخت کیا، مظفر گڑھ کے ایم این اے جمشید دستی سمیت بارہ افراد کی موت اس دن نہیں لکھی تھی سو وہ موسم کی خرابی کے باعث اس سفر پر روانہ نہ ہوئے۔ جمشید دستی کے دوستوں نے اصرار بھی کیا کہ وہ ان کے ساتھ جہاز میں چلے مگر اس کی موت نہیں آئی تھی اس لئے وہ سوار نہ ہوا۔ اس جانکاہ حادثے کے باعث حکومت نے ملک بھر میں ایک عجیب و غریب سوگ کا اعلان کردیا کہ نہ تو کوئی تفریحی چینل بند ہوا اور نہ کوئی تقریب التوا کا شکار ہوئی۔

موت کا یہ کتنا بھیانک روپ ہے کہ 152 افراد کے جسموں کی ہڈیاں اور بوٹیاں آپس میں گھل مل گئیں، ایسا ہی ایک فضائی حادثہ 1934ء میں آسٹریلیا میں ہوا تھا، اس حادثے میں ڈیوڈ وارن نامی ایک نوجوان کا باپ بھی ہلاک ہوگیا، حادثے کی ہونے والی وجوہ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ڈیوڈ وارن نے فضائی حادثوں میں دل چسپی لینا شروع کی اور بالآخر اس نوجوان نے بلیک باکس



ایجاد کرلیا مگر ہم نے اس حادثے سے کیا سیکھا؟ کیا ہم نے خلوت گزیں ہوکر یہ سوچنے کی زحمت گوارا کی کہ اتنی بھیانک نہ سہی موت تو بہرحال ہمیں بھی آئے گی؟ کیا ایسے جاں گسل حادثے کے بعد ہم نے اپنی زندگیاں اتباع رسول ﷺ کے لئے مختص کرنے کا کوئی عہد کیا؟ کیا فضائی حادثے اور سیلاب کی آفات نے کچھ سوچنے پر مجبور کیا؟

حادثے سے بڑا سانحہ یہ ہوا
لوگ ٹھہرے نہیں حادثہ دیکھ کر

کیا اس حادثے کو دیکھ کر ہم ٹھہرے اور یہ سوچا کہ اب اپنا اوڑھنا بچھونا اسلام کو بنائیں گے، کیا جنسی کج رویوں کی بھیانک وارداتوں میں مبتلا، اخلاقی گراوٹ کے مکروہ کام میں پھنسے اور غاصبانہ فکر کے حامل ہولناک رویوں کی بھینٹ چڑھے لوگوں نے اپنے کردار میں کوئی مثبت تبدیلی پیدا کی؟ کیا بددیانتی، بدگوئی اور بدفعلی کی دلدل میں دھنسے لوگوں نے اس سے نکلنے کی کوئی کاوش کی؟ کیا اپنی خواہشوں کے مرگھٹ پر سلگنے والے لوگوں نے اپنی ہوس طلب جاہ وحشم پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس جان سوز حادثے کے بعد ہمارے قلوب و اذہان میں ایمان و یقین کی پو پھوٹتی، ہمارے ایمان میں نیکی کے مسحور کن سرو سمن اگتے، اس لئے کہ ایسے حادثے قدرت کی طرف سے انسانی ضمیروں اور ایمانوں کو جھنجھوڑنے کے لئے ہوتے ہیں کہ غافلو! اب بھی سنبھل جاؤ، اب بھی اپنے ایمان، عقائد اور اعمال کی اصلاح کرلو، یقیناً ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب انہی مساجد میں ہماری موت کا اعلان ہوگا، وہ لمحات ضرور آئیں گے، جب مولوی صاحب ہمیں غسل دیں گے، جب ہم ساکت و جامد چارپائی پر پڑے ہوں گے، ہمیں بھی سفید کفن میں لپیٹ دیا جائے گا اور پھر انہی گلی کوچوں سے ہمارا جنازہ بھی گزرے گا، ہماری بھی نماز جنازہ پڑھا کر آخری دیدار کرکے قبر کے اندر بند کرکے مٹی ڈال دی جائے گی۔

ایک غیر مسلم ڈایوڈ وارن نے حادثے کے بعد بلیک باکس ایجاد کرلیا مگر ہم نے بطور مسلمان ایئر بلیو کے 202 ED طیارے کے حادثے کے بعد اپنے دلوں میں نیکی کی ترغیب وتحریص پیدا کرلی؟ بالخصوص جمشید دستی طیارے میں سوار نہ ہونے والے مسافروں اور مرجانے والوں کے اعزہ واقربا نے اپنی زندگیوں میں توحید، تقویٰ اور للہیت کے جذبات پیدا کرلئے؟ اگر ہاں تو ہم سعید بخت ہیں پھر ہم یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں۔

کھولی ہیں آنکھیں تم نے اے حادثو! ہماری
احسان یہ نہ ہرگز بھولیں گے ہم تمہارا

اور اگر ہم نے اس حادثے سے کوئی سبق نہ سیکھا تو یقیناً ہماری یہ غفلت فضائی حادثے سے بڑا سانحہ ہوگی۔

ایڈیٹر پرنٹر، پبلشر، حمزہ عمان فاروقی نے پاک وطن پرنٹنگ پریس رائل پارک لاہور سے چھپوا کر
180 ملتان روڈ چوک حمایت اسلام لاہور سے شائع کیا، رابطہ ترسیل 0423-7240945



ایڈیٹر عبداللہ منتظر

اسسٹنٹ ایڈیٹر علی عمران شاہین

عالمی اسلامی تحریکوں کا ترجمان ہفت روزہ غزوہ لاہور اور کراچی سے بیک وقت شائع ہوتا ہے جسے پاکستان کا مقبول ترین دینی اخبار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے کراچی سے 2 اضافی رنگین صفحات بھی ہر ہفتے شائع ہوتے ہیں، یہی اخبار بچوں کا سب سے بڑا 15 روزہ میگزین روضۃ الاطفال بھی شائع کرتا ہے

فون 042-7314531
فیکس 042-7362863
ایڈیٹر 0334-4051132
فون سرکولیشن آفس 042-7240945
منیجر 0301-4767037

ہفت روزہ غزوہ معرفت مسجد القادسیہ 4۔لیک روڈ چوبرجی لاہور E-mail# weeklyghazwah@yahoo.com

توہین رسالت ﷺ کے خلاف مسلمانوں کے احتجاج کے مثبت اثرات

ڈنمارک میں رسول اللہ ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کی دوبارہ اشاعت اور ہالینڈ کے انتہا پسند رکن پارلیمنٹ گیریٹ ویلڈرز کی توہین قرآن پر مبنی فلم پر عالم اسلام کا شدید ردعمل جاری ہے تاہم اس بار گستاخی کے مرتکبین کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ مسلمان مشتعل ہو کر اپنا ہی کاروبار تباہ کر دیں، اس کے برعکس مسلمانوں نے منظم عوامی احتجاج کے ساتھ ساتھ موثر اقتصادی بائیکاٹ کا ہتھیار استعمال کیا جس سے ڈنمارک کو بالعموم اور ہالینڈ کو بالخصوص بہترین سبق مل رہا ہے۔ ہالینڈ نے مسلمانوں کے دباؤ کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں اور ایک نئی فلم جو 20 اپریل کو ریلیز ہونا تھی کی نمائش رکوا دی ہے۔ یہ فلم ایک ایرانی مرتد احسان جامی نے تیار کی جس میں نبی اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی کو بے ہودہ طریقے سے پیش کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی ہے۔ ڈنمارک کے برعکس ہالینڈ کے مسلم دنیا کے ساتھ بہت زیادہ تجارتی مفادات وابستہ ہیں مثلاً ہمارے ملک پاکستان کو ہی لے لیں، یہاں یونی لیور کی مصنوعات ہر گھر میں استعمال ہوتی ہیں۔ اس کمپنی کے مالکان کا تعلق برطانیہ اور ہالینڈ سے ہے۔ فلپس کی الیکٹرونکس مصنوعات مسلم دنیا میں بے حد مقبول ہیں یہ بھی ڈچ کمپنی ہے۔ ملائشیا میں 130 ڈچ کمپنیوں کا کاروبار ہے جسے حالیہ بائیکاٹ سے شدید دھچکا لگا ہے۔ اسی طرح ہالینڈ کی ڈیری مصنوعات بھی کئی مسلم ممالک میں درآمد کی جاتی ہیں۔ ان یورپی ممالک کی جان ان کی معیشت میں ہے اگر مسلمان اسی طرح پرامن انداز میں اپنی آواز بلند کرتے رہیں اور گستاخی میں ملوث ممالک کا بائیکاٹ جاری رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ ملک راہ راست پر نہ آ جائیں۔ اس میں ہماری مسلمان حکومتوں کا کردار بڑا اہم ہے اگر مسلم ممالک کے حکمران اللہ تعالیٰ کے حبیب محمد ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو ڈنمارک کی ہٹ دھرمی منٹوں میں ہوا ہو جائے لیکن افسوس کہ ہمارے حکمران اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں انہیں شدت پسند نہ کہہ دیا جائے، اپنی آزاد خیال تصویر برقرار رکھنے کے لئے یہ مسلم حکمران توہین رسالت ﷺ کو معمول کی کارروائی سمجھ کر نظرانداز کر دیتے ہیں جبکہ دوسری طرف ڈنمارک کی حکومت توہین رسالت کے مرتکبین کی مکمل پشت پناہی کر رہی ہے اسی طرح ہالینڈ کی عدالت نے توہین آمیز فلم کے خلاف مسلمانوں کی درخواست مسترد کر کے اسے قانونی قرار دیا ہے۔ ساتھ میں یہ نشتر بھی چبھو دیا ہے کہ عدالت میں مسلمان یہ ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں کہ اسلام ایک پرتشدد مذہب نہیں۔ گویا ہالینڈ کی عدالت نے بھی بالواسطہ اسلام کو پرتشدد مذہب قرار دیا ہے۔ مسلم حکمرانوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پہلا سوال دین کے بارے میں ہوگا۔ ایسی حکومتوں اور اقتدار کا کیا فائدہ جو نبی اکرم ﷺ کی ناموس پر ہونے والے حملوں کو ہی نہ روک سکیں۔

یہاں ہم یہ بھی واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آسٹریا کے ایک چرچ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی توہین پر مسلمانوں کے احتجاج کو بیلنس کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انتہائی توہین آمیز پینٹنگز کی نمائش کی ہے۔ شاید وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہوں کہ مسلمانوں کو زیادہ واویلا نہیں کرنا چاہئے ہم اپنے پیغمبر کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے ہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عزت و احترام اور توقیر کے معاملے میں مسلمان انبیاء علیہم السلام کے درمیان فرق نہیں کرتے کیونکہ انہیں قرآن کریم یہ تعلیم دیتا ہے کہ انبیاء کے درمیان تفریق نہ کریں۔ چرچ کی طرف سے یہ بے ہودگی مسلمانوں پر ایک اور حملہ تصور ہوگی کیونکہ مسلمان پہلے بھی عیسیٰ علیہ السلام کی ناموس کیلئے اپنی آواز بلند کرتے رہے اور اب بھی کریں گے۔ یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ کیا موجودہ عیسائیت ایک سچا مذہب ہے۔ اس مذہب کے ماننے والوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کا چرچ خود اپنے پیغمبر کو ہم جنس پرست (معاذ اللہ) ظاہر کر رہا ہے تو ایسے مذہب میں اخلاقیات کی کیا حالت ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت رکھنے والے عیسائیوں کیلئے ہمارا پیغام ہے کہ آؤ اسلام کا مطالعہ کرو، جو احترام اسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا ہے وہ خود عیسائیت بھی نہ دے سکی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے، صلیب توڑ کر عیسائیت کے خاتمے کا اعلان فرمائیں گے۔

حرمت رسول ﷺ کے مسئلے پر اسلامیان پاکستان نے جس طرح اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے وہ قابل قدر ہے جب بھی اس حوالے سے کسی جماعت نے کوئی کال دی عوام لبیک کہتے ہیں۔ جماعۃ الدعوۃ نے ملک بھر میں گزشتہ ایک ماہ کے دوران حرمت رسول ﷺ کے سلسلے میں 10 ہزار سے زائد پروگرام منعقد کئے ہیں جو اپنی جگہ ایک ریکارڈ ہے۔ جماعت اسلامی نے کراچی میں اتوار کے روز ایک عظیم الشان ریلی نکالی جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ اس ریلی کو عالمی سطح پر سراہا گیا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ قومی اسمبلی بھی اس مسئلے پر قوم کی ترجمانی کرے اور گستاخی میں ملوث ممالک کے بائیکاٹ کا اعلان کرے، عوام کی نظریں حکمرانوں پر ہیں، دیکھنا ہے کہ وہ عوام کی توقعات پر کس حد تک پورا اترتے ہیں۔

توہین قرآن میں ملوث امریکی جنرل کی پاکستان میں تقرری

امریکی فوج کے چیف آف سٹاف نے 13 مارچ کو میجر جنرل جے ڈبلیو ہڈ کو پاکستان میں امریکی سفارتخانے میں دفاعی نمائندے کے آفس کا چیف نامزد کیا ہے۔ ابھی تک ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی کہ جنرل ہڈ پاکستان پہنچ چکے ہیں یا نہیں تاہم 26 مارچ کو دفتر خارجہ کے ترجمان نے کہا تھا کہ ابھی تک پاکستان کو جنرل ہڈ کی تقرری کی درخواست موصول نہیں ہوئی جو سفارتی تعلقات میں لازمی ہے۔

میجر جنرل ہڈ وہ بدبخت امریکی جنرل ہے جس نے گوانتاناموقید خانے میں قرآن کریم کو فلش میں بہایا تھا اور اسلام کو گالیاں دی تھیں ایسے کسی بدباطن شخص کا پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنا مسلمانوں کے عقائد و نظریات کے ساتھ مذاق کے مترادف ہوگا۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ فوری طور پر امریکہ کو آگاہ کرے کہ میجر جنرل ہڈ سمیت کسی ایسے شخص کو پاکستان میں قبول نہیں کیا جا سکتا جو کسی بھی طور قرآن کریم یا محمد رسول اللہ ﷺ کی توہین کا مرتکب رہا ہو۔ اگر حکومت نے اس بار بھی مداہنت اور بزدلی کا مظاہرہ کیا تو اسے شدید عوامی ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ منظم اور پرامن احتجاج جس کا رخ اس وقت ڈنمارک اور ہالینڈ کی طرف ہے وہ اسلام آباد کی طرف ہو جائے گا۔ امریکہ کو بھی چاہئے کہ وہ نفرتوں کی فصل کاشت کرنا بند کر دے، اتنے کانٹے بوئے جتنے وہ چن سکتا ہے اس طرح کی گھٹیا حرکتوں سے وہ نہ اسلام کا راستہ روک سکتا ہے نہ جہاد کو بند کر سکتا ہے۔ اس طرح کے ہتھکنڈوں سے وہ اپنے انجام کو مزید قریب کر لے گا۔

مرد اور عورت کا دماغ سائنس کی روشنی میں

جدید دور سائنسی تعلیم سے بھرپور دور ہے اب پہلے جیسی سادہ تعلیم تو رہ نہیں گئی بلکہ کوئی سائنس کی تعلیم۔ حاصل کر کے سائنسدان بن رہا ہے تو کوئی اعلیٰ تعلیم لے کر ڈاکٹر کی ڈگریاں لے رہا ہے، ایسے ہی کوئی انجینئر بننے کے شوق میں لگا ہوا ہے۔ وہ ساری ہی تعلیمات کہ جو انسانیت کی فلاح کے لئے ہیں، خوب ہیں لیکن اگر ان سب تعلیمات کے ساتھ ساتھ قرآن اور سنت نبوی کو بھی ملا لیا جائے تو وہ تعلیم کندن بن جاتی ہے۔ بنیادی طور پر قرآن ہدایت کی کتاب ہے لیکن اس میں جہاں کہیں سائنس کی بات ہوتی ہے تو وہ حرف آخر ہے، یہ نعمت ان کو ملتی ہے جو قرآن میں غور و فکر کرتے ہیں۔ ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے سائنس کے شعبہ میڈیکل میں خواتین کو سامنے رکھ کر اس موضوع پر ریسرچ کا آغاز کیا کہ آخر یہ انسانی دماغ کیا ہے؟ اور یہ کہ عورت اور مرد کے دماغ میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلے میں جو باتیں میرے سامنے آئیں وہ نذر قارئین کرتی ہوں۔

دماغ ایک اخروٹ کے مغز کی مانند ہے ڈاکٹر بتلاتے ہیں کہ دماغ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے: Right Hemspher and left hemspher یعنی بایاں حصہ اور دایاں حصہ۔

مرد کے دماغ کا بایاں حصہ بڑا بھی ہوتا ہے اور بہتر طور پر کام بھی کرتا ہے۔ مرد کے دماغ کے بائیں طرف ایک (Infrior parietad lobule) سسٹم ہوتا ہے یہ لوب یعنی کہ گوشت کا ایک نرم گوشہ ہوتا ہے جو پورے جسم کو کمانڈ دیتا اور کنٹرول کرتا ہے۔ مرد کا دماغ اس لوب کی وجہ سے ریاضی حل کرنے کی قابلیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ عورتوں کی نسبت مردوں میں حساب کتاب کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے، اس بناء پر وہ انجینئر اور سائنسدان بنتے ہیں۔ بائیں حصے کی کارکردگی کی وجہ سے گھر اور باہر کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت ان میں زیادہ ہوتی ہے۔ حیران کن طور پر آئن سٹائن کے دماغ میں یہ لوب عام آدمی کی نسبت زیادہ بڑی تھی جس کی بناء پر وہ ایک بہت بڑا سائنسدان بنا عورت کے دماغ کے دونوں حصے برابر ہوتے ہیں جس کی بناء پر وہ ایک ہی رخ پر سوچتی ہے۔

عورت کے دماغ کے دائیں طرف Larger deep limbie sistem ہوتا ہے۔ اس سسٹم کا تعلق حسیات سے ہے جو جذبات کے اظہار کے لئے بہترین انداز میں مدد کرتا ہے۔ اس سسٹم کی بدولت ایک عورت دوسروں کے ساتھ مراسم اور تعلقات میں مرد کی نسبت بہتر کردار ادا کر سکتی ہے۔ یعنی بچوں کی نگہداشت، بچوں سے محبت اور خاوند کا خیال وغیرہ ہارمونز کی تبدیلی کا نظام بھی عورت کے اسی سسٹم کی وجہ سے ہے۔ عورت میں موجود سسٹم ان تمام خوبیوں کو احسن انداز کے ساتھ کنٹرول کرتا ہے۔ مزید برآں مرد کی نسبت عورت میں قوت برداشت زیادہ ہوتی ہے۔ میڈیکل کی مندرجہ بالا تحقیقات کے مطابق مرد کا دماغ عورت کے دماغ سے 11-12 فیصد بڑا ہوتا ہے۔ مرد اور عورت اپنے دماغ کی بناوٹ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف سوچ اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ مرد کے دماغ کا بڑا ہونا جسامت کی وجہ سے ہے۔

آیئے اب غور کریں اور دیکھیں کہ قرآن اور اسلام عورت اور مرد کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "اے لوگو! اپنے مالک سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کی زوجہ (حوا) کو پیدا کیا۔ (آدم کی پسلی سے حوا کو نکالا) اور ان دونوں (یعنی آدم اور حوا) سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور ڈرو اس اللہ تعالیٰ سے جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے سوال کر کے (باہمی مسائل حل) کرتے ہو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔ (جو سب احوال و اعمال دیکھ رہا ہے) سورۃ النساء-1)

جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو لازم و ملزوم کر دیا جس طرح ان کی دماغی بناوٹ ہے اس طرح ان کے دائرہ کار کا تعین فرما دیا تاکہ ایک منظم معاشرہ تشکیل پا سکے ان کا گھریلو اور عائلی نظام پرسکون رہے جو مرد اور عورت اس دائرہ کار سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا وہ معاشرے میں ناکام و نامراد ہو جائے گا۔ مرد کے دماغ کا سٹرکچر دیکھئے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ فرمایئے!

ترجمہ: "مرد عورتوں پر قوام ہیں"۔ (سورہ النساء 34) قوام کا معنی ہے سرپرست، سربراہ اور منتظم...... یاد رہے! مرد اپنی جسمانی ساخت کے لحاظ سے عورتوں سے مضبوط ہوتے ہیں۔ عورتوں کی نسبت مشقت والے کام زیادہ کر سکتے ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ جو کارہائے نمایاں مردوں نے سرانجام دیئے عورتیں اس کے دسویں حصے کو بھی نہ پا سکیں۔ نبوت کا مقام پانے والے نبی بھی مرد ہی تھے، جہاد جیسے اہم فریضے کی ذمہ داری سونپی گئی تو وہ بھی مرد کو کہ وہ قوی ہونے کی وجہ سے اپنے ملک کی سرحدوں کا پاسبان بنے اور اس کی حفاظت کر کے اپنے بچوں اور عورتوں کا دفاع کرے۔ یہ ہے قواموں کا مطلب کہ مرد اپنے گھر میں کہ جہاں اس کی ماں ہے، بیٹی ہے، بہن



بشریٰ امیر

ہے، اس کی بیوی اور بچے ہیں سب کی کفالت اور حفاظت اس کی اولین ذمہ داری ہے تاکہ معاشرے میں امن رہے، بعض شکی مزاج اور ڈکٹیٹر قسم کے مرد اس لفظ قوامون کا مطلب غلط لیتے ہوئے اپنے دائرہ کار سے نکل جاتے ہیں، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کو غیرت کے نام پر قتل کرنا "قوامون" ہے اسے ونی اور کاروکاری جیسی رسم کی بھینٹ چڑھا دینا اس زمرے میں آتا ہے، وراثت کے حق سے محروم کر دینا یا چھوٹی چھوٹی بات پر اس کمزور و ناتواں کے منہ پر تھپڑ رسید کر دینا، اسے پاؤں کی جوتی جیسے لقب سے نوازنا۔ کیا یہ ہے "قوامون" کا تقاضا؟ نہ...... نہ تیری تو ذمہ داری قوام ہونے کی صورت میں اللہ نے عورت اور بچوں کی حفاظت کرنے پر لگائی ہے۔ نہ کہ جلاد اور ڈکٹیٹر بننے پر...... ایسے تمام ظالمانہ طور طریقے سراسر جاہلیت ہے

چودہ سال قبل بھی انسانیت ایسی ہی جاہلیت کا شکار تھی جب بچیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ ایسی ہی جاہلیت کے بارے میں قرآن نے سخت برہمی کا انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا!

ہاں جب گڑھے میں زندہ دبائی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، بتلا کس جرم کی پاداش میں تجھے قتل کیا گیا۔ سیرت نبویہ کے گلستان میں تر و تازہ پھول کھلے اور کلیوں سے خوشنما خوشبو ہر سو مہکی۔ روح مومن کو حیات جاوداں بخشنے والا گلدستہ تیار ہوا۔ عورت کے نام پر حقیر ترین مخلوق کو اونچا مقام ملا۔ آیئے رسول رحمت کے اسوہ سے عورت کے اس مقام کو دیکھیں جو اسلام میں اسے دیئے گئے، اس لئے کہ ہمارے لئے بہترین نمونے کی اعلیٰ و ارفع مثال رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ عورت جب بیوی کے روپ میں ہوئی تو میرے نبی ﷺ نے اسے کیا خوب مقام دیا، فرمایا:

خیار کم خیار کم لنساء هم

یاد رکھو! تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہیں۔ صحیح بخاری کتاب الاذان میں ہے۔ حضرت عائشہ سے سوال کیا گیا کہ حضور جب گھر تشریف لاتے تو ان کے کیا معمولات ہوتے۔ مومنوں کی ماں نے جواب دیا: "حضورؐ جب گھر میں ہوتے تو اپنے اہل خانہ کے کام کیا کرتے تھے، انہی گھر والوں کی خدمت کیا کرتے تھے، جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کی طرف چلے جاتے"۔

حبیبہ بنت سہلہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی تھیں انہوں نے اس قدر مارا کہ ان کا کوئی عضو توڑ ڈالا۔ حبیبہؓ نے آپ کو شکایت لگائی تو آپ نے اسے خلع لینے کا حکم دیا، یعنی جب عورت مرد کی طرف سے ستائی جائے تو نبی کریم ﷺ نے اسے یہ حق دیا کہ وہ اس سے جدا ہو سکتی ہے۔ عورت بیٹی کے روپ میں ہوئی تو عزت و اکرام سے نوازی گئی۔ حضرت عائشہ بتلاتی ہیں: "حضرت فاطمہؓ اپنے ابا جان کے گھر آتیں تو اللہ کے رسول اٹھ کھڑے ہوتے۔ حضرت فاطمہؓ کی طرف بڑھتے بیٹی کا ہاتھ پکڑ لیتے ماتھے پر بوسہ لیتے اور اپنی جگہ پر حضرت فاطمہ کو بٹھاتے"۔ آپؐ نے فرمایا جس کے پاس بیٹیاں ہوں اور اسے ان کی وجہ سے کسی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا اس نے ان بیٹیوں کے ساتھ اچھا سلوک (کر کے پالا جوان کیا شادی کا فریضہ سرانجام دیا) تو وہ بیٹیاں جہنم کی آگ کے سامنے حجاب بن جائیں گی۔ عورت بہن کے روپ میں آئی تو تب بھی اعلیٰ مقام سے نوازی گئی وراثت کا حق دیا گیا رسول کریم ﷺ نے فرمایا، قیامت والے دن کوئی یہ نہ کہے اغثنی۔ اغثنی، میری مدد کیجئے میری مدد کیجئے۔ میں حق تلف کرنے کے معاملے میں کسی کے کام نہیں آؤں گا۔ یہ بات اور بھائیوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ بہنوں اور بیٹوں کا حق نہ مارنا ورنہ قیامت کے دن پکڑے جاؤ گے۔ آج کل بھائی باپ کی جائیداد پر قابض ہو کر بہن کو وراثت جیسے حق سے محروم کر دیتے ہیں۔ قیامت کے دن ان لوگوں نے حضورؐ کے فرمان کے مطابق زمینوں، مکانوں اور جائیدادوں کو سر پر اٹھایا ہوگا۔ ذلت کا منظر ہوگا کہ یہ ہے وہ شخص جو بہن اور بیٹی کا حق کھا گیا تھا۔

یہ ہیں عورت کے اکرام و مراتب جو وہ اپنے دیئے ہوئے دائرہ کار میں رہ کر حاصل کر سکتی ہے آزادی نسواں کے نام پر نام نہاد روشن خیالوں کے گندے خیالات پر نہیں جو عورت کو منڈی میں بکاؤ مال بنا ڈالتی ہے یہ آزادی بسنت اور میراتھن ریس کی صورت میں عورت کو سڑکوں پر لے آتی ہے۔ ذلت و رسوائی کو اس کا مقدر بنا دیتی ہے۔ معاشرے کو پرسکون بنانے کے لئے دائرہ کار مختص کر دیئے گئے گھریلو نظام چلانے اور عورت کے دماغی سٹرکچر اور صنف نازک ہونے کے پیش نظر گھر اور بچوں پرسکون بنانے کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ اگر کوئی عورت اپنے دائرہ کار سے نکلے گی تو اللہ کے غضب کا شکار ہو گی۔ عورت ستر ہے اسے چھپانے والی شے کہا، پوسٹروں کی زینت نہ بنے، چوکوں اور چوراہوں پر ڈیوٹیاں لگوا کر مردوں کی بدنظری کا نشانہ نہ بنے۔ دین اور دنیا کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔ ڈاکٹری، ٹیچری اور اس جیسے کسی معزز اور حیا دار شعبہ کو وہ اپنا سکتی ہے کہ اس میں فلاح انسانیت ہے اور عورت کی دماغ سوچ بھی اس کی روداد ہے عمل اور آخرت میں اجر کے حساب سے مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت ہو"۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

نامور عالم دین، عظیم مجاہدِ آزادی نے اپنی خطابت سے انگریزی اقتدار خاک میں ملادیا

سید محمد کفیل بخاری

برصغیر کی جدوجہد آزادی میں ایک معتبر نام امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا بھی آتا ہے۔ ان کے ہم عصر تو بہت تھے مگر ہم سر کوئی نہ تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی اور مولانا ظفر علی خان جیسی ہستیوں کی موجودگی میں ان کی شخصیت کا چراغ روشن ہوا اور انہوں نے اپنے ہم عصروں میں اپنی منفرد شخصیت کا لوہا منوایا۔ انہوں نے اپنے عہد کی تقریباً تمام بڑی شخصیات سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری جامع الصفات انسان تھے۔ لیکن ان کی شخصیت کا اہم پہلوان کی خطابت تھی۔ خطابت ان کا فن نہیں فطرت تھی۔

انہوں نے اپنی اجتماعی و سیاسی زندگی کا آغاز 1916ء سے کیا اور 1919ء کے حادثہ جلیانوالہ باغ کے خلاف صدائے احتجاج میں شامل ہونے پر برصغیر کے سیاسی افق پر انہیں بے پناہ شہرت ملی۔ پھر تحریکِ خلافت 1921ء میں انہوں نے بھرپور شرکت کی اور برصغیر کا چپہ چپہ ان کی شعلہ نوائی اور زورِ خطابت سے گونج اٹھا۔ صرف پنجاب میں تین ہزار خلافت کمیٹیاں قائم کیں۔ انہی دنوں لاہور کے ایک جلسے میں مولانا محمد علی جوہرؒ نے ان کی خطابت سے متاثر ہو کر فرمایا: ''بخاری مقرر نہیں ساحر ہے، تقریر نہیں جادو کرتا ہے''۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے شاہی مسجد لاہور میں ان کا خطاب سنا تو فرمایا: ''میرے بھائی آپ کی اس خدمت پر ملک و ملت کا ہر گوشہ شکر گزار ہے''۔ مفکرِ پاکستان علامہ اقبالؒ نے 1930ء میں موچی دروازہ لاہور کے ایک اجتماع میں سنا تو فرمایا: ''شاہ جی اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں''۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیری نے شاہ جی پر نگاہِ کرم ڈالتے ہوئے فرمایا: ''عطاء اللہ عہدِ نبوت میں ہوتے تو ناقۂ رسالت کے حدی خواں ہوتے۔ میں انہیں امیر شریعت منتخب کرتا ہوں''۔ مرشدِ اوّل حضرت پیر سید مہر علی شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: ''قدرت نے آپ کو لستان پیدا کیا ہے۔ اس میدان میں آپ کبھی پیچھے نہیں رہیں گے''۔ مرشدِ ثانی حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نے فرمایا: ''شاہ جی تو دلوں کے بادشاہ ہیں۔ آپ اپنی تقریر کے ذریعے بہت عبادت کر لیتے ہیں''۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری، علامہ انور شاہ کشمیری کے عقیدت مند، مولانا ابوالکلام آزاد کے ارادت مند، علامہ اقبال کے نیاز مند، حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب اور شاہ عبدالقادر رائے پوری کے مرید باصفا تھے۔ اقبال مرحوم کی بے شمار مجالس کے حاضر باش رکن تھے۔ انہوں نے عقیدۂ ختم نبوت اور قادیانیت سے متعلق علامہ اقبالؒ کو معلومات فراہم کیں۔ چنانچہ اقبال مرحوم نے کشمیر کمیٹی کی سیکرٹری شپ سے استعفیٰ دیا اور قادیانیت کے کفر پر کھل کر اپنے عقیدے کا اظہار کیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے زندگی کے 10 برس جیل میں گزارے۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ''زندگی ہی کیا ہے؟ تین چوتھائی ریل میں گزر گئی اور ایک چوتھائی جیل میں''۔ انہوں نے کلکتہ سے راس کماری اور خیبر سے کراچی تک ایک دوڑ لگائی اور دھرتی کو اپنی شعلہ بیانی سے گرم کیا۔ انگریز حکمرانوں کا جینا محال کر دیا اور انگریزی اقتدار کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ ان کی شخصیت کے تمام گوشوں کو اجاگر کرنا اور جہد و ایثار کا احاطہ کرنا آسان کام نہیں۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے: ''کون لکھے گا میری سوانح؟ میں نے بنجر زمینوں میں ہل جوتے، تاریک صحراؤں میں سفر کیا اور قبرستانوں میں اذانیں دی ہیں۔ میں وہاں پہنچا ہوں جہاں دھرتی پانی نہیں دیتی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ جدوجہد آزادی میں میرا کیا حصہ ہے؟ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ میں نے ہندوستان کے کروڑوں انسانوں کے دلوں سے انگریز کا خوف نکال کر آزادی کا صور پھونکا۔ جدوجہد آزادی کے سفر میں کیا کیا صعوبتیں برداشت کیں، یہ کہانی اتنی تلخ اور ہمہ گیر ہے کہ سوائے میرے اسے کوئی نہیں لکھ سکتا۔ ہاں! اگر میں خود لکھتا تو یہ بڑی دلکش معلوم ہوتی۔ مگر ہم جس مقصد عالی کے حصول کیلئے جدوجہد کر رہے تھے وہاں اتنی فرصت کہاں؟ صبح کہیں، شام کہیں، دن کہیں، رات کہیں''۔ ایک موقع پر فرمایا: ''کوئی زندگی تھی؟ ایک طوفان تھا۔ انگریز جیسے دشمن سے ٹکر تھی۔ ہم تو موت کو دعوت دیتے تھے۔ تقریر کی، جیل چلے گئے۔ باہر آئے، پھر تقریر اور پھر جیل۔ جوانی آئی تو جیل میں گئے، واپس آئے تو بڑھاپا شروع ہو چکا تھا۔ چالیس برس تک اس ملک کے کونے کونے کی خاک چھانی۔ جو کچھ میں نے کیا اور جو کچھ دیکھا اب اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ میں ایک سپاہی بن کر ہر مورچے پر سب سے پہلے پہنچتا رہا۔ مسجد اور مدرسہ میں جو پڑھا اس پر جیل میں جا کر عمل کیا۔ سفر اور سفر اور مسلسل سفر یا پھر جیل۔ مہینوں گھر اور بچوں کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ بس ایک دھن تھی، ایک جنون تھا کہ اپنے مشن کیلئے جان لڑا دو۔ آندھی بن کر اٹھے اور بادل کی طرح برس گئے۔ میں کیا ہوں؟ اللہ کی مخلوق میں سب سے عاجز۔ میرے گناہوں پر مالک نے پردہ ڈال دیا ہے۔ ورنہ عطاء اللہ جیسے کروڑوں مارے مارے پھرتے ہیں جنہیں کوئی جانتا تک نہیں۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے قرآن کی کچھ خدمت مجھ سے لے لی اور اس پر بھی کوئی دعویٰ نہیں۔ استغفر اللہ! میں نے اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں مانا اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بدمعاش کو ان کا حریف بنتے دیکھنا میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اور کوئی عمل میرے پلے نہیں، زندگی میں کہا ہوا کوئی ایک حرف بھی قبول ہو گیا تو ان شاء اللہ نجات ہو جائے گی''۔

1929ء میں انہوں نے مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی اور تمام مکاتبِ فکر کے علماء، دانش ور اور سیاسی زعماء اس جماعت میں شامل ہوئے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مفکر احرار چودھری افضل حق، مولانا ظفر علی خان، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، شیخ حسام الدین، صاحبزادہ سید فیض الحسن، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا محمد علی جالندھری، نواب زادہ نصر اللہ خان، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور آغا شورش کاشمیری کے علاوہ ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے باصلاحیت اور مخلص افراد مجلس احرار میں شامل ہو گئے۔ شاہ جی نے درجنوں تحریکوں کو پروان چڑھایا اور قوم کے اندر سیاسی و ملی شعور بیدار کیا۔ تحریکِ پاکستان میں انہوں نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے خود فرمایا تھا:



''میں بھی پاکستان کا حامی ہوں مگر لولے لنگڑے پاکستان کا نہیں۔ وسیع تر پاکستان کا، جس کا ایک وجود ہو، جو واقعی پاکستان ہو، پورا پنجاب اور پورا کشمیر اس میں شامل ہو''۔ قیامِ پاکستان کے بعد 1948ء میں لاہور کے ایک جلسہ عام میں انہوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک رائے مسٹر جناح کی تھی، ایک رائے ہماری، مسٹر جناح کی رائے جیت گئی اور میری رائے ہار گئی۔ قوم نے جناح کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب پاکستان بن گیا ہے یہ ہمارا وطن ہے اب ہمیں اس کی تعمیر اور خدمت میں جت جانا چاہیے۔ میں اس وطن کی عزت کے مقابلے میں اپنی جان عزیز رکھتا ہوں نہ اولاد۔ میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا اب بھی تمہارا ہے''۔ ملک کو قائم ہوئے 70 سال ہو گئے لیکن ابھی تک قیامِ پاکستان پر بحثیں جاری ہیں۔ اس وقت ریاست کا وجود خطرے میں ہے۔ اب اس جنگ کو ختم ہو جانا چاہیے اور ہمیں شاہ جی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی حفاظت اور بقاء و سلامتی کیلئے جدوجہد کرنی چاہیے۔

شاہ جی کو ہم سے رخصت ہوئے 56 برس بیت گئے۔ ان کا وجود قدرت کا عطیہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تنہا وجود سے وہ کام لیا جو ایک جماعت اور ادارے کا تھا۔ وہ آدمی نہیں، یزداں کی اک نشانی تھے۔ شاہ جی اور ان کے رفقاء نے مجلس احرار اسلام کے سٹیج سے آزادی کا جو سفر شروع کیا تھا وہ کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ انہوں نے اس سفر میں جیل کی صعوبتیں برداشت کیں۔ طوق و سلاسل کو چوما اور ان کو گلے لگایا۔ قید کی طویل رات کے سناٹے میں محشر بپا کیا۔ انگریز کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اور غلامی کے سکوت و جمود کو اپنی للکار اور پکار سے توڑ کر خاموش فضاؤں میں ارتعاش پیدا کیا۔ آج شاہ جی ہم میں موجود نہیں مگر ان کے زریں کارنامے، ان کی اجلی سیرت کے نقوش، ان کا عقیدہ و فکر، ان کی جدوجہد کا تسلسل اور ان کی جماعت مجلس احرار اسلام ہم میں موجود ہے۔ شاہ جی کے فرزند سید عطاء المہیمن بخاری قافلۂ احرار کی قیادت کرتے ہوئے اپنے عظیم باپ کے عظیم مشن تحفظِ ختمِ نبوت کی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ شاہ جی 23 ستمبر 1892ء کو پٹنہ میں پیدا ہوئے اور 21 اگست 1961ء کو ملتان میں انتقال ہوا۔ انہوں نے پچاس برس بھرپور قومی و ملی خدمات میں گزارے۔ ان کی نماز جنازہ ان کے فرزندِ اکبر مولانا سید ابوذر بخاری نے پڑھائی۔ 2 لاکھ سے زائد مسلمانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور ان کی وصیت کے مطابق عام قبرستان ''جلال باقری'' میں سپردِ خاک کیا گیا۔ ساغر صدیقی مرحوم نے ان کے انتقال پر کہا تھا۔

آج مٹی کا وہاں ڈھیر سا ہو گا ساغر
سر جھکاتی تھی جہاں لوح و قلم کی دنیا

نذرانہ عقیدت شورش کاشمیریؒ

خاکِ طیبہ کے مسافر کی دعا یاد آئی
غائب از چشم، بخاریؒ کی صدا یاد آئی
شوق پھر لے کے چلا کوچۂ قاتل کی طرف
پھر کوئی بات بہ عنوانِ قضا یاد آئی
پھر کوئی شعلہ بیاں تیغ بہ کف آ پہنچا
پھر محمد کے گھرانے کی صدا یاد آئی
پھر گئے دور کی تاریخ نے پرچم کھولا
پھر مجھے طوق و سلاسل کی فضا یاد آئی
جب کبھی اس کی خطابت کا تصور باندھا
قرنِ اوّل کے خطیبوں کی ادا یاد آئی
جب کبھی معرکۂ بدر و احد یاد آیا
خاک لاہور کی گلگونہ قبا یاد آئی
جب کبھی خونِ شہیدانِ وفا بول اٹھا
نقش آرائی تسلیم و رضا یاد آئی
دور تک جرأتِ گفتار کی بجلی کوندی
دیر تک شوخیٔ نقشِ کفِ پا یاد آئی
شورش اس کشمکشِ دہر کے ویرانے میں
ایک مجبوب قلندر کی ادا یاد آئی

بدنصیب

پتہ چلا کہ آج وہ پھر بیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہو چکا ہے۔ میرا اس سے کوئی رشتہ ناتا نہیں بس ایک ادب کا رشتہ ہے، وہ ایک اچھا ادیب اور نظریاتی وفکری انسان ہے، اس لئے مجھے اچھا لگتا ہے۔ لہٰذا اس کی تیمارداری کے لئے اور خیریت معلوم کرنے کے لئے میں ہسپتال پہنچ گیا ہوں۔ اپنے متعلقہ مریض تک پہنچنے سے پہلے میری آنکھیں کیا مشاہدہ کر رہی ہیں آپ بھی میرے تعاقب میں چلے آئیں اور وہی کچھ دیکھیں جو میں دیکھ رہا ہوں۔

لیجئے میں میڈیکل وارڈ کے گیٹ پر پہنچ گیا ہوں، گیٹ بند ہے، شیشے کے پیچھے کرسی پر بیٹھا وارڈ بوائے نظر آ رہا ہے"۔ مائی باپ! مہربانی کرو ہمیں اپنے مریض سے صرف چند منٹ کے لئے ملنے دیں، آپ کا احسان ہوگا۔ "آپ کو سمجھ کیوں نہیں آ رہی، کتنی بار سمجھایا ہے کہ اس وقت بڑے ڈاکٹر کا راؤنڈ ہو رہا ہے، میں آپکو اندر بھیج کر اپنی نوکری ختم نہیں کروا سکتا۔ چپ کر کے ایک طرف بیٹھے رہیں، جب ملاقات کا ٹائم شروع ہوگا تو گیٹ کھول دوں گا، مل لینا اپنے مریض سے۔ یہ جناح ہسپتال میں میڈیکل وارڈ کے وارڈ بوائے اقبال کی مریضوں سے نوک جھونک جاری تھی، کسی پر وہ گرج رہا تھا، کسی پر برس رہا تھا، کسی کو نظر انداز کر رہا تھا اور کسی کی سنی ان سنی کر رہا تھا، لیکن اپنے عزیز، دوست اور رشتہ دار مریضوں سے ملنے اور اس کی بیماری کی کیفیت جاننے کے لئے لوگ بے تاب و بے قرار مچل رہے تھے۔ اس دوران کچھ لوگوں کو اقبال بغیر کسی حیل و حجت، اعتراض کئے بغیر مسکراتے چہرے سے خندہ پیشانی کے ساتھ گیٹ کھول کر وارڈ میں جانے دے رہا تھا۔ ان پر کسی میٹنگ یا راؤنڈ کا کوئی اثر نہ پڑ رہا تھا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ انہوں نے اقبال کی جیب سرخ رنگ کے کاغذ سے گرم کر دی ہوئی ہے، اس لئے اب وہ وی آئی پی شخصیت بن چکے ہیں جب چاہیں مریض سے مل سکتے ہیں، بعض وہاں کھڑے لوگ بھی اس کلیے پر عمل کر کے فوری فائدہ اٹھا رہے تھے اور اپنے پیاروں کی دید سے آنکھوں کی پیاس اور دل کی آس بجھا رہے تھے۔

اقبال نے مجھے دیکھتے ہی آواز لگائی آہا واہ جی طاہر نقاش صاحب آئے ہیں اور گیٹ بغیر کسی تردد کے کھول دیا، وجہ یہ تھی کہ ایک تو کوئی تین ماہ میں یہاں داخل رہ چکا تھا اور دوسرے اسی دوران وہ مجھ سے لے کر "قلم کے آنسو" بھی پڑھ چکا تھا لہٰذا ہم بھی وارڈ کی دنیا میں آ گئے۔ ایک باورچی خانہ میں باہر تک کھانا پکانے والوں کی قطار لگی تھی۔ سب اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے، وہاں مصروف لوگ اپنے عزیز رشتہ دار مریض کے لئے پرہیزی غذائیں مثلاً یخنی، گوشت، چنے کا شوربا، دودھ، جوس، دلیہ اور کسٹرڈ و کھیر بنا رہے تھے۔ مریض کی تیمارداری کے لئے آنے جانے والوں کے لئے بھاگ بھاگ کر ٹھنڈی بوتلیں اور پھل وغیرہ لا کر ان کی خدمت کر رہے تھے۔ مریض کے آنے والے بعض رشتہ دار دوست پھل اور بعض مہکتے گلابوں کے گلدستے بھی پیش کر رہے تھے اور واپس جاتے ہوئے اپنی طاقت کے مطابق دوائیوں سے اخراجات کے لئے پیسے بھی دے کر جا رہے تھے۔ کچھ لوگ مریض کو ساتھ بٹھا کر ایک بڑے دسترخوان پر مل جل کر انواع و اقسام کے کھانے چن کر لذت کام و دہن میں مصروف ہیں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے ہسپتال نہیں کوئی پکنک پوائنٹ پر آ گیا ہوں۔ آنے جانے والے عزیز دوستوں اور بچوں کے ہلے غلے، شور شرابے، کلکاریوں اور گلکاریوں نے اور نیک تمناؤں اور خیرسگالی کے جذبات پر مبنی زندگی بخش جملے مریض کو وحشت کے مہیب غار سے نکالنے کا باعث بن رہے ہیں۔ اپنائیت و خاندان کی خوشبو سے مسحور ہو کر وہ اپنے آپ کو اکیلا، لاچار، بے بس اور موت کے شکنجے میں پھنسا ہوا شکار نہیں سمجھ رہا بلکہ خوشگوار زندگی کی رعنائیوں و زیبائیوں کی شفق اس کے چہرے پر چمک دمک رہی ہے۔ جینے کی امنگ اور ترنگ اس کے اندر پیدا ہو رہی ہے، مرجھائے چہرے پر مسکراہٹ کا غازہ جچ رہا ہے، سوکھے ہونٹ ہنسی و تبسم کی رونقوں سے آشنا ہو رہے ہیں۔

ان سب ہنگاموں سے لاتعلق میں اپنے مریض کے بیڈ پر پہنچ گیا ہوں، آج پھر اس کی باپردہ باحیا پابند صوم وصلوٰۃ بیوی اس کے دکھ سکھ کی شریک سفر اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے، میں نے سلام کے بعد پوچھا، باجی کوئی مرد نہیں آپ کے پاس، میرا مطلب ان کی والدہ، والدہ بھائی، چچا یا خاندان کا کوئی اور مرد تھا...... یہ سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... اور وہ ضبط کرتے ہوئے بولی: "کوئی نہیں آیا ان کے پیچھے، سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں، کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ تھوڑا سا ٹائم نکال کر آئے، مجھے اکیلی کو ٹیسٹوں کی



رپورٹوں کے لئے، میڈیکل سٹور سے دوائی لانے، ڈاکٹروں کو بلانے، ان کو واش روم تک لے جانے کے لئے بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔ یوں بھاگ دوڑ ڈاکٹروں نرسوں کی جھڑکیاں سنتے سنتے شام ہو جاتی ہے۔ میری جوان بیٹی جو سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہے اسے مجھے کچھ آرام دینے کے لئے آنا پڑتا ہے۔ جوان ہے اس لئے اسے میڈیکل سٹور یا لیبارٹری وغیرہ پر بھیج نہیں سکتی لہٰذا خود جاتی ہوں، اس طرح رات کو بھی اکثر مجھے ڈیوٹی دینا پڑتی ہے۔ دو ہاؤس جاب کرنے والے سے لڑکے ڈاکٹر بن کر فضول مریض کے متعلق بے تکے سوال کرتے رہتے ہیں۔ بیٹی کو پریشان کرتے ہیں، حالانکہ میرے ہوتے ہوئے انہوں نے کبھی پوچھا نہیں، جونہی بیٹی آتی ہے تو بہانوں بہانوں سے فائل چیک کرنے آتے ہیں۔

میں مریض کی طرف متوجہ ہوا اور مخاطب کرتے ہوئے بولا: سنائیں کیا حال ہے؟ وہ بولے: طاہر صاحب زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں، مہربانی آپ کی جو مجھے پوچھنے آ گئے، میرا اپنا کوئی پتہ کرنے نہیں آیا اور نہ کسی نے میری جان بچانے کی کوشش کی۔ یہ میری بیوی اور بیٹی ہے، اللہ ان کو سلامت رکھے، یہی میرے پاس رہتی ہیں اور لگتا ہے انہی کے پاس میرا دم نکلے گا۔ میرا خاندان کو دیکھنے کے لئے ترسنے والا دل پیاسا ہی رہ جائے گا، میں نے ان سے کہا کہ حوصلہ رکھیں، آپ بہت جلد صحت یاب ہوں گے، حوصلہ نہ ہاریں، اذکار مسنونہ کرتے رہا کریں، اگر نماز اٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر ہی پڑھ لیا کریں لیکن جب تک ہوش و حواس قائم ہیں، اسے چھوڑیں بالکل نہیں۔

چند دن بعد پتہ چلا کہ عامر صاحب آج صبح فوت ہو گئے ہیں شام کو ان کے گاؤں میں جنازہ ہے، لہٰذا میں جنازے میں شرکت کے لئے پہنچ گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت شرمندگی اور دلی دکھ ہوا کہ اس مظلوم کے جنازے پر چند افراد تھے۔ کوئی قابل ذکر خاندان و برادری نہ تھی حتیٰ کہ آبادی کے لوگوں نے بھی کوئی خاص دلچسپی نہ لی تھی۔ جو لوگ جنازے میں شریک تھے ان میں اس کی بیوی کا ماموں اور بھائی اور چند سسرالی لوگ تھے لہٰذا بغیر کسی کے انتظار کیے چند منٹوں میں جنازہ پڑھ کر ان کو دفنا دیا گیا اور صرف آدھے گھنٹے میں 50 سال پر محیط کہانی کے کردار کو مٹی کے نیچے چھپا کر مٹا دیا گیا۔ مجھے ایک بات رہ رہ کر پریشان کر رہی تھی کہ کبھی کسی جنازے یا مریض پر خاندان و برادری کی اس قدر سرد مہری دیکھنے میں نہیں آئی...... یہاں ایسا کیوں ہے؟ میں نے ان کی بیوہ سے حوصلہ دیتے ہوئے یہ سوال پوچھ ہی لیا کہ لوگوں نے آپ کے میاں کے ساتھ اس قدر بے وفائی و بے اعتنائی کا مظاہرہ کیوں کیا، نہ کوئی ہسپتال پہنچا اور نہ کوئی جنازہ میں...... ایسا کیوں ہے، کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہو گی، وہ سرد آہ بھر کر بولی: بھائی کبھی کبھی انسان کو اگلے جہاں پہنچ کر بدلہ ملنے کی بجائے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ میرا خاوند ہمیشہ اپنی دنیا میں مگن رہتا تھا، کوئی مرے کوئی جیے اسے کوئی غرض نہ تھی۔ اگر کوئی مر جاتا تو کہتا کیا ہمارے جنازہ پڑھنے سے وہ جی تو نہیں اٹھے گا۔ مجھے بہت ضروری کام ہے، میری میٹنگ ہے، ضروری کاروباری ڈیلنگ ہے، میں تو نہیں جا سکتا، سیدھی بات ہے تم نے اگر جانا ہے تو چلی جاؤ، اسی طرح اگر کسی کی شادی ہوتی تو اپنی کسی نہ کسی مصروفیت کا بہانہ بناتا اور کہیں نکل جاتا، نہ خود شادی بیاہ یا کسی دوسری خاندانی خوشی میں شریک ہوتا اور نہ بچوں کو شریک ہونے دیتا۔ کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کی طرف تو بالکل توجہ نہ ہوتی۔ یا کسی کے جینے مرنے یا شادی غم کے موقع کوئی پرانی رنجش و لڑائی و اختلاف سامنے لے آتا...... اور شریک نہ ہوتا، لہٰذا وہ برادری سے کٹ کر رہ گیا نہ خود جاتا اور نہ کوئی برادری والا اس کے پاس آتا۔ آج آپ نے اس کا عبرتناک انجام دیکھ لیا ہے کوئی اس کے جنازے میں بھی شریک نہیں ہوا۔ یہ دنیا ہے یہاں اگر کسی کو خوشی دو گے تو اس سے بھی خوشی لو گے، جی کو جی ہے۔ اگر آپ کو کسی کی پروا نہیں تو کسی کو آپ کی بھی کوئی پروا نہیں، وہ خود تو کنبے قبیلے خاندان سے الگ ہوتے تھے، اپنی اولاد کو بھی کاٹ گئے۔ وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کیا ہمارا کوئی نہیں اس جہاں میں، ماموں خالو، چاچو وغیرہ میں کیا جواب دوں ان کو، کہ تمہارے باپ نے جیتے جی جن کو مار دیا، ان کی زندگی میں خود چلتے بنے۔

میں سوچ کے سمندر میں ڈوب گیا۔ کاش واقعی ہم زندگی کی مصنوعی مصروفیتوں میں غرق ہو کر اپنوں کو بھول جاتے ہیں اور مکافات عمل کے ابدی قانون کے تحت وہ بھی ہمیں بھلا دیتے ہیں۔ یاد رکھیں رابطہ ہی زندگی ہے، کسی کی خوشیوں کو دوبالا کرنا اور اس کے غم میں غمگین ہونا اور اس کو سہارا دے کر یہ احساس دلانا مرنے والا اگر مر گیا تو کیا ہوا تم اکیلے نہیں ہو، ہم ہیں آپ کے ساتھ ہر کڑے وقت میں آپ کے دست و بازو بن کر آپ پر آنے والے طوفانوں کو روک لیں گے...... آپ پر غموں کی کڑی دھوپ پڑنے کی بجائے آپ پر خوشیوں کے مہکتے گلاب نچھاور کریں گے۔ عامر صاحب جو مجھے مظلوم محسوس ہوئے تھے اب بدنصیب محسوس ہونے لگے۔ جو اتنی لمبی زندگی گزار کر چند ہاتھ بھی ایسے چھوڑ کر نہ گئے جو ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے نیک دعاؤں اور درجات کی بلندی کے لئے اٹھ سکیں۔

مجھے مالک کائنات کا وہ چیلنج یاد آ گیا جو اس نے دنیا والوں کو دیا ہے کہ سن لو! جو باہم رشتہ داری کو جوڑے گا میں اسے جوڑ دوں گا اور جو اسے کاٹے گا میں اسے کاٹ دوں گا (ابوداؤد) اور امام کائنات ﷺ نے فرمایا: جس قوم میں قطع (رحمی رشتہ داری کو ختم) کرنے والا موجود ہو اس قوم پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی (شعب الایمان) اور مزید فرمایا: "رشتے توڑنے والا جنت میں نہیں جا سکے گا"۔ (بخاری)

قارئین۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا اور ہمارا انجام بھی عامر کی طرح نہ ہو......؟ تو عامر والا طرز عمل چھوڑ کر آج ہی اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، دوستوں اور اہل محلہ کے دکھ سکھ کے ساجھی بن جائیں۔ ان کے دکھ کو اپنا دکھ اور سکھ و خوشی کو اپنی خوشی قرار دیں...... تو آپ ایسے انجام سے بچ سکتے ہیں ورنہ......

مولانا سمیع الحق شہید...... سعادت کی زندگی، شہادت کی موت

سیف اللہ خالد، صدر ملی مسلم لیگ

موت...... ایک اٹل حقیقت اور ابدی سچائی ہے۔ موت...... سے انکار اور فرار ممکن نہیں، ہر آنے والا جانے کے لئے آتا ہے اور ہر آنے والے کے دنیا میں رہنے سہنے اور زندگی گزارنے کے انداز واطوار مختلف ہوتے ہیں۔جس طرح کی انسان دنیا میں زندگی گزارتا ہے اسی طرح اس کا انجام ہوتا ہے۔کچھ ایسے ہوتے ہیں جو دنیا میں آتے، لیکن زمین کا بوجھ بن جاتے ہیں۔ان کی مثال خاردار درخت کی سی ہوتی ہے۔جس کے پاس سے گزرنے والا اس کے کانٹوں سے الجھ جاتا ہے، اس کے کپڑے پھٹ جاتے اور جسم لہولہان ہوجاتا ہے۔کچھ لوگ ابر بہار اور شجر سایہ دار کی طرح ہوتے ہیں، ان کی چھاؤں سے اپنے بیگانے بھی مستفید ہوتے ہیں۔وہ خیر، نیکی، بھلائی کا منبع، سچائی، صداقت اور حریت فکر کے پیامبر ہوتے ہیں۔مولانا سمیع الحق بھی ایک ایسی ہی شخصیت تھے، ابر بہار اور شجر سایہ دار۔اسلام کے سچے شیدائی، جرائتمند، بہادر اور جذبہ حب الوطنی سے سرشار، وہ قیادت، سیادت، صحافت اور خطابت کے اوصاف سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ کردار کے مالک بھی تھے۔مولانا سمیع الحق کے آباواجداد کا تعلق سرزمین افغانستان کے علاقہ غزنی سے تھا۔ان کے آباواجداد سلطان محمود غزنوی کے جہادی لشکر کے ساتھ بغرض جہاد ہندوستان آئے اور اس کے بعد وہ مستقل اکوڑہ خٹک میں رہائش پذیر ہوگئے۔پہاڑوں کی سرزمین کے اپنے ہی اثرات ہوتے ہیں جیسا کہ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کہتے ہیں

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا مرد کوہستانی

یہ اثرات مولانا سمیع الحق کی شخصیت پر بھی غالب تھے۔وہ خلوص کا بحر بیکراں، بلند عزم، بلند حوصلہ، جہاد، خطابت، علم اور مسند تدریس کے شہسوار تھے۔جب رزم حق وباطل ہوتی تو وہ شمشیر برہنہ ہوتے، جب حلقہ یاراں ہوتا وہ بریشم کی طرح نرم ہوتے۔وہ جہادی میدانوں کے داعی تھے تو مسند تدریس کے بھی راہرو تھے۔انہوں نے درس وتدریس کا سلسلہ اپنے والدگرامی مولانا عبدالحق کی زندگی میں ہی شروع کردیا تھا۔اسی طرح سیاست کے اسرار ورموز بھی انہوں نے اپنے والدگرامی سے سیکھے اور سمجھے۔وہ نرم دم گفتگو گرم دم جستجو کی زندہ مثال تھے۔

مولانا سمیع الحق متحرک وفعال شخصیت کے مالک تھے۔ان کا دل اسلام، جہاد اور پاکستان سے محبت کے جذبات سے لبریز تھا یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اسلام کی سربلندی اور پاکستان کے دفاع کے لئے چلنے والی ہر تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔1974ء کی تحریک ختم نبوت کی کامیابی میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا۔ان کی کتاب "قادیانیت، ملت اسلامیہ کا موقف" اور دوسری کتاب "قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ" قادیانیت پر ان کے وسیع مطالعہ کا ثبوت ہے۔بعدازاں 1977ء میں جب تحریک نظام مصطفیٰ چلی تو اس میں بھی انہوں نے قائدانہ ومجاہدانہ کردار ادا کیا جس کی پاداش میں کئی ماہ تک ہری پور جیل میں قیدوبند کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔مولانا عبدالحق تین دفعہ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، مولانا سمیع الحق نے لائق اور ہونہار فرزند کی طرح اپنے والدگرامی کی سیاسی مہم میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔جنرل محمد ضیاالحق مرحوم کے دور میں آپ کو وفاقی مجلس شوریٰ کا ممبر نامزد کیا گیا تو زکوۃ وعشر، حدود، قصاص ودیت اور امتناع قادیانیت آرڈیننس کا نفاذ، آئین میں بے شمار اسلامی شقوں اور دفعات کا شمول آپ ہی کی شبانہ روز جدوجہد کی بدولت ممکن ہوسکا۔جب آپ 1985ء میں سینیٹ آف پاکستان کے ممبر بنے تو آٹھ سال کی طویل تاریخ ساز جدوجہد کے بعد سینیٹ سے شریعت بل منظور کروایا۔

علاوہ ازیں انہوں نے خود بھی بے شمار تحریکوں اور اتحادوں کی بنیاد رکھی، انہیں منطقی انجام تک پہنچایا اور کامیابیاں حاصل کیں۔اسلامی جمہوری اتحاد قائم کیا جس میں نو سیاسی ومذہبی جماعتیں شامل ہوئیں اور متفقہ طور پر آپ کو اس اتحاد کا سئنیر نائب صدر منتخب کیا گیا۔1988ء میں متحدہ علما کونسل کے پلیٹ فارم پر تمام مکاتب فکر کے علما اور اکابرین کو جمع کیا۔1993ء میں متحدہ دینی محاذ تشکیل دیا۔یکم جنوری 1995ء کو تمام مکاتب فکر کے علما اور ارباب مدارس کو جمع کرکے "تحریک تحفظ مدارس دینیہ" کی بنیاد رکھی۔1996ء میں جب پاکستان فرقہ واریت کی آگ میں جل رہا تھا، بم دھماکے ہورہے تھے مختلف مکاتب فکر کی مساجد کو نشانہ بنایا جارہا تھا تب تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے ملی یکجہتی کونسل قائم کی۔ملی یکجہتی کونسل کا فرقہ واریت کی آگ کو بجھانے اور بین المسالک ہم آہنگی کی فضا پیدا کرنے میں اہم کردار رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا سمیع الحق ہر سیاسی، مذہبی محاذ کے سرخیل اور سالار تھے۔دینی مدارس پر افتاد آتی تو وہ پیش پیش ہوتے، قادیانیت کا مسئلہ کھڑا ہوتا تو وہ صف اول میں نظر آتے، اسلام پر کوئی حملہ آور ہوتا تو وہ اسلام کا دفاع کرنے والوں کی قیادت کرتے نظر آتے، پاکستان کے دفاع کی بات ہوتی وہ سپہ سالار کا کردار ادا کرتے نظر آتے۔جب امریکہ افغانستان پر حملہ آور ہوا تو پاکستان میں اس حملہ کے خلاف جو موثر آوازیں اٹھیں ان میں ایک آواز مولانا سمیع الحق کی آواز تھی۔اس موقع پر مولانا سمیع الحق نے پروفیسر حافظ محمد سعید کی معیت میں "دفاع افغانستان وپاکستان کونسل" قائم کی۔یہ وہ وقت تھا جب جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل نے امریکہ کے افغانستان پر حملہ کے اصل مقاصد سے پردہ ہٹاتے ہوئے مبنی برحقائق ایک تاریخی جملہ بولا تھا کہ افغانستان پر حملہ بہانہ ہے جبکہ پاکستان اصل نشانہ ہے بعد کے حالات نے ثابت کردکھایا کہ جنرل حمید گل کا یہ تجزیہ بالکل درست تھا۔امریکہ نے مسلسل پاکستان کو نشانے پر رکھ لیا، ڈرون حملے کیے جاتے، جن میں سویلین اور فوجی تنصیبات کو نشانہ بنایا جاتا۔بالخصوص نومبر 2011ء میں جب نیٹو افواج نے سلالہ چیک پوسٹ پر حملہ کیا تو اس جارحیت کے ردعمل میں چالیس مذہبی جماعتوں پر مشتمل دفاع پاکستان کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا۔مولانا سمیع الحق تاحیات اس کے چیئرمین تھے۔مولانا سمیع الحق نے اس ذمہ داری کو اس طور نبھایا کہ بیماری اور ضعف کے باوجود ملک میں جہاں بھی دفاع پاکستان کونسل کا پروگرام ہوتا وہ خود پروگرام میں پہنچتے۔اپنے ولولہ اور پرجوش خطاب کے ذریعے دشمنوں کو للکارتے، ان کی سازشوں کے تاروپود بکھیرتے اور قوم کو حوصلہ دیتے تھے۔

مولانا سمیع الحق کی قیادت میں اور جماعۃ الدعوۃ کے امیر پروفیسر حافظ محمد سعید کی رہنمائی میں دفاع پاکستان کونسل نے...... پاکستان کے دفاع، استحکام، اسلام کی سربلندی، امریکہ وبھارت کے پاکستان کے خلاف جارحانہ عزائم کو ناکام بنانے کے لئے ملک بھر میں بڑے بڑے جلسے کیے، عظیم معرکے لڑے، کارہائے نمایاں انجام دیے، امریکہ اور بھارت کی اسلام، پاکستان اور افواج پاکستان کے خلاف کی جانے والی سازشوں اور پراپیگنڈے کو بے نقاب کیا، قوم کو متحد ومتفق کیا۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مستقبل کا مورخ جب بھی پاکستان کے دفاع اور استحکام کے حوالے سے قلم اٹھائے گا، حالات وواقعات کو قلمبند کرے گا تو وہ دفاع پاکستان کونسل، مولانا سمیع الحق اور پروفیسر حافظ محمد سعید کا تذکرہ کیے بغیر نہیں رہے گا۔

مولانا سمیع الحق کی پاکستان کے دفاع کے لئے کیا خدمات تھیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا سمیع الحق کی شہادت پر بھارت میں اور افغانستان میں جشن منائے گئے، خوشی ومسرت کے شادیانے بجائے گئے۔خاص کر بھارتی میڈیا کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

جن بھارتی چینلز پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا گیا ان میں "را" کی سرپرستی میں چلنے والا چینل ڈی این اے نیوز پیش پیش تھا۔اس چینل نے مولانا سمیع الحق کی شہادت کو ایک بڑے دشمن کی موت قرار دیتے ہوئے کہا کہ مولانا سمیع الحق افغانستان میں بھارت کے خلاف ہونے والی کارروائیوں کے ایک بڑے منصوبہ ساز تھے۔افغانستان کی خفیہ ایجنسی این ڈی ایس نے کھلے لفظوں میں ان کے قتل کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم نے مولانا سمیع الحق کی شہادت سے اپنے کمانڈر جنرل عبدالرازق کے قتل کا بدلہ لے لیا ہے۔واضح رہے کہ جنرل عبدالرازق پاکستان کے بدترین دشمن تھے...... وہ کہا کرتے تھے کہ جب تک جسم میں جان ہے، رگوں میں خون ہے، ہاتھ ہلانے کی سکت ہے، پاکستان کے خلاف لڑتا رہوں گا۔اسی طرح افغان حکومت کے سابق میڈیا ڈائریکٹر صدیق صدیقی جو...... اب موجودہ حکومت کے ترجمان ہیں...... نے مولانا سمیع الحق کو سب سے بڑا دشمن قرار دیتے ہوئے کہا اس شخص (سمیع الحق) کے کردار کو بھولنا ہمارے لئے ممکن نہیں، یہ ہمارے سب سے بڑے دشمن تھے، ان کی وجہ سے ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔افغان خفیہ ایجنسی کے سابق ڈائریکٹر رحمت اللہ جو اس وقت افغان صدر اشرف غنی کے حفاظتی دستہ کی سربراہی کے اہم ترین عہدہ پر فائز ہیں...... نے اپنے دل کے پھپھولے ان الفاظ میں پھوڑے...... مولانا سمیع الحق آئی ایس آئی کا ایک بڑا اثاثہ اور ہمارے سب سے بڑے دشمن تھے۔

یہ تو تھے پاکستان کے دشمنوں کے ان کے بارے میں جذبات واحساسات۔ جہاں تک دوستوں کا تعلق ہے، دوستوں کے لئے وہ ابریشم کی طرح نرم تھے۔ہنس مکھ، خوش اخلاق، خوش خصال اور خوش گفتار، ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ وسیع الظرف انسان تھے۔پاکستان کی تمام مذہبی وسیاسی جماعتوں کے قائدین سے ان کے خصوصی تعلقات تھے۔یہی وجہ تھی وہ پاکستان کی تمام سیاسی ومذہبی جماعتوں میں انتہائی محبت اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔مولانا سمیع الحق کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پاکستان کے ایک بڑے دینی ادارے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم رہے۔انہوں نے اپنے والدگرامی کا جانشین اور دارالعلوم حقانیہ کا مہتمم ہونے کا حق ادا کیا۔جس انداز سے اپنے والد کے بعد ادارے کو چلایا، سجایا اور آگے بڑھایا، یہ بھی ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا ثبوت ہے۔مولانا سمیع الحق کی زندگی...... سعادت کی زندگی اور موت...... شہادت کی موت تھی۔ ان کی شہادت پورے ملک کو سوگوار کرگئی، عام آدمی سے لے کر اعلیٰ حکومتی ذمہ داران اور تمام مذہبی وسیاسی جماعتوں کے قائدین وکارکنان تک سب ہی رنجیدہ و افسردہ تھے۔مولانا سمیع الحق کو شہید پاکستان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ان کا جنازہ غالباً پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا جو سات کلومیٹر پر محیط تھا جس میں بلاتفریق تمام مسالک کے جید علما، طلبہ اور تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین نے شرکت کی۔جماعۃ الدعوۃ نے ان کے بارے میں ایک دستاویزی فلم جاری کی جس میں ان کی حیات، پاکستان، اسلام اور کشمیر کاز کے لئے خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا سمیع الحق آسیہ مسیح کی رہائی کے سلسلہ میں اسلام آباد میں ہونے والے جلسہ میں شرکت کے لئے آئے اور راولپنڈی میں اپنی رہائش گاہ پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ نامعلوم افراد کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر گئے۔ گویا مولانا سمیع الحق نے اپنی زندگی کا آخری سفر بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کی عزت وناموس کی خاطر کیا اور اسی راہ میں زبان حال سے یہ کہتے ہوئے جان...... جانِ آفریں کے سپرد کردی

یہ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

صد افسوس مولانا سمیع الحق شہید کے قاتل تاحال گرفتار نہیں ہوسکے جو کہ ایک المیہ ہے۔عمران خان پاکستان کے وزیراعظم ہی نہیں وزیرداخلہ بھی ہیں، اس لئے قاتلوں کی گرفتاری براہ راست عمران خان کی ذمہ داری ہے۔پاکستانی عوام کا متفقہ مطالبہ ہے کہ مولانا سمیع الحق کے قاتل جلد از جلد گرفتار کیے جائیں اور ان کو قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ آئندہ پاکستان کی سالمیت سے کھیلنے کی کوئی جرأت نہ کرسکے۔

پبلشر قاری محمد یعقوب شیخ نے انتخاب جدید پریس 8 ایبٹ روڈ رائل پارک سے
چھپوا کر 180 ملتان روڈ لاہور سے شائع کیا۔رابطہ ترسیل 042-37150890

احکام ومسائل

کیاشہید عذاب قبر سے محفوظ ہوگا؟

سوال: مقدام بن معدی کرب الکندی رضی اللہ عنہ سے وایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ کے ہاں ہید کے لئے چھ خصلتیں ہیں، اس کے خون کے گرنے کی ندا ہی میں اسے بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں اسے اس کا کانا دکھا دیا جاتا ہے، اسے ایمان کے زیور سے آراستہ کر دیا تا ہے یہ بڑے دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہو جاتا ہے، اس ے سر پر وقار کا تاج رکھ دیا جاتا ہے جس کا ایک موتی دنیا و مافیہا ے بہتر ہے حوروں میں سے 72 کے ساتھ اس کی شادی کر ں جاتی ہے اور اس کے عزیز و اقارب میں سے 70 بندوں ے حق میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے"۔ یہ حدیث مسند ر(131/4)، ترمذی (1663) اور ابن ماجہ (2799) یرہ کتب احادیث میں موجود ہے جبکہ ایک دوسری حدیث ں ہے کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جب قبر میں رکھا گیا قبر نے انہیں دبایا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ قبر کے ے دبانا ہے، اگر کوئی اس دباؤ سے نجات پانے والا ہوتا تو مد بن معاذ اس سے نجات پا جاتے"۔ یہ حدیث مسند احمد 55/6) اور نسائی 2057) میں موجود ہے اور سعد بن معاذ ں اللہ عنہ کی موت پر رحمٰن کا عرش بھی ہل گیا تھا، جیسا کہ صحیح ری (3803) اور صحیح مسلم (2466) وغیرہ میں موجود ے اور سعد رضی اللہ عنہ بلند تر شہداء میں سے ہیں۔ ان دونوں دیث میں کیا تطبیق ہے؟ دونوں احادیث صحیح ہیں، ایک سے لوم ہوتا ہے کہ شہید کو قبر کے عذاب سے بچا لیا جاتا ہے اور ری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں قبر نے دبوچ لیا تھا، اس کی توضیح فرمادیں۔

جواب: "ضغطه القبر" یا "ضمة القبر" کا معنی عذاب قبر نہیں ہے، اس کا معنی دبانا اور بھینچنا ہے اپنے وقت کے نابغہ روزگار، جرح وتعدیل کے امام اور الفاظ ومعانی کے ماہر علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس سوال کا جواب یوں دیا ہے:

میں کہتا ہوں کہ قبر کے دبانے کا عذاب قبر سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسے مومن اس طرح پاتا ہے جیسے وہ اپنے بچے اور گہرے دوست کے گم ہونے کا غم پاتا ہے اور جس طرح وہ اپنی بیماری، جان کے نکلنے، قبر میں سوال و امتحان، اہل وعیال کے رونے کا تاثر، قبر سے اٹھنے، اللہ کے آگے کھڑے ہونے اور اس کی ہولناکی، آگ کے اوپر وارد ہونے اور اس جیسے امور کا غم پاتا ہے۔ یہ تمام دہشت انگیز امور بندہ پاتا ہے اور ان کا عذاب قبر اور عذاب جہنم سے کوئی تعلق نہیں، لیکن متقی وپرہیزگار بندے کے ساتھ ان میں سے بعض یا تمام امور میں اللہ تعالیٰ رفق ونرمی کرتا ہے اور مومن کے لئے اپنے رب کی ملاقات کے سوا راحت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور انہیں یوم حسرت سے ڈرائیں" اور دوسری جگہ فرمایا: "ان کی قیامت کے دن سے ڈرائیں جس وقت دل حلقوم میں اٹک جائیں گے" ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت اور لطف خفی کا سوال کرتے ہیں۔ ان اضطرابی حرکات کے باوجود سعد رضی اللہ عنہ ایسی ہستی ہیں جن کے بارے ہم جانتے ہیں کہ وہ جنتیوں میں سے اور بلند تر شہداء میں سے ہیں۔ اے فلاں شخص! تو نے اس طرح گمان کر لیا ہے کہ فوز وفلاح کے زینے طے کرنے والے شخص کو دنیا وآخرت میں کوئی ہولناکی، گھبراہٹ، درد اور خوف واقع نہیں ہوتا؟ اپنے رب سے عافیت کا سوال کر اور اس بات کا بھی کہ وہ ہمیں سعد رضی اللہ عنہ کے گروہ میں جمع کر لے"۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ ابن ابی الدنیا نے محمد بن عبداللہ تیمی سے بیان کیا، انہوں نے کہا میں نے قریش کے شیخ ابوبکر تیمی سے سنا، وہ کہتے ہیں:

"قبر کے دبانے کی اصل یہ ہے کہ قبر ان کی ماں ہے کیونکہ اس مٹی سے یہ پیدا کئے گئے ہیں۔ اب اس سے لمبا زمانہ غائب رہے ہیں تو جب قبر کی اولاد کو اس کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو قبر ان کو اس طرح دباتی ہے جیسے والدہ اپنے اس بچے کو دباتی ہے جو اس سے غائب رہا پھر اس کے بعد اس کے پاس آیا اب جو شخص اللہ کا مطیع وفرمانبردار ہوتا ہے اسے وہ رافت ونرمی کے ساتھ دباتی ہے اور جو نافرمان ہوتا ہے اسے سختی سے دباتی ہے"۔

بعض روایات میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ پیشاب سے بچنے میں کچھ کوتاہی کر جاتے تھے۔ جیسا کہ حکیم ترمذی اور بیہقی نے ابن اسحاق کے طریق سے روایت بیان کی ہے کہ امیہ بن عبداللہ نے اہل سعد کے بعض افراد سے سوال کیا کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں سے اس کے متعلق کیا بات پہنچی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "سعد پیشاب سے پاکی حاصل کرنے میں کچھ کوتاہی برتتے تھے"۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی (30/4)احوال القبور لابن رجب (ص 103، 104) شرح الصدور للسیوطی (ص158) اثبات عذاب القبر (127)

یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں بعض اہل سعد مجہول ہیں، قبر کا دبانا ہر مسلم وکافر کے لئے ہے نیک بندوں کو نرمی سے پکڑتی ہے اور کافر کو سختی سے دباتی ہے، قبر کے دباؤ سے کوئی بھی محفوظ نہیں۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بچہ دفن کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر قبر کے دبانے سے کسی کو چھٹکارا ملتا تو یہ بچہ اس سے چھٹکارا پا جاتا"۔ (المعجم الکبیر (4/121ح: 3858)، مجمع الزوائد (4209)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں "اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں"۔ (اتحاف السادۃ المتقین (9/225-10/423) اس حدیث کو علامہ سیوطی نے "شرح الصدور (ص 158)" اور علامہ زبیدی نے "اتحاف السادۃ المتقین" میں صحیح قرار دیا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "بے شک نبی اکرم ﷺ نے ایک بچے یا بچی کا جنازہ پڑھا اور فرمایا "اگر قبر کے دبانے سے کوئی نجات پا سکتا تو یہ بچہ نجات پا جاتا"۔ (المعجم الاوسط للطبرانی (3/361، ح 2774)، مجمع الزوائد (4260)

علامہ ہیثمیؒ نے کہا: "ورجاله موثقون"۔ "اس کے رجال کی توثیق کی گئی ہے"۔ (مجمع البحرین (2/436)(1315)

عبدالقدوس بن محمد نذیر نے مجمع البحرین کی تحقیق میں لکھا ہے، "اس کی سند صحیح ہے"۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ قبر کا دباؤ ہر کسی کو ہوگا قبر مومن کو نرمی سے اور کافر کو سختی سے دبوچتی ہے اور مومن کے حق میں یہ عذاب نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ذہبی اور علامہ ابن رجب نے لکھا ہے اور شہید فی سبیل اللہ قبر کے فتنے اور عذاب سے محفوظ ومامون ہو جاتا ہے۔

کیا سورہ ملک عذاب قبر روکنے والی ہے؟

سوال: ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صح نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ گاڑ لیا، اندر سے سورہ ملک پڑ کی آواز آئی، صاحب قبر نے اول سے آخر تک اس سورت تلاوت کی۔ آپؓ نے رحمت عالم ﷺ کے پاس آکر یہ وا بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ سورت عذاب قبر رو والی اور اس سے نجات دینے والی ہے"۔ (ترمذی) کیا حدیث صحیح ہے؟

جواب: یہ روایت ترمذی شریف "ابوالفضائل القرآ باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک (2890)"، مشکوۃ شری (2154) اور اثبات عذاب القبر از بیہقی (146) میں موج ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس کے بیان کے کر میں یحییٰ بن عمرو بن مالک متفرد ہے اور وہ ضعیف راوی ہے"۔

علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر "الدر المنثور (6/266) م حاکم، ترمذی، ابن مردویہ، ابن نصر اور دلائل النبوۃ از بیہقی حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے۔ (نیز دیکھیں کتا الروح (ص 128)، جامع الاصول (9/360)، تح الذاکرین للشوکانی (ص272)

اس روایت کے راوی یحییٰ بن عمرو بن مالک النکری البصر کو امام یحییٰ بن معین، امام ابوزرعہ، ابوداؤد، امام نسائی اور دولابی ضعیف کہا ہے اور حماد بن زید نے کذب کی تہمت دی ہے۔

امام عقیلی فرماتے ہیں: "اس کی روایت کی متابعت نہیں کی جاتی"۔ امام احمد فرماتے ہیں: "یہ کوئی چیز نہیں ہے"۔ اما ساجی کہتے ہیں: "منکر الحدیث ہے"۔ (تہذیب التہذیب 6/160، المغنی فی الضعفاء (2/525، الجرح والتعدیل (9/732)، میزان الاعتدال (3/399) الضعفاء الکبیر (3/320)

تعویز اور دم کیا ہوا دھاگا

سوال: کیا کسی حدیث یا اثر میں یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی نے تعویز یا دم کیا ہوا دھاگا پہنا تھا اور ان کے شوہر نے اس دھاگے یا تعویز کو شرک قرار دے کر کاٹ دیا، کیا ایسا کرنا جائز ہے، دلیل سے وضاحت فرمادیں۔

جواب: زمانہ جاہلیت میں یہ رسم بد جاری تھی کہ لوگ جانوروں کو نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کے گلے میں پرانی تانت ڈال دیتے تھے۔ آفات وبلیات سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لئے مختلف اقسام کے ہار، رسیاں اور تانتیں استعمال کرتے اور خود بھی آفات ومصائب سے بچاؤ کی خاطر دھاگے اور گھونگے وغیرہ لٹکاتے تھے، ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں: "وہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، عبداللہ (بن ابوبکر بن حزم راوی حدیث) نے کہا میرا خیال ہے کہ ابوبشیر رضی اللہ عنہ نے کہا لوگ اپنی خواب گاہوں میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قاصد بھیجا کہ اگر کسی اونٹ کی گردن میں کوئی تانت کا پٹا (گنڈا) ہو یا یوں فرمایا کہ جو گنڈا (ہار، پٹا) اسے کاٹ دیا جائے"۔

(بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب ماقیل فی الجرس، الخ (3005) صحیح مسلم (2115)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "میں سمجھتا ہوں کہ لوگ نظر بد سے بچنے کے لئے جانوروں کے گلے میں تانت کا قلادہ لٹکاتے تھے"۔ الموطا (ص713)

امام ابن الجوزی نے بخاری کی شرح "کشف المشکل (4/143)" میں، علامہ طیبی نے "الکاشف عن حقائق السنن (8/2679)" شرح مشکوۃ میں، ملا علی قاری نے، مرقاۃ المفاتیح (7/447) میں شرح السنۃ کے حوالے سے، ابن الاثیر نے "اسد الغابۃ" میں ابوداؤد نے "السنن (2552)" میں، امام مسلم نے صحیح مسلم (2115) میں اور "الغریبین فی القرآن والحدیث (6/1969) میں ابوعبیدہ الہروی نے امام مالک کا مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے، امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جو قلادے کاٹنے کا حکم دیا امام مالک بن انس نے اس کا مفہوم نظر بد سے بچاؤ کیلئے لٹکانا لیا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ لوگ یہ تانتیں، قلادے اور تمیمے باندھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ یہ آفات ومصائب سے بچاؤ کے لئے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان سے منع کر دیا اور انہیں بتایا کہ یہ اللہ کے کسی بھی حکم کو ٹال نہیں سکتے"۔

لہٰذا نظر بد سے بچاؤ کے لئے جو دھاگے، گھونگے، تانت اور تعویذ وغیرہ لٹکائے جاتے ہیں انہیں کاٹ دینا چاہئے، کیونکہ اللہ کی تقدیر اور حکم سے کسی بھی چیز کو لوٹانے اور رد کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہے تمیمہ وہی ہوتا ہے جو بلاء ومصیبت کے نزول سے پہلے لٹکایا جائے، تاکہ یہ تمیمے اور گھونگے ان کو ٹال سکیں اور بلاء ومصیبت کے بعد لٹکائے جانے والے تمیمہ شمار نہیں ہوتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "تمیمہ وہ نہیں جو بلاء کے بعد لٹکایا جائے تمیمہ تو وہ ہے جو بلاء سے پہلے لٹکایا جائے"۔

رہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی کا قصہ، اسے قیس بن المسکن الاسدی یوں بیان فرماتے ہیں: "عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور اس پر خسرہ سے بچاؤ کا تعویذ دیکھا تو اسے سختی سے کاٹ دیا، پھر فرمایا "یقیناً عبد اللہ کا خاندان شرک سے مستغنی ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے جو باتیں ہم نے یاد کی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ بے شک شرکیہ دم، گھونگے اور منکے وغیرہ اور محبت کے تعویذ شرک ہیں"۔

اس حدیث میں "الرقی" سے مراد شرکیہ دم یا ہر وہ چیز ہے جس میں جنات سے پناہ مانگی جائے یا ان الفاظ کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے یا غیر عربی زبان میں لکھے ہوئے تعویذ، جیسے "یا کبیکج" وغیرہ ہیں۔ (السلسلۃ الصحیحۃ (1/249-250)

امام بغوی فرماتے ہیں: "ممنوع دم وہ ہے جس میں شرک ہو یا جس میں سرکش جنات کا ذکر کیا گیا ہو یا وہ عربی زبان کے علاوہ ہو اور اس کا مفہوم معلوم نہ ہو شائد کہ اس میں جادو یا کفر داخل کیا گیا ہو اور دم قرآنی آیات اور اللہ عزوجل کے ذکر سے کیا جائے وہ جائز ومستحب ہے"۔

تمائم سے مراد وہ گھونگے اور موتی ہیں جنہیں عرب بچے کے سر پر نظر بد سے بچنے کے لئے لٹکاتے تھے، شریعت نے انہیں باطل قرار دیا ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں: "تمام تمیمہ کی جمع ہے اور یہ گھونگے ہیں جنہیں عرب اپنے گمان میں اپنی اولاد کو نظر بد وغیرہ سے بچانے کے لئے پہناتے تھے شریعت نے انہیں باطل قرار دیا ہے"۔ علامہ البانی فرماتے ہیں: "اور اسی قسم سے بعض لوگوں کا گھر کے دروازے سے پر جوتا لٹکانا، یا مکان کے اگلے حصے پر، یا بعض ڈرائیوروں کا گاڑی کے آگے، یا پیچھے جوتے لٹکانا، یا گاڑی کے اگلے شیشے پر ڈرائیور کے سامنے نیلے رنگ کے منکے لٹکانا بھی ہے، یہ سب ان کے زعم باطل کے مطابق نظر بد سے بچاؤ کی وجہ سے ہے"۔

حدیبیہ اور کشمیر کے بعد؟

بھارتیہ جنتا پارٹی کے متعصب لیڈروں نے کئی بار اس بات کا اظہار کیا کہ ہم ابوجہل کے وارث ہیں وہ بھی لات منات، عزیٰ اور ہُبل جیسے بزرگوں کی مورتیوں کی پوجا کرتے تھے اور ہم بھی اپنے رام، لکشمن اور شیواجی جیسے بزرگوں کی مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے قائداعظم حضرت محمد علی جناح رحمہ اللہ نے واضح کر دیا تھا کہ ہم پاکستان میں مدینے کی ریاست بنانے کا تجربہ کریں گے۔ موجودہ وزیراعظم جناب عمران خان صاحب نے بھی اقتدار سنبھالتے ہی حضرت قائداعظم کی بات کو دہرایا کہ ہم پاکستان کو مدینے کی ریاست بنائیں گے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد کریمؐ کو جب مکہ چھوڑنا پڑا تو آپؐ نے مدینہ منورہ آکر اسلامی ریاست قائم کی۔ مکہ میں ابوجہل جیسے حکمرانوں نے مدینہ کی ریاست کو تسلیم کرنے کے بجائے اسے ختم کرنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے۔ وہ امن کے بجائے جنگوں کے راستے پر چل نکلے۔ وہ ابوجہل کی قیادت میں بدر کے میدان میں آ کر لڑے۔ مدینہ منورہ سے بدر کا فاصلہ 128 کلومیٹر ہے جبکہ مکہ سے بدر کا زمینی فاصلہ کوئی چار سو کلومیٹر ہے۔ دوسرے لفظوں میں ابوجہل اپنی ایک ہزار سپاہ لے کر مدینے کی ریاست پر چڑھائی کرنے آیا تھا جبکہ حضرت محمد کریمؐ اپنی ریاست مدینہ کے تحفظ کے لئے مدینہ سے 128 کلومیٹر باہر نکلے تاکہ مدینہ محفوظ رہے۔ قارئین کرام! یہی کچھ پاکستان اور انڈیا کے درمیان ہوا کہ پاکستان بنتے ہی انڈیا نے آگے بڑھ کر جموں میں لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر دیا اور کشمیر کی وادی پر قبضہ کر لیا۔ پاکستان کے لوگوں نے موجودہ آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان کو پاکستان کا حصہ بنایا حالانکہ جموں و کشمیر مسلم اکثریت کا علاقہ تھا۔ جغرافیائی لحاظ سے بھی پاکستان کا حصہ تھا۔

کشمیر ہی کی وجہ سے دوسری لڑائی 1965ء میں ہوئی۔ لڑائی کشمیر میں تھی کہ وہ یواین کے مطابق متنازعہ علاقہ ہے مگر انڈیا نے بین الاقوامی بارڈر یعنی لاہور پر حملہ کرنے کا پروگرام بنالیا اور اس کی فوج کے چند لوگ چپکے سے شالامار باغ کے قریب تک پہنچ گئے۔ پاکستان نے دلیری کے ساتھ خوب دفاع کیا حتیٰ کہ انڈیا نے جنگ بندی کا شور مچا دیا اور تاشقند میں جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔ مشرکین مکہ نے دوسری جنگ مدینہ منورہ میں جا کر لڑی، اُحد کے دامن میں جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کو اپنے ہی ایک دستے کی جانب سے حکم عدولی کی صورت میں شکست کا سامنا کرنا پڑا مگر پھر مسلمان سنبھل گئے اور مشرکین مکہ واپس مکہ چلے گئے یعنی یہ دوسری جنگ بھی مکہ کے لوگوں کی صریحاً جارحیت تھی کہ وہ مدینہ منورہ میں پہنچے تھے۔ مگر ان کا جو مقصد تھا کہ ریاست مدینہ کو ختم کر دیا جائے وہ اپنے اس مقصد میں ناکام ہو گئے۔

پاکستان اور انڈیا کے درمیان تیسری جنگ 1971ء میں ہوئی۔ اہل پاکستان کی سیاسی غلطیوں کی وجہ سے پاکستان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا مگر انڈیا بھی اپنے مقاصد حاصل نہ کر سکا۔ تب انڈین وزیراعظم اندرا گاندھی کے پاس دو راستے تھے، پہلا راستہ یہ تھا کہ وہ اپنی فتح کے بعد مشرقی پاکستان کو انڈیا میں ضم کر لیتی۔ ایسی صورت میں نتیجہ یہ نکلتا کہ مشرقی اور مغربی بنگال کے بنگالی انڈیا سے علیحدگی کی تحریک چلاتے اور ایک مسلم گریٹر بنگال وجود میں آ جاتا۔ اندرا گاندھی مذکورہ سوچ کے نتائج سے خوف کے ساتھ کانپ اٹھی۔ اب اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو بنگلہ دیش کا سربراہ بننے دیا اور یوں پاکستان کا ایک حصہ نئے مسلم ملک ''بنگلہ دیش'' کے نام سے وجود میں آ گیا۔ حقیقت کو دیکھا جائے تو انڈیا اپنی زبان کی برتری کی بڑھک کے سوا کچھ حاصل نہ کر سکا۔ یہی بنگلہ دیش جنرل ضیاء الرحمٰن کے دور میں جنرل ضیاء الحق کے پاکستان کا دوست تھا۔ اب حسینہ واجد انڈیا کی مٹھی میں ہے، کل کو صورتحال پھر بدل سکتی ہے۔ بہرحال! بنگلہ دیش بنانا انڈیا کا جارحانہ اقدام تھا۔ مکہ کے بت پرستوں اور مدینہ کی ریاست کے درمیان تیسری بڑی لڑائی ''احزاب'' کی لڑائی ہے۔ اس لڑائی میں مکہ کے مورتی پجاریوں نے دس ہزار کا لشکر جمع کیا اور مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر اپنی کمزور پوزیشن کا کامیاب دفاع کیا۔

مکہ سے آئے دس ہزار کے لشکر کو 25 روزہ محاصرے کے بعد آخرکار ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ مندرجہ بالا حقائق کے بعد ہمیں مکہ کے مورتی پجاریوں اور مدینہ کے اہل توحید کے درمیان...... اور آج چودہ سو سال بعد انڈیا کے مورتی پجاریوں اور پاکستان کے اہل توحید کے درمیان شاندار مماثلت یوں نظر آتی ہے کہ تین تین جنگوں کی مماثلت ہے۔ وہاں اہل مکہ کی جارحیت ہے تو یہاں انڈیا والوں کی جارحیت ہے۔ مدینہ کی ریاست بھی قائم رہی۔ پاکستان کی ریاست بھی قائم ہے (الحمدللہ) مکہ والوں کو بھی کچھ نہ ملا۔ انڈیا والوں کو بھی کچھ نہیں ملا۔



چودہ سو سال قبل حضرت محمد کریمؐ نے ریاست مدینہ کے حکمران کی حیثیت سے ایک تاریخی قدم اٹھایا۔ آپؐ نے مکہ تک امن کے ایک مبارک سفر کا اعلان فرما دیا۔ ہر ایک کو ساتھ چلنے کا دعوت نامہ دے دیا۔ قربانی کے ستر اونٹوں کو ہمراہ لیا۔ عمرہ کا احرام باندھا۔ جنگی ہتھیار ساتھ نہ لئے۔ واضح کر دیا کہ ہم امن چاہتے ہیں اور کعبہ کی زیارت کو جا رہے ہیں۔ حدیبیہ میں پہنچے تو مکہ کے مورتی پجاریوں نے آگے جانے سے روک دیا۔ انہوں نے جنگ کرنے کا پلان بنایا مگر ان کے گھڑ سوار دستے کو صحابہؓ نے قابو کر لیا۔ حضورؐ نے سب کو چھوڑ دیا کہ ہم تو امن کی راہ کے راہی ہیں۔ آخرکار صلح حدیبیہ کے نام سے امن کا معاہدہ ہوا کہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔ اگلے سال مسلمان عمرہ کے لئے مکہ آ جائیں۔ معاہدہ لکھا جانے لگا تو ''محمد رسول اللہ'' پر قریش مکہ نے اعتراض کر دیا۔ حضورؐ نے امن کی خاطر ''رسول اللہ'' کے الفاظ ہٹا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے واپسی پر سورۂ فتح نازل فرمائی اور آغاز یہاں سے کیا (میرے رسولؐ) کوئی شک نہیں کہ ہم نے آپ کو ایک واضح اور کھلی فتح عطا فرما دی ہے۔ یعنی امن کو اللہ تعالیٰ نے فتح قرار دیا اور حضورؐ نے واپسی پر رات گزاری تو صبح صحابہؓ سے فرمایا ''آج رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔'' (بخاری 4177)۔ معلوم ہوا کہ ساری دنیا کے خزانوں سے بڑھ کر حضور رحمۃ للعالمینؐ کو امن عزیز ہے۔

آج پاکستان اور انڈیا کے لئے بھی امن کا ایک موقع یوں پیدا ہوا ہے کہ امریکہ، انڈیا اور 40 اتحادی ممالک (احزاب) کو ناکام واپس جانا پڑ رہا ہے۔ پاکستان نے امن کے لئے امریکہ اور طالبان کے درمیان بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان کے مذکورہ کردار کو ساری دنیا خراج تحسین پیش کر رہی ہے۔ امریکہ افغانستان سے جا رہا ہے۔ پاکستان کی پوزیشن مضبوط ہوئی۔ عسکری قوت میں اضافہ ہوا ہے۔ کشمیر میں انڈیا کا ظلم آخری حدوں پر ہے۔ اس کے باوجود پاکستان اپنے حریف انڈیا کو امن کی دعوت دے رہا ہے کہ وہ کشمیر کا مسئلہ یواین کی قراردادوں کے مطابق حل کر دے۔ سی پیک کا حصہ بن جائے تاکہ علاقے میں امن ہو جائے۔ تجارت میں اضافہ ہو جائے۔ انڈیا اس سے فائدہ اٹھائے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا انڈیا اپنے نظریاتی وارثوں مکہ کے مورتی پجاریوں کی طرح امن کی طرف آئے گا یا نہیں؟ ہم دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ امن کی طرف آئے گا تو فائدے میں رہے گا۔ اگر امن کی جانب نہیں آئے گا تو نقصان اٹھائے گا۔ مکہ کے مورتی پجاریوں نے امن کی پیشکش کو پس و پیش کے بعد قبول کیا تھا۔ دہلی کے مورتی پجاریوں کو بھی اس راہ پر چلنا چاہئے اور امن کی طرف آ کر اہل مکہ کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے کہ انہوں نے ریاست مدینہ کے ساتھ کئے ہوئے امن کے معاہدے کو توڑا تو جواب میں فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔ انڈیا کو سمجھنا چاہئے کہ امریکہ اور ناٹو کے نکل جانے کے بعد انڈیا کی پشت پر کھڑا ہونے والی اب کوئی طاقت موجود نہیں۔ مقبوضہ وادی نئے افغانستان کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اسے کشمیر سے بہرحال جانا ہے۔ امریکہ دُور کا ملک ہے۔ انڈیا خطے کا ملک ہے۔ انڈیا کو یہ فرق سامنے رکھنا چاہئے۔ پاکستان کی پیشکش جنرل (ر) مشرف کے دور میں بھی ہوئی تھی۔ انڈیا نے تب انکار کیا تھا۔ اب کے اس بار کا انکار انڈیا کے لئے صدیوں کی خطا ثابت ہو سکتی ہے۔ آگے انڈیا کی مرضی ہے کہ وہ تاریخ کے لمحات سے فائدہ اٹھاتا ہے یا روس اور امریکہ سے بیس گنا بڑھ کر نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے؟

سیرت کا سائنسی پہلو اور وزیراعظم کی یونیورسٹی

سرکار مدینہ حضرت محمد کریمﷺ اپنی ریاستِ مدینہ میں سائنسی علوم کی سمت کا جو تعین فرما گئے اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے، جسے امام محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری میں لائے ہیں۔ حدیث کو بیان کرنے والے حضورﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں، کہتے ہیں "ایک رات میں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے گھر میں گزاری۔ اللہ کے رسولﷺ کچھ دیر تو اپنی اہلیہ محترمہ حضرت میمونہؓ کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے، پھر سو گئے۔ جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ گیا تو آپﷺ بیدار ہو گئے، بیٹھ گئے، (تاروں بھرے) آسمان کی طرف دیکھا اور سورۂ آل عمران کی آخری گیارہ آیات پڑھیں۔ بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل سے کام لینے والوں کے لئے بہت ساری نشانیاں ہیں۔ اس کے بعد اللہ کے رسولﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ وضو اور مسواک کی۔ گیارہ رکعت (تہجد کی) نماز ادا کی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے (فجر کی) اذان دی۔ اب آپﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر (گھر سے) نکلے اور (مسجد نبوی میں) صبح کی نماز پڑھائی۔ (بخاری: 4569)

قارئین کرام! تہجد کی نماز ہمارے پیارے اور محبوب رسول گرامی کا روزانہ کا معمول تھا اور تاروں بھرے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر سورۂ آل عمران کی آخری گیارہ آیات کو پڑھنا بھی معمول تھا۔ ایسی راتوں میں سے ایک رات کا ذکر حضرت عائشہؓ سے یوں ملتا ہے کہ مشہور تابعی حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عبید بن عمیر رحمہ اللہ (حضورﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد) ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب عبداللہ بن عمیر رحمہ اللہ عرض کرنے لگے! ہمیں اللہ کے رسول کا کوئی ایسا واقعہ سنایئے جو عجیب اور منفرد ہونے میں اپنی مثال آپ ہو اور وہ واقعہ آپؓ کا چشم دید ہو۔ یہ بات سن کر حضرت عائشہؓ رونے لگ گئیں۔ کچھ دیر اماں جان کے آنسو بہتے رہے پھر فرمانے لگیں۔ راتوں میں سے وہ ایک ایسی رات تھی کہ اللہ کے رسولﷺ مجھ سے فرمانے لگے۔ اے عائشہؓ! ذرا مجھے اپنے سے الگ وقت گزار لینے دو، میں (اکیلے میں) اپنے رب کریم کی عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ میں عرض کرنے لگی، اے اللہ کے رسولﷺ! میں اپنے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتی ہوں، مجھے آپ کا قرب انتہائی پیارا اور محبوب ہے۔ یہ بھی عرض کروں، میں اسی چیز سے محبت کرتی ہوں جو آپ کو خوش رکھے۔ حضرت عائشہؓ مزید بتلاتی ہیں کہ اس گفتگو کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپﷺ نے وضو کیا، پھر آپ نماز میں کھڑے ہوئے۔ آپﷺ رونے لگ گئے اور لگاتار روتے ہی چلے گئے، حتیٰ کہ آپﷺ کی ریش مبارک اور اس کے نیچے گود والی جگہ تربتر ہو گئی۔ اس کے بعد بھی رونے کا سلسلہ جاری رہا۔ آپﷺ اس قدر روئے کہ زمین بھی مبارک آنسوؤں سے گیلی ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ اذانِ فجر کی اجازت لینے آ گئے۔ انہوں نے جب آپ کو روتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا، اے اللہ کے رسولﷺ! آپ رو رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دی ہیں۔ اس پر آپ نے جواب دیا، میں (اللہ تعالیٰ کا) شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں؟ (ابن حبان، صحیحہ البانی: 67)

قارئین کرام! مذکورہ حوالے کے ساتھ امام حضرت ناصر الدین البانی رحمہ اللہ حضرت محمد کریمﷺ کا فرمان لائے



ہیں کہ کائنات کے بارے میں غور و فکر والی مذکورہ آیات کے بارے میں صحابہؓ سے فرمایا "مجھ پر آج رات ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ جس شخص نے ان آیات کو پڑھا اور پھر ان پر غور و فکر نہیں کیا اس کے لئے ہلاکت و بربادی ہے۔" امام البانی نے مذکورہ حدیث پر جو عنوان قائم کیا ہے وہ ہے "**وُجُوبُ التَّفَكُّرِ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**" یعنی آسمان و زمین (کائنات) کی تخلیق پر غور و فکر کرنا واجب ہے۔ اللہ اللہ! فرض کے قریب پہنچے ہوئے واجب سائنسی عمل کو ہم نے تو نظر انداز کر دیا مگر کائنات کی تخلیق کا واقعہ (BIG BANG) کی صورت میں آج کی سائنس نے انسانیت کے سامنے پیش کر دیا۔ جدید ترین یورپین لیبارٹری سرن نے بھی اپنے تجربے سے اس کی تصدیق کر دی۔ "بگ بینگ" یعنی دھماکے سے بنی کائنات کے تجربے نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ کچھ نہ تھا جب دھماکہ ہوا اور یہ کہ جس نے دھماکہ کیا وہی کائنات کا خالق ہے۔ اس خالق نے مذکورہ آیت میں واضح کر دیا ہے کہ رات دن ایک دوسرے کی جگہ سنبھال رہے ہیں۔ رات اور دن متواتر ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہیں اور جب ایسا کر رہے ہیں تو زمین (Rotate) کر رہی ہے۔ اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہے۔ قرآن میں یہ جو منظر بیان ہوا ہے یہ تو بیسویں صدی میں سامنے آیا ہے۔ خلاء میں پہنچائی گئی "ہبل سپیس دوربین" سے سامنے آیا ہے۔ ناسا کے چھوڑے ہوئے وائیجر ون اور وائیجر ٹو سے سامنے آیا ہے۔ آج یوٹیوب پر ان مناظر کو ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے ساڑھے چودہ سو سال قبل حضرت محمد کریمﷺ کو مذکورہ منظر کے متعلق کس نے آگاہ کیا؟ جی ہاں! جس نے کائنات بنائی، اسی خالق نے آگاہ فرمایا۔ قرآن میں دن رات پیدا ہونے کا منظر اسی طرح بیان کیا گیا ہے کہ جیسے اوپر سے کوئی سورج اور زمین کو دیکھ رہا ہو۔ اللہ اللہ! اللہ کریم ہی دیکھنے اور اپنے آخری رسول کو بتلانے والے ہیں۔

میں کہتا ہوں، میرے حضورﷺ جب مکہ میں ہوتے ہوئے براق کے ذریعے ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے تھے تو یہ سارے مناظر دیکھتے ہوئے تشریف لے گئے تھے۔ اب مدینہ منورہ میں میرے مولا کریم نے انہی دیکھے ہوئے مناظر میں سے ایک منظر کو قرآن بنا کر نازل فرمایا تو میرے حضورﷺ کی یادیں تازہ ہو گئیں، لہٰذا آپﷺ ہر رات کو بیدار ہوتے، آسمان کی طرف دیکھتے، آیات تلاوت فرماتے اور پھر اللہ تعالیٰ کی عظمتوں اور محبتوں کو سامنے رکھ کر شکرانے کے آنسوؤں سے اپنی داڑھی مبارک، سینہ مبارک، پیٹ مبارک اور مبارک قدموں کے درمیان کی جگہ کو گیلا اور تربتر کر دیتے۔

وزیراعظم پاکستان محترم عمران خان وزیراعظم ہاؤس کو سائنسی یونیورسٹی بنانا چاہتے ہیں۔ قانونی طور پر قومی اسمبلی سے بل پاس ہونے کے بعد مذکورہ عمارت یونیورسٹی بن سکے گی۔ تاہم انہوں نے فی الحال پڑوس کی عمارت میں تحقیقی ادارہ قائم کر دیا ہے۔ میری گزارش یہ ہے کہ اداروں کے بجائے یونیورسٹی ہی بنائی جائے۔ اس یونیورسٹی کا ایک شعبہ "سیرت اور سائنس" کے عنوان سے قائم کیا جائے جس میں قرآن کی آیات کی روشنی میں جدید سائنسی انکشافات کو سامنے لایا جائے۔ احادیث اور سنت میں جو سائنسی حقائق ہیں ان کو سامنے لایا جائے۔ سائنس کی جدید ترین بین الاقوامی لیبارٹریوں سے بھی ریسرچ کرائی جائے اور جو ریسرچ پاکستان میں ممکن ہو وہ پاکستان میں کی جائے۔ سپیس میں بھی آگے بڑھا جائے، خاص طور پر میڈیکل اور دیگر سائنسی شعبوں میں مذکورہ کام کیا جائے۔ مدارس کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ اپنی بساط کے مطابق مذکورہ واجب پر عمل پیرا ہوں۔ ماننا پڑے گا کہ ہم سائنسی طریقے سے دفاع، میڈیکل اور فضا و خلا میں تحقیق کر کے آگے نہیں بڑھے جس کی وجہ سے ہلاکت و بربادی کا شکار ہوئے۔ حضورﷺ کے فرمان کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اس بربادی سے بچ سکتے ہیں اگر ہم سائنسی بنیادوں پر آگے بڑھنے کا عزم کر لیں گے۔ (ان شاء اللہ)

نوٹ: گزشتہ کالم میں باغ صدقہ کرنے کے سلسلہ میں حضرت ابو درداءؓ کی جگہ پر حضرت ابو دحداحؓ پڑھا جائے۔ (شکریہ)

محمد بن سلمان، سفیر پاکستان

محمد بن سلمان نائب خادم الحرمین الشریفین پاکستان تشریف لائے اور محبت و مودّت کی ایسی مشعل روشن کر کے گئے کہ اہل پاکستان اپنی خوشحالیوں کے سفر میں اسے کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مشعل کو حرمین شریفین سے پاکستان لانے میں محترم نواف سعید المالکی سعودی سفیر اسلام آباد نے جو کردار ادا کیا وہ الگ ایک کالم کا تقاضا کرتا ہے، اسی طرح وطن عزیز کے حوالے سے جنرل قمر جاوید باجوہ اور اسلامی فوجی اتحاد کے سربراہ جنرل (ر) راحیل شریف کا کردار انتہائی نمایاں ہے۔ پاک فوج کے موجودہ اور سابقہ دو سالاروں نے پاکستان کو معاشی بحران سے نکالنے کے لئے ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے۔ امارات اور چین سے اقتصادی مدد لینے میں جنرل قمر جاوید باجوہ صاحب نے انتھک محنت کی تھی۔ وزیراعظم عمران خان جو سب محنت کرنے والوں کے کپتان ہیں وہ ہر اس کردار پر شادمان ہیں جو پاکستان کے بحری جہاز کو معاشی بھنور سے نکال کر کنارے تک لے جا رہا ہے۔ وطن عزیز کو اپنے قدموں پر کھڑا کرنے جا رہا ہے۔ یوں سب کا بیانیہ ایک ہے اور کردار کا صفحہ بھی ایک ہے تو ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ صفحۂ ہستی پر پاکستان ایک باوقار مقام حاصل کرنے جا رہا ہے۔ (ان شاء اللہ)

پاکستان بننے سے پہلے ہی حضرت قائداعظم رحمہ اللہ نے واضح کر دیا تھا کہ ہم ایسی ریاست بنانے جا رہے ہیں جہاں مدینہ کی ریاست کا تجربہ کیا جائے گا۔ آج محترم وزیراعظم عمران خان صاحب نے قائداعظم کی بات کو عملاً ثابت کرنے کا اعلان کر رکھا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ولی عہد محمد بن سلمان کے دادا جان شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود رحمہ اللہ نے حضرت قائداعظم کی مسلم لیگ کو ایسے وطن کے قیام کی خاطر چندہ دیا تھا جو ریاست مدینہ کی طرز پر بننے جا رہا تھا۔ پاکستان کو بنانے کی جدوجہد کے لئے خطیر رقم دینا اقوام عالم میں واحد مثال ہے جو صرف اہل پاکستان اور آل سعود کے درمیان ہے۔ اسی طرح جناب ایم ایچ اصفہانی صاحب کہ جنہیں حضرت قائداعظم نے یو این او کے عالمی ادارے میں قیام پاکستان کا مقدمہ پیش کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس وفد کو عالمی ادارے میں نمائندگی کا موقع نہ دیا گیا کہ رولز کے خلاف تھا۔ رول اور قانون کے مطابق صرف ریاست کے نمائندوں کو ہی نمائندگی دی جاتی ہے۔ تب اس وفد نے شاہ فیصل سے ملاقات کی۔ شاہ فیصل بطور وزیر خارجہ سعودیہ کی نمائندگی عالمی ادارے میں کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے والد گرامی سے بات کی اور شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ہدایت پر اس وقت کے شہزادہ فیصل نے امریکہ کے روز ویلٹ ہوٹل میں دنیا بھر کے نمائندوں کو عشائیہ دیا اور وہاں حضرت قائداعظم کے نمائندے جناب اصفہانی صاحب نے پاکستان کے قیام کا مقدمہ پیش کیا۔ آج جب شاہ عبدالعزیز کے پوتے شہزادہ محمد بن سلمان 17 فروری 2019ء کو وزیراعظم عمران کے دیئے گئے عشائیہ میں یہ اعلان فرما رہے تھے کہ 22 کروڑ پاکستانی مجھے سعودیہ میں اپنا سفیر سمجھیں تو میں پاکستان کی ستر سالہ تاریخ سے بھی ایک دہائی پیچھے پہنچ گیا کہ جب پاکستان قائم نہ ہوا تھا تو محمد بن سلمان کے تایا جان پرنس فیصل رحمہ اللہ نے مجوزہ پاکستان کی سفارت کا حق پوری دنیا کے سامنے ادا کیا تھا۔ آج شاہ فیصل کے بھتیجے تقریباً 80 سال بعد اسی اعلان کو اس انداز سے تازہ کر رہے ہیں کہ ہم تو وہیں کھڑے ہیں۔ لو! اکیسویں صدی میں 20 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرتے ہیں اور یہ آگے بڑھتی ہی جائے گی۔ تعلق ہو تو ایسا، محبت ہو تو ایسی، دوستی ہو تو ایسی۔ واہ جی واہ۔ (سبحان اللہ)



شاہ سلمان بن عبدالعزیز، خادم الحرمین الشریفین نے اپنے مذکورہ بیٹے کا نام سردار دوجہان، رحمۃ للعالمین حضرت محمد کریمؐ کے مبارک نام پر ''محمد'' رکھا۔ حضرت محمد کریمؐ نے جب مکہ فتح کیا تو صفا پہاڑی پر چڑھ کر کعبہ کی طرف دیکھا پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا خوب بیان فرمائی اور دعا بھی کی۔ اس موقع پر مدینہ کے انصار بھی پہاڑی کے دامن میں تھے۔ انہوں نے اللہ کے ساتھ رسولؐ کا راز و نیاز دیکھا اور مکہ کے ساتھ محبت دیکھی تو آپس میں کہنے لگے۔ لگتا ہے اللہ کے رسولؐ اپنے شہر اور قبیلے کی محبت میں مغلوب ہو گئے (کہیں ہمیں چھوڑ کر مکہ میں نہ رہ جائیں) اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بات اپنے رسولؐ کو بتلا دی۔ اس پر حضورؐ نے انصاریوں کو اکٹھا کیا اور مذکورہ بات کے بارے میں پوچھا تو انصار کہنے لگے، جی ہاں! ہم نے مذکورہ بات کہی ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا! تم جانتے ہو میرا نام کیا ہے؟ میں محمدؐ ہوں۔ اللہ کا بندہ اور رسولؐ ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے (اپنا دیس اور قبیلہ چھوڑا ہے) اب میرا جینا تمہارے ساتھ جینا ہے اور مرنا تمہارے ساتھ مرنا ہے۔'' (مسلم: 1780)

قارئین کرام! محمد بن سلمان بن عبدالعزیز آل سعود پاکستان کی طرف آنے لگے تو کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔ اللہ کے گھر کی دیواروں کو صاف کیا، پھر کعبہ کی چھت پر چڑھے۔ اپنے اللہ سے مناجات کیں اور پھر پاکستان چلے آئے۔ انہوں نے وفا کا حق ادا کر دیا۔ ہمیں سوچنا ہو گا کہ ماضی میں وفا کی وفاداری میں ہم سے کہاں کہاں کوتاہی ہوئی۔ شہزادہ محمد بن سلمان نے تو پاکستان کی 70 سالہ تاریخ سے باہر نکل کر 80 سال کے قریب دور پر مبنی ایک ایسا جملہ بول دیا کہ جس پر ایک ضخیم کتاب لکھی جانی چاہئے۔ انہوں نے کہہ دیا'' میں سعودی عرب میں پاکستان کا سفیر ہوں'' اللہ اللہ! دنیا کے چند امیر ترین ملکوں میں سے ایک ملک کا حکمران اپنے آپ کو سفیر کہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت محمد کریمؐ کے وہ مبارک الفاظ جو آپؐ نے انصار سے فرمائے تھے۔ انہی الفاظ کے مفہوم کو آج حضرت محمد کریمؐ کے روحانی فرزند اور مکہ و مدینہ کے نائب خادم محمد بن سلمان نے اسلام آباد کی سرزمین پر ادا کیا ہے۔ یہ ایک اعزاز ہے جو وزیراعظم پاکستان جناب عمران خان کے لئے اور اہل پاکستان کے لئے ہے کہ اہل پاکستان کے اولین قائد اور آج کے کپتان نے پاکستان کو ریاست مدینہ بنانے کا عزم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مذکورہ عزم کو کامرانی عطا فرمائیں۔

''مدینہ منورہ کی محبت ہم اہل پاکستان کے دلوں، دماغوں اور رگوں میں خون کی طرح دوڑتی ہے۔ ہماری مثال تو حضورؐ کی اس اونٹنی کی طرح ہے جو مدینہ کی محبت میں دوڑتی چلی گئی تھی۔ حضرت عمران بن حصینؓ بتلاتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت مشرکوں کے ہاتھ لگ گئی اور قید کر لی گئی...... حضورؐ کی ایک اونٹنی تھی، اس کا نام ''عضباء'' تھا۔ وہ پہلے ہی ان لوگوں کے ہاتھ آ چکی تھی...... ایک دن ایسا ہوا کہ ثقیف قبیلے کے یہ مشرک لوگ جب اپنے جانوروں کی خدمت وغیرہ کر چکے تھے اور اپنے گھروں میں ان جانوروں سے بے پروا ہو چکے تھے تو انصاری خاتون کو نکلنے کا موقع مل گیا...... وہ بتلاتی ہیں کہ میں نے رات کو یہاں سے نکل بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ جب میں نکلنے لگی تو سواری کے لئے جس اونٹ کے بھی پاس آتی وہ خوفناک آواز نکالتا اور میں جھٹ سے پیچھے ہٹ جاتی۔ آخر کار میں ایک اونٹنی کے پاس آئی جس کا نام ''عضباء'' تھا۔ اس کے قریب ہوئی تو اس نے کوئی آواز نہ نکالی اور وہ شوق و شرافت کے ساتھ تیار ہو گئی۔ چنانچہ میں اس پر بیٹھی اور مخصوص آواز نکالی کہ جس سے وہ چل پڑے، چنانچہ وہ چل پڑی...... بعد میں مشرکوں کو خبر ہو گئی تو انہوں نے میرا تعاقب شروع کر دیا لیکن عضباء اس قدر دوڑی کہ مشرکوں کو تھکا کر بے بس کر دیا اور ''عضباء'' مدینہ منورہ پہنچ گئی۔'' (مسلم: 1614) اللہ اللہ! حضورؐ کی اونٹنی کو موقع ملا تو دوڑ پڑی۔ حضور نبی کریمؐ کے پاس آنے کا شوق، مدینے کا شوق، ہاں ہاں! اس نے دم لیا تو مدینے پہنچ کر لیا...... دل تو یہی ہے کہ دم لیں تو مدینے میں داخل ہو کر لیں۔

جی ہاں! ہماری محبت کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔ اسی مدینہ منورہ کے محافظ ہمارے پاس مدنی مہمان بن کر آئے مگر ہمارے حکمرانوں نے کہا، وہ اپنے دوسرے گھر میں آئے ہیں۔ **''اھلاً و سھلاً و مرحباً''** کا یہی مطلب ہے۔ پیغام یہ ہے کہ پچھلی حکمرانی میں جو کسر رہ گئی تھی اب وہ کسر نکل رہی ہے۔ حکمرانی بھی نئی ہے، پارلیمنٹ بھی نئی ہے، نیا پاکستان بن رہا ہے۔ تعلقات کو نئی شکل دینے میں جو کوششیں ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایسا بابرکت بنائے کہ دوستی کا پھل اپنی مٹھاس میں اضافہ کرتا چلا جائے۔

پاک سعودیہ دوستی، مٹھاس...... زندہ باد

اللہ تعالیٰ کی کرسی اور جدید سائنس

قرآن کی جس آیت میں "کُرْسِیُّہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی کرسی کا ذکر ہوا ہے اللہ کے رسول حضرت محمد کریمؐ نے اس آیت کو "آیت الکرسی" کا نام دیا ہے۔ (بخاری: 2311,501) اللہ تعالیٰ اپنی کرسی کے بارے میں واضح کرتے ہیں "وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اللہ کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ یاد رہے! جہاں آسمانوں اور زمین کا ذکر آتا ہے وہاں کائنات مراد ہے۔ یعنی ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی کرسی کے گھیراؤ میں ہے۔ جی ہاں! کرسی کتنی بڑی ہے اور اس میں موجود کائنات کی جو جسامت ہے اس کی حیثیت کیا ہے اس کے بارے میں اللہ کے رسول حضرت محمد کریمؐ کا ایک فرمان صحیح سند کے ساتھ یوں ہے، فرمایا! کرسی کے اندر ساتوں آسمان اس طرح ہیں جس طرح وسیع و عریض ریگستانی زمین میں ایک انگوٹھی پڑی ہو۔" سلسلہ صحیحہ:109)۔ حدیث میں "فَلَاۃٌ" کا لفظ ہے۔ "لسان العرب" میں اس کا معنی وسیع و عریض ریگستان ہے۔ اس کا معنی چٹیل میدان بھی ہے۔ دونوں معنوں کو ملائیں تو معنی "ریگستان نما چٹیل میدان" ہوگا۔ حضور نبی کریمؐ نے "بِاَرْضِ فَلَاۃٍ" فرمایا ہے۔ یعنی اس سے پوری زمین بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ جی ہاں! ساری زمین ایک ریگستان نما چٹیل میدان ہو تو یہ کرسی کی جسامت ہے اور اس میں ایک انگوٹھی پڑی ہو تو یہ ساتوں آسمانوں جیسی جسامت ہے۔ معلوم ہوا اس کرسی میں بے شمار، لاتعداد اور ان گنت کائناتیں سما سکتی ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر پوری زمین مراد نہ بھی لی جائے۔ سعودی عرب کا صحرا ہی مراد لے لیا جائے تو وہ بھی چھ لاکھ پچاس ہزار مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ جزیرۃ العرب کے اس صحرا کو "ربع الخالی" کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ہزار کلومیٹر لمبا اور پانچ سو کلومیٹر چوڑا ہے۔ اتنا بڑا صحرا کرسی سمجھ لی جائے تو اس کے وسط میں پڑا ہوا ایک چھلا یا انگوٹھی (Ring) ساتوں آسمان ہیں۔ یعنی اس اعتبار سے کرسی اس قدر بڑی ہے کہ اس میں اربوں کھربوں کی گنتی سے کہیں زیادہ کائناتیں سما سکتی ہیں باقی کرسی کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں وہ ہماری ذہنی پرواز کے اعداد و شمار سے کہیں بڑی ہے۔ نظریاتی فزکس کے نامور سائنس دان مسٹر اسٹیفن ہاکنگ جو تھوڑا عرصہ قبل وفات پاگئے، ان کی کتاب میرے سامنے ہے۔ اس کا نام (The Universe In A Nutshell) ہے۔ کتاب کا تیسرا چیپٹر بھی اسی عنوان سے ہے۔ عنوان کے نیچے اخروٹ کی تصویر ہے۔ یعنی جس طرح اخروٹ میں مغز بند ہے اسی طرح یہ کائنات ایک مضبوط خول کے اندر بند ہے۔ مسٹر ہاکنگ یہاں انگریز دانشور مسٹر شیکسپیئر کا ایک قول لائے ہیں:

"I could be bounded in a nutshell and count myself a king of infinite space"

"میں تو ایک خول میں جکڑا ہوا ہوں جبکہ میں اپنے آپ کو لامحدود خلا کا بادشاہ سمجھے ہوئے ہوں۔"...... اسٹیفن ہاکنگ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں اس حقیقت کا برملا اعتراف اور اعلان کیا کہ "یہاں تو کئی آسمان ہیں اور کئی کائناتیں ہیں"۔

جی ہاں! مولا کریم نے اپنے آخری رسول حضرت محمد کریمؐ پر آخری کتاب قرآن کریم نازل فرمائی تو اس کا آغاز ہی بے شمار کائناتوں کے وجود سے کیا۔ فرمایا! سب تعریف اس اللہ کے لئے جو بے شمار کائناتوں کی ضروریات کو پورا فرمانے والا ہے۔" دوسرے مقام پر فرمایا "فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (الجاثیہ:36) سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے، تمام کائناتوں کا رب ہے۔ قارئین کرام! یہاں آسمانوں کا الگ تذکرہ فرمایا، زمین کا الگ تذکرہ فرمایا...... اور پھر کائناتوں کا الگ تذکرہ فرما کر واضح کر دیا کہ کائنات کوئی ایک نہیں بلکہ بے شمار ہیں اور سب کائناتیں کرسی کے اندر جکڑی ہوئی ہیں جیسا کہ اللہ کے رسولؐ کے فرمان میں "فِي الْكُرْسِيِّ" ہے یعنی کرسی کے اندر ہیں۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے



زمین کی شکل بیضوی ہے، ستاروں اور سیاروں کی شکلیں بھی تقریباً ایسی ہی ہیں۔ کہکشاؤں کی صورتیں بھی اسی قسم کی ہیں۔ کرسی کی صورت بھی ایسی ہی ہوگی، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ کس قدر بے شمار کائناتیں ہیں جو بن چکی ہیں، بنتی جا رہی ہیں اور بنتی چلی جائیں گی۔ ان کی تعداد بس اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوق کرسی کے اندر انتہائی معمولی حیثیت کی حامل ہیں۔ یاد رہے! اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی اور ابدی ہیں۔ خلق یعنی پیدائش (Creation) اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ صفت کا اظہار ہر لمحے جاری و ساری ہے۔ اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ کرسی سے بھی بڑی کوئی مخلوق ہے؟ جی ہاں! اور وہ اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اللہ کے رسول کا فرمان ہے! "کرسی کے مقابلے میں عرش اتنا بڑا ہے جتنا کہ چٹیل ریگستانی میدان انگوٹھی سے بڑا ہے۔" (سلسلہ صحیحہ: 109)۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مخلوق اللہ تعالیٰ کا عرش ہے جسے آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے۔ (القرآن) اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک فرشتے کی حقیقت کو بتلانے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دی ہے۔ اس کے کان کی کونپل سے گردن تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت ہے۔ (الجامع الکامل) یہ رفتار اگر حضرت جبریلؑ جیسے فرشتوں کی رفتار کے مطابق ہوگی تو اتنی سی جگہ پر نہ جانے کتنی کائناتیں سما جائیں۔

الغرض! سب سے بڑی مخلوق عرش ہے۔ عرش کے بعد اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مخلوق کرسی ہے۔ کرسی میں بے شمار کائناتوں میں سے ایک ہماری کائنات ہے جو سات آسمانوں اور سات زمینوں پر مشتمل ہے۔ اس میں جو ہمارا آسمان ہے، قرآن نے اسے آسمانِ دنیا کہا ہے اور فرمایا کہ ہم نے اسے ستاروں سے مزین فرمایا ہے باقی آسمانوں کی تزئین و آرائش یا بناوٹ کیسی ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ سائنس دان اب تک جو دوربینیں بنا چکے ہیں، ان میں زمینی، خلائی اور وائیجرون، وائیجر ٹو جیسی خلائی شٹلز جو نظام شمسی کو کراس کر کے آگے جا چکی ہیں، ان کی بھیجی ہوئی معلومات کے مطابق یہاں تو خلا میں "سپر کلسٹر" یعنی ایسے بڑے جھرمٹ ہیں جن میں اربوں کھربوں کلسٹر ہیں۔ پھر ہر کلسٹر میں اربوں کھربوں کہکشائیں ہیں۔ جی ہاں! ایک کہکشاں میں اربوں کھربوں ستارے، سیارے ہیں، بلیک ہولز ہیں اور نہ جانے کیا کچھ ہے۔ ان اربوں کھربوں کہکشاؤں میں سے ایک ہماری کہکشاں ہے جس کا نام ہم نے ملکی وے یعنی "دودھیا راستہ" رکھا ہے۔ اس کے ایک بازو پر ہمارا نظام شمسی ہے جو بے چارہ ایک نکتے کی طرح ہے۔ پھر اس نظام شمسی میں ہماری زمین بالکل ایک نکتہ معلوم ہوتی ہے۔ جب ناسا کا وائیجرون نظام شمسی سے نکلتے ہوئے نظام شمسی کے 9 سیاروں کی تصویر ناسا کے کنٹرول روم میں بھیجتا ہے تو اہل زمین کو ہماری اوقات سے باخبر کرتا ہے۔ لوگو! اس زمین پر سات براعظم ہیں اور کوئی تیسرے حصہ سے بھی کم خشکی ہے۔ سمندروں اور برفوں میں گھرے ہوئے خشکی کے ان ٹکڑوں پر کوئی دو سو کے قریب ملک ہیں جن میں انسان اور جانور بستے ہیں۔ ملکوں میں رقبے کے اعتبار سے ممالک کو پانچ درجنوں میں تقسیم کیا جائے تو میرے ملک پاکستان کا شمار تیسرے درجے میں ہوگا۔

یوں تو ساری دنیا میں ہی کرسی کا جھگڑا ہے، چار ٹانگوں والی کرسی جو بمشکل چار مربع فٹ کی جگہ گھیرتی ہے، اس پر ایک انسان بیٹھ جاتا ہے۔ کبھی وہ ساڑھے پانچ فٹ کا ہوتا ہے، کبھی چھ فٹ کے آگے پیچھے ہوتا ہے۔ اصل انسان تو "روح" ہے۔ یہ بے چارہ تھوڑے سے ٹائم کے لئے گوشت، ہڈیوں اور خون نام کے پانی کے مکسچر میں قید ہے۔ میرے حضورؐ نے فرمایا ہے "دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے"۔ (مسلم)۔ یہاں مومن کم ہی نظر آتے ہیں جن کی نظر اپنے حقیر اور فانی وجود سے آگے بڑھتے ہوئے عرش کے نیچے فردوس پر جاتی ہے۔ اکثر کا حال یہی ہے کہ کرسی کی خاطر چالیں چلتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، سازشیں کرتے ہیں، کرپشن کرتے ہیں، انسانوں پر ظلم کرتے ہیں، قید خانوں میں پھینکتے ہیں، گالم گلوچ تک کرتے ہیں مگر ایک مومن جب ان کو دیکھتا ہے تو یہ سب کھلونے دکھائی دیتے ہیں جو چھوٹی سی حقیر جگہ پر دھینگا مشتی کر رہے ہیں۔ ایسی دھینگا مشتیاں کرتے کرتے بے شمار حکمران جنہیں بادشاہ، سلطان، قیصر، کسریٰ، صدر، وزیراعظم وغیرہ کہا جاتا تھا، قبرستان نامی زمین میں مٹی بنے پڑے ہیں۔ باقیوں کا حشر بھی عنقریب ایسا ہی ہونے والا ہے۔ مگر عبرت مومن ہی پکڑتا ہے۔ میرے حضورؐ کا غلام اور پیروکار کہ جس کی نظر عرش بریں پر ہے۔ کردار دوغلا نہیں، فرشتہ سیرت ہے۔ وجود تو اس کا بھی مٹی میں ہے مگر روح عرش کے نیچے ہے۔ اس لئے کہ اس کی سوچ اور اس کا کردار عرشی ہے فرشی نہیں ہے۔

قارئین کرام! میں چند لمحوں کے لئے روحانی فلائٹ پکڑتے ہوئے عرش کے نیچے جا کھڑا ہوا، مجھے بڑی مشقت کے بعد اپنی کائنات دکھائی دی۔ دنیاوی آسمان دیکھنا تو بہت مشکل ہوگیا۔ دیکھا تو اس میں ملکی وے ایٹم سے بھی چھوٹے ذرے الیکٹرون جیسی دکھائی دی۔ آگے میں نظام شمسی کو کیا دیکھتا، زمین پر کیا نظر ڈالتا کہ اس کا وجود عدم سے بھی کمتر تھا۔ ڈونلڈ ٹرمپ کی کرسی، ولادی میر پیوٹن کی کرسی، چین کے شی کی کرسی، شاہوں کی کرسی اور میرے پاکستان کی وزارت عظمیٰ کی کرسی نہ یہ وہاں یاد تھیں نہ ان کی کوئی حیثیت تھی۔ میں نے "سبحان اللہ" کا ورد کیا...... اگلے لمحے ذہنی طور پر زمین پر تھا۔ اب میں اس عارضی کاٹھ کباڑ میں اس احتیاط کے ساتھ رہنے کا پروگرام بنا رہا ہوں کہ عرش کے نیچے فردوس میں میری آخری روحانی فلائٹ کنفرم ہوجائے۔

گستاخ رسول کی سزا احادیث کی روشنی میں

قاری محمد یعقوب شیخ

کوآرڈینیٹر تحریک حرمت رسول ﷺ پاکستان

"اللہ کی پناہ! ہم ان کو اس بات پر عہد و پیمان دیں کہ وہ نبی کریم ﷺ پر سب و شتم کا کھلا اظہار کریں۔ ہم نے ان کو اس بات کا عہد دیا ہے کہ ہم انہیں ان کے گرجا گھروں میں چھوڑ دیں، وہ اپنے گرجا گھروں میں جو کہنا چاہیں کہیں اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالیں اور اگر کوئی دشمن ان کا قصد کرے تو ہم ان کے پیچھے ان سے لڑائی کریں اور انہیں ان کے احکامات پر چھوڑ دیں، اور یہ کہ وہ ہمارے احکامات پر راضی ہو کر آ جائیں تو ہم ان کے درمیان اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں اور اگر وہ ہم سے غائب ہوں تو ہم ان کے پیچھے پڑیں۔"

سیدنا عمرو بن العاص ؓ نے فرمایا: "صَدَقْتَ" "تو نے سچ کہا۔"

[السنن الكبرى للبيهقي : ٣٧٥/٩، محقیق اسلام منصور عبد الحميد، و قال حسنٌ]

یہود و نصاریٰ توہین رسالت اور گستاخی رسول کے معاملہ میں متحد تھے اور آج بھی ہیں۔ مسلم ریاست میں رہتے ہوئے کوئی ذمی جب رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کا ارتکاب کرے گا تو وہ بدعہد تصور ہوگا۔ بدعہدی اور گستاخی کی سزا قتل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَإِن نَّكَثُوٓاْ أَيْمَٰنَهُم مِّنۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُواْ فِى دِينِكُمْ فَقَٰتِلُوٓاْ أَئِمَّةَ ٱلْكُفْرِ﴾ [التوبة : ١٢]

"اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے سرداروں سے قتال کرو۔"

گستاخوں کا علاج قتال ہے اور یہی اس مسئلہ کا حقیقی حل ہے۔ مسلم حکومتیں اور حکمران اس بات کی طرف نہیں آتے، یہی وجہ ہے کہ معاملات دن بہ دن خراب ہو رہے ہیں اور گستاخوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

صرف رسول اللہ ﷺ کی توہین کی سزا قتل ہے:

سیدنا ابو برزہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کے پاس تھا، وہ کسی آدمی پر ناراض ہو رہے تھے۔ اور ناراض بھی بہت زیادہ ہوئے۔ میں نے عرض کیا: اے خلیفہ رسول! اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار ڈالوں؟ تو میری اس بات نے ان کا غصہ زائل کر دیا۔ پھر وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور مجھے اپنے پاس بلوا لیا اور کہا: تم نے ابھی کیا کہا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے کہا تھا: "مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن مار دوں۔" فرمایا: "اگر میں تجھے ایسے کہہ دیتا تو کیا واقعی تم یہ کر گزرتے؟" میں نے کہا: ہاں! تو آپ نے فرمایا:

((لَا وَاللّٰهِ ! مَا كَانَتْ لِبَشَرٍ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

"نہیں، اللہ کی قسم! محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی بشر کو یہ مقام حاصل نہیں۔"

[أبو داوٗد، كتاب الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي ﷺ : ٤٣٦٣۔ نسائی، تحريم الدم، باب ذكر اختلاف على الأعمش في هذا الحديث : ٤٠٨٢]

مسلمانوں میں یہ بات معروف ہے کہ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے۔ آپ ﷺ کے علاوہ اگر کسی کی بے ادبی یا مخالفت وغیرہ ہو جائے تو بے ادبی کرنے والے کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ آپ ﷺ کے علاوہ کسی کا یہ مقام اور بلند شان نہیں، خواہ کوئی بادشاہ ہوں یا مفتی و عالم۔ خلیفہ اوّل سیدنا ابو بکر صدیق ؓ نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے کہ نبی ﷺ کے بعد کسی کا یہ حق نہیں۔

لیکن! آج افسوس اس بات پر ہے کہ محمد ﷺ کا حق ادا نہیں کیا جا رہا، اس کا دفاع نہیں کیا جا رہا، بلکہ کوشش اس چیز کی ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ کا حق حکمران اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے کھلواڑ کریں اور اس کا مذاق اڑائیں۔ گستاخی رسول ﷺ کی ہوتی ہے اور معافی کا اعلان حکومتیں اور حکمران کرتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے گستاخوں کے خلاف خود اعلان جنگ کیا ہے۔

مکہ میں گستاخوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کا اعلان جنگ:

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے لیے تشریف لائے، مشرکین مکہ جن میں ابو جہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ سب شامل تھے، انھوں نے آپ کی گستاخی و بے ادبی کی، مذاق کیا اور توہین کی۔ پہلے اور دوسرے چکر پر آپ ﷺ نے ان کی باتیں سنیں، تیسرے چکر پر آپ رک گئے۔ اب آپ نے ان سے اپنی بات کہی، جسے عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَتَسْمَعُوْنَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَمَا وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذَّبْحِ))

"اے قریش کے لوگو! کیا تم سنتے نہیں۔ اس رب کی قسم جس کے ہاتھ محمد ﷺ کی جان ہے! میں تمھیں ذبح کرنے کے لیے آیا ہوں۔"

[مسند أحمد : ٦١٠، ج : ١١، ح : ٧٠٣٦۔ دلائل النبوة : ٢٧٦/٢۔ تعليق التغليق على صحيح البخاري، ص : ٨٨، ج : ٤]

یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشرک گستاخوں کے انجام کا اعلان بھی رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے جاری ہوا ہے اور وہ قتل ہے، اس فیصلے کی حقانیت میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے تو خود گستاخوں کو کہا کہ میں تمھاری گردنیں اتارنے کے لیے آیا ہوں، چشم فلک نے میدان بدر کا وہ منظر دیکھا ہے، جب محبانِ رسول نے گستاخانِ رسول کے سر تن سے جدا کیے اور سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ نے ابو جہل کی گردن اتاری۔ رسول اکرم ﷺ کے اعلان مکہ کی عملی تصویر مدنی زندگی میں دیکھنے کو ملی۔

گستاخ بہن کا قتل:

عمیر بن امیہ کی ایک بہن تھی، عمیر جب نبی کریم ﷺ کی طرف جاتے تو وہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تکلیف دیتی اور نبی کریم ﷺ کو گالیاں نکالتی تھی اور تھی بھی یہ مشرکہ۔ ایک دن انھوں نے تلوار اٹھائی، پھر اس کے پاس آئے اور اسے تلوار کا وار کر کے قتل کر دیا۔ اس کے بیٹے اٹھ کھڑے ہوئے، انھوں نے چیخ و پکار شروع کر دی اور کہنے لگے: ہمیں معلوم ہے کہ کس نے اسے قتل کیا ہے، کیا ہمیں امن و امان دے کر قتل کیا گیا ہے؟ اور اس قوم کے آباء اجداد اور مائیں مشرک ہیں۔ جب عمیر کو خوف پیدا ہوا کہ وہ لوگ اپنی ماں کے بدلے کسی کو ناجائز قتل کر دیں گے تو وہ (عمیر) نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَقَتَلْتَ أُخْتَكَ))

"کیا تو نے اپنی بہن قتل کر دی ہے؟"

انھوں نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں؟ کہنے لگے:

((إِنَّهَا تُؤْذِيْنِيْ فِيْكَ))

"یہ مجھے آپ کے متعلق اذیت دیتی تھی۔"

تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے بیٹوں کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے پوچھا تو انھوں نے کسی اور کو قاتل ٹھہرایا، تو:

((فَأَخْبَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ وَ أَهْدَرَ دَمَهَا))

"نبی کریم ﷺ نے ان کو خبر دی اور اس کا خون رائیگاں قرار دیا تو انھوں نے (جواب میں) کہا: ہم نے سنا اور مان لیا۔"

[مجمع الزوائد، كتاب الحدود، باب فيمن سب نبياً أو غيره، ج ٦، ص : ٢٨٧ الرقم : ١٠٥٧٠۔ المعجم الكبير، ج : ١٧ ص : ١٦٤، ١٦٥۔ الرقم : ١٢٤]

سبحان اللہ! یہ ہے رسول اللہ ﷺ سے محبت کی اعلیٰ مثال اور عمدہ دلیل کہ بھائی نے گستاخ بہن کو قتل کر دیا اور بیٹوں نے بھی ایسی ماں کی پروا تک نہیں کی جو اللہ کے رسول کی بے ادبی کرتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ، وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ))

"اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی بھی ایمان دار نہیں ہوگا، جب تک کہ میں اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کا محبوب نہ بن جاؤں۔"

[بخاری، كتاب الإيمان، باب حب الرسول من الإيمان : ١٤]

محبت رسول ایمان کی دلیل ہے، محبت رسول ہے تو ایمان ہے، اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں، یہاں ایمان پر محبت رسول کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اور یہ محبت ماں، باپ، اولاد اور پوری کائنات کی تمام چیزوں سے زیادہ محمد کریم ﷺ سے ہونی لازمی ہے۔

نبی کریم ﷺ کو گالیاں دینے والی ام ولد کا قتل:

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ نے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص (صحابی) تھا اس کی ایک ام ولد (ایسی لونڈی جس سے اس کی اولاد تھی) وہ نبی کریم ﷺ کو گالیاں بکتی اور برا بھلا کہتی تھی، وہ منع کرتا تھا، مگر وہ مانتی نہ تھی، وہ اسے ڈانٹتا تھا مگر وہ سمجھتی نہ تھی، ایک رات وہ نبی کریم ﷺ کی بدگوئی کرنے اور آپ کو گالیاں دینے لگی تو اس نابینا (صحابی) نے ایک برچھا لیا اور اس کو اس لونڈی کے پیٹ پر رکھ کر اس پر اپنا بوجھ ڈال دیا اور اس طرح اسے قتل کر ڈالا۔ اس لونڈی کے پاؤں میں ایک چھوٹا بچہ آ گیا اور اس نے اس جگہ کو خون سے لت پت کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو نبی کریم ﷺ سے اس قتل کا ذکر کیا گیا اور لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اس آدمی کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، جس نے یہ کارروائی کی ہے اور میرا اس پر حق ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ وہ نابینا کھڑا ہو گیا اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا حاضر ہوا۔ اس کے قدم لرز رہے تھے، حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے آ بیٹھا اور بولا: اے اللہ کے رسول ﷺ! "میں اس کا قاتل ہوں، یہ آپ کو گالیاں بکتی اور برا بھلا کہتی تھی اور میں اس کو منع کرتا تھا مگر باز نہ آتی تھی۔ میں ڈانٹتا تھا مگر! سمجھتی نہ تھی:

((وَلِيْ مِنْهَا ابْنَانِ مِثْلَ اللُّؤْلُؤَتَيْنِ وَ كَانَتْ لِيْ رَفِيْقَةً))

"میرے اس سے دو موتیوں جیسے بچے بھی ہیں اور وہ میرا بڑا اچھا ساتھ دینے والی تھی۔"

گزشتہ رات جب اس نے آپ کو گالیاں دیں اور برا بھلا کہنے لگی تو میں نے چھرا اٹھایا، اس کے پیٹ پر رکھا اور اس پر اپنا بوجھ ڈال دیا، حتیٰ کہ اس کو قتل کر ڈالا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا اشْهَدُوْا إِنَّ دَمَهَا هَدَرٌ))

"خبردار! گواہ ہو جاؤ، اس (لونڈی) کا خون رائیگاں ہے۔"

[أبو داوٗد، كتاب الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي ﷺ : ٤٣٦١۔ نسائی، تحريم الدم، باب الحكم فيمن سب النبي ﷺ : ٤٠٧٥]

جو شخص نابینا تھا اس نے تو گستاخ عورت (جو اس کے بچوں کی ماں تھی) کو موت کے گھاٹ اتار دیا، انتقام لے لیا، افسوس تو ہم آنکھوں والوں پر ہے کہ جن کو کچھ نظر نہیں آتا، گستاخانِ رسول نظر نہیں آتے، خاکے نظر نہیں آتے، لکھنے والے ہاتھ اور بولنے والی زبانیں نظر نہیں آتیں۔ کچھ لوگ تو ایسے بھی ہیں جن کی عقل اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے، وہ گستاخوں کے لیے نرم پہلو اور دل میں ان کے لیے درد رکھتے ہیں، کیونکہ ان کے دل محبت رسول سے خالی ہیں، جس دل میں محبت تھی اس نے کسی چیز کی پروا نہیں کی اور یہ بھی نہیں سوچا کہ میں تو نابینا ہوں، مجھے تو خود خدمت کی ضرورت ہے، میرے بچوں کا کیا بنے گا؟ اس نابینا کے کردار میں آنکھوں والوں کے لیے سبق اور عبرت ہے اور اس نابینا قاتل کا یہ عمل غیرت ایمانی اور اظہار حب رسول اللہ ﷺ سے لبریز ہے۔

گستاخ یہودی عورت کا قتل:

سیدنا علی ؓ سے روایت ہے ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اور آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا الفاظ بولتی تھی، تو ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا:

((حَتّٰى مَاتَتْ فَأَبْطَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَمَهَا))

"یہاں تک کہ وہ مر گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون ضائع قرار دیا۔"

[أبو داوٗد، كتاب الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي ﷺ : ٤٣٦٢۔ أخرجه البيهقي : ٦٠/٧۔ ٢٠٠/٩۔ علامہ ناصر الدین البانی ؒ کہتے ہیں: اسنادهٗ حسن على شرط الشيخين۔ أرواء الغليل : ٩١/٥۔ اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے]

مذکورہ احادیث کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے، اس کے لیے کوئی معافی نہیں ہے، شاتم رسول کے قاتل پر نہ کوئی قصاص ہے اور نہ ہی دیت۔ اس قانون میں مسلم و غیر مسلم سب برابر ہیں، یعنی جو بھی گستاخی کرے گا اس سے معافی کا مطالبہ کیے بغیر قتل کی سزا دی جائے گی، جرم ثابت ہونے پر حدود اللہ میں بالخصوص حرمت رسول کے مسئلہ میں کوئی رعایت نہیں ہے۔ جو کوئی گستاخ توبہ کر لے تو اس کی توبہ کا فائدہ اس کو آخرت میں ضرور ہوگا، لیکن دنیا میں اس کو سزا دی جائے گی۔

اس قانون کا نفاذ حکومت کرے گی تو امن و امان قائم رہے گا اور گستاخی کا دروازہ بند رہے گا، اگر ایسا نہ کیا گیا تو بدامنی پیدا ہوگی اور غیرت ایمانی کی وجہ سے لوگ گستاخوں کو قتل کریں گے، قانون اپنے ہاتھ میں لیں گے جس سے حکومت کے لیے پریشانیاں پیدا ہوں گی۔

بعض لوگوں نے آسیہ مسیح کا معاملہ سامنے آ جانے کے بعد یہ بات کہی ہے کہ عورت پر تو حد نہیں لگائی جا سکتی، اس کو موت کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ مگر! یہ بات بالکل غلط ہے، عورت شادی شدہ ہو کر زنا کرے گی تو سزا (سنگسار) موت ہے، قتل کرے گی تو قتل کی جائے گی، چوری کرے گی تو بطور سزا ہاتھ کٹے گا اور سفارش بھی قبول نہیں کی جائے گی، قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی، تو سفارش کے لیے سیدنا اسامہ بن زید ؓ کو تیار کیا گیا۔ انھوں نے آپ ﷺ سے بات کی، تو آپ نے فرمایا:

((يَا أُسَامَةُ! أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى))

"اے اسامہ! کیا تو اس حد میں سفارش کرتا ہے جو اللہ کی حدود میں سے ہے؟"

پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، جس کے آخری الفاظ یہ تھے:

((وَ أَيْمُ اللّٰهِ ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

"اور اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

[بخاری، كتاب الفضائل أصحاب النبي، باب ذكر اسامة بن زيد : ٣٧٣٢۔ مسلم، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره ...... ١٦٨٨۔ أبو داوٗد، كتاب الحدود، باب في الحديشفع فيه : ٤٣٧٣]

گستاخ رسول کی سزا احادیث کی روشنی میں

منکرین حدیث کے لیے

رسول اللہ ﷺ کی عزت وتوقیر اور آپ سے محبت و پیار کرنا ایمان ہے، اس ایمان میں مزید روشنی، قوت اور حسن تب پیدا ہوتا ہے جب اطاعت وفرمانبرداری کے جذبے پیدا ہوتے ہیں پھر ان جذبوں کی صداقت کے لیے انسان حرمت رسول پر ہر چیز بلکہ جان تک بھی قربان کر دیتا ہے۔

آپ کی حرمت و ناموس پر حملہ گویا پورے دین (قرآن وسنت) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت پر بھی حملہ اور اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے منتخب اور مبعوث فرمایا ہے۔

کفار ومشرکین، ان کے اماموں اور حکمرانوں نے رسول اللہ کی گستاخی کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے مومن بندوں سے اعلان جنگ کر لیا ہے۔ اس جنگ میں شکست گستاخوں اور بے ادبوں کو ہوگی۔ ان شاء اللہ

یورپین برادری نے اخبارات وجرائد، یوٹیوب اور فیس بک پر آپ ﷺ کے خلاف طوفان بے ہودگی بپا کیا، خاکے بنا کر محمد ﷺ کی طرف منسوب کیے اور لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ اس غیر اخلاقی، غیر فطری، غیر اسلامی تہذیب وادب سے خالی وعاری کام میں حصہ لیں، تو اس سلسلہ میں کچھ لوگ ان کا آلہ کار بنے، ان میں سے ایک کردار آسیہ مسیح کا ہے اس بدبخت، ملعونہ عورت کو دلائل وشواہد کے بعد جب سزا سنائی گئی تو اس کی رہائی اور معافی کے لیے کچھ لوگ متحرک ہو گئے اور 295-C جو گستاخان رسول کے لیے سزائے موت کا قانون ہے، اس کو بھی کالا قرار دے دیا۔

الیکٹرانک میڈیا پر بعض دانشمندوں، ادیبوں اور نام نہاد سکالروں نے یہ راگ الاپنا شروع کر دیے کہ سزائے موت کا قانون اور اس کا ثبوت قرآن سے پیش کرو۔ کیا قرآن پاک میں اس کا ثبوت نہیں ہے؟ یقیناً ہے! مگر یہ بے نام لوگ ایسی باتیں نام کمانے اور حدیث رسول ﷺ کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

حدیث رسول کی اہمیت، فضیلت اور ضرورت قرون اولیٰ سے لے کر قیامت تک رہے گی، حدیث رسول قرآن اور مضامین قرآن کی تفسیر ہے، اس کے بغیر دین اسلام کی معرفت اور پہچان ممکن نہیں، اس کا انکار گویا اللہ تعالیٰ کی ذات، نبی کی نبوت اور صداقت قرآن اور اس کی حقانیت کا انکار ہے جو لوگ صرف اور صرف قرآن پاک سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں اور حدیث وسنت سے منہ موڑ لیتے ہیں وہ درحقیقت کلام اللہ (قرآن مجید) کے بھی منکر ہیں۔ یاد رہے کہ جس طرح قرآن اسلام کا مصدر وماخذ اور مرجع ہے، اسی طرح حدیث رسول اللہ قرآن کے بعد دوسرا بڑا مصدر ہے، جیسے قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اسی طرح صحیح حدیث بھی منزل من السماء وحی ہے۔

قرآن اور حدیث کو الگ الگ کر کے اسلام کو پہچاننا، احکام ومسائل کو جاننا، حلال وحرام میں فرق کرنا ممکن نہیں۔

منکرین حدیث کی یہ مکارانہ چال ہے کہ وہ پہلے قرآن وحدیث کو جدا جدا کرتے ہیں اور پھر صرف قرآن کی بات کرتے ہیں۔ جب کسی مسئلہ کی وضاحت قرآن میں نہیں ملتی مثلاً: قرآن میں نماز کی فرضیت، زکوٰۃ کی فرضیت، روزے اور حج کی فرضیت کا تذکرہ تو موجود ہے مگر اس کی تفصیل نہیں، وہ حدیث میں ہے، تو پھر یہ لوگ دوسرا بڑا حملہ اسلام پر یہ کرتے ہیں کہ جی! اسلام مکمل ضابطہ حیات اور کامل دین نہیں ہے۔ نعوذ باللہ۔

تو آیئے! ہم قرآن پاک سے حدیث کا وجود وثبوت پیش کرتے ہیں، پھر احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں گستاخان رسول کی شرعی سزا اور ان کا انجام بیان کرتے ہیں۔

قرآن میں حدیث رسول ﷺ کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ [الأعراف: ۳]

"اس کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا اور دوستوں کے پیچھے مت چلو، بہت کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔"

اس آیت مبارکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام کی اتباع اور ان کے علاوہ کسی دوسرے کی پیروی نہ کرنے کا حکم ہے۔ کسی دوسرے کی پیروی یا اس کے اقوال وافعال اور تحریرات جو مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ کے زمرہ میں آتے ہیں کی اتباع کرنا خلاف شریعت ہے۔ پیروی صرف نازل کردہ احکامات ہی کی کرنی ہے۔ وہ نازل کردہ چیز کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [النساء: ۱۱۳]

"اور اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب وحکمت اتاری ہے۔"

پوری امت کا اجماع ہے کہ الکتاب سے مراد قرآن مجید اور الحکمت سے مراد سنت رسول اللہ ﷺ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن وسنت کو نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ [الأحزاب: ۳۴]

"اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور رسول ﷺ کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو۔"

قاری محمد یعقوب شیخ

کوآرڈینیٹر تحریک حرمت رسول ﷺ پاکستان

امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں آیات اللہ سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد سنت نبوی ہے۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿وإن كنتن تردن الله ورسوله﴾]

اہل ایمان اسی حق کی پیروی کرتے ہیں جو اللہ کی طرف سے محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔

مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ)

"خبردار! مجھے قرآن کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔"

[أبوداؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، حديث: ٤٦٠٤۔ مسند أحمد: ١٣٠/٤۔ من حديث حريز بن عثمان]

رسول اللہ ﷺ کو قرآن کے ساتھ اس جیسی چیز دی گئی ہے۔ وہ چیز کیا ہے؟ وہ حدیث وسنت ہے۔ قرآن وسنت دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہیں اور دونوں کی اتباع ضروری ہے۔ امام حسان بن عطیہ کہتے ہیں:

"كَانَ جِبْرِيلُ يَنْزِلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالسُّنَّةِ كَمَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ وَيُعَلِّمُهُ إِيَّاهَا كَمَا يُعَلِّمُهُ الْقُرْآنَ"

"جبریل امین رسول اللہ ﷺ پر سنت لے کر اسی طرح اترتے تھے جس طرح قرآن لے کر اترتے تھے اور سنت کی تعلیم اسی طرح دیتے تھے جس طرح قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔"

[سنن الدارمی: ٦٠٨۔ المروزی فی السنة: ١٠٢]

محمد ﷺ نے اپنے اوپر نازل ہونے والی تعلیمات اور ربانی ہدایات کے مطابق لوگوں کی رہنمائی فرمائی ہے امت کی رشد وہدایت کے لیے احکام دینیہ میں ہر وہ بات جو آپ کی زبان اقدس سے نکلی ہے، وہ وحی ہے اور وحی قرآن وسنت کا نام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (3) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [النجم: ٣، ٤]

"اور وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔"

آپ ﷺ وحی الٰہی کے بغیر لب کشائی نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ خوش طبعی اور مزاح کے موقع پر بھی آپ ﷺ کی زبان سے حق ہی نکلا ہے۔

پیغمبر علیہ السلام پر جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے وہ حق ہے اور اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ [البقرة: ١٤٧]

"آپ ﷺ کے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے، [illegible] آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ﴾ [محمد: ٢]

"اور وہ اس پر بھی ایمان لائے جو محمد ﷺ پر اتاری گئی ہے۔ وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔"

یہ بات حقیقت ہے کہ اہل کفر باطل کی اور اہل ایمان حق کی پیروی کرتے ہیں، جو ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ﴾ [محمد: ٣]

"کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس دین حق کی اتباع کی جو ان کے رب کی طرف سے ہے۔"

جن کی نیت بد اور خراب ہے وہ حدیث وسنت سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے سوال کرتے ہیں کہ اس نے ابھی کیا کہا تھا، یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ اپنی خواہشات کے پیروکار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ﴾ [محمد: ١٦]

"یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔"

منکرین حدیث باطل کی پیروی اور اپنی خواہشوں کی اتباع تو بڑی خوشی سے کرتے ہیں مگر فرامین رسول سے دور بھاگتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر ثبت کر دی ہے۔

جب معلوم ہو گیا کہ حق کلام اللہ اور فرمان رسول اللہ کا نام ہے تو پھر اس کی پیروی کرنا لازمی اور ضروری ہے اپنی خواہشات کی نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد: ٣٣]

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔"

بظاہر کوئی عمل کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرہ سے باہر اور خارج ہے تو برباد اور رائیگاں ہے۔

اعمال اور نیکیاں اسی انسان کی محفوظ وموجود باقی و برقرار رہیں گی، جو اطاعت وفرمانبرداری کے لیے اپنے آپ کو مطیع کرے گا۔

اور جس سے انکار حدیث کی بدبو آتی رہی اس کے اعمال غارت ہو گئے۔ مقدام بن معدیکرب الکندی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن گدھا اور اس کے علاوہ کئی چیزوں کو حرام قرار دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ ایک آدمی چارپائی پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا، جب میری کوئی حدیث اس سے بیان کی جائے گی تو وہ کہے گا:

(بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ مَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَلَالٍ اسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ أَلَا وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ هُوَ مِثْلُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ تَعَالَىٰ)

"کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ (قرآن مجید) ہے، جس چیز کو ہم اس میں حلال پاتے ہیں اس کو حلال اور جس چیز کو اس میں حرام پاتے ہیں حرام کریں گے، خبردار! بے شک جو رسول اللہ نے حرام کیا ہے اسی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔"

[سنن الدارمي، المقدمة، باب السنة قاضية على كتاب الله ٦٠٦۔ مسند أحمد: ١٣٢/٣۔ جامع الترمذي، العلم، باب ما نهي عنه أن يقال: ٢٦٦٦]

یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام اور رسول اللہ کے فرمان میں کوئی ٹکراؤ اور کسی قسم کا کوئی اختلاف قطعاً نہیں ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ [الأعراف: ١٥٧]

"وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے اور گندی چیزوں کو حرام فرماتے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ کی روح سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ اگر حدیث وسنت کا انکار کیا جائے صرف اور صرف قرآن کی بات کی جائے تو اس سے قرآن کا بھی انکار ہوتا ہے۔ نیز اچھائی وبرائی میں فرق اور حلال وحرام کی تمیز بھی مٹ جاتی ہے۔ منکرین حدیث نے یہ پراپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ حدیث قرآن کے مخالف ہے۔ یہ رسول اکرم پر الزام ہے اور یہ سلسلہ آج کا نہیں پرانا ہے۔ یعلی بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے ایک دن نبی کریم کی حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے کہا کہ: قرآن میں اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے جواب دیا: کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ میں تمہارے پاس رسول اللہ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تو قرآن کے ذریعہ اس پر عیب لگا رہا ہے۔

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعْلَمَ بِكِتَابِ اللَّهِ تَعَالَىٰ مِنْكَ"

"رسول اللہ ﷺ کتاب اللہ کو تجھ سے زیادہ جانتے تھے۔"

[سنن الدارمی: ٦١٠۔ صحیح الشریعة للآجری: ٥٨]

"رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کرنے اور [illegible] کرنے میں ہر دور میں خاص اہتمام ہوا ہے اور محنت سے کام کیا گیا ہے۔"

جابر بن عبداللہ کے متعلق امام بخاری یہ الفاظ لائے ہیں:

"رَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُنَيْسٍ فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ" [بخاری، كتاب العلم، باب الخروج في طلب العلم (تعليقاً، امام بخاری اس روایت کو تعلیقاً لائے ہیں)]

"جابر بن عبداللہ نے ایک حدیث کے حصول کے لیے عبداللہ بن انیس کی طرف ایک ماہ کا سفر کیا۔"

ایک حدیث کے حصول کے لیے ایک ماہ کا سفر کرنا، سفر کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کرنا کوئی معمولی کام نہیں، مگر علمائے کرام، محدثین عظام نے حصول حدیث جیسے عظیم مشن کے لیے وقت اور پیسہ خرچ کیا اور ہر قسم کی تکلیف کو خندہ پیشانی سے قبول فرمایا، وہ اس کوشش اور جستجو میں لگے رہتے کہ جس سے حدیث لی جائے وہ آدمی ثقہ ہو، عادل ہو۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"نَقْلُ الثِّقَةِ عَنِ الثِّقَةِ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ مَعَ الاتِّصَالِ خَصَّ اللَّهُ بِهِ الْمُسْلِمِينَ دُونَ سَائِرِ الْمِلَلِ"

[تدریب الراوی: ١٥٩/٢] (جاری ہے)

اب جمہوری رستم وسہراب چپ کیوں ہیں؟



وہ سوروں کا ایک بہت بڑا فارم تھا، اس میں دو ہزار سے زائد سور رکھے گئے تھے۔ سوروں کے اس فارم کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا جن میں مختلف عمروں کے سور ایک خاص ترتیب سے رکھے گئے تھے، حاملہ مادر سور اور بچوں والی سوروں کو الگ الگ حصوں میں رکھا گیا تھا، فارم کے گرد مکمل سکیورٹی انتظام موجود تھا۔ کیمرے بھی نصب کیے گئے تھے، آسمانی بجلی کی تیز چمک کی وجہ سے سکیورٹی نظام میں خلل واقع ہو گیا تھا سو ہم اسے ٹھیک کرنے کے لئے آئے تھے۔ یہ براعظم یورپ کا ایک چھوٹا سا ملک سائپرس تھا، ہم اس وقت سائپرس کے شہر نکوسیا سے پچیس کلومیٹر دور سوروں کے فارم پر موجود تھے، سائپرس میں ایسے درجنوں فارم ہیں، سور کا گوشت ان کی پسندیدہ ڈش ہے، زندگی میں پہلی بار مجھے سوروں کا فارم دیکھنے کا موقع ملا تھا، جیسے ہی میں اندر داخل ہوا اتنی گندی بدبو کا بھبکا آیا کہ طبیعت یکدم متلا گئی۔ میں نے ناک کو اچھی طرح ڈھانپ لیا مگر پھر بھی بدبو کی وجہ سے سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔ ہم نے بہ مشکل سکیورٹی سسٹم کو ٹھیک کیا اور فارم سے باہر آ کر اپنی ناک سے کپڑا ہٹایا مگر بدبو ہمارے جسموں سے بھی آ رہی تھی۔ ہم گھر آ کر نہا بھی لئے مگر بدبو کئی دنوں تک ہمارے جسموں میں بسی رہی۔

مجھے یہ باتیں میرے دوست راؤ عمر حیات نے بتائیں جو حصول تعلیم اور روزگار کے سلسلے میں چار سال سے زائد عرصہ سائپرس میں گزار کر آیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہاں ہر گھر میں کتے پالے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گاڑیوں کے ہر سروس سٹیشن پر کتوں کو نہلانے کیلئے الگ جگہ ضرور موجود ہے۔

کیا دنیا میں اب بھی بھونچال نہیں آئے گا؟ کیا اب بھی خیالات میں آگ نہیں بھڑکے گی؟ بدطینت ٹیری جونز جیسے پادری جب قرآن مجید کو دہشت گردی کا ذمہ دار قرار دیں گے تو پھر امن وسکون غارت نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ جب قرآن پر مقدمہ چلانے جیسے شیطانی عزائم کا اعلان ہوگا۔ جب قرآن کو جلا دینے، اسے پھاڑ ڈالنے یا فائرنگ سکواڈ کے سپرد منتقل کرنے جیسی ہرزہ سرائی کی جائے گی تو پھر ضرور کوئی نہ کوئی امریکی مسلمان ٹیری جونز کو قتل کر ڈالے گا۔ پھر کہا جائے گا کہ مسلمان دہشت گرد ہیں، جب قرآن پر دشنام طرازی کی جائے گی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک کی کوشش ہوگی، جب توہین رسالت کے قانون میں تبدیلی اور آسیہ کی رہائی کے مطالبے کیے جائیں گے تو پھر طوفان بلاخیز تو بہر صورت ابھرے گا۔ سوال یہ ہے کہ پادری ٹیری جونز اور پوپ بنی ڈکٹ ایسی گھٹیا اور کمینی بات کیوں کر رہے ہیں۔ ان کے خیالات اس قدر پراگندہ اور کردار اتنے غلیظ کیوں ہو گئے ہیں؟ وجہ دراصل یہ بھی ہے کہ یہ لوگ سور بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ لوگ کتوں کو ہر گھر میں پالتے ہیں، انسان جو چیز کھاتا ہے اور جس کے ساتھ رہتا ہے اس کے اثرات اس کے جسم حتیٰ کہ سوچ اور فکر پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ سور سے بدبو اٹھتی ہے، یہ ناپاک اور غلیظ ہوتا ہے جو بھی سور کھاتا ہے اس کے مزاج اور طبیعت میں سور کی مانند بے ہودگی، بداطواری اور حیا باختگی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اٹلی کے 74 سالہ بوڑھے وزیراعظم برلسکونی ہی کو دیکھ لیجئے کہ مراکو کی سترہ سالہ دوشیزہ کے ساتھ اس کے معاشقے کی خبریں عام ہیں، وہ بوڑھا ہونے کے باوجود کم عمر لڑکیوں کی جسم فروشی جیسے دھندے میں مبتلا ہے۔ نفس اور ہوس کا غلام، فسق وفجور کا رسیا ٹیری جونز قرآن پاک کے متعلق دشنام طرازی کرے اور پھر "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کے مصداق جو بائیڈن مسلمان مذہبی انتہاپسندی کو پاکستان کے لئے خطرہ بتائے۔ دہشت گردی تو ٹیری جونز نے کی ہے اور یہی انتہاپسندی امریکا کو لے ڈوبے گی۔ (ان شاء اللہ)

گزشتہ عشرے پر ہی ایک طائرانہ نظر ڈالیں کہ عالمی بدمعاشوں نے پہلے کہا کہ مجاہدین دہشت گرد ہیں، پھر افغانستان اور عراق کے لوگوں پر دہشت گردی کا طومار باندھ کر بھون دیا گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کیے اور اب وہی بے ہودہ الفاظ قرآن کے متعلق استعمال کیے جا رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

سب سے زیادہ تڑپا دینے والی بات یہ ہے کہ ہمارا صدر چپ، وزیراعظم مہر بہ لب اور وزیر خارجہ وداخلہ پر سکوت طاری ہے۔ ایٹمی طاقت کے حکمرانو! کچھ تو بولو، آسیہ کی سزا پر بلکنے والو! کچھ تو زبان ودہن کو جنبش دو، سیاسی رقابتوں اور عداوتوں کے پاٹ میں پسنے والے گونگے کیوں بن گئے ہیں؟ اپنی اپنی پارٹی کے مفاد کے لئے ہلڑ بازی، جلسے جلوس، نعرے بازی اور کرسیاں چلا کر گتھم گتھا ہو جانے والے رستم وسہرابو! تمہارے لب کیوں سل گئے ہیں؟ جمہوریت کے لئے جان کی بازی لگا ڈالنے کے بلند بانگ دعوے کرنے والے جمہوری شیرو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے حق میں بولنے کے لئے تمہارے لب کب وا ہوں گے؟ اپنی اپنی جدید ڈفلی پر بے ڈھنگے اور بے سرے راگ الاپنے والے سیاسی موسیقارو! تمہاری زبانیں گنگ کیوں ہیں؟ نبیؐ کے استہزاء اور قرآن کی تضحیک پر یوں خاموشی نہ صرف ایک ایسا بھیانک جرم ہے کہ آنے والی نسلیں تمہیں معاف نہ کر پائیں گی بلکہ یہ جرم تمہیں قیامت کے روز بھی راندہ درگاہ بنا دے گا۔

امیر حمزہ

رویے میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اندلس کے یہودی

امریکا کا ایک یہودی جس کا نام ڈیوڈ ہے۔ اس نے ایک فلم بنائی ہے جس کا آغاز "اندلس" کے مسلمانوں سے کیا گیا ہے۔ میں کمپیوٹر کی سکرین پر امریکا کا ایک پروگرام دیکھ رہا تھا۔ اس پروگرام میں امریکا کا یہ مشہور دانشور، صحافی، فلمساز اور مورخ انٹرویو دیتے ہوئے بولتا چلا رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا!

اندلس کے مسلمان انسانیت کے اساتذہ تھے۔ جو سائنسی ترقی انہوں نے کی، سائنسی اداروں کی بنیادیں رکھیں، لائبریریاں بنائیں، کتابیں عام ہوئیں، ریسرچ کی، لیبارٹریاں وجود میں آئیں...... پھر ایجادات کی دنیا کا اظہار ہوا...... ڈیوڈ کہتا جا رہا تھا کہ آج کی جدید سائنس کی ساری بنیادیں ہی اندلس کے مسلمانوں نے رکھیں۔

ڈیوڈ بولتا چلا جا رہا تھا...... مسلمانوں کے رویے بڑے فراخ تھے، وہ حوصلے اور برداشت والے تھے، جس قدر یہودی وہاں پھلے پھولے اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ عیسائیوں کو بھی آزادی حاصل تھی، آج پھر ویسے ہی رویوں کی ضرورت ہے۔

قارئین کرام! ڈیوڈ کی یہ باتیں سن کر مجھے اپنی لکھی ہوئی کتاب "رویے میرے حضور ﷺ کے" یاد آ گئی۔ اس کتاب کے اردو زبان میں درجنوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دسیوں ہزار شائع ہو چکی ہے اور شائع ہوتی جا رہی ہے۔ (بحمد للہ)

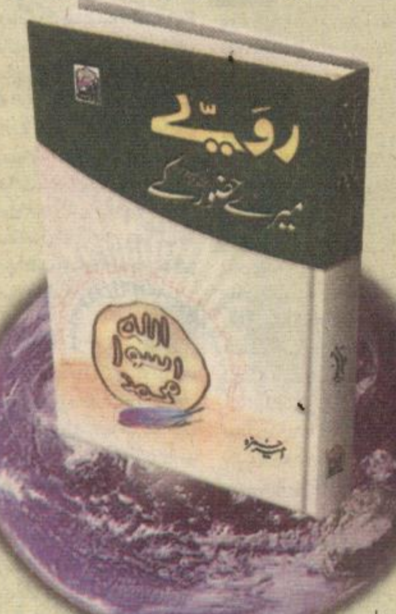
روزنامہ جنگ میں عطاء الحق قاسمی صاحب نے پورا کالم لکھا، نوائے وقت میں ڈاکٹر اجمل نیازی، علامہ اصغر علی کوثر، جناب اسرار بخاری نے لکھا۔ روزنامہ ایکسپریس میں جناب اسداللہ غالب نے کالم لکھا اور زور دیا کہ اس کتاب کا انگریزی، فرانسیسی، عربی، چینی، ہندی، اسپینی، جاپانی وغیرہ میں ترجمہ ہونا چاہئے...... جناب مجیب الرحمٰن شامی اور حامد میر صاحب نے خصوصی طور پر کتاب منگوائی۔ جناب طاہر اشرفی نے خصوصی طور پر کتاب منگوائی اور کہا آج کل بیوروکریسی میں یہ کتاب مقبول ہے۔ اس دور کے آئی جی پنجاب جناب شوکت جاوید نے مطالعہ کرنے کے بعد اپنے بیوروکریٹ دوستوں کو کتاب پڑھنے کا مشورہ دیا۔ پنجاب اسمبلی میں علماء کی مجلس تھی، میں بھی موجود تھا، صوبائی وزیر قانون رانا ثناء اللہ خان بھی موجود تھے۔ اجلاس کے بعد کتاب کی بات چل نکلی، پنجاب کے سیکیورٹی چیف آفیسر نے کتاب کا تذکرہ شروع کر دیا، چنانچہ رانا صاحب نے کتاب طلب کی۔ ان کو اور آئی جی پنجاب کو بھی کتاب فراہم کر دی گئی...... سول بیوروکریسی کی طرح فوجی بیوروکریسی میں بھی مقبول ہوئی، علماء نے اس کی تحسین کی، عام لوگوں کے فونوں کے تانتے بندھے رہے...... ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ اس کتاب کا فوراً انگریزی ترجمہ ہونا چاہئے......

بیرون ملک سے اس کی ڈیمانڈ تھی۔ بعض تاجروں نے کہا ہم یہ کتاب خرید کو انگریزوں کو دینا چاہتے ہیں اور بتلانا چاہتے ہیں...... اے خاکے بنانے والو! یہ ہیں ہمارے حضور محمد کریم ﷺ...... ذرا پڑھو اور ملاحظہ کرو آپ ﷺ کے رویے۔

قارئین کرام! بحمد اللہ! اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ ہو گیا...... اور اتنا سارا وقت اس لئے لگا کہ انگریزی کے ایک ماہر نے اسی طرح ترجمہ کیا جو اسلوب اردو میں اپنایا گیا ہے۔

ترجمہ مکمل ہونے کے بعد کمپوزنگ بھی ہو گئی ہے اور پیسٹنگ ہو کر پریس میں چھپنے کے لئے تیار ہے۔

اب ہم ڈیوڈ یہودی اور ان جیسے انصاف پسند لوگوں کو یہ کتاب دے کر کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی جس عظمت، حوصلے، برداشت



اور حلم و اخلاق کا تم لوگ اعتراف کر رہے ہو وہ سارا کچھ جس مرکز ومنبع سے پھوٹا ہے وہ مسلمانوں کے انتہائی محبوب پیغمبر حضرت محمد کریم ﷺ کے رویے ہیں اور یہ رویے اب ہم ساری دنیا کے سامنے پیش کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ان خوبصورت رویوں کے حامل محمد کریم ﷺ کے خاکے بنانے کی جن لوگوں نے جسارت کی انہوں نے انسانیت کے چاند کا کچھ نہیں بگاڑا، انہوں نے اپنے منہ پر ہی تھوکا ہے۔



قارئین کرام! ڈیوڈ یہودی نے اندلس کی بات کی، بحمد اللہ دارالاندلس کے عظیم اشاعتی ادارے نے اس کتاب کو تیار کیا ہے۔ دارالاندلس کے مدیر حاجی عثمان بٹ جو دانشور شخصیت ہیں وہ اس ادارے کے مدیر ہیں جبکہ ریسرچ کے شعبہ کے مدیر حاجی جاوید الحسن ہیں۔ ان کے ہاتھوں سے خوبصورتی کے مراحل طے کرتے ہوئے اس کتاب کو اب دنیا بھر کے غیر مسلموں تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔

قارئین کرام! آپ یہ کر سکتے ہیں کہ آپ کے جو عزیز اور دوست باہر کی دنیا میں رہتے ہیں، ان کے ہاں اس کتاب کو بھیجیں اور امریکہ و کینیڈا، برطانیہ اور آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ اور باقی دنیا میں رہنے والوں تک اس تحفہ کو پہنچائیں۔ نہ جانے کہ پیارے حضور ﷺ کی اس سیرت کو پڑھ کر کتنے لوگ مسلمان ہو جائیں...... اگر ایک بندہ بھی مسلمان ہو گیا تو حرمت رسول ﷺ کا فریضہ بھی ادا ہو گیا اور آخرت میں بیڑا بھی پار ہو گیا۔ ان شاء اللہ۔

برطانیہ کے میڈیا نے انکشاف کیا ہے کہ یورپ میں تیزی کے ساتھ لوگ مسلمان ہو رہے ہیں، خاص طور پر خواتین مسلمان ہو رہی ہیں۔ حال ہی میں ٹونی بلیئر جو اسلام دشمنی میں بش کے بعد دوسرے نمبر پر ہے، اس کی سالی لورین بوتھ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ وہ معروف صحافی بھی ہیں۔ جرمنی کی ایک معروف خاتون مسز لائنے اور یوگا ٹیچر کمیلا نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ذرائع ابلاغ بتلا رہے ہیں کہ چوٹی کی معروف خواتین اسلام قبول کر رہی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق جاپان میں 15 ہزار عورتوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ جرمنی میں پچاس ہزار خواتین اور اسی طرح سارے یورپ میں...... آیئے ہم اس رفتار کو اور تیز کریں...... پیارے حضور ﷺ کے رویے پھیلا کر اس رفتار میں اتنی تیزی لائیں کہ یہ رفتار اگر آج سڑک پر دوڑنے والی ٹریفک کی رفتار ہے تو ہم اس کو فضاؤں میں اڑنے والے جہازوں کی رفتار بنا دیں......

اور پھر موت کے بعد اپنے اللہ کا جب دیدار ہو...... اور حضور محمد ﷺ سے ملاقات ہو تو ہماری محنت پر حضور فرما دیں...... بقول قائداعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ

ویل ڈن محمد علی

ہاں ہاں! قائداعظم نے اپنی خواہش کا اظہار یوں ہی فرمایا تھا کہ جب اللہ پوچھے گا کہ محمد علی کیا لے کر آئے ہو، میں کہوں گا پاکستان بنا کر آیا ہوں...... تب اللہ کہے گا۔

WELL DONE MOHAMMAD ALI

''آثارِ مدینہ منورہ''

حقیقت حال

محسن فارانی

مدینہ منورہ وہ خوش نصیب شہر ہے جس کی طرف خاتم النبیین حضرت محمد رسول ﷺ نے ہجرت فرمائی اور جسے روئے زمین پر پہلی اسلامی ریاست کا دارالحکومت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہیں سے آپ ﷺ نے کفار کے خلاف غزوات اور ان جہادی مہمات کی رہبری کی جنہیں سرایا (سریہ کی جمع) کہا جاتا ہے۔ یہیں آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی جو بیت اللہ شریف کے بعد عالم اسلام کا دوسرا حرم شریف ہے، لہٰذا یہ دونوں حرمین الشریفین کہلاتے ہیں۔ مدینہ منورہ ہی میں نبی ﷺ نے وفات پائی اور یہیں آپ مدفون ہیں۔ آپ کے بعد خلافتِ اسلامیہ کا اجراء ہوا تو یہی شہرِ جانفزا پہلا دارالخلافہ ٹھہرا اور یہیں سے روانہ ہونے والے اسلامی عساکر نے فارس وروم کے لاکھوں کی تعداد میں سرتاپا مسلح لشکروں کو شکستوں پہ شکستیں دیں اور چند سال میں اسلامی خلافت کی حدود مشرق میں دریائے جیحون سے لے کر مغرب میں طرابلس الغرب (لیبیا، افریقہ) سے آگے نکل گئیں، ہمارے دوست محمد انیس الرحمٰن نے اسی شہر مقدس کی دلربا داستان والہانہ انداز سے ''آثارِ مدینہ منورہ'' کے نام سے رقم کی ہے۔ رنگین اور سیاہ وسفید تصاویر اور نقشوں سے مزین یہ کتاب 600 روپے میں گائیڈنس پبلیکیشنز 196 الفلاح ٹاؤن بیدیاں روڈ لاہور سے دستیاب ہے، نیز دارلسلام لوئر مال لاہور سے بھی مل سکتی ہے۔

محمد انیس الرحمٰن مدیر ''ندائے ملت'' اور مدیر اعلیٰ ''اخبار العرب'' کے حوالے سے محتاجِ تعارف نہیں۔ انہوں نے مدینہ یونیورسٹی اور لائیڈن یونیورسٹی (نیدر لینڈ) سے اکتسابِ علم کیا اور وہ عربی زبان اور انگریزی میں بخوبی دسترس رکھتے ہیں۔ 364 صفحات کی نادر تصنیف ''آثار مدینہ منورہ'' میں انہوں نے اس شہر کی تاریخ ''آثار، مسجد نبوی اور دیگر مساجد، مدینہ منورہ کے قدیم مقامات اور مشہور گھروں، محلات، کنوؤں، وادیوں (ندیوں)، چشموں، پہاڑوں، حشرات، مشہور مقامات اور مدینہ منورہ کی فصیلوں کی تفصیل بیان کی ہے۔ علاوہ ازیں مدینہ منورہ کے امراء (گورنروں) اور علماء ومشاہیر کا بخوبی تعارف کرایا ہے، مدینہ منورہ جن مختلف ناموں سے مشہور ہوا وہ 91 نام دے کران کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔ ایک باب میں عثمانی ترکوں کی تعمیر کردہ حجاز ریلوے اور مدینہ کے العنبر یہ ریلوے اسٹیشن کی تفصیلات بیان کی ہیں کہ کس طرح عثمانی خلیفہ عبدالحمید ثانی نے یہ ریلوے لائن حجاج کرام کی سہولت اور دفاع اور نقل وحمل کے مقاصد کے لئے تعمیر کی تھی مگر اس کی تکمیل کے نو سال بعد پہلی جنگ عظیم کے دوران میں غدارِ ملت شریفِ مکہ حسین بن علی نے عثمانی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کے بیٹے امیر فیصل کے بدوؤں نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا اور برطانوی جاسوس لارنس کی مدد سے حجاز ریلوے کے پل تباہ کر کے ترکوں کی رسد کے راستے کاٹ دیئے حتیٰ کہ جنوری 1919ء میں مدینہ منورہ پر ترکوں کی عملداری ختم ہوگئی۔ اس طرح حجاز ریلوے کا مفید منصوبہ ناروا عربی تعصب کے باعث بربادی کی نذر ہوگیا۔

18 ویں باب میں مسجد نبوی، مسجد قباء، مسجد قبلتین اور مسجد المیقات کی جدید تعمیرات کا بیان ہے اور آخری اور اہم ترین باب کا عنوان ہے: ''یہودی اور مدینہ منورہ'' اس میں مدینہ یہودیوں اور یہود مدینہ کی مختصر تاریخ بیان کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہود سے پہلے فلسطین میں کئی صدیوں سے ایسی قومیں اور قبائل (فلستی وغیرہ) سکونت پذیر تھے جو سامی النسل یعنی عرب قبائل کی شاخیں تھے اور اس وقت ابھی بنی اسرائیل دنیا میں ناپید تھے۔ جدید تاریخ میں صہیونی یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے اس سرزمین کا وعدہ کیا گیا تھا، تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ یہ وعدہ اس صورت میں تھا کہ بنی اسرائیل متحد ہو کر یہاں کے مشرک قبائل کی سرکوبی کرتے اور یہاں موسوی شریعت کے تحت ایک مثالی اور خالص توحید پر مبنی ریاست قائم کرتے مگر انہوں نے تو تفرقے میں مبتلا ہو کر مقامی مشرک قوموں کی عادات اپنا لیں اور خالص دین کو شرک سے آلودہ کر لیا۔ اس کے نتیجے میں نینویٰ (عراق) کے اشوریوں اور بخت نصر کلدانی نے یہودی ریاستوں سامریہ اور یہودیہ کو یکے بعد دیگرے پامال کر دیا۔ بخت نصر (شاہِ بابل) نے 586 ق م میں ہیکل سلیمانی مسمار کر دیا۔ یہودیوں کی طرف سے شرک، انبیاء کے قتل اور عیسیٰؑ کے انکار جیسی نافرمانیوں کے نتیجے میں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر بت پرست یونانیوں اور رومیوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے 70ء میں دوسرا ہیکل سلیمانی تباہ کیا اور پھر 135ء میں یہودیوں کو فلسطین سے مستقل طور پر جلاوطن کر دیا گیا۔ تب یہ مردود قوم شمالی و وسطی افریقہ، عراق و شام حتیٰ کہ کوچین (بھارت) تک منتشر ہوگئی اور ان کے بعض قبائل تیما، وادی قریٰ، خیبر اور یثرب (مدینہ منورہ) میں آبسے۔ فاضل مصنف نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب کو چھوڑ کر یہودیوں نے مدینہ منورہ اور آس پاس کے بعض علاقوں ہی کو اپنا مسکن کیوں بنایا۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ یہودی اپنے پیغمبروں کی زبانی سن چکے تھے اور یہ تورات میں بھی مرقوم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ''عہد'' کو بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسماعیل) میں پھر زندہ کرے گا اور مدینہ منورہ (یثرب) آخری نبی کا دارالہجرت ہوگا اور یہ دعوتِ الٰہی کا مرکز بنے گا، نیز حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور موسیٰ علیہم السلام کے اعلانِ حق کو اس آخری نبی ﷺ کے ہاتھوں سربلندی نصیب ہوگی، چنانچہ یہود کے صاحب عقل طبقے اور کاہنوں کی ایک جماعت کو حجاز مقدس ہی میں اپنی پناہ گاہ نظر آئی اور وہ آخری نبی کے انتظار اور اپنے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کی امید لگائے سرزمینِ حجاز میں آبسے، تاکہ اللہ کا وعدہ ان میں سے ہی پورا ہو۔ عہد نامہ عتیق میں یسعیاہ نبی کے صحیفے میں لکھا ہے: ''اے جزیرہ اور اس کے باشندو! خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ۔ زمین پر سرتاسر اس کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار (فرزندِ اسماعیلؑ) کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سلع کے بسنے والے گیت گائیں...... ہاں وہ للکارے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا''۔ اس عبارت میں بنی قیدار کا ذکر بہت کچھ عیاں کر رہا ہے اور جبلِ سلع ایک روشن شہادت کے طور پر مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں موجود ہے۔ (سید سلیمان ندوی نے تاریخ ارض القرآن میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مدینہ منورہ کے قبائل اوس وخزرج بھی آل عدنان تھے یعنی قیدار اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے) پھر وہ ''نیا گیت'' کون سا ہے؟ یہ ایسی ''شریعت'' اور ایسے نبی کی بشارت کا ذکر ہے جس کا تعلق حجاز سے ہے۔ قرآن کریم ایک زندہ تاریخی شہادت کے طور پر کہتا ہے: ''اور جب ان (یہود) کے پاس اللہ کی جانب سے کتاب (قرآن) آئی جو اس (کتاب یعنی تورات و دیگر صحف) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے وہ (یہود) (آخری نبی کے نام سے) کافروں پر فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے، پھر جب ان کے پاس جانی پہچانی بات (محمدؐ کی نبوت کی شکل میں) آ پہنچی تو اس کا انکار کرنے لگے۔ سو اللہ کی لعنت ہو انکار کرنے والوں پر''۔ (البقرہ، آیت: 89)۔

جب ان اہل کتاب (یہود) کی یثرب کے بت پرستوں سے لڑائی ہوتی تھی تو وہ ان کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے کہ ''اے اللہ! نبی منتظر کو جلد بھیج تاکہ ہم اس سے مل کر بت پرستی کا قلع قمع کر دیں''۔ لیکن جب وہ نبی منتظر (ﷺ) مبعوث ہوئے تو یہود کو شیطانی حسد نے آ گھیرا کہ یہ پیغمبر اسماعیلی کیوں ہیں، اسرائیلی کیوں نہیں؟'' اس کے بعد یہود نے اسلام دشمنی کا جوروّیہ اپنایا، اس کے نتیجے میں انہیں مدینہ منورہ اور عرب سے نکال دیا گیا۔ مدینہ کا یہودی سردار کعب بن اشرف نسلاً عرب تھا۔ اس کے باپ کا تعلق قبیلہ طے سے تھا جس نے یہودی قبیلہ بنو نضیر کی ایک عورت سے شادی کر لی تھی اور اس کی نشوونما بطور یہودی ہوئی تھی۔ یہ شیطان صفت اپنی بدخصلتوں کے باعث مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ محمد انیس الرحمٰن نے تاریخ کے ایک اور راز سے پردہ اٹھایا ہے کہ بحیرہ کیسپین اور بحیرہ اسود کے درمیان بسنے اور شیطان کی پوجا کرنے والی قوم خزر (''خزار'' نہیں) نے اپنا سلسلہ نسب ترک قبائل سے توڑ کر اپنے ابراہیمؑ کی نسل سے ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ 740ء میں شاہِ خزر بولان نے یہودیت قبول کر لی۔ یہ خزری یہودی اشکنازی کہلاتے ہیں جو نیلی آنکھوں اور سفید چمڑی والے تھے۔ ایک ڈیڑھ صدی بعد روسیوں نے خزری یہودی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو ان کی بڑی تعداد پولینڈ اور ہنگری کی طرف نکل گئی۔ انہی خزری (اشکنازی) یہودیوں نے بعد میں صہیونیت کی بنیاد رکھی جبکہ وہ بینکوں کے ذریعے سے یورپ وامریکہ کے مالیاتی نظام اپنے قبضے میں لا چکے تھے اور دوسری جنگ عظیم کے بعد انہوں نے تاریخ کی سیاہ ترین جعلسازی اور دہشت گردی کر کے فلسطین کو اسرائیل کا نام دے دیا۔

امیر حمزہ

برطانیہ میں محمد نام.....نمبرون

یہ برطانیہ کا محکمہ شماریات ہے اس محکمے کے کاموں میں ایک کام یہ بھی ہے کہ برطانیہ میں ہر سال جتنے بچے پیدا ہوتے ہیں یہ محکمہ ان کا ریکارڈ رکھتا ہے۔ ان کے ناموں کا بھی ریکارڈ رکھتا ہے کہ کتنے بچوں کے کون سے نام رکھے گئے، کتنے بچوں کے نام "ٹونی" رکھے گئے۔ کتنے بچوں کے نام ہاورڈ رکھے گئے۔ کتنے بچوں کے نام ڈیوڈ رکھے گئے اور کتنے بچوں کے نام جوزف رکھے گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ برطانوی معاشرے میں لوگ زیادہ نام کونسا رکھتے ہیں۔ اس سے یہ بھی علم ہو جاتا ہے کہ لوگوں کا سب سے زیادہ پسندیدہ نام کونسا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو نام پسندیدہ ہے اس نام سے لوگ محبت کرتے ہیں۔

برطانیہ کا محکمہ قومی شماریات بتلاتا ہے کہ پچھلے چودہ سالوں کا ریکارڈ یہ رہا ہے کہ برطانیہ کے لوگ "جیک" نام بہت رکھتے تھے اور یہ نمبر 1 تھا۔ یاد رہے! جیک، جیکب سے ماخوذ ہے، یعقوب کو انگریزی میں جیکب کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں جیکب آباد کا شہر ایک انگریز نے آباد کیا تھا، جس کا نام جیکب تھا۔ اس جیکب کو پیار سے جیک کہہ دیا جاتا ہے۔ محکمہ شماریات بتلاتا ہے کہ یہ نام برطانیہ کے لوگوں کا پسندیدہ تھا، مگر اب جو تازہ اعداد و شمار سامنے آئے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ نام اپنی پہلی پوزیشن کھو بیٹھا ہے، اب پہلی پوزیشن کس نام نے لی ہے؟

ذرا اے قارئین کرام! جگر تھام کر سنیے۔ دل کی خوشی و مسرت سے پڑھیے کہ یہ نام "محمد" ہے۔ ہاں ہاں نام محمد نے پہلی پوزیشن حاصل کر لی ہے۔ اس کا اعلان برطانیہ کے محکمہ قومی شماریات کے دفتر سے کیا گیا ہے، اس سے کئی باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ! برطانیہ میں باہر سے گئے مسلمان لوگ بچے تیزی سے پیدا کر رہے ہیں اور وہ اپنے بچوں کے نام "محمد" رکھ رہے ہیں۔ اس معاملے میں وہ نومسلم انگریز خواتین بھی پیچھے نہیں جو مسلمان ہوتی ہیں تو فوراً اسلامی معاشرے میں شامل ہو کر اپنی اسلامی معاشرتی زندگی کا آغاز کر دیتی ہیں۔ تو وہ کثرت کے ساتھ بچے پیدا کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ کثرت کے ساتھ "محمد" نام رکھنے میں یہ انگریز خواتین سب سے آگے جا رہی ہیں۔ مسلمان عورتوں کی نسبت ان کے جذبے اس ضمن میں زیادہ پر جوش اور جوان ہیں۔

قارئین کرام! آئیے ہم آپ کو تعداد بھی بتلادیں۔ جو مقابلہ ہوا ہے اس کے مطابق جیکب نام دوسری پوزیشن بھی حاصل نہیں کر سکا بلکہ دوسری پوزیشن پر جو نام ہے وہ نام "الیور" ہے، کیونکہ 7 ہزار 364 بچوں کا یہ نام برطانیہ میں رکھا گیا اور جو نام اول آیا..... وہ نام "محمد" ہے۔ یہ جتنے بچوں کا نام رکھا گیا، ان کی تعداد 7 ہزار 549 ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انگریز مسلمان ماؤں اور باقی مسلمان ماؤں نے بچے تو یقیناً زیادہ جنم دیئے مگر جن کے نام محمد رکھے گئے، ان کی تعداد ساڑھے سات ہزار سے زیادہ ہے۔ قارئین کرام! برطانیہ میں سب سے پہلا شخص جس نے نام محمد کی گستاخیاں کیں وہ وہیں چھپا بیٹھا ہے۔ موجودہ اعداد و شمار سے اس ناپاک شیطان رشدی کے بوتھے پر یقیناً طمانچہ لگا ہو گا۔ جب برطانیہ کے اخبارات میں اس خبر کو شیطان رشدی نے پڑھا ہو گا۔ سلمان رشدی کو میں شیطان گمراہی کہوں گا..... اس نے نام محمدؐ کے حوالے سے گمراہی پھیلانے کی کوشش کی۔ اللہ نے اس شیطان کی گمراہی کو شیطان کے ساتھ ہی سکیورٹی کے نام پر زنجیروں میں جکڑ کر رکھ دیا اور برطانیہ کے گلی کوچوں سے نام محمدؐ یوں بلند کر دیا کہ گھر گھر میں انگریز مسلمان مائیں اپنے بچے کو لاڈ پیار کرتے ہوئے محمد محمد کہہ رہی ہیں۔ یوں نام محمد برطانیہ کے بیڈ روم میں۔ لاؤنج میں، لان میں، گلی کوچوں میں، بازاروں میں، سکولوں میں، کالجوں میں اور یونیورسٹیوں میں گونج رہا ہے اور اب اس گونج میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ (ان شاءاللہ)

واہ میرے مولا واہ! اپنے پیارے حبیب اور خلیل حضرت محمد کریمؐ کی توہین کا بدلہ..... آپ مولا کریم نے یوں لیا کہ اپنے محبوب کے نام کو اتنا محبوب بنا دیا کہ ہر ماں نام محمد رکھ رہی ہے۔ قارئین کرام! یہ خبر پڑھ کر میرا دل چاہا کہ جس عظیم ہستی کے نام پر یہ نام رکھا جا رہا ہے۔ اس عظیم ہستی کے محبوب رویے جنہیں اب "دارالاندلس" نے انگریزی زبان میں شائع کر دیا ہے۔ اس کتاب "رویے میرے حضورؐ کے" کو ہر انگریز کے گھر میں پہنچا دوں۔ دنیا میں ہر جگہ انگریزی کا غلبہ ہے۔ ہر جگہ اس کتاب کو پھیلا دوں تا کہ یہ لوگ جب میرے حضورؐ کے رویوں کو ملاحظہ کریں تو ان کے دلوں میں حضورؐ کی محبت اور بڑھ جائے اور یوں نام محمد دنیا بھر میں ایسا پھیلے کہ برطانیہ کے بعد سارے جہان میں نمبر 1 ہو جائے۔ خاص طور پر!

امریکہ میں نمبرون

آسٹریلیا میں نمبرون

کینیڈا میں نمبرون

جنوبی افریقہ میں نمبرون

ہاں ہاں! ان مندرجہ بالا علاقوں میں سرکاری زبان انگریزی ہے، اس لئے میں نے ان علاقوں کے نام لکھے۔ باقی سارے جہان میں بھی ہو نمبرون!

"رویے میرے حضورؐ کے"..... اس کا ترجمہ فرخ جمیل صاحب نے کیا۔ وہ انگریزوں کے ملکوں میں رہے۔ نیٹ اور ویب سائٹ کے بادشاہ ہیں۔ ریسرچ اور تحقیق ان کی خوب ہے۔ میں نے ان سے پوچھا، فرخ صاحب! آپ نے کتاب اب پڑھ لی ہے، اب یہ بتلایئے! کہ اگر اس جیسی کوئی کتاب انگریزی میں پہلے ہی موجود ہو تو پھر ہمیں ترجمے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر نہیں ہے تو پھر ہم یہ کام کرتے ہیں..... انہوں نے کہا، حمزہ صاحب! میری نظر اسلامی ویب سائٹس پر خوب ہے، کتابیں بھی علم میں ہیں، میرے علم کے مطابق ایسی کتاب بالکل نہیں۔ خاص طور پر موجودہ دور میں خاکوں کے جواب میں تو ایسی دستاویزی کتاب ابھی تک نہیں لکھی گئی۔ اس پر میں نے عرض کی کہ کام شروع کر دیں، اور آج الحمدللہ یہ کام منظر عام پر آچکا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ انگریزی میں اس کتاب کا ترجمہ نام محمد کو سارے جہاں میں پھیلا دے۔ (آمین)

قارئین کرام! برطانیہ کا ٹونی بلیئر بھی آج کل بڑا پریشان ہو گا کہ اس کی سالی "لورین" نے بھی نام محمدؐ کا کلمہ پڑھ لیا ہے اور وہ تبلیغ بھی کرتی پھر رہی ہے۔ لورین کے ہاں اگر کل کو بچہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کا نام محمد رکھ کر لوریاں دیتی ہے تو ٹونی بلیئر اور اس کی بیوی شیری کو..... لورین کے بچے کو بہر حال گود میں اٹھانا ہو گا۔ محمد نام کو پکار کر پیار کرنا پڑے گا۔ بوسہ لینا پڑے گا اور جب وہ کھیلنے لگے گا تو ٹونی اور شیری کے بچوں کو اس کے ساتھ کھیلنا ہو گا اور اگر شیری کا بچہ اپنے کزن محمد سے ہار گیا تو بچے یہی کہیں گے، محمد جیت گیا، ٹونی کا بیٹا ہار گیا..... ہاں ہاں! مستقبل یہی ہے صاف نظر آ رہا ہے، واضح دکھائی دے رہا ہے:

(1) جیت میرے حضور محمد کریمؐ کے دین کی ہے

(2) فتح قرآن کی ہے

(3) غلبہ سچے اور پکے محمدیوں کا ہے

(ان شاءاللہ)

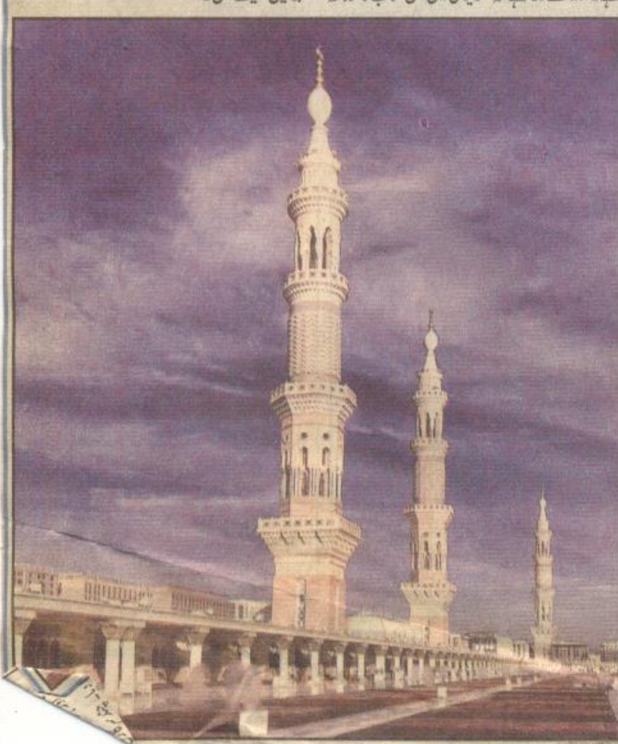
آیئے! "رویے میرے حضورؐ کے" کو پھیلا کر اپنا حصہ ڈالیں..... قربانی کے دن ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادیں منانے کے ایام ہیں۔ میں صدقے اور قربان جاؤں..... کعبہ بنا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے مولا سے کچھ نہ مانگا..... مانگا تو بس "محمدؐ" مانگا، یہ عرض کر کے!

ربنا وابعث فیھم رسولا

رب ہمارے ان (مکہ والوں) میں ایک رسول بھیج دے۔

اس رسول گرامی کا نام "محمدؐ" ٹھہرا۔ اس بابرکت نام کو اب دنیا میں پھیلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ رب کا پروگرام یہی ہے، آیئے! اس پروگرام میں شامل ہو کر برکتیں سمیٹ لیں۔

Muhammad
Mercy for Mankind !



سچ بات کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ اور اگر تمہیں سچائی کا علم ہو تو اس کو جان بوجھ کر اپنے تک نہ روکے رکھو۔ (قرآن حکیم)

کرنیں

امن عامہ

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدینہ سے باہر کسی سفر میں جا رہے تھے کہ آپؓ نے ایسا منظر دیکھا کہ آپ کو اپنی سواری سے نیچے اتر جانا پڑا۔ آپ نے دیکھا کہ دو نوجوان آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ آپؓ نے اپنی سواری روکی اور ان کے پاس جا کر ان دونوں کو علیحدہ کر دیا۔ لڑنے جھگڑنے سے منع کیا اور اپنے سفر پر روانگی کے لئے چل پڑے۔ ابھی آپؓ چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ آواز آئی "یا اللہ میری مدد فرما"۔ آپ فوراً اس کی طرف مڑے اور فرمایا: "مدد آ گئی۔" یہ آواز دینے والا وہی نوجوان تھا جو کچھ دیر پہلے دوسرے نوجوان سے گتھم گتھا تھا۔ نوجوان نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں نے اس آدمی سے کپڑے کا سودا اس شرط پر کیا تھا کہ یہ مجھے کھوٹے درہم نہیں دے گا۔ میں نے اسے کپڑے دیدیئے لیکن اس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا اور مجھے کھوٹے سکے پکڑا دیئے۔ اب جو میں اسے وہ کھوٹے سکے واپس کر رہا ہوں تو یہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہے اور کھوٹے سکے واپس نہیں لے رہا۔ اس نے میرے منہ پر ایک طمانچہ بھی مارا ہے۔ شیر خدا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "سکے بدلوانے کی تم فکر نہ کرو یہ تو میری ذمہ داری ہے کہ میں کھوٹے سکوں کے بجائے کھرے سکے تمہیں دلوا دوں البتہ طمانچہ مارنے کا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے۔" نوجوان نے فوراً دو گواہ پیش کر دیئے جنہوں نے تصدیق کی کہ واقعتاً دوسرے نوجوان نے اس کو طمانچہ مارا ہے۔ اب مجرم کو حضرت علی تعالیٰ عنہ نے پکڑ لیا اور نوجوان سے کہا کہ تم بدلے میں اس کو اسی طرح طمانچہ مارو جس طرح اس نے تمہیں مارا تھا۔ نوجوان نے کہا "امیر المومنین! میں نے اسے معاف کر دیا۔" آپؓ نے فرمایا اس کا تمہیں اختیار ہے خواہ بدلہ لو یا معاف کر دو۔ بحیثیت حکمران کے میرا جو فرض تھا وہ میں نے ادا کر دیا۔ لیکن اس مجرم پر حکومت کا ایک حق ابھی بھی عائد ہے وہ یہ کہ اس نے معاشرے کے امن کو برباد کرنے کی کوشش کی اور وعدہ خلافی کی اور اپنی غلطی پر نادم ہونے کے بجائے طاقت کا استعمال کیا۔ حکومت اس حق کو نہیں چھوڑے گی۔ کیونکہ امن عامہ کو برقرار رکھنا اور کمزوروں کے حقوق کی حفاظت کرنا ایک اسلامی حکومت کا فریضہ ہے اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ اس مجرم کو درے لگائے جائیں۔ جس وقت مجرم کو درے لگائے جا رہے تھے تاریخ اس منظر کو اپنے حافظے میں محفوظ کر رہی تھی تاکہ امت مسلمہ اپنے ماضی کی اساس پر مستقبل کی تعمیر کر سکے۔ ☆☆

سچ بات کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ اور اگر تمہیں سچائی کا علم ہو تو اس کو جان بوجھ کر اپنے تک نہ روکے رکھو۔ (قرآن حکیم)

کرنیں

صدقہ جاریہ

نیک اعمال کا سارا سلسلہ صرف زندگی سے وابستہ ہے۔ انسان زندہ ہے تو نماز پڑھ سکتا ہے، روزہ رکھ سکتا ہے، قرآن پاک کی تلاوت کی سعادت حاصل کر سکتا ہے، اللہ کے دیئے ہوئے مال سے صدقہ خیرات سے غریب بھائیوں کی مدد کر سکتا ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کر سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کے حضور اپنے گناہوں سے توبہ کر سکتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم توبہ کر کے میری طرف رجوع کرو گے تو تمہاری زندگی کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے لیکن یہ سب کچھ اسی وقت تک کیلئے ہے کہ انسان کی زندگی اس کا ساتھ دے اور اس کیساتھ ساتھ توبہ کا موقع میسر آ جائے۔ لیکن جب آخری وقت آ گیا اور عالم نزع طاری ہو گیا تو پھر رجوع الی اللہ ہے نہ توبہ۔ موت کے بعد سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں پھر بندہ روزہ رکھ سکتا ہے نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ اپنی جمع شدہ دولت کو کسی مصرف میں لا سکتا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ مگر چند اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ مثلاً صدقہ جاریہ کہ کسی نے نہر کھدوا دی، کسی نے کنواں بنوا دیا یا کسی نے دینی درسگاہ میں کتابیں وقف کر دیں۔ یہ ایسے کام ہیں کہ جب تک لوگ ان سے استفادہ کرتے رہیں گے اسے اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ یا مثال کے طور پر کوئی کتاب تصنیف کر دی۔ یا لوگوں کو علم دین سکھایا یا تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو راہ ہدایت دکھا دی تو تعلیم دین اور رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ جب تک جاری رہے گا اسے ثواب ملتا رہے گا۔

آقائے نامدارؐ نے ارشاد فرمایا اور تیسری نیکی یہ ہے کہ انسان صالح اولاد چھوڑ کر دنیا سے جائے جو وفات کے بعد اپنے والدین کی مغفرت کیلئے دعا کرتی ہے۔ چونکہ والدین نے اپنی اولاد کو متقی بنانے کی کوشش کی تھی اس لئے جب تک وہ لڑکا زندہ رہے گا اس کی نیکیوں کا ثواب اس کے والدین کو ملتا رہے گا۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو صالح اولاد بھی ایک قسم کا صدقہ جاریہ ہے اور اس کا سلسلہ نسل در نسل چلتا رہتا ہے۔ عبادات کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ صدقہ جاریہ اور موت کے بعد بھی کام کرنے والی نیکیوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ لازماً ایک ایسا دن آنے والا ہے جس دن ہم منوں مٹی کے نیچے ہوں گے اور دنیا کا یہ کھیل تماشا جاری رہے گا۔ ☆☆

سچ بات کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ اور اگر تمہیں سچائی کا علم ہو تو اس کو جان بوجھ کر اپنے تک نہ روکے رکھو۔ (قرآن حکیم)

کرنیں

عبادت

قرآن مقدس کی رو سے انسان کی تخلیق بے مقصد نہیں ہے۔ بلکہ اس کی زندگی کا ایک واضح اور غیر مبہم مقصد ہے، اور وہ ہے "عبادت"۔ لفظ "عبادت" سے ذہن فوراً کچھ ایسے معمولات کی طرف جاتا ہے۔ جو عام طور پر عبادت کے حوالے سے "متعارف" ہیں۔ ان معمولات کے عبادت میں ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں تصور عبادت ایک وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ لغتِ عرب میں انتہائی انکساری اور عاجزی کو "عبادت" کہا جاتا ہے۔ امام راغب اصفہانی کہتے ہیں عبادت کا معنی ہے غایۃ التذلل یعنی انتہاء درجہ کی انکساری، صاحب لسان العرب ابن منظور لکھتے ہیں: معنی العبادۃ فی اللغۃ الطاعۃ مع الخضوع۔ عبادت کے معنی ایسی اطاعت کے ہیں جس میں خضوع پایا جائے۔

گویا کہ لفظ "عبادت" اپنی ذیل میں انتہائی عاجزی، انکساری اور اظہار فروتنی کا مفہوم رکھتا ہے۔ قرآن مقدس میں عبادت کا متضاد لفظ "تکبر" استعمال ہوا ہے۔ ☆ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ سب جہنم میں داخل ہونگے۔ (المومن) ☆ اور جسے اللہ کی عبادت سے عار ہو اور وہ تکبر کرے تو اللہ ان سب کو جلد ہی اپنے ہاں جمع کرے گا۔ (النساء)

عبادت کا اصل مفہوم عاجزی اور انکساری ہے۔ لیکن جب اس کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہو تو اس میں محبت والفت کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یعنی عبادت الٰہی وہ عاجزی اور انکساری ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت الفت میں وارفتہ ہو کر کی جائے۔ امام ابن کثیر کہتے ہیں: عبادت کے لغوی معنی پست ہونے کے ہیں۔ کہتے ہیں "طریق معبد" یعنی وہ راستہ جو پامال ہوتا ہو۔ "بعیر معبد" وہ اونٹ جو سرکشی چھوڑ کر مطیع و فرمانبردار بن گیا ہو۔ شریعت میں اس سے مراد ایسی کیفیت ہے۔ جس میں انتہائی محبت کے ساتھ انتہائی خضوع اور خوف شامل ہو۔" (تفسیر ابن کثیر) علامہ ابن قیم لکھتے ہیں۔ "عبادت کے دو جز ہیں۔ انتہائی محبت اور انتہائی عاجزی اور انتہائی پستی کے ساتھ"۔

گویا کہ عبادت زبردستی کی عاجزی یا انکساری کا نام نہیں بلکہ دل کے میلان کا نام ہے، جو پورے شعور سے ایک بالاتر ہستی کا اعتراف کرے، اس کے جمال کی محبت سے سرشار ہو کر اور اس کے جلال کی ہیبت سے مرعوب ہو کر پوری آمادگی کے ساتھ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، اور یہ جذبۂ تسلیم و رضاء چند معمولات و رسومات تک محدود نہیں بلکہ پوری انسانی زندگی کے تمام اعمال کو محیط ہے۔ ہر وہ عمل جو اللہ کے عطاء فرمودہ ضابطے کے مطابق ہو اور جس کا منشاء و مقصود رضائے الٰہی ہو "عبادت" ہے۔ ☆☆

سچ بات کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ اور اگر تمہیں سچائی کا علم ہو تو اس کو جان بوجھ کر اپنے تک نہ روکے رکھو۔ (قرآن حکیم)

کرنیں

دانشمند

مجلس نبویؐ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت عبدالرحمان بن عوف اور عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے اجل صحابہ اور اکابر حاضر ہیں۔ چشم فلک نے نہ تو کبھی ایسا میر مجلس دیکھا نہ ایسے پاکیزہ و مقدس شرکاء مجلس۔ اس مجلس میں ایک انصاری نوجوان داخل ہوا اور سلام کر کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد سوال کیا: یا رسول اللہؐ سب سے بہتر مسلمان کون ہے؟ ارشاد ہوا: سب سے بہتر وہ مسلمان ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں۔ عرض کیا: سب سے زیادہ دانشمند اور ذہین کون ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ سمجھدار وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا اور موت کی تیاری کرنے والا ہو یعنی یہ تصور ہر وقت اس کے سامنے ہو کہ دنیا کی یہ فانی زندگی ایک دن ساتھ چھوڑ دے گی۔ عزیز واقارب، مال و دولت، جاہ و مرتبہ کوئی چیز ساتھ جانے والی نہیں، صرف انسان کے اپنے اعمال ہوں گے جو اس کے ساتھ جائیں گے۔ لہٰذا عقلمند لوگ آخرت کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔ حضورؐ کا جواب سن کر انصاری نوجوان خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد آپؐ مجلس سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا: پانچ خصلتیں نہایت خطرناک ہیں، اللہ تم کو ان سے اپنی پناہ میں رکھے اور ان کے دیکھنے سے تم محفوظ رہو۔

☆ جس قوم میں بے حیائی کھلم کھلا پھیل جائے اس قوم میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو پہلے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ ☆ جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے وہ قحط سالی اور مشقتوں میں مبتلا ہوتی ہے اور ظالم بادشاہ ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ ☆ جو قوم زکوٰۃ ادا نہیں کرتی اس سے بارش روک لی جاتی ہے اگر جانور نہ ہوتے تو وہ بالکل ہی بارش سے محروم کر دی جاتی۔ ☆ جو قوم اللہ اور اس کے رسول سے کئے ہوئے عہد کو توڑتی ہے اللہ اجنبی دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے اور غیر قوم کے لوگ اس سے وہ سب کچھ چھین لیتے ہیں جو اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ☆ جب علماء اور حکام کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرنے لگیں اور متکبر و سرکش ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ آپس میں پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس وقت کو دیکھنے سے تمہیں محفوظ رکھے۔ ☆☆

سچ بات کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ اور اگر تمہیں سچائی کا علم ہو تو اس کو جان بوجھ کر اپنے تک نہ روکے رکھو۔ (قرآن حکیم)

کرنیں

صلہ، انعام

ہشام ابن عبدالملک بڑی شان و شوکت کے ساتھ زندگی گزارتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ شام کے رؤسا کے ساتھ حج کے لئے گیا۔ حج میں سب سے زیادہ بھیڑ حجر اسود پر بوسہ دینے کے وقت اور شیطان کو کنکریاں مارنے کے وقت ہوتی ہے۔ حجاج کرام جب خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول رہتے ہیں تو انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔ کون امیر ہے، کون غریب کون بادشاہ ہے کون رعایا، کوئی نہیں دیکھتا سب اسی دھکے میں مصروف طواف رہتے ہیں۔ ہشام ابن عبدالملک بھی طواف کے دوران تین مرتبہ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھا لیکن ہجوم کے دباؤ کی وجہ سے حجر اسود کے قریب نہ پہنچ سکا اور دھکے کھاتا ہوا بے نیل و مرام واپس چلا آیا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحبزادہ گرامی امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ طواف کرتے ہوئے حجر اسود کے سامنے پہنچے تو مجمع خود بخود ہٹ گیا۔ امامؓ تشریف لے گئے اور اطمینان سے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ ہشام ابن عبدالملک کے ساتھ جو شامی امراء تھے وہ اس واقعہ سے بہت تلملائے اور ہشام سے پوچھا کہ یہ کون آدمی ہے جس کا لوگوں کے دلوں میں اتنا احترام ہے۔

ہشام ابن عبدالملک امام زین العابدینؒ کو پہچانتا تھا لیکن خفت اور شرمندگی کی وجہ اس نے کہہ دیا میں نہیں جانتا یہ کون آدمی ہے اس کے پاس ہی عربی کا مشہور شاعر فرزدق کھڑا تھا اس نے برجستہ امام زین العابدینؒ کی شان میں ایک طول قصیدہ ہشام ابن عبدالملک کے سامنے پڑھا جس میں یہ واضح کیا کہ امام کی ذات وہ ذات ہے کہ جس کے قدموں کی آہٹ کو مکہ کی پہاڑیاں پہچانتی ہیں۔ اگر تو ان کو نہیں پہچانتا تو نہ پہچان انہیں عرش و کرسی، لوح و قلم، کعبہ و رب کعبہ سب پہچانتے ہیں۔ فرزدق نے جب یہ قصیدہ ہشام ابن عبدالملک کے سامنے پڑھا تو غصے میں سوائے اس کے اس سے کچھ نہ بن پڑا کہ فرزدق کو گرفتار کر کے جیل میں ڈلوا دیا۔ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس بات کی اطلاع ملی کہ ان کی قصیدہ گوئی کی پاداش میں فرزدق کو جیل میں ڈال دیا گیا ہے تو انہوں نے اشرفیوں کی ایک تھیلی بطور انعام فرزدق کے پاس بھیجی۔ فرزدق نے وہ انعام امامؓ کے پاس واپس کر دیا۔ اور جواب میں لکھا کہ میں دنیا میں آپ سے انعام نہیں لینا چاہتا۔ حشر کے دن میں اپنا انعام شفاعت کی صورت میں انشاء اللہ آپ کے نانا سے لے لوں گا۔ ☆☆

سچ بات کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ اور اگر تمہیں سچائی کا علم ہو تو اس کو جان بوجھ کر اپنے تک نہ روکے رکھو۔ (قرآن حکیم)



توبہ

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدمؑ سے جب تقصیر ہوئی اور جنت سے نکالے گئے تو آپؑ توبہ قبول ہونے کی دعاؤں میں مصروف تھے کہ اتنے میں یاد آگیا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا تو اس وقت انہوں نے اپنا سر عرش عظیم کی طرف اٹھایا تھا کہ وہاں کلمہ طیبہ لکھا دیکھا تو معلوم کر لیا تھا کہ محمد عربی کوئی بہت بڑے درجے والے ہوں گے جن کا اسم گرامی خدا کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے' اس لئے عرض کیا: یاالٰہی مجھے محمدؐ کے لحاظ سے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے آپؑ کو محمدؐ کے لحاظ سے بخش دیا۔ پھر فرمایا تجھے کیسے معلوم ہوا؟ حضرت آدمؑ نے عرض کیا: میں نے پیدا ہونے کے بعد عرش عظیم پر تیرے نام کے ساتھ یہ عظیم نام دیکھا تھا۔ پروردگار عالم نے فرمایا: محمدؐ تیری اولاد سے آخری نبی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدمؑ توبہ کی قبولیت کے وقت مکہ مکرمہ کے سامنے کھڑے ہوئے' پھر دو رکعت نماز پڑھی' پھر پروردگار عالم کی بارگاہ میں دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔ توبہ قبول ہونے کے بعد حضرت آدمؑ عرفات میں آئے' بی بی حواؑ بھی جدہ سے عرفات پہنچیں' دونوں کی توبہ قبول ہوئی۔ رنج واندوہ اور گریہ زاری کے باعث دونوں کے رنگ سیاہ ہو چکے تھے' ایک دوسرے کو پہچان نہ سکے۔ جبریلؑ نے تعارف کرایا' اسی لئے اس میدان کا نام عرفات مشہور ہے۔ حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: یاالٰہی ابلیس اور میرے درمیان عداوت محکم ہوگئی' تو میری اور میری اولاد کی اعانت فرما ورنہ ہماری قدرت مقابلہ کی نہیں ہے۔ حضرت آدمؑ کی دعا کے جواب میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تیری اولاد جب پیدا ہوتی جائے گی اس کے ساتھ ایک فرشتہ اپنے فرشتوں میں سے مقرر کریں گے تاکہ اس کو وسوسہ دشمن سے منع کرے۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا: اے پروردگار میں اس سے بھی زیادہ اعانت چاہتا ہوں۔ فرمایا: آپ کی اولاد کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا جب تک روح بدن میں ہوگی توبہ قبول ہوتی رہے گی۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا: اب مجھے اطمینان ہوا۔☆☆

سچ بات کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ اور اگر تمہیں سچائی کا علم ہو تو اس کو جان بوجھ کر اپنے تک نہ روکے رکھو۔ (قرآن حکیم)



خادم

حاجیوں کا ایک قافلہ مکہ معظمہ کی طرف جا رہا تھا کہ صحرا میں ایک بوڑھے نے قافلے کو روک کر قافلے والوں سے دریافت کیا کہ تمہارے درمیان حضور نبی کریمؐ ہیں اور جب اسے آپؐ کے وصال کی اطلاع ملی تو وہ زارو قطار رونے لگا۔ اس قافلے میں حضرت عمر فاروقؓ بھی تھے۔ قافلے والوں نے اس بوڑھے کو بتایا کہ حضور نبی کریمؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے اور جب ان کی بھی وفات ہوئی تو جناب فاروق اعظمؓ خلیفہ بنے۔ تب وہ بوڑھا حضرت عمر فاروقؓ سے ملا اور آپؓ کی خدمت میں عرض کی کہ میرا نام ابوعقیل ہے' مجھے حضور نبی کریمؐ نے دعوت اسلام دی تھی اور میں آپؐ کے دست مبارک پر ایمان لایا تھا۔ مجھے آپؐ نے خود بی کر ستو بھی پلایا تھا۔ اس کا اثر یہ ہے کہ میں اب بھی بھوک اور پیاس کے عالم میں اس کی سیری و سیرابی کو محسوس کرتا ہوں۔ قبول اسلام کے بعد بکریوں کا ایک گلہ لے کر میں صحرا میں چلا آیا۔ اسے چراتا اور اپنے بال بچوں کی پرورش کرتا تھا۔ میں نماز پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں مگر اس سال ایسی وبا آئی کہ میری ساری بکریاں مرگئیں' ان میں سے ایک زندہ بچی تھی اسے بھیڑیا اٹھا لے گیا۔ فریادی ہوں، آپ میری دستگیری فرمائیں۔ خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی بات سنی، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے میں چل رہا ہوں، آگے پانی کا چشمہ ہے وہاں مجھ سے ملاقات کرو۔ چشمہ پر پہنچ کر آپ اونٹنی کی لگام پکڑے بوڑھے کا انتظار کرتے رہے لیکن جب بوڑھا نہ پہنچا تو آپ نے چشمہ کے محافظ کو حکم دیا کہ بوڑھا آئے تو اس کی اور اس کے تمام اہل و عیال کی کفالت کرنا۔ حج سے واپسی پر میں اس کا مستقل انتظام کردوں گا۔ حج سے واپسی پر سیدنا فاروق اعظمؓ حسب وعدہ چشمہ پر پہنچے تو وہاں سوائے بوڑھے ابوعقیل کے سب لوگ موجود تھے۔ آپ کے دریافت کرنے پر چشمے کے محافظ نے بتایا کہ آپ کے جانے کے تیسرے دن وہ بوڑھا ابوعقیل آیا تھا، اسے سخت بخار تھا۔ تین دن کے بعد اس کی وفات ہوئی۔ خلیفہ زارو قطار روتے ہوئے اس کی قبر پر تشریف لے گئے کہ میں ایک ایسے صحابی کی خدمت نہ کر سکا جس کو حضور نبی کریمؐ نے خود پی کر ستو پلایا تھا۔ پھر اس کے اہل وعیال کو اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے گئے اور آپ جب تک زندہ رہے ان کی کفالت کرتے رہے کہ مسلمانوں کا حکمران مسلمانوں کا خادم ہوتا ہے۔☆☆

سچ بات کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ اور اگر تمہیں سچائی کا علم ہو تو اس کو جان بوجھ کر اپنے تک نہ روکے رکھو۔ (قرآن حکیم)



محبوب عمل

حضرت ابوالدرداؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''باپ جنت کا دروازہ ہے' اب تمہیں اختیار ہے کہ اس کی حفاظت کرو۔'' صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص نے حضور کریمؐ سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر ادا کرنا۔ اس شخص نے دریافت کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ اچھا سلوک۔''

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ سرور عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کیلئے ماں باپ کا فرمانبردار رہا' اس کیلئے جنت کے دو دروازے کھلے رہیں گے' اور جو اُن کا نافرمان ہوا' اس کیلئے جہنم کے دو دروازے کھلے رہیں گے۔ اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک ہی تھا تو ایک دروازہ جنت کا یا دوزخ کا کھلا رہے گا۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ یہ جہنم کی وعید کیا اس صورت میں بھی ہے کہ ماں باپ نے اس شخص پر ظلم کیا ہو؟ تو آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا بے شک ظلم کیا ہو۔ یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ان کو ایذارسانی پر جہنم کی وعید ہے' خواہ ماں باپ نے ہی بیٹے پر ظلم کیا ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاد کو ماں باپ سے انتقام لینے کا کوئی حق نہیں کہ انہوں نے ظلم کیا' تو یہ بھی ان کی خدمت و اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں۔ حضرت ابوامامہؓ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول کریمؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ دونوں ہی تیری جنت یا دوزخ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جاتی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضگی دوزخ میں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو خدمت گزار بیٹا اپنے والدین پر رحمت و شفقت سے نظر ڈالتا ہے' بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ''وہ دن میں سو مرتبہ اس طرح نظر ڈالے'' تو آپؐ نے فرمایا: ''ہاں سو مرتبہ بھی (ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا)۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی۔''☆☆

سچ بات کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ اور اگر تمہیں سچائی کا علم ہو تو اس کو جان بوجھ کر اپنے تک نہ روکے رکھو۔ (قرآن حکیم)

کرنیں

بدلہ

خیرالمجالس میں خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ نے ایک عورت کا ایک خواب درج کیا ہے کہ اس کے والدین وفات پا چکے تھے اس نے عجیب خواب دیکھا اور گھبرائی ہوئی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی عرض کیا کہ سیدہ! میرے والدین وفات پا چکے ہیں۔ میں نے گزشتہ شب ایک بھیانک خواب دیکھا کہ حشر کا میدان ہے اور میں چلی جارہی ہوں چلتے چلتے مجھے دو پگڈنڈیاں نظر آئیں۔ میں ایک پگڈنڈی پر چلنے لگی۔ آگے چل کر میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا حوض ہے اور اس حوض پر میرا والد کھڑا ہوا خود بھی پانی پی رہا ہے اور آنے جانے والوں کو بھی پلا رہا ہے۔ میں نے حوض کے مجمع پر غور کیا تو اس میں کافی تعداد میں میرے اہل خاندان تھے مگر یہ دیکھ کر میں سخت مایوس ہوئی کہ اس مجمع میں میری والدہ نہیں تھیں۔ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ اماں کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ پتہ نہیں کہاں ہیں میرے ساتھ تو نہیں ہے شاید وہ دوسری طرف چلی گئی ہو۔ والد کے اس جواب نے مجھے اور زیادہ بے چین کردیا میں نے تھوڑا سا پانی پیا برف سے زیادہ ٹھنڈا شہد سے زیادہ میٹھا اور میری پیاس بجھ گئی اب میں دیوانہ وار اس جم غفیر میں اپنی والدہ کو ڈھونڈنے لگی کافی دور جانے کے بعد میں نے اپنی والدہ کو دیکھا کہ وہ ایک حوض کے کنارے کھڑی ہیں۔ پیاس سے اس کی زبان باہر آرہی ہے لیکن پانی نہیں پی سکتی پوچھا ماں! جب تو اتنی پیاسی ہے حوض ہے پانی ہے اور پیالہ بھی موجود ہے تو پانی کیوں نہیں پیتی؟ ماں نے جواب دیا کہ بیٹی میں کوشش کر رہی ہوں کہ پیالہ اٹھا کر پانی پی لوں مگر میرا ہاتھ ہی حوض تک نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا ٹھہر جا میں تجھے پلا دیتی ہوں میں نے جو پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میرا ہاتھ شل ہوگیا۔ اس کے فوراً بعد ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں سخت پریشان ہوگئی اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں کہ آپ اس کی تعبیر بتائیں۔ اتنے میں حضور نبی کریمؐ بھی تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ خواب آپؐ کی خدمت میں پیش کیا آپؐ نے فرمایا: عائشہ! اس عورت سے دریافت کرو کہ اس کے والدین کا کردار کیا تھا؟ عورت نے بتایا کہ میرا باپ بہت سخی تھا اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کیا کرتا تھا اور اس بات پر میری والدہ اس سے لڑتی جھگڑتی تھی تو سرکار دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کو اس کے عمل کا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ عورت کے والد کو اسکے عمل کا بدلہ اور اس کی والدہ کو اس کے عمل کا بدلہ۔☆☆

آدمی بے شمار ہیں مگر انساں کوئی نہیں

ثناء نیاز

میرا مختصر عقل و شعور ایک لمحے کو ڈگمگا رہا ہے کہ میں انسانیت کی معراج پہ بیٹھے اس انسان کے متعلق کیا کہوں کہ جس نے انسانیت سے نکل کر آدمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ وہ انسان جو اشرف المخلوقات کی مسند پہ بٹھایا گیا تھا اس نے ہر عہد میں انسانیت کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جب بھی دنیا میں ناحق قتل ہوئے انسانیت نے دم توڑا' جب عدل و انصاف کی زنجیریں ہلانے پہ انصاف نہ ملا تو انسانیت نے دم توڑا' جب سچ جھوٹ کے دبیز پردوں کی اوٹ میں چھپ گیا تو انسانیت نے دم توڑا' جب لوگوں نے مادیت پرستی کو بنیادی اخلاقی قدروں پہ ترجیح دی تو انسانیت نے دم توڑا' جب حوا کی بیٹی خود پہ ہونے والے مظالم پہ روتی بلکتی رہی تو اور بالآخر جب اسے اپنے حق سے دست بردار ہونا پڑا انسانیت نے دم توڑا' جب لوگوں کے دلوں میں احساس' پیار اور محبت کے جذبات کی جگہ بغض' کینہ اور حسد نے لے لی تو انسانیت نے دم توڑا' جب جابر و ظالم حکمرانوں نے ظلم و ستم کی انتہا کردی تو انسانیت نے دم توڑا اور پھر صد افسوس کہ چاند ستاروں پہ کمندیں ڈالنے والا انسان یہ فراموش کر بیٹھا کہ

بستیاں چاند ستاروں پہ بسانے والو
کرۂ ارض پر بجھے چلے جاتے ہیں چراغ

رب تعالیٰ نے تو اس کائنات میں اس لئے بھیجا تھا کہ انسان اس پاک ذات کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرے گا' اس کائنات کو محبت' خلوص اور امن و آشتی کا گہوارہ بنائے گا۔ اسی مقصد کیلئے زمیں پہ لوگوں کی ہدایت کیلئے انبیاء کرام اور رسل تشریف لائے جنہوں نے لوگوں کی ہدایت کے راستے کی طرف رہنمائی کی اور پھر کفر و جہالت کی اندھیر گھائی میں حق و سچ کے آفتاب سے جہانوں کو منور و فیض یاب کرنے والے محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ امن و آشتی' اتفاق و اتحاد' اخوت و بھائی چارہ' اعلیٰ اخلاقی اقدار' عدل و انصاف اور سب سے بڑھ کر احترام انسانیت کا پیغام لائے۔ آپ ﷺ نے ظلم کی چکی میں پستی حوا کی بیٹی کو حقوق دلائے تو غلاموں کو جینے کا حق بھی دیا۔ وقت کے بہتے دھارے میں صرف رسم و رواج' روایات و اقدار ہی نہیں بدلتیں بلکہ احساس اور محبتیں بھی رخصت ہو جاتے ہیں۔ اب جہاں انسان جدید ترین ٹیکنالوجی اور دیگر تعیشات زندگی کا عادی ہو گیا ہے وہاں انسانیت موقوف ہوتی جا رہی ہے۔ آج انسان کی ترقی اور حفاظت ایٹمی میزائل بنانے میں ہے' مادیت پرستی کی پوجا کرنے میں ہے' کرپشن اور دو نمبر کام کرنے میں ہے' رشتوں کے ریشم کو الجھانے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں ہے۔ اب آدمی میں انسانیت کا عنصر اس قدر موقوف ہو چکا ہے کہ ڈھونڈے سے بھی کوئی انسان نظر نہیں آتا۔ احساس' پیار' خلوص' ایمانداری یہ سب ایسے اوصاف ہیں جو آدمی کو انسان بناتے ہیں لیکن آدمی نے بنیادی اخلاقی قدروں کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا۔ اس نے ظلم و ستم کی وہ داستانیں رقم کیں کہ آج بھی تاریخ کے اوراق پلٹیں تو مظالم کا یہ سلسلہ کسی بھی زمانے میں تھمتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ میں اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالوں تو انسانیت کی تذلیل کا ذمہ دار یہی آدمی ہی دکھائی دیتا ہے غرض یہ کہ دنیا میں آدمی تو بے شمار ہیں مگر انسان آدمی کی جہالت کے پیچھے کہیں گم ہو گئے ہیں۔

آدمی کو دو نوید کہ انساں مر گیا

عہدِ حاضر میں بستے ہوئے احساس سے عاری ہم لوگ آج صرف ذاتی مفادات کے متعلق ہی سوچتے ہیں اور یہی مفادات ہمیں ایک دوسرے سے ملنے پہ مجبور کرتے ہیں ورنہ نفسا نفسی کے اس دور میں کسی کے پاس دوسرے کیلئے وقت نہیں ہے۔ آج احساس مر گئے ہیں اور خوبصورت رشتے ناطے ایک دوسرے سے بیزاری' نفرت اور حسد کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ محبتوں' خلوص' پیار' نیک نیتی اور ایک دوسرے کے احساس میں رچے بسے لوگ اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ زندگی جیسی نعمت کا بھرپور انداز میں شکر ادا کرتے تھے اور تعلقات کو بخوبی نبھاتے تھے۔ لیکن آج وحشت و بربریت' بے سکونی و بے اطمینانی' ظلم و ناانصافی' جھوٹ و ریاکاری' غیبت و بدکاری' ہوس اور اخلاقی اقدار کی ناقدری انسان کے اوصاف بن چکے ہیں۔ زندگی کی حقیقی خوشیاں اور سکون انسانیت کی خدمت میں پوشیدہ ہے لیکن آج معدوم ہوتی انسانیت اپنے حال پہ ماتم کناں ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ بہت سا پیسہ ہونے کے باوجود بھی سکون جیسی نعمت عظیم سے محروم ہیں۔

میں ہوں اس دور کا سقراط مجھے زہر نہ دو
میں تو احساس کی تلخی ہی سے مر جاؤں گا

بقیہ رنگارنگ تقریب

سندھی لباس میں بچے بہت منفرد اور خوبصورت لگ رہے تھے حاضرین نے تمام صوبوں کی نمائندگی کرنیوالے بچوں کو بھرپور داد دی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وائس پرنسپل ثمر احمد نے کہا کہ اس تقریب کا مقصد بچوں میں تمام صوبوں اور اپنے وطن کی محبت کو اجاگر کرنا تھا اور بچوں میں اس بات کا شعور پیدا کرنا تھا کہ یہ تمام صوبے ہمارے ہیں اور ہمیں ان سے پیار ہے علاقائی اور روایتی لباس پہنانے کا مقصد یہ بھی تھا کہ بچوں کو اپنے روایتی ورثاء سے روشناس کروایا جا سکے اس لیے اس تقریب میں بچوں نے تمام صوبوں کی نمائندگی ان کے روایتی لباس پہن کر کی۔ تقریب کے اختتام پر جماعت ہشتم اور نہم کے طالب علموں نے قومی ترانہ پیش کیا۔

مکھی حلوہ...... برساتی مینڈک اور ماجد دی گڈی

طنز و مزاح

حافظ مظفر محسن
h.muzaffar@naibaat.com

ماجد ملک کی پھٹیچر گاڑی کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اسد نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے توبہ توبہ کرتے جو احوال بیان کیا۔ میں نے حمیدے باورچی کو فون کر کے درخواست کی سات دیگیں پکا کے اللہ کے نام پر قربان...... سوری تقسیم کردی جائیں کہ اب تو محلے کے بچے بھی "ماجد دی گڈی" دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں کہ وہ بند گاڑی کو دھکا لگانے کو کہے گا اور بچے تو پسینو پسین ہو جائیں گے، اس سخت گرمی میں مگر گاڑی سٹارٹ نہ ہو پائے گی......

ماجد ملک ہمارے مقبول عوامی راہنما سے شدید محبت کرتا ہے۔ عوامی راہنما سے آپ سمجھ گئے ہونگے...... نو نو...... آپ کا اندازہ درست نہیں...... جب سے...... قومی اسمبلی میں میاں نواز شریف نے شیخ رشید آف لال حویلی کی ایک مختصر مگر جامع تقریر میں اُن کو اپنی "اوقات" یاد دلائی۔ اُس وقت سے شیخ رشید صاحب کا "پارہ" مزید چڑھ چکا ہے اور اُن کی زبان شعلے برسا رہی ہے اور عوام شیخ رشید کی جلی کٹی باتیں سن کر "لوٹ پوٹ" ہو رہے ہیں...... یہاں بتاتا چلوں کہ میں نے "لوٹ پوٹ" والا محاورہ "لوٹے" سے لیا ہے۔ عجیب...... طرز عمل ہے موصوف کا، بات کریں گے ایثار کی...... ملکی ترقی کی...... صاف ستھری سیاست کی مگر اپنا سگار بھی صاف نہیں رکھتے۔

آپ نے کیا فرمایا......؟ عوامی راہنما رحمن ملک...... اِن لیڈروں کے بارے میں کہا جاتا ہے...... "برساتی مینڈک"...... یہ برساتی مینڈک...... بارشوں سیلابوں میں آتے ہیں...... کھلے پانیوں میں "گند" ڈالتے ہیں اور...... پھر...... پھریوں غائب ہوتے ہیں...... "جیسے خود گدھا"...... آپ سمجھ گئے ہونگے۔ آج کے گدھے بھی بڑے نازک مزاج ہو چکے ہیں، وہ بھی ڈالروں میں انعام وصول کرنا چاہتے ہیں اور اے سی میں سونا...... اُن کا خواب ہے۔

بالکل غلط...... عوامی راہنما...... اور آصف زرداری حضور...... محترم زرداری صاحب اب ایلیٹ کلاس میں شمار ہوتے ہیں۔ شاید دنیا کے چند امیر ترین لوگوں میں تو موصوف کا شمار ہو مگر "عوامی راہنما" کے طور پر وہ نہ کبھی جانے جاتے تھے نہ ہی وہ ایسا کہلانا پسند کریں گے؟۔ شاید نہیں، یقیناً اب تو وہ صدارت کے مزے بھی پانچ سال تک چکھ چکے ہیں البتہ ملک بھر میں یہ افواہیں گردش کر رہی ہیں کہ سندھ کے سابقہ گورنر پکے ہوئے جامن کی طرح عنقریب پیپلز پارٹی کی جھولی میں گرنے والے ہیں۔ عشرت العباد سے پہلے سلیم شہزاد جن کا نام کئی خطرناک کیسز میں پچیس سال پہلے کراچی کی گلیوں میں گونجتا تھا وہ بھی اچانک کراچی ائیرپورٹ نمودار ہو چکے ہیں جہاں سے انہیں سیدھا جیل بھیجا جا چکا ہے......!۔ میری بات پر یقین نہ آئے تو عوامی حلقوں میں جا کر آصف زرداری کا نام لیں...... اور پھر آپ کے ساتھ...... عوامی حلقے جو حشر کریں گے...... آپ کو زرداری صاحب کے منصب کا خود ہی اندازہ ہو جائے گا!۔ میں تو ہرگز نہیں بتاؤں گا...... آپ خود ہی...... سر کھپائی کریں۔ اللہ مدد کرے گا۔ جی کیا فرمایا...... آپ اپنا دماغ استعمال نہیں کرنا چاہتے...... ان فضول کاموں پر...... یہ بہت اچھی بات ہے۔ شکر ہے آپ کو جلد یہ منطق سمجھ آ گئی کہ "عوامی لیڈر"...... اب اس قابل نہیں رہے کہ...... اُن پر غور کیا جائے۔ ویسے زرداری صاحب جس طرح دبئی میں ڈیڑھ سال سے براجمان ہیں لگتا ہے وہ پیپلز پارٹی کی ساکھ تو شاید بحال نہ کروا سکیں لیکن ایک مضبوط پریشر گروپ ضرور تشکیل دے لیں گے جس میں طرح طرح کی پارٹیاں طرح طرح کے لیڈر، طرح طرح کے انسان یکجا ہو جائیں گے۔ ایسے مربے کو یا ایسے اچار کو ہمارے ہاں پسند کیا جاتا ہے......

"شیخ صاحب کے بچے کا ہاتھ دراز میں آ گیا...... معصوم کی چار انگلیاں ٹوٹ گئیں"...... وہ رونے چلانے لگا...... شیخ صاحب نے توجہ نہ دی...... دراز چیک کرنے لگے...... یہ کہتے ہوئے...... "نالائق کہیں اِس مہنگائی کے دور میں دراز تو نہیں توڑ ڈالا"......

ہمارے یہی دوست، شیخ صاحب کل بچے کی پٹائی کر رہے تھے...... میں نے معصوم پر ہاتھ نہ اٹھانے کو کہا تو مجھے بھی ڈرانے دھمکانے لگے...... میں نے محبت سے وجہ پوچھی کہ بچے پر اس قدر تشدد بلاوجہ کیوں...... تو بولے۔

"میں اِس منحوس کو کہتا ہوں چلو پیدل ناشتہ کرنے چلیں...... خانو حلوائی کی دکان پر...... پوری حلوہ۔

مگر یہ بچہ بضد ہے کمرے میں پھیکی سیاہ چائے کے ساتھ روپے کے چار والے "رس" کھا لونگا...... خانو حلوائی کے پاس پوری حلوہ کھانے ہرگز نہیں جاؤں گا۔

شیخ صاحب بچہ وہاں نہ جانے کی وجہ کیا بتاتا ہے؟۔

یہ کہتا ہے وہاں "مکھی حلوہ" ملتا ہے یعنی پاؤ حلوے میں دس مکھیاں گری ہوتی ہیں۔

توبہ توبہ...... شیخ صاحب آپ سے تو بچہ سیانا ہے...... وہ بھلا کیونکر اس موسم میں مردہ مکھیوں والا حلوہ کھائے گا۔ بیمار ہوا تو ڈاکٹر کو پیسے دینا پڑیں گے!۔

شیخ جی...... جلدی سے آگے بڑھے اور بچے کو یہ کہتے ہوئے سینے سے لگا لیا۔

"ماں صدقے واری جائے...... میرا بچہ کس قدر سیانا ہے...... میں تو بھول ہی گیا کہ ایک پوری کے ساتھ مفت میں ملنے والے حلوے سے ہم بیمار بھی تو ہو سکتے ہیں...... "مکھی حلوہ" کھانے سے اور آج ڈاکٹر کم از کم فیس پانچ سو روپے لیتا ہے بغیر مہنگی دوائی کے جو ہزار پندرہ سو سے کم نہیں ملتی!۔

سُنا ہے سچے عشق کا پودہ بھی اسی شدید سرد موسم میں پروان چڑھتا ہے اور کچے عشق کا پودہ بھی اسی سرد برساتی موسم میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے کہ جناح باغ میں بیچاری محبوبائیں انتظار میں پانی پی پی کر "اپھارے" کا شکار ہو جاتی ہیں مگر عاشق گرمی کے ڈر سے کہیں ٹھنڈی جگہ دبک کر بیٹھے رہتے ہیں!...... کہ فیس بک سے "پلے" پڑ جانے والے عاشق اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایسے فیس بک کے دیگر کمالات آپ دیکھ چکے ہیں۔ کہیں فیس بک سے پروان چڑھنے والی دوستی بچے کے اغوا کا باعث بنی تو کہیں "زنا بالجبر" کی وجہ یہی فیس بک تھی۔

ماجد ملک نے اپنی پھٹیچر گاڑی بھی فیس بک فرینڈ کے ذریعے سے ہی خریدی تھی...... نہ گاڑی چلی نہ دوستی...... گاڑی بھی دشمنی کر رہی ہے اور فیس بک دوست بھی دشمن ہو گیا۔ ہم کمپیوٹر کے خلاف اِس سے زیادہ بات نہیں کر سکتے کہ اب تو سوا مہینے کا بچہ بھی فیس بک پر اپنی آئی ڈی بنوا کر بڑا ہو جانے کا منتظر ہے اور ریٹائرڈ (بظاہر) لوگ بھی اس بہت بڑی ویب سائٹ کے مزے لُوٹ رہے ہیں۔ انجام سے بے خبر۔ "دوستی"...... "دشمنی" کے حوالے سے یاد آیا...... آج بھی اخبارات نے نہایت "خوشی" کے ساتھ یہ خبر لگائی ہے کہ ڈونلڈ ٹرمپ اپنا کیس سپریم کورٹ میں بھی ہار گیا اور ایسے دانت پیس رہا ہے جیسے "چنے چباتے" ہوئے اچانک منہ میں شہد کی مکھی یا ڈھموں آ گیا ہو......

ہم تو بس دعا گو ہیں کہ اللہ پاک ہمارے دوست ماجد ملک کو عقل سلیم، صبر جمیل وغیرہ وغیرہ عطا فرمائے کہ اپنی پھٹیچر گاڑی کو دھکے لگواتا پھرتا ہے۔ ہمارے شاعر دوست ناصر ملک سعودیہ اور دبئی میں مشاعرے پڑھ کے لاہور تشریف لائے۔ بڑے مزے کا سفر گزرا...... مگر جونہی لاہور ائیرپورٹ پر اترے اور "ماجد دی گڈی"...... میں سوار ہونے لگے...... ماجد نے حکم دیا کہ پہلے...... سب شاعر دوست حسب توفیق گاڑی کو دھکا لگائیں...... اگر چل پڑی تو گاڑی میں بیٹھ جائیں ورنہ دھکا لگاتے ہی لاہور سے چوک اعظم پہنچ جائیں اگر زندہ رہے تو قصبے کے ٹو سٹار ہوٹل میں کھانا کھلایا جائے گا......

کہ ایک ماہ تک دبئی اور سعودی عرب میں شاعرانہ مزے لوٹ کر بالآخر......

لوٹ کے بدھو گھر کو ہی جاتا ہے!......

حضور نبی اکرم ﷺ کو امی پیدا کرنے کی حکمتیں

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

قرآن مجید کا بنظر غور مطالعہ کیا جائے تو حضور نبی اکرم ﷺ کو اکتسابی علم سے محفوظ رکھنے اور امی پیدا کرنے میں کار فرما درج ذیل حکمتیں سامنے آتی ہیں۔

پہلی حکمت

حضور نبی اکرم ﷺ کی امیت میں یہ حکمت معجزاتی شان کی حامل ہے کہ آپ ﷺ نے نزول قرآن سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی کبھی ایک لفظ تک اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا۔ اگر آپ ایسا عمل فرماتے تو معترضین کے لئے شک کی گنجائش ہو سکتی تھی اور وہ طرح طرح کی تاویلوں کا سہارا لے کر کتاب اور صاحب کتاب کا انکار اس بنا پر کرتے کہ یہ پہلے سے پڑھے ہوئے کسی شخص سے سیکھ کر لکھتے ہیں اور اسے آیات قرآنی سے منسوب کرتے ہیں۔ آپ کے امی ہونے کی وجہ سے کسی کو اس بارے میں ذرہ بھر شک اور چہ میگوئیوں کا موقع ہی نہ مل سکا۔ قرآن حکیم نے بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا: اور (آخر ان لوگوں کے شبہ میں پڑنے کی وجہ ہی کیا ہے) آپ نہ تو اس (قرآن کے اترنے) سے قبل کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شبہ میں پڑ جاتے (لیکن جب دونوں باتیں نہیں پھر تو یہ ان کی حق ناشناسی اور ہٹ دھرمی ہے)"۔

مذکورہ آیت کے اختتامی کلمہ اذا لارتاب المبطلون" کا مفہوم یہ ہے کہ کفار و مشرکین اس امر پر متردد اور متشکک ہیں کہ وہ شخص (حضور نبی اکرمؐ) جس نے کبھی کسی سے علم حاصل کیا نہ درس و تدریس کی کسی نشست میں کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا اس کی زبان حق ترجمان سے علم و حکمت کے یہ موتی کیسے نکلتے ہیں! کفار سخت تعجب اور حیرت میں پڑ جاتے کہ کسی اکتسابی علم کے بغیر علوم و معارف کا یہ بحر بیکراں کہاں سے ابل رہا ہے۔

اب یہ حقیقت تاریخی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے...... جسے متعصب مستشرقین اور غیر مسلم مورخین کبھی نہیں جھٹلا سکتے...... کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے زندگی بھر کبھی کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا اگر یہ امر واقعہ نہ ہوتا تو وہ اسلام دشمنی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا کر قرآن حکیم کو فرضی اور خود ساختہ کتاب قرار دینے میں رتی بھر تامل نہ کرتے۔

دوسری حکمت

اگر آپ ﷺ کا علم اکتسابی ہوتا تو اس کے ساتھ باری تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ وہبی علم خلط ملط ہو جانے کا احتمال ہر وقت موجود رہتا، جس کی بناء پر دشمنان اسلام کو کتاب اللہ کی حقانیت پر اعتراضات کرنے کا موقع میسر آجاتا۔ لہٰذا وحی کے ذریعے حاصل کردہ الوہی علم کو التباس و اختلاط کے ہر امکان سے محفوظ و پاک رکھنے کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ کو امی رکھنا ضروری تھا کیا یہ بات تعجب میں لانے کے لئے کافی نہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ادا کردہ ہر ہر لفظ آپ ﷺ کے حافظہ میں محفوظ اور قلب اطہر میں اس طرح جاگزیں ہو جاتا کہ سورتیں اور پارے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ترتیب کے ساتھ حافظہ مبارک کا حصہ بن جاتے اور پھر دوران تلاوت کبھی بھی اس ترتیب میں ذرہ بھر فرق آتا نہ ایک حرف ادھر ادھر ہوتا، اور یہ سب آپ ﷺ کی امیت کا اعجاز تھا۔ قرآن حکیم میں اس بارے میں یوں ارشاد ہوتا (اے حبیب مکرم!) ہم آپ کو خود (ایسا) پڑھائیں گے کہ آپ (کبھی) نہیں بھولیں گے۔ عام لوگوں کا پڑھنا اور حضور ﷺ کا پڑھنا مختلف ہے ساری دنیا کے لوگ پڑھتے ہیں پھر بھول جاتے ہیں، جبکہ معلم کائنات ﷺ اپنے رب سے سیکھ کر ایسا پڑھے کہ پھر کبھی نہ بھولے۔ اسی لئے فرمایا: محبوب ہم آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ فلا تنسی (پھر آپ کبھی نہیں بھولیں گے) کیونکہ آپ تو امی ہیں اور بھولے ہوؤں کو راہ دکھانے کے لئے آئے ہیں۔ امام رازی اس مقام پر لکھتے ہیں: بے شک آپ ﷺ امی تھے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب (قرآن مجید) درس و تکرار اور لکھائے بغیر آپ ﷺ کو یاد کرا دی، جو کہ خارق عادت ہونے کی بنا پر ایک معجزہ ہے۔

تیسری حکمت

کسی بھی دینوی علم کی بنیاد ظن و تخمین پر ہوتی ہے جس میں غلطی کا امکان بہر حال موجود ہوتا ہے۔ جوں جوں انسان تخلیق کے میدان میں آگے بڑھتا ہے اس پر نئی نئی حقیقتیں منکشف ہوتی چلی جاتی ہیں اور بسا اوقات وسعت علم و تجربہ کے نتیجے میں پہلے سے قائم کردہ رائے کا بدلنا ناگزیر ہو جاتا ہے، تبحر علمی سے انسانی ذہن میں کشادگی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور تحیر کا عنصر بڑھنے لگتا ہے جس سے نتیجتاً نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس حضور نبی اکرم ﷺ کو جو علم بذریعہ وحی عطا کیا گیا وہ ہر قسم کے ظن و تخمین سے پاک ہے اسے ظنی علم سے بہت آگے علم یقین کا درجہ حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں اس امر کی نشان دہی ان الفاظ میں کی گئی ہے: آپ (اپنے کسی اور ظنی علم کے ذریعے) نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب (اللہ) کیا ہے اور نہ آپ کو یہ خبر تھی کہ کمال ایمان کیا ہے۔

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ کتاب اللہ کا علم اور حقیقت ایمان کی معرفت آپ ﷺ کو کسی اکتسابی ذریعہ سے حاصل نہ ہوئی بلکہ سب کچھ وہبی طور پر اللہ رب العزت کی طرف سے عطا ہوا جس کا یقینی ہونا ہر اعتبار سے متحقق ہے۔ آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے جو بات بھی نکلی وہ صداقت کے لحاظ سے حرف آخر بن گئی جس میں کسی قسم کی ترمیم اور ردوبدل کی کوئی گنجائش نہیں۔ دنیا میں کوئی فلسفی، مفکر یا دانشور ایسا نہیں ہوا جس نے علم کے ارتقا کے باعث اپنی رائے تبدیل نہ کی ہو اور جس کا علم تخمین و ظن سے پاک ہو یہ اختصاص اور امتیاز صرف اور صرف امی لقب خاتم النبیین ﷺ کو عطا ہوا کہ انہیں ظنی علم کے شائبہ سے بھی پاک اور مبرا کیا گیا۔

چوتھی حکمت

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف کی آیات نمبر 57 اور 58 میں اپنے محبوب ﷺ کو الرسول النبی الامی کہہ کر آپ ﷺ کی شان امیت کا ذکر فرمایا ہے۔ توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ نبی اور امی کا آپس میں کیا تعلق ہے! جان لینا چاہیے کہ لفظ نبی نبا (خبر) سے نکلا ہے جس کا معنی ہے وہ ذات جو باخبر ہو۔ عربی زبان میں خبر نامہ کو بھی الانباء کہا جاتا ہے جو کہ نبا (خبر) کی جمع ہے۔ نبوت سراسر علم غیب سے عبارت ہے لہٰذا آیات مذکورہ میں رسول کے بعد لفظ نبی استعمال کر کے یہ اعلان کرنا مقصود ہے کہ رسول چونکہ نبی ہوتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ باخبر ہوتا ہے کبھی بھی بے خبر نہیں ہوتا اگر بے خبر ہو تو نبی ہے نہ رسول۔ اس کے بعد تیسرا لفظ الامی فرمایا، جس کا مطلب ہے کہ وہ نبی ایسا باخبر ہے کہ امی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضور نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ (بیان ان) غیب کی خبروں میں سے ہے جو آپ کی طرف وحی کرتے ہیں" قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کا تعلق سراسر غیبی علم ہے جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ اس لئے حضور نبی اکرم ﷺ کو امی بنایا تاکہ آپ ﷺ کی ذات سے غلطی کا صدور ممکن نہ ہو اور یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ حضور ﷺ کو تمام انسانیت کا معلم بنا کر بھیجا گیا اگر آپ ﷺ دنیوی ذرائع سے کسی انسان کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کر کے علم حاصل کرتے تو لا محالہ آپ ﷺ کی شان پر حرف آتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جو معلم حقیقی ہے اسے یہ منظور نہ ہوا کہ اس کا حبیب ﷺ کسب علم و حکمت میں کسی غیر کا دریوزہ گر ہو، اسی لئے تمام علوم وہبی طور پر آپ ﷺ کے سینہ انور میں منتقل کر دیئے گئے۔ مشیت ایزدی کو یہ بات ہرگز گوارا نہ تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا کوئی استاد ہو اور کل کلاں کوئی دعویٰ کرے کہ یہ سب باتیں تو اس نے آپ ﷺ کو سکھائی ہیں۔ اس امکان کو ہر اعتبار سے رد کرنے کے لئے آپ ﷺ کو دنیوی مکتب و مدرسہ سے بے نیاز کر دیا گیا۔

علوم و معارف کا منبع...... ذات مصطفیٰ ﷺ

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ دانائی و ذہانت اور ذکاوت و فطانت میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ ﷺ جیسا فہم و فراست اور ذہنی استعداد کا مالک کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایک معمولی ذہنی استعداد رکھنے والا شخص بھی محنت سے لکھنا پڑھنا سیکھ سکتا ہے لیکن حضور پر نور ﷺ کو معلم حقیقی نے مصلحتاً امی بنایا اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس سے یہ بات ظاہر کرنا مقصود تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو ظاہری و دنیاوی اسباب علم سے مستغنی کر کے علم و حکمت کے تمام خزانے براہ راست بارگاہ ایزدی سے عطا کئے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور اس نے آپ ﷺ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

دنیوی علوم سے آراستہ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کا علم مکمل ہے کیونکہ علم سیکھنے کی حدود و قیود ہیں جن سے آگے جانا ممکن نہیں۔ اگر حضور ﷺ بھی دنیوی ذرائع سے علم حاصل کرتے تو آپ ﷺ کا علم بھی نامکمل اور ادھورا رہتا۔ یہ بات ذات الوہیت کو کب گوارا تھی کہ کوئی اس کے حبیب ﷺ کے بارے میں لب کشائی کر سکے! اس لئے ذات باری تعالیٰ نے اپنے خزانہ علمی سے حضور ﷺ کا علم و حکمت کا گنجینہ بنا دیا۔ ارشاد ربانی ہے "رحمٰن (وہی ہے) جس نے (اپنے محبوب ﷺ) کو قرآن سکھایا ہ اور انسان (یعنی محمد ﷺ کو) پیدا کیا ہ اور انہیں (اولین و آخرین) کا بیان سکھایا ہ اس آیت کریمہ میں الاء نسان سے مراد ذات محمدی ﷺ ہی ہے جسے قرآن و حکمت و بیان کے تمام خزانے عطا کئے گئے۔ پس حضور ﷺ ہی ایک ایسا وجود انسان ہیں جسے خدا نے منبع علوم و معارف بنایا، یعنی کائنات انسانی میں دنیا جو کچھ جان سکتی تھی اس سے بڑھ کر خدا نے مصطفیٰ ﷺ کو پڑھا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور (وہ رسول) تمہیں وہ (اسرار و معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے" ہ امام بوصیری نے اس موضوع پر کیا خوب فرمایا ہے:

(دنیا اور آخرت آپ ﷺ کی بخششوں میں سے ہے
اور لوح و قلم کا علم آپ ﷺ کے علوم کا کچھ حصہ ہے)"

رکاوٹ ...... روحی کنجاہی

ہماری حکمرانی کے ہیں انداز اور ہی تو کیا
ہے جی میں اور ہی ٹھانی، اپوزیشن رکاوٹ ہے
کریں غربت نہ کچھ کم یا زیادہ ہی بڑھا ڈالیں
ہمیں کرنی ہے من مانی اپوزیشن رکاوٹ

مولانا اشرف علی تھانوی نے قائداعظم کو مذہب کے قریب لانے میں اہم کردار ادا کیا

مذہبی اسکالر نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سے مسلم قوم کی رہنمائی کا کام لیا



قائداعظم مصری علمائے دین کے ایک وفد سے ملاقات کرتے ہوئے۔ مفتی اعظم فلسطین بھی اس موقع پر موجود ہیں

والدین کی خدمت سے ہی اعلیٰ مراتب نصیب ہوتے ہیں: کرامت علی شاہ

ظفروال (تحصیل رپورٹر) ماں کا رشتہ بے لوث اور لازوال رشتہ ہے۔ ماں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا ہو تو بیٹا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہوتا ہے اور اگر ماں سیدہ فاطمۃ الزہراہ رضی اللہ عنہا ہو تو بیٹا شاہسوار کربلا امام حسین علیہ السلام ہوتا ہے جو اسلام کو تا قیامت زندہ کر گیا۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ والدہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ انمول تحفہ ہے جو مقام انسان کو والدہ کی خدمت سے ملتا ہے وہ بہت زیادہ عبادت سے بھی نہیں حاصل ہوتا۔ والدین کی خدمت سے ہی اعلیٰ مراتب نصیب ہوتے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار پیر سید کرامت علی حسین شاہ آستانہ عالیہ علی پور سیداں شریف اور مرکزی ناظم اعلیٰ تحریک اویسیہ پاکستان علامہ پیر محمد تبسم بشیر اویسی سجادہ نشین مرکز اویسیاں نے ظفروال میں ضیاء اللہ قریشی کی والدہ مرحومہ کے ایصال ثواب کیلئے منعقدہ محفل پاک سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

اہل بیت سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ: شہری

اسلام اور ملک دشمنوں کو شکست دینے کیلئے قوم اتحاد و اتفاق سے کام لے

چک امرو (نامہ نگار) اہل بیت سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔ فرقہ واریت کی آڑ میں امن و امان خراب کرنے والے اسلام اور وطن دونوں کے مجرم ہیں۔ ان خیالات کا اظہار مختلف مکاتب فکر کے افراد نے میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے کیا انہوں نے کہا کہ اسلام اور ملک دشمنوں کو شکست دینے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ قوم اتحاد و اتفاق سے کام لے اور انتشار پھیلانے والوں کی حوصلہ شکنی کی جائے، انہوں نے کہا کہ اتحاد بین المسلمین وقت کا اہم تقاضا ہے انہوں نے کہا کہ وطن عزیز ان گنت خطرات میں گھرا تاریخ کے نازک موڑ سے گزر رہا ہے، ایسا موڑ جہاں سے مستقبل کی راہوں کا تعین کیا جانا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو اس وقت اندرونی و بیرونی سازشوں کا سامنا ہے لیکن پوری قوم پاک فوج کے شانہ بشانہ ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے اور ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے، انہوں نے کہا کہ اس لئے فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر تمام مسالک کو قرآن و سنت کے نام پر اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک دشمنوں کو شکست دینی ہے، اسی سے دہشتگردی کا خاتمہ ہوگا، انہوں نے کہا کہ تمام مسالک کے علما کرام ایک ہو گئے تو ملک دشمن قوتیں خود بخود ڈھیر ہو جائیں گی۔

کرپٹ ٹبر اداروں کیخلاف زبانیں چلا رہا ہے: مزمل مسعود

چوچک (نمائندہ خصوصی) تحریک انصاف کی رہنما اور پی پی 175 کی امیدوار مزمل مسعود احمد بھٹی نے کہا ہے کہ کرپٹ ٹبر کی اربوں کی لوٹ مار کے کیسز عدالتوں میں چل رہے ہیں وہاں اپنی صفائی میں کچھ نہ کہ پانے والے اداروں کے خلاف زبانیں چلا رہے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے انتخابی مہم کے سلسلہ میں حلقہ کا دورہ کرتے ہوئے کارکنوں سے بات چیت کرتے ہوئے کیا۔

ڈی پی او کی ڈی ایس پی خالد جاوید کی والدہ کے انتقال پر فاتحہ خوانی

میاں چنوں (تحصیل رپورٹر) ڈی پی او خانیوال نے میاں چنوں کا اچانک دورہ کیا اور ڈی ایس پی کی والدہ کے انتقال پر فاتحہ خوانی کی۔ ڈی پی او خانیوال زاہد نواز مروت گزشتہ روز اچانک پہنچے اور ڈی ایس پی میاں چنوں خالد جاوید جوئیہ کی والدہ جو کہ گزشتہ چند روز قبل انتقال کر گئی تھیں سے اظہار افسوس کیا اور فاتحہ خوانی کی، جس کے بعد ڈی پی او نے تھانہ سٹی کا وزٹ کیا، اس دوران انہوں نے تھانہ سٹی کو دو نئی موبائل گاڑیاں دینے کا وعدہ کیا۔

لاہور: سابق صدر آصف زرداری، داتا گنج بخش کے مزار پر پھول چڑھاتے ہوئے

زرداری کی داتا دربار اور بی بی پاک دامن کے مزار پر حاضری

شریک چیئر مین پی پی نے مزاروں پر پھولوں کی چادریں چڑھائیں، فاتحہ خوانی

بلاول ہاؤس میں پارٹی رہنماؤں سے ملاقاتیں، انتخابی مہم تیز کرنے کی ہدایت

لاہور (سپیشل رپورٹر، سٹاف رپورٹر، نیوز ایجنسیاں) پیپلز پارٹی کے شریک چیئر مین آصف زرداری نے لاہور میں داتا دربار اور بی بی پاک دامن کے مزار پر حاضری دی، پھولوں کی چادریں چڑھائیں، فاتحہ خوانی کی اور نئے سال کے لئے ملک و قوم کی خوشحالی کے لئے دعا کی، پی پی لاہور کے صدر حاجی (صفحہ 6 بقیہ نمبر 40)

باب کعبہ سے متصل سنگ مرمر کے 8 ٹکڑوں کی کہانی!

807 سال سے نصب یہ آٹھ ٹکڑے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے مسجد حرام کے لیے ہدیہ کیے تھے

مکہ مکرمہ (جرار مانیٹرنگ ڈیسک) باب کعبہ کی دائیں جانب الشاذروان پر سنگ مرمر کے 8 مختلف جسامت کے ٹکڑے کیوں نصب ہیں۔ اس بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں مگر بھورے زردی مائل یہ سنگ مرمر دنیا میں میری اسٹون کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ٹکڑے باب کعبہ کے پہلو میں 807 سال سے نصب ہیں۔ حرمین شریفین امور کے محقق محی الدین الہاشمی نے العربیہ (باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 21)

Daily DUNYA, Monday, July 4, 2016

"مولانا رومؒ ہمارے بھی ہیں"

عابد حسین

بین الاقوامی طور پر اس حقیقت کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کی بزرگ شخصیت قریباً ساری دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔ اُن کی شاہکار مثنوی کو انتہائی برگزیدہ تصور کیا جاتا ہے۔ مختلف مسلمان دانشور اور صوفیاء اس کلام میں پنہاں دانش و تصوف کو الہام کا سا درجہ دیتے ہیں۔ مولانا رومؒ، افغانستان کے شہر بلخ میں آٹھ صدی قبل پیدا ہوئے تھے۔ زندگی کی کئی بہاریں مختلف ملکوں میں گزارنے کے بعد آخر کار وہ ترکی کے شہر قونیا میں آباد ہو گئے۔ اسی شہر میں سے گزرنے والے ایک اور درویش شاہ شمس تبریزؒ نے اُن کی زندگی کی کایا پلٹ دی تھی اور ایک فلسفی و دانشور کو روحانیات کی حیران کن دنیا سے روشناس کرا دیا تھا۔ مولانا رومؒ، رحلت کے بعد اسی شہر میں مدفن ہیں۔

ترکی اور ایران نے مولانا رومؒ کے عالمی ادب کی عظیم میراث 'مثنوی معنوی' اور دوسرے منظوم کلام کو اقوام متحدہ کے خصوصی پروگرام 'یادداشت جہاں' کے تحت رجسٹر کرانے کی مشترکہ درخواست دی ہے۔ یادداشت جہاں کا رجسٹر دفتر اقوام متحدہ کے کلچرل ادارے یونیسکو کے زیر نگرانی کام کرتا ہے۔ اقوام متحدہ کا یہ خاص ادارہ عالمی اہمیت کی تاریخی دستاویزات، اہم شخصیات کے خطوط اور تحریروں کو محفوظ کرنے کا عمل جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ ادارہ خاص طور پر بحران زدہ علاقوں میں ایسی ہی قیمتی اور تاریخی نوادرات کو محفوظ کرنے کی کوشش میں ہے۔

مولانا رومؒ کی تخلیقات کو محفوظ کرنے کی درخواست تہران اور انقرہ حکومتوں نے دو ماہ قبل مئی کے مہینے میں جمع کرائی تھی۔ دونوں ملکوں کی اس کوشش پر افغانستان کی وزارت اطلاعات و ثقافت نے ناراضی کا اظہار کیا ہے۔ کابل سے افغان وزارت نے اپنے بیان میں کہا کہ افغانستان کو اس پر فخر ہے کہ عظیم صوفی شاعر ان کے ایک علاقے بلخ میں پیدا ہوئے تھے۔ افغان وزارت کے ترجمان ہارون حکیمی کا کہنا ہے کہ اس مناسبت سے اقوام متحدہ کے ادارے نے کابل حکومت سے بات چیت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ہارون حکیمی نے اس کا اعتراف کیا کہ ایران اور ترکی یقینی طور پر اس معاملے میں افغانستان پر سبقت لے گئے ہیں، لیکن وہ یونیسکو کو قائل کریں گے کہ مولانا رومؒ کی تخلیقات پر اُن کا حق بھی تسلیم کیا جائے۔

افغانستان میں مولانا رومؒ کو مولانا جلال الدین بلخی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ بلخ صوبے کے گورنر اور سابقہ جنگی سردار عطا محمد نور نے کابل حکومت پر دباؤ ڈال رکھا ہے کہ وہ یونیسکو کے ساتھ اس معاملے پر مذاکرات کرتے ہوئے افغان نقطۂ نظر کی وضاحت کرے۔ بلخ یونیورسٹی کے دانشور پروفیسر صادق عصیان کا کہنا ہے کہ مولانا روم افغانستان کی ثقافت کا اہم حصہ ہیں اور صرف دو ملکوں سے اُن کا تعلق جوڑنا افغانستان کی توہین اور اس کی ثقافت کے لیے خطرہ ہو سکتا ہے۔

مولانا رومؒ بلخ میں 1207ء میں پیدا ہوئے تھے۔ 63 برس کی عمر میں اُن کی رحلت ترک شہر قونیا میں ہوئی تھی۔ امریکی فلمی صنعت ہالی وڈ، مولانا رومؒ کے شاہ شمس تبریزؒ سے ملنے کے بعد کے واقعات پر فلم بنانے کا اعلان کر چکی ہے۔ مشہور اداکار لیونارڈو ڈی کیپریو اس فلم میں مولانا رومؒ کا کردار ادا کریں گے۔

☆......☆......☆

والدین کی خدمت سے ہی اعلیٰ مراتب نصیب ہوتے ہیں: کرامت علی شاہ

ظفروال (تحصیل رپورٹر) ماں کا رشتہ بے لوث اور لازوال رشتہ ہے۔ ماں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا ہو تو بیٹا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہوتا ہے اور اگر ماں سیدہ فاطمۃ الزہراہ رضی اللہ عنہا ہو تو بیٹا شاہسوار کربلا امام حسین علیہ السلام ہوتا ہے جو اسلام کو تا قیامت زندہ کر گیا۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ والدہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ انمول تحفہ ہے جو مقام انسان کو والدہ کی خدمت سے ملتا ہے وہ بہت زیادہ عبادت سے بھی نہیں حاصل ہوتا۔ والدین کی خدمت سے ہی اعلیٰ مراتب نصیب ہوتے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار پیر سید کرامت علی حسین شاہ آستانہ عالیہ علی پور سیداں شریف اور مرکزی ناظم اعلیٰ تحریک اویسیہ پاکستان علامہ پیر محمد تبسم بشیر اویسی سجادہ نشین مرکز اویسیاں نے ظفروال میں ضیاء اللہ قریشی کی والدہ مرحومہ کے ایصال ثواب کیلئے منعقدہ محفل پاک سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

اہل بیت سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ: شہری

اسلام اور ملک دشمنوں کو شکست دینے کیلئے قوم اتحاد و اتفاق سے کام لے

چک امرو (نامہ نگار) اہل بیت سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔ فرقہ واریت کی آڑ میں امن و امان خراب کرنے والے اسلام اور وطن دونوں کے مجرم ہیں۔ ان خیالات کا اظہار مختلف مکاتب فکر کے افراد نے میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے کیا انہوں نے کہا کہ اسلام اور ملک دشمنوں کو شکست دینے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ قوم اتحاد و اتفاق سے کام لے اور انتشار پھیلانے والوں کی حوصلہ شکنی کی جائے، انہوں نے کہا کہ اتحاد بین المسلمین وقت کا اہم تقاضا ہے انہوں نے کہا کہ وطن عزیز ان گنت خطرات میں گھرا تاریخ کے نازک موڑ سے گزر رہا ہے، ایسا موڑ جہاں سے مستقبل کی راہوں کا تعین کیا جانا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو اس وقت اندرونی و بیرونی سازشوں کا سامنا ہے لیکن پوری قوم پاک فوج کے شانہ بشانہ ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے اور ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے، انہوں نے کہا کہ اس لئے فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر تمام مسالک کو قرآن و سنت کے نام پر اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک دشموں کو شکست دینی ہے، اسی سے دہشتگردی کا خاتمہ ہوگا، انہوں نے کہا کہ تمام مسالک کے علما کرام ایک ہو گئے تو ملک دشمن قوتیں خود بخود ڈھیر ہو جائیں گی۔

کرپٹ ٹبر اداروں کیخلاف زبانیں چلا رہا ہے: مزمل مسعود

چوچک (نمائندہ خصوصی) تحریک انصاف کی رہنما اور پی پی 175 کی امیدوار مزمل مسعود احمد بھٹی نے کہا ہے کہ کرپٹ ٹبر کی اربوں کی لوٹ مار کے کیسز عدالتوں میں چل رہے ہیں وہاں اپنی صفائی میں کچھ نہ کہ پانے والے اداروں کے خلاف زبانیں چلا رہے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے انتخابی مہم کے سلسلہ میں حلقہ کا دورہ کرتے ہوئے کارکنوں سے بات چیت کرتے ہوئے کیا۔

ڈی پی او کی ڈی ایس پی خالد جاوید کی والدہ کے انتقال پر فاتحہ خوانی

میاں چنوں (تحصیل رپورٹر) ڈی پی او خانیوال نے میاں چنوں کا اچانک دورہ کیا اور ڈی ایس پی کی والدہ کے انتقال پر فاتحہ خوانی کی۔ ڈی پی او خانیوال زاہد نواز مروت گزشتہ روز اچانک پہنچے اور ڈی ایس پی میاں چنوں خالد جاوید جوئیہ کی والدہ جو کہ گزشتہ چند روز قبل انتقال کر گئی تھیں سے اظہار افسوس کیا اور فاتحہ خوانی کی، جس کے بعد ڈی پی او نے تھانہ سٹی کا وزٹ کیا، اس دوران انہوں نے تھانہ سٹی کو دو نئی موبائل گاڑیاں دینے کا وعدہ کیا۔

لاہور: سابق صدر آصف زرداری، داتا گنج بخش کے مزار پر پھول چڑھاتے ہوئے

زرداری کی داتا دربار اور بی بی پاک دامن کے مزار پر حاضری

شریک چیئر مین پی پی نے مزاروں پر پھولوں کی چادریں چڑھائیں، فاتحہ خوانی

بلاول ہاؤس میں پارٹی رہنماؤں سے ملاقاتیں، انتخابی مہم تیز کرنے کی ہدایت

لاہور (سپیشل رپورٹر، سٹاف رپورٹر، نیوز ایجنسیاں) پیپلز پارٹی کے شریک چیئر مین آصف زرداری نے لاہور میں داتا دربار اور بی بی پاک دامن کے مزار پر حاضری دی، پھولوں کی چادریں چڑھائیں، فاتحہ خوانی کی اور نئے سال کے لئے ملک و قوم کی خوشحالی کے لئے دعا کی، پی پی لاہور کے صدر حاجی

(صفحہ 6 بقیہ نمبر 40)

باب کعبہ سے متصل سنگ مرمر کے 8 ٹکڑوں کی کہانی!

807 سال سے نصب یہ آٹھ ٹکڑے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے مسجد حرام کے لیے ہدیہ کیے تھے

مکہ مکرمہ (جرار مانیٹرنگ ڈیسک) باب کعبہ کی دائیں جانب الشاذروان پر سنگ مرمر کے 8 مختلف جسامت کے ٹکڑے کیوں نصب ہیں۔ اس بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں مگر بھورے زردی مائل یہ سنگ مرمر دنیا میں میری اسٹون کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ٹکڑے باب کعبہ کے پہلو میں 807 سال سے نصب ہیں۔ حرمین شریفین امور کے محقق محی الدین الہاشمی نے العربیہ

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 21)

بقیہ 21 کہانی

سے بات کرتے ہوئے سنگ مرمر کے ان منفرد ٹکڑوں کی تاریخ پر بات کی۔ انہوں نے بتایا کہ سنگ مرمر کے یہ آٹھ ٹکڑے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے مسجد حرام کے لیے ہدیہ کیے تھے۔ انہوں نے یہ پتھر صحن مطاف کی مرمت کے وقت 631ھ میں دیے۔ سنگ مرمر کے نیلے رنگ کے پتھر پر اس کی تاریخ درج ہے۔ الہاشمی نے کہا کہ باب کعبہ سے متصل ان سنگ مرمر کے ٹکڑوں پر شاندار نقش و نگار اور بیل بوٹے بنائے گئے ہیں۔ حجم میں یہ ٹکڑے برابر نہیں بلکہ الگ الگ جسامت کے ہیں۔ ان میں سے بڑا ٹکڑا 33 سینٹی میٹر لمبا اور 21 سینٹی میٹر چوڑا ہے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ سنگ مرمر کے یہ 8 ٹکڑے باب کعبہ کے قریب المعجن کے مقام پر نصب ہیں۔ صحن مطاف میں یہ جگہ نیچے کی سمت میں ہے۔ تاریخی روایات کے مطابق یہاں پر جبریل علیہ السلام نے بعثت نبوی کے بعد پہلی بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سکھائی تھی۔ معجن سفید رنگ کی ریت سے تیار کی گئی ہے اور اس کے نیچے یہ آٹھ ٹکڑے نصب ہیں۔ 1213ھ سے 1377ھ تک یہ پتھر چوری ہو گئے تھے۔ معجن کی جگہ چونکہ کافی تنگ ہے اور وہاں پر ایک وقت میں صرف ایک ہی شخص کھڑا ہو کر نماز پڑ سکتا ہے۔ اس لیے وہاں سے یہ پتھر ہٹا کر شاذروان میں باب کعبہ کے پہلو میں لگا دیے گئے تھے۔



اسلام آباد: امام کعبہ الشیخ صالح محمد فیصل مسجد میں نماز مغرب کی امامت کرتے ہوئے

بقیہ نمبر 41 غلاف کعبہ

(جمعرات) تبدیل کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں کام نماز فجر کے بعد شروع ہوگا جو تقریبا چار گھنٹے جاری رہے گا۔ پہلے نئے غلاف کو پرانے غلاف کے اوپر لٹکایا جائے گا پھر پرانے غلاف کی رسیاں ڈھیلی کر کے اسے نئے غلاف کے نیچے سے اتار لیا جائے گا۔ نیا غلاف دو کروڑ ریال کی لاگت سے 670 کلوگرام خالص ریشم سے تیار کیا گیا ہے۔ غلاف کی تیاری میں 150 کلوگرام خالص سونا اور چاندی بھی استعمال کی گئی ہے اور اس پر بیت اللہ کی حرمت اور حج کی فرضیت اور فضیلت کے بارے میں قرآنی آیات کشیدہ کی گئی ہیں۔

بقیہ نمبر 42 عازمین حج

ایک بار پھر حج انتظامات کرنے میں ناکام ہو گیا ہے۔ پاکستانی عازمین کو منی لے جانے کیلئے ٹرانسپورٹ فراہم نہیں کی گئی۔ عازمین چوبیس گھنٹوں سے زائد مکہ ایئرپورٹ پر بے یار و مددگار موجود ہے۔ نجی ٹی وی کو موصول ہونیوالی ویڈیو میں پاکستانی عازمین نے بتایا کہ ہیں لوگ اپنی مدد آپ کے تحت منی جانے پر مجبور ہیں۔ عازمین کا کہنا تھا کہ کئی بار ٹرانسپورٹ کا پوچھا مگر کوئی درست معلومات نہیں دے رہا۔ اس پریشانی کے باعث 24 گھنٹوں سے زائد مکہ ایئرپورٹ پر پاکستانی عازمین موجود ہے۔

بقیہ نمبر 43 مناسک حج

لیے دنیا بھر سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمان عظیم اجتماعی عبادت حج کے لیے جمع ہیں اور وہ منی پہنچ گئے ہیں۔ بدھ کو 8 ذی الحج مناسک حج کا پہلا دن تھا، عازمین غسل کر کے اور احرام باندھ کر حج کی نیت کر کے تلبیہ کہتے ہوئے منی روانہ ہوئے جہاں انہوں نے رات بسر کی، عازمین نے ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی نماز منیٰ میں ادا کی۔ 9 ذی الحج کا سورج طلوع ہونے کے بعد (آج) عازمین عرفات روانہ ہوں گے وہاں حج کا رکن اعظم وقوف عرفات ادا کیا جائے گا جس کے بعد حجاج ظہر اور عصر کی نمازیں قصر کر کے ادا کریں گے۔ حجاج کرام سورج غروب ہونے تک اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دعا و استغفار میں مصروف رہیں گے اور سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ روانہ ہوں گے۔ قبل ازیں عازمین حج نے احرام باندھ کر دن منیٰ میں کی خیمہ بستی میں گزارا، سارا دن ذکر، تسبیح، حمد، دعائیں مانگتے گزارا۔ ذی الحج کو نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک حجاج ذکر الٰہی اور دعا میں مصروف رہیں گے اور پھر شیطان کو کنکریاں مارنے جائیں گے۔ رمی کے بعد قربانی کی جائے گی جس کے بعد مرد اپنا سر منڈائیں گے اور قربانی کے جانور ذبح کریں گے۔

حاضر ہیں ہم حاضر ہیں، اے اللہ ہم حاضر ہیں مناسک حج شروع، منیٰ آہ و زاری سے استغفار آج وقوف عرفات کے بعد مزدلفہ روانہ ہوں گے

عازمین حج نے احرام باندھ کر دن منیٰ کی خیمہ بستی میں گزارا، سارا دن ذکر، تسبیح، حمد، دعائیں مانگتے گزارا

آج عرفات میں رکن اعظم ادا کیا جائے گا، کل شیطان کو کنکریاں مارنے جائیں گے، پھر سر منڈا کر قربانی کے جانور ذبح کرینگے

مکہ المکرمہ: حج کے موقع پر بیت اللہ شریف کا روح پرور منظر

-لاہور، منیٰ (وقائع نگار) فریضہ حج کی ادائیگی کے

باقی صفحہ 5 بقیہ نمبر 43

منیٰ جانیوالے پاکستانی عازمین حج مشکل میں

+اسلام آباد (مانیٹرنگ ڈیسک) وزارت مذہبی امور

باقی صفحہ 5 بقیہ نمبر 42

غلاف کعبہ آج تبدیل کیا جائے گا 2 کروڑ ریال کی لاگت سے تیار کیا گیا ہے

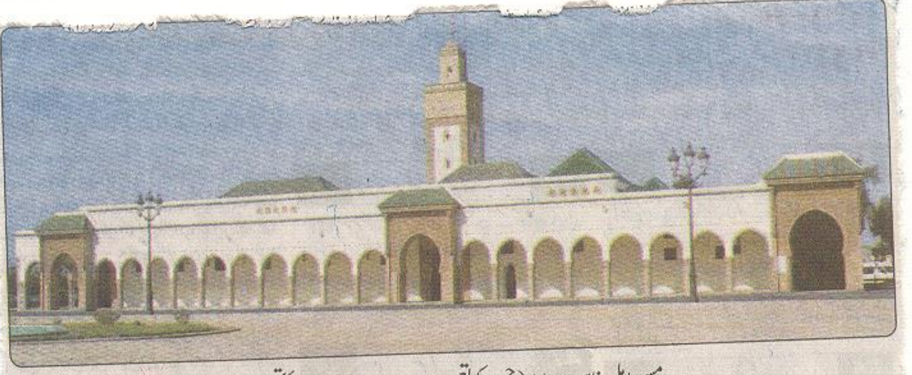
-مکہ مکرمہ (این این آئی) بیت اللہ کا غلاف آج

باقی صفحہ 5 بقیہ نمبر 41

180 ایچ سے ایوان وزیر اعلیٰ کا درجہ واپس

-لاہور (این این آئی) ذرائع کے مطابق 180 ایچ

باقی صفحہ 5 بقیہ نمبر 40



مسجد اہل فاس، رباط (جس کی تعمیر 18 ویں صدی میں ہوئی تھی)

مراکو (جسے عربی میں مملکت المغربیہ کہتے ہیں) کے دارالحکومت رباط کی زیرنظر مسجد کی تعمیر 18 ویں صدی میں اس وقت کے علوی حکمران محمد بن عبداللہ نے کروائی تھی۔ یہ مسجد رباط میں ال سعید مشور (وہ مقام جہاں حکومت کے مشاورتی امور انجام پاتے ہیں) کے قریب واقع ہے۔ پہلی تعمیر کے بعد سے بادشاہ محمد چہارم، محمد پنجم، یوسف ثانی اور محمد ششم کے دور حکومت میں مسجد کی کئی مرتبہ تزئین کاری کی جا چکی ہے۔ مسجد اہل فاس کی خاص بات یہ ہے کہ یہیں بادشاہ جمعہ اور عیدین کا خطبہ دیتے اور نماز پڑھاتے ہیں

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مقامِ شہادت: جرمنی (بحالت قید)	ماہ شہادت: مئی ۲۰۰۶ء	ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ

قطعات تاریخ (سالِ شہادت)

خاک میں بھی وہ رہے گا تاب ناک — تھا وہ لعلِ معدنِ عشقِ حضور ﷺ
اس کی تاریخ شہادت یوں کہی — وہ 'اساسِ گلشنِ عشقِ حضور'

۲۰۰۶ء



نقدِ جاں اس کے تحفظ میں کیا ہے اس نے پیش — تھا عزیز اس کو وقار و اعتبارِ مصطفیٰ
میں نے یوں اس کی شہادت کی رقم تاریخ کی — "حُبّ ماہِ طیبہ، عامر جاں نثار مصطفیٰ"

۲۰۰۶ء





مسجد سلطان جماح (جس کی تعمیر 2012ء میں ہوئی تھی) ملائیشیا کی ریاست سیلانگور کے دارالحکومت شاہ عالم کے بکیت جیلوتونگ نامی علاقے میں واقع شاہی مسجد سلطان جماح کی تعمیر 2010ء میں شروع ہوئی اور 2012ء میں تکمیل ہوئی جبکہ اس کا باقاعدہ افتتاح مارچ 2013ء میں سیلانگور کے سلطان شرف الدین ادریس کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا



مسجد جامع الجدید، الجیریا کے دارالحکومت الجیریز میں واقع ہے۔ اس کی تعمیر 1660ء میں ہوئی تھی، مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں وہاں موجود کتبے پر اس وقت کے گورنر الحاج حبیب کا بھی ذکر ہے جنہیں سلطنت عثمانیہ کی جانب سے تعینات کیا گیا تھا، مسجد کا طرز تعمیر اپنے اندر ان معنوں میں ندرت لئے ہوئے ہے کہ یہ اندلس اور اطالوی طرز تعمیر کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے



مصر میں حکومت کی جانب سے تعمیر کردہ ملک کی سب سے بڑی مسجد جسے حرمین شریفین کے بعد بھی دنیا کی سب سے بڑی مسجد قرار دیا جارہا ہے، کا گزشتہ دنوں ملکی صدر نے افتتاح کیا



سلطنت عثمانیہ کے فرمانروا سلیمان پاشا الخادم کے ذریعے 1568ء میں تعمیر ہونے والی زیرنظر مسجد عثمانی طرز تعمیر کی اولین مسجد ہے جو 1568ء میں تعمیر کی گئی تھی۔ یہ مسجد 1141ء کے فاطمی عہد کے دوران تعمیر ہونے والی ابو منصور قسطہ مسجد کی باقیات پر تعمیر کی گئی ہے، مسجد کا طرز تعمیر عثمانی طرز کا ممتاز نمونہ ہے۔ مسجد کے ایک حصے کی آرائش کے طور پر خط کوفی میں قرآن پاک کی آیات کی خطاطی کی گئی ہے جبکہ صحن میں رنگین ماربل کا استعمال کیا گیا ہے، تصویر میں بھی دیکھیں تو مسجد قدیم اور تاریخی معلوم ہوتی ہے۔

پاکستان ریاستِ مدینہ کیسے بنے گا؟

پروفیسر حافظ محمد سعید

وزیراعظم پاکستان جناب عمران خان صاحب نے حلف اٹھاتے ہی پاکستان کو ریاست مدینہ بنانے کا اعلان کیا۔ پانچ ماہ گزر گئے۔ ریاست مدینہ کے ابتدائی تقاضے بھی پورے ہوتے دکھائی نہیں دے رہے۔ ان حالات میں امیر محترم پروفیسر حافظ محمد سعید حفظہ اللہ نے کمال درجے کی راہنمائی فرماتے ہوئے حضرت محمد کریمؐ کی ریاست مدینہ کا روڈ میپ دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ قارئین اس کالم کو سوشل میڈیا وغیرہ جیسے ذرائع سے پھیلا کر اپنا فرض ادا کریں۔

امیر حمزہ، چیف ایڈیٹر ہفت روزہ جرار

ہماری حکومت کا دعویٰ ہے کہ ہم نے مدینے والا نظام پاکستان میں قائم کرنا ہے۔ یقینی بات ہے اگر ایسا ہو جائے تو آسمانوں سے برکتیں اتریں گی۔ لوگوں کے دل جڑیں گے، ایک صحیح اسلامی معاشرہ تشکیل پائے گا۔ پھر سارے کام اللہ تعالیٰ آسان فرما دے گا۔ جبکہ اس وقت مشکلات ہیں، ہمارے مسائل اتنے پیچیدہ ہو چکے ہیں کہ تنخواہ دینے کے لیے خزانے میں رقم نہیں، ترقیاتی منصوبے بند کرنے پڑ رہے ہیں۔ پھر آئی ایم ایف جیسے عالمی استحصالی اداروں کا رخ کیا جا رہا ہے۔ آیئے! ہم دیکھتے ہیں مدینہ میں بھی ایسی کیا مشکلات تھیں پھر ان کا کیسے حل کیا گیا؟

پاکستان کے سارے معاشی ماہرین، وزارت خزانہ کے ذمہ داران، بجٹ بنانے والوں کے لئے ضروری ہے کہ مدینہ کے اس دور کی تاریخ کا مطالعہ کریں کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے، کیا حالات تھے، کیا مشکلات تھیں، کتنی غربت تھی، کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ ہفتوں کے ہفتے گزر جاتے، نبی ﷺ کے گھر کے چولہے میں آگ بھی نہ جلتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی حال تھا۔ ایک ایک کھجور پر دن گزرتا۔ ان مشکل ترین حالات میں بھی نبی اکرم ﷺ نے کیسی تربیت فرمائی۔ مانگنا نہیں سکھایا، کشکول نہیں پکڑایا، امرا اور دوسرے ملکوں کے حکمرانوں کے دروازوں پر امداد کے لئے دستک نہیں کہ عرب کے فلاں سردار کے پاس جاؤ۔ حالانکہ اس وقت بھی بڑے بڑے سردار اور مالدار لوگ موجود تھے۔

بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا جو دنیا میں مانگ کے گزارا کرے گا، قیامت کے دن اس کے چہرے کی آب (رونق) ختم ہو جائے گی، اس کے چہرے پر جلد باقی نہیں رہے گی۔ فرمایا قیامت کے دن اس شخص کو سزا ملے گی جو مانگتا ہے، منگتا بنتا ہے۔ دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے نبی ﷺ نے بڑی سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے مانگنے کی بجائے مشکلات برداشت کرنے کے طریقے اور مسائل حل کرنے کے سلیقے سمجھائے ہیں۔

آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ مدینہ میں وسائل نہیں اور مکہ کے مسلمانوں کے آنے سے مدینہ کی آبادی بھی بڑھ گئی تھی۔ صرف کھجور ہی وہاں کی بڑی فصل تھی۔ اسی پر گزارا ہوتا تھا۔ مدینہ میں گندم کاشت نہیں ہوتی تھی۔ ان حالات میں اللہ کے نبی ﷺ صدقے کی ترغیب دے رہے ہیں کہ جس کے پاس زیادہ مال ہے وہ زیادہ صدقہ کرے، جس کے پاس تھوڑا مال ہے وہ تھوڑا صدقہ کرے، اسے بھی اجر بہت ملے گا۔

مشکل وقت کا صدقہ بہت سی برکتوں کا باعث بنتا، معاشرے میں خوشحالی، رواداری اور کامیابی کے دروازے کھولتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی نہج پر صحابہ کرامؓ کی تربیت کی۔

(باقی حصہ ادارتی صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

042-3
04

بقیہ حصہ: پاکستان ریاستِ مدینہ کیسے بنے گا؟

رسول ﷺ نے جس نہج پر صحابہ کرام کی تربیت کی اس کا اندازہ ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ مکہ سے ایک مہاجر نبی ﷺ کے پاس مدینہ پہنچا اور کہنے لگا اللہ کے نبی ﷺ مسلسل سفر کی وجہ سے بھوک بڑی شدید لگی ہے، بڑی دیر سے کچھ نہیں کھایا۔

آپ ﷺ نے اس کی حالت دیکھی۔ انصاری صحابی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ، کھانا کھلاؤ، یہ تیرا بھائی ہے، مہاجر ہے، بھوکا ہے۔ جاؤ اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ، میں اس کو تیرا بھائی بناتا ہوں۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس کو اپنے گھر لے گئے۔ بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کے لیے ہے، بیوی کہنے لگی، بچوں کے لیے بس تھوڑا سا کھانا ہے۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیوی سے کہتے ہیں کہ بچوں کو بھوکا ہی سلا دو۔ آج ہمارے گھر میں ایک مہمان آیا ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے اس کو میرا بھائی بنایا ہے۔ وہ بڑی دور کا لمبا سفر کر کے مدینہ پہنچا ہے۔ آج ہم اپنا سارا کھانا اس کے سامنے پیش کریں گے۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیوی سے کہنے لگے جب ہم کھانا کھانے کے لیے بیٹھ جائیں تو چراغ بجھا دینا۔ میں مہمان کے سامنے کھانا کھانے کا انداز اختیار کروں گا۔ وہاں مہمان بھی اپنے میزبانوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے، یہ تھی نبی ﷺ کی تربیت۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مہمان کو باتوں میں لگا کر سارا ہی کھانا اسے کھلا دیا۔ یہ سارا کام رات کے اندھیرے میں ہوا۔ اگلی صبح جب مسجد میں مہمان اپنے میزبان کے ہمراہ اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے آئے تو اللہ کے نبی ﷺ بڑے ہی خوش ہو رہے، مسکرا کے مل رہے اور فرماتے ہیں:

رات کے اندھیرے میں تم نے جو کچھ کیا، اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن نازل کر کے مجھے ساری خبر بتا دی ہے۔ اپنے بھائی کے لئے تیرا یہ ایثار اللہ کو اس قدر پسند آیا ہے کہ آسمان والے نے تیرا ذکر قرآن مجید میں کر دیا اور تیرے بارے میں آیات نازل فرما دی ہیں:

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ۔ (الحشر:9)

”وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں“

یہ لوگ جو لٹے پٹے، اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کر کے سب کچھ، گھر بار، برادری، خاندان چھوڑ کے، مال و دولت، تجارت سب چھوڑ کے اللہ کے دین کے لیے آئے ہیں اور پھر وہ لوگ (تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ) جنہوں نے ایمان بھی قبول کیا اور مدینے میں پہلے سے آباد ہیں یعنی انصار: یہ انصار ان لوگوں سے بڑی محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کر کے آئے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں ایثار کے بڑے جذبے ہیں۔ انہیں خود تو بھوک لگی ہوتی ہے لیکن اپنے مہمان کی خاطر اپنی بھوک کو کنٹرول کرتے، مہمان کو کھانا کھلانے کے لیے اپنی ضروریات کو روک لیتے اور اپنے بھائی کی حاجات پوری کرتے ہیں۔

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا

صرف یہ نہیں ہے کہ ظاہری طور پر یہ سب کچھ کر رہے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی قلبی کیفیت کی گواہی قرآن مجید میں دے رہا ہے کہ یہ دل سے ایمان والوں کے ساتھی اور محبت کرنے والے ہیں۔

اے برادرانِ اسلام! یہ ہے مدینہ کی ریاست جہاں اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے پہلے دلوں کی حالت کو بدلا۔ پہلی تبدیلی یہ لائے کہ تربیت کر کے مثالی لوگ تیار کر دیے۔ بھوکے کو کھانا کھلانا بظاہر ایسا کوئی کارنامہ نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی بہت اہمیت ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں اس واقعے کے بارے میں یہ آیات نازل کی گئیں کیونکہ قرآن مجید نے قیامت تک باقی رہنا ہے، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ قیامت تک آنے والوں کے لیے بھی یہ واقعہ مثال بن جائے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ۔ (الحشر:10)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جو لوگ قیامت تک آئیں گے، ان میں سے جن کا طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم والا ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ان کو اسی طرح نعمتوں سے نوازدے گا۔

بھائیو! یہ کرنے والے کام ہیں۔ جب تک ایسی تربیت نہیں ہوگی، ہمارے تعلیمی اداروں میں جب تک نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت نہیں پڑھائی جائے گی، قرآن مجید نہیں پڑھایا جائے گا، قرآن مجید کے سچے واقعات نہیں پڑھائے جائیں گے، ہمارے تربیتی اداروں میں مدینہ کا معاشی نظام نہیں پڑھایا جائے گا، سودی نظام اور قرضوں سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جائے گا، تب تک ہمارے مسائل حل نہیں ہوں گے، پاکستان معاشی

خاص مضمون

پروفیسر حافظ محمد سعید

مشکلات اور قرضوں کے گرداب سے نہیں نکلے گا۔

آج ہمارے وزیر خزانہ کشکول لے کر ملک ملک پھر رہے ہیں۔ ہمارے وزیر خارجہ امریکہ سے کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کی امداد (کولیشن سپورٹ فنڈ) جو آپ نے روکی ہے، بحال کریں۔ جواب میں وہ شرطیں لگاتے ہیں کہ افغانستان میں طالبان کو مارو۔ ان کو قتل کرنے میں ہمارا ساتھ دو۔ پاکستان میں سودی نظام قائم کرو۔ کشمیر کا نام نہ لو۔ اس لئے کہ کشمیر کا نام لینا دہشت گردی ہے۔ جو پاکستان میں کشمیر کا نام لیتے ہیں، ان کو پکڑو۔ ان پر پابندیاں لگاؤ۔ پاکستان کو امریکہ کی ایک ریاست بناؤ پھر امداد بحال ہوگی۔

اب فیصلہ ہمارے وزیراعظم نے کرنا ہے کہ پاکستان کو امریکہ کی ریاست بنانا ہے یا مدینہ کی ریاست۔ اگر ہمارے وزیراعظم پاکستان کو ریاست مدینہ بنانے میں واقعی مخلص اور سنجیدہ ہیں تو پھر اپنی جرأت پیدا کریں۔ پاکستان کو مدینہ جیسی ریاست بنانا ہے تو موجودہ ماحول کو چھوڑ کر مدینہ والا ماحول تیار کریں۔

جب مدینہ میں نبی ﷺ آئے تو وہاں سب سے پہلے مسجد تعمیر کی اور، دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع کیا وہاں آپ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کا ایک سلسلہ قائم کیا۔ ایک وثیقہ لکھا اس وثیقہ میں بسم اللہ لکھنے کے بعد جو پہلی سطر لکھی، آیئے! ہم اس کا مطالعہ کریں۔ وثیقہ کی پہلی سطر یہ تھی ”یہ وثیقہ نئے اسلامی معاشرے کی تشکیل کی بنیاد ہے“۔ اس میں اللہ کے نبی ﷺ لکھوا رہے ہیں کہ یہ انصار و مہاجرین جو لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر، ایک کلمے کی بنیاد پر مسلمان بن کے مدینہ میں اکٹھے ہوئے ہیں، ان سب کی حیثیت ایک امت کی ہوگی۔ آج کے بعد نہ کوئی انصاری ہے نہ کوئی مہاجر ہے، نہ کوئی کسی قبیلے کی بات کرے گا، نہ اپنے خاندان کی عظمت کی بات کرے گا، سب مسلمان ایک امت ہیں۔

یہ سب وثیقہ کی پہلی سطر کی برکت تھی جس کے مطابق مدینہ کی ریاست تشکیل دی گئی۔ اللہ کے نبی ﷺ نے یہ سب لکھوایا اور تحریر کروایا۔ حالانکہ اللہ کے نبی ﷺ جو زبان سے کہتے، وہی کافی ہوتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں سیدھا اترتا چلا جاتا تھا۔

بخاری میں ہے، حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں، ایک عورت کے ساتھ دو بچے تھے۔ وہ آ کر دروازہ کھٹکھٹا کر کہتی ہے، میرے بچے بھوکے ہیں، ہم نے کچھ نہیں کھایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا دیکھتی ہیں، گھر میں ایک کھجور پڑی ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا وہ کھجور اٹھا کر اس عورت کو دے دیتی ہیں۔ وہ عورت اس کھجور کے دو حصے کرتی ہے۔ ایک حصہ ایک بچے کے منہ میں، دوسرا حصہ دوسرے بچے کے منہ میں ڈالتی ہے اور دعائیں دیتی ہوئی واپس چلی جاتی ہے۔ اس واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایثار دیکھیں گھر میں ایک کھجور تھی وہ بھی ضرورت مند کو دے دی۔

یہ تھے حالات جن میں مدینہ کی ریاست قائم ہوئی، کیا ہمارے حالات اتنے مشکل ہیں، ہماری اکثریت تو تین وقت روٹی پیٹ بھر کے کھاتی ہے۔ ہوٹلوں میں روزانہ کروڑوں کا کھانا ضائع ہوتا ہے، پھر بھی ہم خود کو انتہائی غریب سمجھتے ہیں اور دہائیاں دیتے ہیں، مدینہ میں ہم سے ہزار گنا زیادہ غربت تھی لیکن اتنے سخت معاشی حالات میں بھی کسی سے بھیک نہ مانگی گئی۔ میں حکمرانوں کو صاف کہتا ہوں، تمہارے خزانے خالی ہو جائیں، کوئی پروا نہ کرو۔ تمہارے دل ایمانوں سے خالی نہیں ہونے چاہئیں۔ یاد رکھو! خزانے خالی ہوں گے تو میرا رب بھر دے گا۔ دل ایمان سے خالی ہو گئے تو ان کے اندر نفاق آئے گا اور جب ایمان کی جگہ نفاق آتا ہے تو ملکوں، معاشروں میں بربادیاں آتی ہیں۔ پھر اصلاح بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔ یہ بڑے بنیادی مسئلے ہیں۔ کوئی پروا نہ کرو، ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ ان شاء اللہ آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، بھارت حملہ کر سکتا ہے نہ امریکہ۔ امریکہ نے افغانستان میں اپنی حیثیت کو دیکھ لیا ہے۔ افغانیوں نے مار مار کر امریکہ کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اللہ نے ہمارے جوانوں کو جو قوت بخشی ہے، قربانی و شہادت کے جو جذبے عطا فرمائے ہیں، واللہ! ایسی قوت دنیا میں نہ کسی فوج میں ہے نہ معاشرے میں۔ اللہ نے اس ملک کو بہت کچھ دیا ہے۔ اس ملک کو صرف ایک سچے اور اللہ سے ڈرنے والے حکمران کی ضرورت ہے، جو نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے مطابق تربیت کر کے اس ملک کو، معاشرے کو اور مسلمانوں کو تیار کرے۔ ہم اپنے حکمرانوں سے کہتے ہیں کہ اگر آپ پاکستان کو معاشی مسائل سے نکالنا، معیشت بہتر کرنا، سودی قرضوں سے جان چھڑانا اور یہاں مدینے والا معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو پھر اپنے تربیتی تعلیمی اداروں میں پڑھائے جانے والے نصابوں کی اصلاح کریں۔ قرآن و حدیث، سیرت رسول ﷺ اور سیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اہمیت دیں۔ جب یہ نصاب پڑھا جائیں گے تو ان شاء اللہ العزیز ذہن سازی ہوگی۔ معاشرے کی اصلاح ہوگی۔ پھر ہمارے سارے سیاسی، معاشی، معاشرتی، دفاعی مسائل حل ہوں گے اور دنیا میں ہم کامیاب اور باوقار قوم کے طور پہچانے جائیں گے۔

جشنِ آمدِ رسول ﷺ اور تعلیماتِ رسول ﷺ

محمد معاذ قریشی، لاہور

آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا یوم ولادت ایک دن کی دوری پر ہے۔ جشن منانے کی تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔ درو بام منور کیے جا رہے ہیں۔ گلیاں محلے اور سڑکیں سجائی جا رہی ہیں۔ عمارتوں پر قمقمے روشن ہو رہے ہیں۔ ہر طرف چراغاں ہے۔ ہر طرف نور ہے۔ چہار سو خوشی ہے۔ ان تیاریوں میں ہر کوئی ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش میں ہے۔ عید میلاد النبیؐ کے روز مٹھائیاں تقسیم کی جائیں گی۔ طرح طرح کے پکوان پکیں گے اور گلی محلوں میں بٹیں گے۔ بچے مختلف جگہوں پر پہاڑیاں بنائیں گے اور گلیاں سجائیں گے۔ ایک چوراہے پر میٹھے پانی کی سبیل ہوگی تو اگلی نکڑ پر ٹھنڈا دودھ تقسیم کیا جا رہا ہوگا۔ حلوے مانڈے کا بھی انتظام ہوگا۔ آج کل سردیوں کا موسم ہے، تو ہو سکتا ہے کسی نے چوک میں سبز چائے کا اہتمام بھی کر رکھا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی امیر آدمی غریبوں میں کپڑے بھی تقسیم کرے یا کوئی کسی بے وسیلہ کو مہینے بھر کا راشن ہی ڈال دے تا کہ اس کے بچے کچھ دن پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں۔ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ظاہر ہے اس امر کے اظہار کے لئے کہ ہمیں اُس ہستی کے دنیا میں آنے کی بے حد خوشی ہے، جس نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا۔ جس نے ہمیں ظلمت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی عطا فرمائی۔ یہ سکھایا کہ جانوروں کی طرح جینا کوئی جینا نہیں۔ اللہ نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا ہے تو ہمیں زندگی بسر کرنے کے اعلیٰ اصول و ضوابط اپنانے چاہئیں۔ آپؐ نے ہمیں صرف بتایا ہی نہیں، بلکہ عملی نمونہ بن کر بھی دکھایا کہ کس طرح دوستوں رشتے داروں کے حقوق پورے کرتے ہیں اور کیسے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ آپؐ نے ہی ہمیں یہ بتایا اور سکھایا کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور یہ کہ ہمیں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا چاہئے۔ پھر آپؐ نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ ہمارے ایک دوسرے پر کیا حق ہیں اور انہیں کیسے پورا کرنا ہے۔ آپؐ کے لائے ہوئے دینِ برحق پر عمل کر کے دنیا ہی نہیں ملتی، یہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا بھی باعث ہے۔ یہ پروردگارِ عالم کی اتنی بڑی عطا، اور آپؐ کی اتنی بڑی مہربانی ہے کہ اس پر جشن منانا بنتا ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہماری یہ محبت محض جشن منانے تک تو محدود نہیں ہے؟ یہ سوچنے کی بھی کہ کیا ہم آپؐ کے احکامات پر پوری طرح عمل کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں! ذرا سوچئے کہ آج بازار میں کتنی چیزیں خالص ملتی ہیں۔ دودھ، دالیں، آٹا، بیسن، گھی، گوشت، مسالاجات، کھانے پینے کی دوسری چیزیں؟ مشینوں میں بنا ہوا دودھ ہر جگہ فروخت ہو رہا ہے، لیکن کسی کو پروا نہیں کہ اس سے عام آدمی کن کن بیماریوں میں مبتلا ہو رہا ہے۔ سب پیسہ کمانے اور دولت بنانے کی ہوس میں مبتلا ہیں۔ اتنی ہوس کہ گدھے کا گوشت تک دوسروں کو کھلا دیتے ہیں۔ سود سے منع کیا گیا، لیکن ہم اس سے کتنا منع ہوئے؟ ہر طرف سود ہی کا تو کاروبار ہو رہا ہے۔ پھر کہا گیا کہ اگر کسی چیز میں کوئی عیب ہو تو فروخت کرنے والے خریدنے والے کو اس کے بارے میں بتائیں تا کہ خریدنے والے کے ساتھ دھوکا نہ ہو، لیکن ہمارے دکان دار اس پر کتنا عمل کرتے ہیں؟ پورا تولنے کا بھی حکم ہے۔ ہمارے ریڑھی بان اور دکان دار کتنا تولتے ہیں، یہ ان سے بہتر کون جانتا ہوگا۔ ریڑھی والے سے دو درجن کیلے لو تو گھر آ کر وہ چوبیس کی بجائے بائیس نکلتے ہیں۔ اگر گنتی پوری ہو تو دو چار گلے ہوئے نکلیں گے۔ پھر ایمان داری کہاں رہ جاتی ہے؟ تو بھائیو! ہمیں یہ جشن ضرور منانا چاہئے کہ پاک پیغمبرؐ کے یوم ولادت سے زیادہ خوشی اور برکت کا دن ہمارے لئے کوئی اور نہیں ہو سکتا، لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ہم آپؐ کے احکامات پر کتنا عمل کرتے ہیں۔ جشن ضرور منانا چاہئے، لیکن آپؐ کے احکامات پر عمل بھی کرنا چاہئے۔ تبھی ہم سرخرو ہو سکیں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

زندگی کی دوڑ؟



اس دور میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے اور پیچھے چھوڑنے کا رجحان بھی کس تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ سبقت کی یہ دوڑ اس طرح لگی ہے کہ ایک مسلم اور غیر مسلم کی تمیز کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ کہیں ہم اپنے گرد و پیش نظر دوڑائیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت انسان شاید اسی کام کے لیے ہی بھیجا گیا۔ یوں دنیا اور اس کے اندر موجود زیبائش اور حشمت ہی انسان کا مطمح نظر دکھائی دیتی ہے۔ وہ مقصد عظیم کہ جس کے لیے انسان کی تخلیق ہوئی اور جس کو جابجا رب کائنات نے اپنی آخری کتاب میں بیان کیا اسے مسلمان کلی طور پر فراموش کیے ہوئے ہے۔ افسوس کہ جس جنت کی طلب اور حصول اس کا مقصد اولیٰ تھا اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی بجا لانا تھی اسے پس پشت ہی ڈال گیا۔ اس عظیم جنت کہ جس کی طلب اور حصول کے لیے مومن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے بار بار ابھارا اور تحریض دی آئیں شوق دلانے والے چند مقامات کا جائزہ لیں اور اپنے ایمان کو تازہ کر لیں تا کہ ہم اس مقصد حقیقی کی طرف گامزن ہو سکیں۔

دنیا میں نیک اعمال کے بعد جنت میں داخل ہونے والے اعمال کیا ہوں گے اس حوالہ سے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”اور جو لوگ ایمان لائیں اور عمل نیک کرتے رہیں اور ہم عملوں کیلئے کسی آدمی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، ایسے ہی لوگ اہل جنت ہیں کہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔“ سورۃ الاعراف: 42، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا کہ ”یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“ سورۃ النساء 13، اہل جنت کے لئے احوال جنت بیان کرتے ہوئے خالق کائنات قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ ”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے (نعمت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جب انہیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیئے جائیں گے اور وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جنت میں ایک بازار ہوگا جہاں وہ (یعنی اہل جنت) ہر ہفتے آئیں گے۔ شمال کی جانب سے ایک ہوا چلے گی جو ان کے کپڑوں اور چہروں پر مٹی ڈالیگی۔ (یاد رہے کہ کہ جنت کی مٹی کستوری ہوگی) اس سے ان کے حسن و جمال میں اور اضافہ ہو جائیگا۔ وہ اپنی بیویوں کے پاس لوٹیں گے جبکہ ان کے حسن و جمال میں اضافہ ہو چکا ہوگا تو وہ ان سے کہیں گی: اللہ کی قسم! آپ یہاں سے جانے کے بعد اور حسین و جمیل ہو گئے ہیں۔ تو وہ کہیں گے: اور تم بھی اللہ کی قسم! ہمارے جانے کے بعد اور خوبصورت ہو گئی ہو۔" (مسلم:2833)

قرآن کریم میں اہل جنت کو جنت کا وارث قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ”اور جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے (اور) ہمیشہ اس میں (عیش کرتے) رہیں گے“ سورۃ البقرہ 82، ایک اور مقام پر فرمایا گیا کہ ”اور جو کچھ ان کے دلوں میں خفگی ہو گی ہم اسے دور کر دیں گے ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ فرماتا بیشک ہمارے رب کے رسول ﷺ سچی بات لائے تھے، اور آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث ہو گئے ہو“ سورۃ الاعراف 43، جنت میں اہل جنت کے لئے خالق کائنات کی طرف سے جو آسائشیں انعام کی جائیں گی اس حوالہ سے قرآن کریم میں آتا ہے کہ ”آپ کہہ دیجئے کہ بھلا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو ان چیزوں سے کہیں اچھی ہو؟ (سنو) جو لوگ پرہیزگار ہیں ان کے لئے اللہ کے ہاں باغاتِ (بہشت) ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ عورتیں ہیں اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی اور اللہ (اپنے نیک) بندوں کو دیکھ رہا ہے“ سورۃ آل عمران 15، اسی طرح ایک اور مقام پر جنت کے حوالہ سے ارشاد ربانی ہے کہ ”ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں ان کے (محلوں کے) نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی انہیں وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک دیبا اور اطلس کے سبز کپڑے پہنا کریں گے (اور) تختوں پر تکیے لگا کر بیٹھا کریں گے (کیا) خوب بدلہ اور (کیا) خوب آرام گاہ ہے“ سورۃ الکہف 31، اس آیت مبارکہ میں جنتیوں کا احوال بیان کرتے ہوئے سونے کے کنگنوں کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ قدیم زمانہ میں یہ دستور رہا ہے کہ بادشاہ سونے کے کنگن پہنا کرتے تھے، گویا اہل جنت وہاں شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے رہیں گے۔ پہننے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ ریشمی کپڑے ہوں گے اور بیٹھنے کے لیے اونچی اونچی مسندیں، واضح رہے کہ اس دنیا میں سونے اور ریشمی کپڑوں کا استعمال مردوں کے لیے جائز نہیں لیکن جنت میں جائز ہوگا۔

دخول جنت کے وقت اہل جنت کا پرتپاک استقبال کیا جائے گا، قرآن کریم میں اس بارے فرمایا گیا کہ ”ان کو قیامت کی اس بڑی گھبراہٹ سے بھی کوئی پریشانی لاحق نہ ہوگی فرشتے جنت کے دروازوں پر آگے بڑھ بڑھ کر ان کا استقبال کر رہے ہوں گے اور ان سے کہہ رہے ہوں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا تھا“ سورۃ الانبیاء 103، قرآن کریم کی ایک اور آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں داخل ہوتے ہوئے جنتیوں کا دربان جنت استقبال کریں گے اور انہیں سلام پیش کریں گے ”اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کو گروہ گروہ بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے دربان ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام تم بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ“۔

جب ہمارے رب نے ایسی نعمتوں والی جنت ہمارے لیے تیار کر رکھی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اس دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس کی حقیقت آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ آئیں اپنے مقصد حیات کو سمجھ کر اللہ کی طرف لوٹ آئیں اور ان ابدی انعامات کی طرف ریس لگائیں کہ جس کا کوئی بھی نعم البدل اور متبادل نہیں ہے۔ اللہ ہمیں ہمارے مقصد حیات کو سمجھنے کی توفیق دے۔ (آمین)

پبلشر قاری محمد یعقوب شیخ نے انتخاب جدید پریس 8 ایبٹ روڈ رائل پارک سے
چھپوا کر 180 ملتان روڈ لاہور سے شائع کیا۔ رابطہ ترسیل 042-37150890

حضرت ام سلیمؓ کا ننھا ابو عمیرؓ اور ساہیوال کا عمیر

آبگینے
بشریٰ امیر
FACEBOOK.COM/BUSHRA.AMEER777
BUSHRAAMEER7@YAHOO.COM

ساہیوال سانحہ کا عمیر جس نے اپنے امی، ابو کو اپنے سامنے قتل ہوتے دیکھا اس کی جو باتیں میڈیا پر آئیں انہیں سن کر کون سی ماں ہے جس کا دل خون کے آنسو نہ رویا ہو؟ مجھے مدینہ منورہ کا عمیرؓ یاد آ گیا ہے۔ پیاری بہنو اور بیٹیو! میں آپ کو اس دور میں لے جانا چاہتی ہوں جب مدینہ یثرب ہوا کرتا تھا۔ ہمارے پیارے رسول اکرم ﷺ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ یہیں کی رہنے والی تھیں۔ حضرت آمنہ کے شوہر حضرت عبداللہ یثرب میں آئے تو یہیں فوت ہو گئے۔ ان کی قبر یثرب میں بن گئی۔ جب حضرت محمد اکرم ﷺ چھ سال کے تھے تو والدہ حضرت آمنہ یہاں اپنے میکے آئیں۔ حضرت محمد اکرمؐ ان کے ساتھ تھے۔ میں بتانا یہ چاہتی ہوں کہ حضرت محمد اکرم ﷺ کے ننھیال یثرب کے تھے۔ اسی رشتے کے حوالے سے حضرت ام سلیمؓ رضاعت کے رشتے میں آپ کی خالہ لگتی تھیں۔ حضرت ام سلیمؓ اور حضرت ام حرامؓ بنت ملحان دونوں بہنیں تھیں۔ ہمارے حضور ﷺ رشتوں کا بڑا خیال رکھتے تھے چنانچہ جب آپ مدینہ منورہ کے حکمران بن گئے تو دونوں کے گھروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حضرت انسؓ جنہوں نے حضرت محمد کریم ﷺ کی دس سال خدمت کی وہ حضرت ام سلیمؓ کے ہی بیٹے تھے۔ ننھے عمیرؓ حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی تھے مگر باپ کی طرف سے نہیں بلکہ ماں کی طرف سے بھائی تھے۔

تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے شوہر مالک نے قبول اسلام کو پسند نہ کیا مگر جب دیکھا کہ اس کا بیٹا انس بھی مسلمان ہو گیا ہے تو وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔ حضرت ام سلیم کو اس نے اسلام چھوڑنے کا کہا تو حضرت ام سلیم نے کہا کہ میں تم کو دعوت دیتی ہوں کہ اسلام قبول کر لو۔

یہ سارا کچھ اللہ کے رسول کی مدینہ منورہ میں آمد سے پہلے ہو چکا تھا۔ بہر حال مالک کی قسمت اچھی نہ تھی وہ غصے میں آ کر گھر سے نکلا اور شام کی طرف چل پڑا، راستے میں اپنے دشمن کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ حضرت ام سلیمؓ کو اپنے خاوند کے قتل کی خبر مل گئی۔ ادھر اللہ کے رسول بھی مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے۔ اب حضرت اُم سلیمؓ نے اپنا بیٹا انسؓ حضرت محمد اکرم کا خادم بنا دیا۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ انصاری صحابی حضرت ابو طلحہؓ نے حضرام سلیمؓ کو نکاح کا پیغام بھجوا دیا۔ حضرت ام سلیمؓ نے قبول کر لیا اور یوں دونوں شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک بیٹا دیا۔ اس کا نام ابو عمیر رکھا گیا۔ ابو عمیرؓ نے ایک بلبل پال رکھی تھی، بڑے بھائی حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میرا ایک بھائی تھا۔ اس کا نام ابو عمیر تھا۔ اس کا دودھ چھڑائے تھوڑا عرصہ ہوا تھا، اللہ کے رسولؐ جب بھی تشریف لاتے تو ابو عمیر سے کہتے: ''اے ابو عمیر تیری بلبل کے ساتھ کیا سانحہ ہوا''۔ (بخاری 6203)

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو عمیرؓ کی عمر اس وقت سوا دو سال یا اڑھائی سال کے قریب ہو گی۔ اللہ کے رسولؐ چھوٹے بچے کے ساتھ دل لگی کرتے تھے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابو عمیر کو اپنی پیاری بلبل کے مرنے کا دکھ تھا۔ اللہ کے رسولؐ ننھے بچے کا دل بہلا کر اس کے دکھ کو کم کرتے تھے۔ میں کہتی ہوں ہمارے پیارے نبیؐ سب کیلئے رحمت ہی رحمت تھے۔ بچوں کیلئے بھی رحمت تھے جانوروں کیلئے بھی رحمت تھے۔

سوچتی ہوں خلیل کا بیٹا عمیر جو آج یتیم ہو گیا۔ اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ وزیر اعظم عمران خان کو فوراً رکھنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ریاست مدینہ کی بات کرتے ہیں۔ ریاست مدینہ کے نظام کا تقاضا ہے کہ سانحہ ساہیوال کے یتیم عمیر کو شفقت بھی ملے اور اسے یتیم کرنے والوں کو سزا بھی ملے۔ ننھے عمیر کے دل کو اسی سے ہی قرار آئے گا۔ عدل اور قصاص سے بھی وہ نفسیاتی سانحات سے محفوظ رہے گا اور یہ کہ مستقبل میں ہر ماں کا جگر گوشہ محفوظ رہے گا، وہ محفوظ تبھی رہے گا جب ریاست مدینہ والی ماں جیسی شفقت مظلوم کو ملے گی اور ظالم کو اس کے ظلم کا بدلہ ملے گا۔

میں اپنے پیارے ملک پاکستان کے صحافیوں کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں جنہوں نے عمیر کی مظلومیت کو اٹھایا۔ سوشل میڈیا اور ٹی وی نے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ جس جس نے بھی ظلم کے خلاف آواز اٹھائی اور حکومت نے ایکشن لیا، اس اس کو میں اللہ کے رسول حضرت محمد اکرم ﷺ کی حدیث سناتی ہوں۔ آپؐ فرماتے ہیں ''جو مومن اپنے بھائی کو کسی مصیبت میں تسلی دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عزت و شرف کا خصوصی لباس زیب تن کروائیں گے۔ (سلسلہ صحیحہ 195) غور کے قابل اللہ کے رسولؐ کی حدیث میں مصیبت کا لفظ ہے۔ یہ لفظ عام ہے یعنی کوئی بھی مصیبت یا سانحہ ہو اس میں کسی کو صبر دلانا، حوصلے کی بات کرنا، تسلی تشفی کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ کسی پیارے کی وفات بہت بڑی مصیبت ہوتی ہے اس میں تسلی دینا، دلاسا دینا سب سے بڑی نیکی ہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عزت والی وردی پہنائیں گے۔ میں سوچتی ہوں کہ فوجی افسروں کی وردیاں کتنی شاندار اور بارعب ہوتی ہیں۔ اسی طرح دیگر شعبوں کے افسران کی وردیاں اور بادشاہ کے لباس اور تاج کی تو کیا ہی بات ہے۔ ملکہ کے لباس اور تاج کی بھی بڑی شان ہوتی ہے۔ دلہنوں کے لباس بھی بڑی شان اور آن بان رکھتے ہیں، جاپان میں کیمونو زیب تن ہوتا ہے۔ اٹلی میں نیلے اور سبز رنگ کا پہناوا پہنا جاتا ہے۔ پاکستان میں سرخ بنارسی شرارے، غرارے، میکسیاں وغیرہ پہناوے پہنے جاتے ہیں۔ ایک ایک جوڑا لاکھوں میں تیار ہوتا ہے مگر جو لباس اور وردی ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ اللہ تعالیٰ پہنائیں گے۔ اس کی کیا شان ہو گی؟ یقیناً وہ ایسی خلعت فاخرہ ہو گی جسے دیکھ کر سارے انسان اور فرشتے عش عش کر اٹھیں گے۔ آئیں! ہم اپنا ایسا کردار بنائیں، محبت کے پھول کھلائیں، اڑوس پڑوس کی بہنوں سے تعلق بڑھائیں۔ ان کے کام آئیں، دکھ درد کی ساتھی اور سہیلیاں بنیں، چند دن ہوئے میں اپنی سہیلی کے والد کی وفات پر تعزیت کے لئے گئی۔ کافی ساری خواتین موجود تھیں، مجھ سے گفتگو کی فرمائش کی گئی۔ میں نے اپنے اللہ کریم کی توفیق کے ساتھ باپ کی شان اور فکر آخرت پر گفتگو کی۔ اہل خانہ خوش ہوئے کہ ان کو حوصلہ اور صبر ملا۔ میری دعا ہے کہ میری بہنیں اور بیٹیاں ایسا کردار ادا کریں تا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہننے کو عزت والا خصوصی لباس مل جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا شمار دردمند لوگوں میں کر دیں۔ (آمین)

عورت گھر کی رانی یا نوکرانی؟

آبگینے
بشریٰ امیر
FACEBOOK.COM/BUSHRA.AMEER777
BUSHRAAMEER7@YAHOO.COM

انسانوں کی دنیا میں صنف نازک کیا ہے؟ صنف نازک ایک اصطلاح ہے جو خاص طور پر عورت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ یعنی کمزور اور قابل رحم جنس۔ جسے مرد کی تولیت بخشی گئی اسے مرد کی سپردکاری میں دے دیا گیا۔ خاندانی نظام کو مضبوط بنانے کے لئے مرد کو عورت کا حاکم قرار دیا گیا۔ عورت کے معنی ستر کے بھی ہیں یعنی پردے میں رہنے والی۔ اس لئے عورت کو چار دیواری میں تحفظ دیا گیا۔ اس کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے مرد کو مقرر کر دیا۔ مرد کو نگران بنا دیا اور عورت کو گھر کا نگہبان بنا دیا۔ یہ فطری رویہ ہے جس نے مرد و عورت کے رشتے اور بندھن کو مضبوط بنایا اور خاندانی نظام کو ایک مضبوط و طاقتور قلعہ بنایا۔ یہی نظام معاشرت معاشرے کو امن بخشتا ہے، سکون دیتا ہے۔ مرد و زن کے فطری تقاضوں ہی سے خاندانی نظام بہتر طریقے سے چلتا ہے۔

انسانوں کی اس دنیا میں آزاد خیال لوگوں نے عورت اور مرد کی طبقاتی تفریق کر دی۔ ''نسائیت'' (Feminism) یعنی مرد اور عورت کا ربط و تعلق الگ الگ کر دیا۔ جیسا کہ مارکسزم نے یہ کہہ کر خاندان کا انکار کر دیا کہ مرد ایک طبقہ ہے اور عورت ایک طبقہ ہے۔ اس طبقاتی شعور کو وہ خاندانی نظام سے متصل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خاندانی نظام عورت کا استحصال کرتا ہے۔ اسے مزدور بناتا ہے اور یہ مزدوری دو طرح کی ہے۔ ایک طرف وہ پیداوار دیتی ہے اور مل اور کارخانے کی چمنی سے نکلنے والا دھواں اس کے پسینے سے تشکیل پاتا ہے۔ دوسری طرف ذرائع پیداوار دیتی ہے۔ وہ بچے پیدا کرتی ہے اور یہ بچے بڑے ہو کر اس جیسے مزدور بنتے ہیں۔ افرادی قوت کا حصہ بنتے ہیں۔ گویا یہ دوہری غلامی اور دوہرا استحصال ہے۔

دوسری طرف دو عالمی جنگوں سے تباہ حال یورپ تھا اور ترقی کی راہیں دکھاتا امریکہ تھا۔ ترقی کا نظریہ کہہ رہا تھا کہ مرد و زن میں برابری ہونی چاہیے یہ نعرہ دوسری جنگ عظیم نے دیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں اس قدر تباہ کاری مچی تھی کہ یورپ کی مشینیں اور کارخانوں کی چمنیاں ان مزدوروں کی راہ تکنے لگی تھیں جو آئیں اور ترقی کا پہیہ گھمائیں۔ مزدور مسلسل کام کریں، احتجاج نہ کریں، اپنا حق نہ مانگیں نہ وقت کا تقاضا کریں نہ مزدوریوں اور اجرتوں کی بات کریں، لیکن جب شکاگو کے مزدوروں نے انصاف مانگا تو ان کے لاشے سڑکوں پر تڑپے اور پھر مردوں کے بجائے سرمایہ داروں نے عورتوں کو گھروں سے نکالا انہیں سہانے خواب دکھائے گئے خوش حالی اور خود اختیاری کا لالچ دیا گیا۔ پھر یورپ و امریکہ و جاپان و ہانگ کانگ کی عورت کو ترقی کے لئے میدان میں نکالا گیا۔ اب ہوا کیا کہ وہ سارا دن کام کرتی اور معاوضہ مرد سے آدھا ملتا۔ وہ اجرت بھی کم پاتی۔ اپنے حقوق کا مطالبہ بھی نہ کرتی، احتجاج بھی نہ کرتی اور چھٹیاں بھی نہیں کرتی تھی۔ اسے چھٹی بھی نہیں ملتی تھی اور یہ کہہ کر معاوضہ مزید کم کر دیا جاتا تھا کہ وہ حاملہ ہے حالانکہ اس سے پورا کام لیا جاتا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کا ایک اور المیہ جو عورت کے ساتھ مخصوص تھا کہ فوجی مرد اس سے فائدہ اٹھاتا۔ عورت کو فوجیوں کی تنہائی دور کرنے کے لئے نرم چارے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جنوب مشرقی ایشیا کی عورت کمفرٹ ویمن یعنی آرام دینے والی عورت کے طور پر بہت زیادہ استعمال ہوئی۔ کیا مارکسزم کا عورت کے ساتھ خاندانی استحصال خوب نہیں ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلتی ہے، سڑکوں پر کام کرتی ہے، لوگوں کی چاکریاں بھی کرتی ہے اور اپنی عزت کا جنازہ بھی نکالتی ہے۔ عورت کی وکالت کرتے ہوئے نسائیت کی تاریخ میں بٹی فرائیڈن (Betty Friedan) نے (Feminist Mistiquo) نامی کتاب لکھی جسے بائبل کا درجہ دیا جاتا ہے۔ اس میں اس نے لکھا کہ خاندان عورت کے لئے قید خانہ ہے۔ بٹی فرائیڈن نسلی اعتبار سے یہودی تھی۔ اس کے ذہن میں ہٹلر کے ہولوکاسٹ کے حوالے سے کیمپوں کے مناظر تھے جس میں عورتوں کا استحصال کیا جاتا تھا اور آزادی چھین لی جاتی تھی۔ فرائیڈن کو بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اپنے خیالات سے رجوع کر لیا۔ لیکن نسائیت کا پرچار کرنے والوں نے اس کے خیالات کو نعرہ بنا لیا۔ حالانکہ بعد میں فرائیڈن نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ خاندان کنسنٹریشن کیمپ نہیں ہے۔ خاندان عورت کے لئے پناہ گاہ ہے۔ پناہ گاہ خطرے سے بچاتی ہے۔ عمل کے لئے گھر ضروری ہے جہاں آزادی مل سکے۔

لبرل طبقاتی فکر اور سوچ یہ ہے کہ عورت معاشی طور پر خود مختار ہو۔ اس طرح ہی وہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے انہوں نے مساوات مرد و زن کے نعرے بھی لگائے، عورتوں کو ترقی کے لئے سڑکوں پر بھی نکالا لیکن نتیجہ صفر رہا۔ عورت زیادہ محنت بھی کرتی ہے، مالکان کی اغلامی بھی سہتی ہے مرد حضرات کی طرف سے جنسی و نفسیاتی طور پر ہراساں بھی رہتی ہے۔ جس مساوات کے لئے مغرب نے اپنی عورت کو نکالا تھا اس سے وہ بالفعل محروم ہے۔ لیکن اب یہ گھر سے باہر نکالی ہوئی عورت، خاندان سے ٹوٹی عورت گھر واپس لوٹنا نہیں چاہتی۔ امریکہ و یورپ کی عورت کماتی ہے تو کھاتی ہے۔ امریکہ میں ٹیکس کا قانون اس کا خاندان بننے میں رکاوٹ ہے۔ وہ شادی کر لیتی ہے تو سماجی تحفظ کے فائدے سے محروم ہو جاتی ہے۔ آسٹریلیا، سیکنڈے نیویا اور بہت سے ممالک میں بھی تقریباً ایسا ہی ہے۔ خاندان بنا کر رہنا ہے تو اس کی بھاری قیمت ٹیکسوں کی صورت میں ادا کرنا پڑے گی۔ بہر حال! یہ قانون اور رویے خاندانی نظام کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔ نسائیت اور دیگر نظریات عورت کے خاندانی نظام کو انتہائی حد تک تباہ اور متاثر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام فطری نظام حیات مرتب کرتا ہے۔ خوشحال معاشرے کے لئے مربوط خاندان اس کی اصل کڑی ہے۔ مرد اور عورت کی کوئی طبقاتی تقسیم نہیں۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے بغیر نہیں چل سکتے۔ وہ الگ تھلگ زندگی نہیں گزار سکتے۔ خاندانی نظام وضع کئے بغیر زندگی مشکل اور اجیرن ہو جاتی ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ مشاورت، حدود و قیود اور باہمی تعاون سے زندگی کی گاڑی چلی ہے۔ عورت گھر کے امور چلاتی ہے تو مرد باہر کے کام سرانجام دیتا ہے اور یہی فطری تقاضا ہے۔

اکثر اوقات عورتیں ایک دوسرے سے پوچھتی ہیں کہ تم کیا کرتی ہو اس کے جواب میں اکثر عورتوں کا جواب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہاؤس وائف ہیں یعنی گھریلو عورت۔ جبکہ بعض شرم محسوس کرتی ہیں کہ میں باہر کا کوئی کام یعنی خاوند کی معاشی دوڑ میں اس کا ہاتھ نہیں بٹاتی۔ میں کہتی ہوں کہ ہاؤس وائف ہونا ایک بہت بڑا فریضہ ہے جو ایک عورت کے ذمے ہے۔ یہ شرم نہیں بلکہ باعث فخر ہے کہ وہ گھر میں ایک محفوظ پناہ گاہ میں ایک محفوظ باپ، بھائی، خاوند اور بیٹے کی حفاظت میں آزادی کی زندگی گزارتی ہے۔ ایسی زندگی گزارنے والی کے بارے میں رسول کریمؐ نے فرمایا: جو عورت اپنے بچوں کی، اپنے گھر کی، خاوند کے مال کی اور اپنی عزت کی حفاظت کرتی ہے وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے چاہے گزر سکتی ہے۔ اب خود ہی فیصلہ کریں کہ نوکری کرنے والی عورت بہتر ہے یا چار دیواری میں آزادی سے رہنے والی بہتر ہے۔

بہر حال! بعض دفعہ عورت مجبور بھی ہو جاتی ہے اسے کچھ صورتوں میں کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ یعنی بیوہ ہو جاتی ہے تو بچوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے اسے مشقت کرنا پڑتی ہے، مزدوری کرنا پڑتی ہے۔ وہ مجبور ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ ایسا کام ڈھونڈے جس سے بے پردگی اور اس کی عزت کو خطرہ نہ ہو۔ اس کے برعکس اسلام تو بیوہ عورت اور یتیم بچوں کے اخراجات مخیر حضرات کے ذمے لگا کر عورت کو گھر ہی میں محفوظ پناہ گاہ میسر کرتا ہے۔ یہ ہے اسلام کا نظام حیات جو عورت کو مکمل تحفظ دیتا ہے۔ اس کو گھر کی رانی بناتا ہے نہ کہ نوکرانی۔

اب گھروں میں عورتوں کا استحصال کرنے والے اور اسے گھر کی باندی بنانے والے اور اسے گھر میں قید کرنے والے یہ دیکھ لیں کہ کہیں وہ مارکسزم کو تو خوش نہیں کر رہے جس نے یہ کہہ کر عورت کو گھر سے نکلنے پر مجبور کیا کہ خاندانی نظام اسے انصاف نہیں دیتا۔ ایسے لوگ اسوہ رسولؐ کی طرف دیکھیں آپؐ نے فرمایا: اپنی بیوی کو جیسا کھاتے ہو ویسا کھلاؤ، جیسا پہنتے ہو ویسا پہناؤ، اور تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین رویہ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری درست دینی رہنمائی فرمائے۔ آمین

آدمی بُلبلہ ہے پانی کا

الاؤ



حیات عبداللہ
hayatabdullah77@yahoo.com

درون دل فکر آخرت کی کوئی کرن ٹمٹماتی ہو تو حیاتی کی بے ثباتی کا جو رنگ ہے یہ زندگی میں بے تابیاں گھول کر تمام خوشیوں کو غارت کر ڈالتا ہے، پھر انسان کو بادِ صبا کے جھونکے بھی دھوکے دکھائی دیتے ہیں۔ زیست کی یہ بے بضاعتی انسان کی ساری نزاکتوں اور نظافتوں کو چاٹ کھاتی ہے جب بھی خیالات کے کسی جھروکے میں زندگی کی اس ''بے اعتباری'' کا کوئی جھونکا آ جائے تو تمام خوشیاں اور تمام آسودگیاں کالعدم سی ہو جاتی ہیں۔ آرزوئیں بے نور اور چاہتیں بے مایہ سی دِکھنے لگتی ہیں۔ ہم اپنی زندگی میں کتنی بار مشاہدہ کر چکے ہیں کہ خواہشوں اور آرزوؤں کے شہر اپنے سینوں میں بسا کر جیتے جاگتے اور چمکتے دمکتے لوگوں کو فرشتہ اجل آن واحد میں قصہ ماضی بنا ڈالتا ہے۔ ہم لوگ امیدوں اور تمناؤں کو پال پوس کر انہیں مکھن پیڑے کھلا کھلا کر خوب پہلوان بنا کر ان کی تکمیل کے لئے ہر جائز و ناجائز کام کرتے چلے جاتے ہیں۔ امیدوں کے سہارے زندگی کی راہوں اور رہگزاروں پر چلنے والے ہم لوگ اتنے بے خبر ہیں کہ ہمیں پتا بھی نہیں ہوتا کہ کون سا طلوع ہونے والا سورج ہماری زندگی کا آخری ہوگا۔ ہمیں تو اتنا علم بھی نہیں کہ افق کے پار غروب ہو جانے والا آفتاب اب کبھی ہماری زندگی میں طلوع ہو بھی سکے گا کہ نہیں۔ یہ کیسی بے خبری ہے؟ ہمیں یہ تک نہیں معلوم کہ ہمارا کون سا جملہ آخری ہوگا۔ ہماری کس مسکراہٹ اور تبسم کے بعد ہمارے لب کبھی مسکرا نہ پائیں گے اور ہمیں تو یہ بھی علم نہیں کہ ہماری پلکوں سے گرنے والا کون سا آنسو آخری ہوگا۔ اپنی ذات اور شخصیت کے متعلق اس قدر اہم باتوں سے نابلد ہونے کے باوجود یہ انسان اپنے مزاج اور طبیعت کے لٹھے میں کلف لگائے پھرتا ہے، امیر مینائی نے کیا خوب کہا تھا

زیست کا اعتبار کیا ہے امیر
آدمی بلبلہ ہے پانی کا

کسی بھی حادثے کا شکار ہونے والے مسافروں کو خبر تک نہیں ہوتی کہ یہ ان کا آخری سفر ہے اور چند لمحوں بعد ان کے جسم سے زندگی کی رمق تک چھین لی جائے گی۔ موت سے فرار تو کسی ذی روح کے بس کی بات نہیں، ہم مرنے سے خائف رہتے ہیں ہم فنا ہونے کے متعلق سوچ کر سہم جاتے ہیں۔

یہاں ہر شخص ہر پل حادثہ ہونے سے ڈرتا ہے
کھلونا ہے جو مٹی کا فنا ہونے سے ڈرتا ہے

موت کے متعلق ہم عجب دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ہمیں یقین واثق بھی ہے کہ آخر مرنا ہے اور ساتھ ہی اس وہم میں بھی مبتلا ہیں کہ موت ابھی نہیں آئے گی، حالانکہ کتنوں کو بھری جوانی میں موت اچک لیتی ہے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ہم موت سے نہیں بچ سکتے مگر اس سے بچنے کے لئے دن رات ایک کئے رکھتے ہیں، اس کے برعکس ہم جہنم سے بچ سکتے ہیں لیکن اس سے بچنے کی کوئی سعی نہیں کرتے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم موت کو یاد بھی کرتے ہیں تو عارضی بنیادوں پر، بس ذہن کے کسی خفیہ گوشے میں یہ خیال دبکا رہتا ہے کہ ہم نے مرنا ہے، کسی بزم میں کسی وعظ و نصیحت کی مجلس میں محض سرسری طور پر یا کچھ ثانیوں کے لئے موت کا تذکرہ کر کے پھر پرانی روٹین اور ڈگر پر بحال ہو جاتے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی پیارا ایک دم جدا ہو جائے، جب کوئی ہمارے دل کا ٹکڑا ہماری آنکھوں کے سامنے اچانک ہی دنیا چھوڑ چلے تو کچھ دنوں کے لئے موت کا دھڑکا اور کھٹکا بھی لگا رہتا ہے مگر رفتہ رفتہ ہم انہی پھوکٹ راہوں کی جانب لوٹ آتے ہیں۔

وہ لوگ بڑے ہی سعید بخت ہیں کہ جن پر اس دنیا کی بے ثباتی آشکار ہو گئی اور انہوں نے معصیت کی زندگی سے توبہ کر لی۔ جس کا دل بھی اس دنیا کی عارضی حیات کی حقیقت جان گیا اس کے دل سے حرص و ہوس اور عناد و کینہ سب کچھ ہی بھسم ہو جاتا ہے۔ عیش دہلوی نے کیا خوب کہا ہے

بے ثباتی چمن دہر کی ہے جن پہ کھلی
ہوس رنگ نہ وہ خواہش بو کرتے ہیں

زندگی میں کتنی بار ہم اپنے پیاروں کی جدائی کے جاں سوز لمحات سہہ چکے ہیں، کتنی ہی مرتبہ درد اور کرب حدود و قیود کے پیرہن چاک کر کے آنکھوں کے رستے بہہ نکلتے ہیں تو کبھی لفظوں کی صورت نوک زبان سے ابل پڑتے ہیں اور کبھی قلم و قرطاس سے منسلک لوگوں کے قلم تک آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ مجھ سا کوئی شخص بھی قلم تھامے، چائے سے اٹھتی بھاپ کو تکتا جدا ہو جانے والے اپنے پیاروں کے متعلق سوچتا آنسوؤں میں گم ہو جاتا ہے، دل کے تمام مضافات، مقاماتِ آہ و فغاں بن جاتے ہیں اور کوئی خفیف سی سسکی خیالوں کے بندھن سے باہر لے آتی ہے، میر تقی میر نے کبھی کہا تھا:

کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

بعض اموات بھی بڑی ہی بھیانک اور عبرت ناک ہوتی ہیں جنہیں دیکھ کر جسم و جاں تک کانپ اٹھتے ہیں، معصوم زینب کا قاتل درندہ عمران پھانسی کے پھندے پر لٹک کر نشان عبرت بن چکا، مرنے کے بعد بھی لعنت ملامت اس کا مقدر ٹھہر گئی، قصور کے شہریوں نے اعلان کیا کہ عمران کو قصور میں دفن نہیں ہونے دیں گے، موت تو سب کو آنی ہے تو کیوں نہ باعزت موت کی دعا کی جائے۔ میں اس کالم کے ذریعے آپ کی ذات اور احساسات کو پند و نصائح کے کوہ گراں تلے نہیں دبا دینا چاہتا اور نہ ہی اس بات کا تقاضا کرتا ہوں کہ آپ دنیا سے بالکل ہی روگشی اختیار کر لیں، میں تو فقط کوئی بھی ایک گناہ چھوڑنے کی بات کرنے چلا ہوں۔ میرے یہ شکستہ سے لفظ اور بے ترتیب سا لہجہ صرف اس بات کا خواستگار ہے کہ اس عارضی حیات کا کسی بھی وقت خاتمہ ہوا چاہتا ہے، سو ہم اپنے دلوں کو صاف کر لیں، اپنے بھائی، رشتہ داروں، دوستوں کے بارے میں اور اپنے مذہب و ملک کے متعلق جس قدر روکھا پن ہماری طبیعت میں در آیا ہے، جتنی بے رخی ہمارے مزاج سے چمٹ کر رہ گئی ہے اور جس قدر منافرت ہمارے دلوں میں بس گئی ہے، اسے اللہ کی رضا کیلئے ختم کر دیں۔ زندگی کی بے ثباتی کتنے لوگوں کو کھا گئی۔ ہم کتنے لوگوں کو گم کر چکے اور ہم ان گم گشتہ لوگوں کو کھوجتے اور تلاشتے کہاں تک نہ نکل آئے مگر ہمارا یہ سارا سفر رائیگاں ہی تو ثابت ہوا ہے۔ ہم آج تک کتنی یادوں سے لپٹ کر روئے مگر کچھ بھی تو حاصل نہ ہوا۔ کیف بھوپالی نے کہا تھا:

زندگی شائد اسی کا نام ہے
دوریاں، مجبوریاں، تنہائیاں

جانے والے بھلا کب لوٹ آتے ہیں البتہ یہ حقیقت ہے کہ ہم بھی ایک نہ ایک دن انہی راہوں اور راستوں میں کہیں گم ہو جائیں گے، جہاں ہم نے اپنے پیاروں کو دفنایا تھا، ہم بھی قبر کی منوں مٹی تلے دفن ہو جائیں گے۔ موت کا فرشتہ کب ہمیں اچک لے اس کی خبر نہیں، سو اپنے دل کو اپنے بھائیوں کے متعلق بالکل ہی صاف کر لیجیے، اتنا صاف اور ستھرا کہ اس کو آپ کے دل میں محبتوں کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دے۔

تصویر زندگی میں نیا رنگ بھر گئے
وہ حادثے جو دل پہ ہمارے گزر گئے

حب رسول ﷺ کے تقاضے

امیر افضل اعوان

نبی کریم ﷺ کے ساتھ سچی محبت اور وفا کے جو ناقابل فراموش اور بے مثال مظاہرے صحابہ کرامؓ نے پیش کئے ہیں اگر آج کے مسلمان انہیں اپنی زندگی پر لاگو کر لیں تو ان شاء اللہ اتباع رسول ﷺ کو مشعل راہ بنانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور سیرت طیبہ ﷺ کی پیروی محبِ رسول ﷺ کے رگ و ریشہ میں سما جاتی ہے، اس سے مسلمانوں کو آخرت سنوارنے میں کامیابی ملتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ سے محبت کے جو بے مثال نقوش صحابہ کرامؓ کی مقدس زندگی میں دیکھے جاتے ہیں، ان کی بدولت ہی تو انہیں دنیا میں اقتدار اور آخرت میں عظیم رتبہ نصیب ہوا۔ صحابہ کرامؓ تابعین عظام کی یہ محبت مصطفوی ﷺ کا ہی کمال تھا کہ کٹھن سے کٹھن حالات اور مشکل سے مشکل مواقع پر بھی اتباع رسول ﷺ سے کوئی طاقت انہیں ایک ذرہ برابر بھی پیچھے نہ ہٹا سکی اور صحابہ کرامؓ ایسے ثابت قدم رہے کہ ان کے پاؤں میں ذرہ برابر لغزش کا تصور بھی تلاش کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

صحابہ کرامؓ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں رسول اللہ ﷺ کے نقش پا ڈھونڈتے اور اسی کو مشعل راہ بنا کر جلوہ پیارہتے، صحابہ کرامؓ کے نبی کریم ﷺ سے محبت کے معیار کا اگر باریک بینی اور شعوری طور پر مشاہدہ کیا جائے تو ہمیں کسی صحابیؓ کی جانب سے یہ روایت نہیں ملتی کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کی ذات یا آپ ﷺ کے احکامات و ارشادات مبارکہ کو ترجیحی بنیادوں پر عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اسی طرح کسی ایک صحابیؓ کے منہ سے یہ نہیں سنا گیا جس سے یہ تاثر لیا جا سکے کہ صحابہ کرامؓ نے صرف اور صرف اتباع رسول ﷺ ہی کو محبت کا معیار بنا کر اسی پر اکتفا کر لیا ہو یا اس کے برعکس صحابہ محبت رسول ﷺ کے نعرے لگاتے ہوں اور اتباع رسول ﷺ سے عملی طور پر عاری ہوں۔ صحابہ کرامؓ میں اتباع رسول ﷺ کیساتھ ساتھ محبت رسول ﷺ کا بھی مستقل جذبہ تھا، محبت مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' (بخاری و مسلم)

یعنی نبی کریم ﷺ کا مسلمانوں سے اور مسلمانوں کا حضور اکرم ﷺ سے جو تعلق ہے وہ تمام دوسرے انسانی تعلقات سے بالاتر ہے، کوئی رشتہ اس رشتے سے اور کوئی تعلق اس تعلق سے جو اللہ کے پیارے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے درمیان ہے، ذرہ برابر بھی کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کیلئے ان کی ذات سے مقدم ہیں'' (6"33) رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کیلئے ان کے والدین سے زیادہ شفیق و مہربان، یہاں تک کہ ان کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر خیر خواہ ہیں کیونکہ ماں، باپ اور بیوی بچے تو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، ان کے ساتھ خود غرضی برت سکتے ہیں، انہیں گمراہ کر سکتے ہیں، ان کو غلطیوں کی طرف راغب کر سکتے ہیں اور ان کو جہنم میں دھکیل سکتے ہیں مگر رحمۃ اللعالمین ﷺ اپنی امت کے حق میں صرف وہی بات کرنے والے ہیں، جس میں ان کی حقیقی فلاح ہو، اور جب معاملہ یہ ہے تو مسلمانوں کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کو اپنے والدین، اولاد اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ سے محبت رکھیں۔ قارئین کرام! حب رسول ﷺ کا بنیادی اور اولین تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تسلیم کیا جائے، اسی لئے ہر نماز میں اس کا اقرار ہے، ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں،''

اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا بے حد احترام کیا جائے۔

قرآن مجید میں صراحت ہے کہ ''آپ ﷺ کیلئے کوئی ذو معنی یا ایسا لفظ جس میں تنقیص اور اہانت کا شائبہ ہو استعمال کرنا منع ہے (البقرہ 154) اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اے اہل ایمان! اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ ان سے بلند آواز میں بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (الحجرات 2) حضور اکرم ﷺ کے ادب و احترام کے حوالے سے قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا احترام و اکرام وفات کے بعد بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں تھا اور حضور اکرم ﷺ کا کلام ماثور آپ ﷺ کے رخصت ہونے کے بعد بھی اسی طرح رفیع الشان ہے جیسے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلتے وقت تھا، اس لئے جب احادیث پڑھی جائیں تو ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی آواز نیچی رکھے اور اعراض و روگردانی سے بچے، جس طرح یہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والے اور آپ ﷺ سے سننے والے کیلئے لازم تھا۔ (تفسیر قرطبی)

بحیثیت امت محمدیہ ﷺ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم سرور عالم ﷺ کی اطاعت و اتباع کریں، آپ ﷺ کا ہر حکم بجالائیں اور ہر معاملے میں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو مدنظر رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت بھی آپ ﷺ کی اتباع میں مضمر ہے۔ کثرت سے نبی کریم ﷺ پر آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ سے درود پڑھنا بھی حب رسول ﷺ کا تقاضا ہے کیونکہ رب کائنات نے ایمان والوں کو اپنے رسول ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں، فرشتے ان کے لئے درجات کی بلندی کی دعا کرتے ہیں، اے اہل ایمان! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجا کرو'' (الاحزاب 56) آپ ﷺ کا اسم گرامی سن کر درود نہ پڑھنے والا بخیل اور بدبخت ہے، (مسند احمد 1736، سنن ترمذی 3545)

آپ ﷺ کے لئے مقام محمود کی دعا کرنا، حضور پاک ﷺ کی آل، اہل بیت اور صحابہ کرامؓ سے محبت اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو دشمن سمجھنا بھی حب رسول ﷺ کے اہم ترین تقاضے ہیں، جبکہ ناموس رسالت ﷺ کا تحفظ ہر مسلمان پر فرض، لازم اور واجب ہے اس کے لئے تن، من، دھن کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے اور اپنی استطاعت سے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی عزت حرمت کا تحفظ کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد دین اسلام کا فروغ تھا اور اس میں سر فہرست عقیدہ توحید ہے، خداوند کریم آپ ﷺ کی بعثت کے مقصد بارے فرماتے ہیں کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے رسولوں کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ وہ تمام ادیان (باطلہ) پر غلبہ پا لے، اگرچہ مشرک اس کو ناپسند ہی کریں۔ قارئین کرام! رسول کریم ﷺ کی محبت امت مسلمہ سے تقاضا کرتی ہے کہ آپ ﷺ کے مشن یعنی دین اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کے فروغ کیلئے ہر طریقے سے جدوجہد کرے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی معنوں میں محبِ رسول ﷺ بننے اور اس کے تمام عملی تقاضے پورے کرنے کی سعادت و توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

پبلشر قاری محمد یعقوب شیخ نے انتخاب جدید پریس 8 ایبٹ روڈ رائل پارک سے
چھپوا کر 180 ملتان روڈ لاہور سے شائع کیا۔ رابطہ ترسیل 042-37150890

یہ موت کتنی میٹھی ہوگی

اللہ، اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد اقصیٰ کے لئے یہ موت کتنی میٹھی ہوگی، میں وہاں جا رہا ہوں جہاں سے واپسی کی امید نہیں، میں سیدھا جنت میں جاؤں گا۔ یہ جملے اس ناقابل شکست فلسطینی قوم کے اس جوان کے ہیں جس نے قبلہ اول پر اسرائیل کی بار بار جارحیت، نماز جمعہ تک کے لئے بندش اور فلسطینیوں کے بہتے خون کو دیکھ کر گھر سے چاقو اٹھایا اور پھر ان صیہونیوں پر چڑھ دوڑا جو عرصہ 70 سال سے نہ صرف ارض مقدس پر قابض ہیں بلکہ ان کا دن رات خون بہا رہے ہیں۔

اس نوجوان کا نام عمر العابد تھا جس نے اس دنیا اور اس دنیا کی زندگی کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور عمر کے اس حصے میں از خود موت کی اس وادی میں اترنے کے لئے تیار ہو گیا جس میں ہر انسان روز ہزار خواب دیکھتا اور پھر ان کی تکمیل کے لئے اپنا سب کچھ وارتا ہے۔ عمر العابد کیا نہیں جانتا تھا کہ جس راستے پر وہ جا رہا ہے وہاں سے کبھی واپسی ممکن نہیں اور یہی اس نے اقرار کر کے اپنے آخری الفاظ میں بھی لکھ چھوڑا۔ اس امت کے ماننے والوں کی تعداد کہنے کو ڈیڑھ ارب سے زیادہ کہی جاتی ہے لیکن ان میں عمر العابد تو کروڑوں میں کوئی ایک ہی پیدا ہوتا ہے جو دشمنوں کی نیند حرام کر دیتا ہے اور ان کے سارے شیطانی تار و پود بکھیر دیتا ہے۔ مرنے کو ان ڈیڑھ ارب سے زائد لوگوں میں روزانہ ہزاروں ہوتے ہیں لیکن جس شان کے ساتھ عمر العابد اور ایسے دیگر رہرو رخصت ہوتے ہیں، یاد تو انہیں ہی کیا جاتا ہے، باقی ہزاروں تو کبھی کسی ریکارڈ میں شمار ہی نہیں ہوتے۔ یہ سب روزانہ ارض فلسطین کے سسکتے بلکتے بچوں کو درندے یہودی فوجیوں کے ہاتھوں میں تڑپتا روتا دیکھتے ہیں لیکن ایک آہ بھر کر اس منظر سے آنکھیں چرا کر واپس اسی دنیا میں لوٹ جاتے ہیں جہاں وہ موجود ہوتے ہیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ اگر یہ امت عمر العابد کی طرح نہ سہی اس کا ایک فیصد ہی جاگ جائے تو اس کا حال کب کا سنور جائے۔ 70 سال گزرے ارض فلسطین ایک بار پھر سے اس عمر کی راہ تک رہی ہے جنہوں نے 17 ہجری میں اسے صلیبیوں سے آزاد کروایا تھا۔ وہ مسجد اقصیٰ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بابرکت مقام قرار دیا اور جہاں سارے عالم کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے انبیاء علیہم السلام کی امامت کی سعادت عطا ہوئی تھی۔ اس کے گرد و نواح کو بھی اللہ تعالیٰ نے بابرکت قرار دیا اور اسے اپنی خاص نشانیوں میں سے ایک قرار دیا تھا۔ اسی کی جانب چہرہ کر کے مسلمانوں نے 16 ماہ نماز ادا کی تھی۔ اسی لئے تو اس کی فتح مسلمانوں کی بڑی آرزوؤں میں سے ایک تھی۔

17 ہجری میں جب مسلمانوں نے فلسطین فتح کیا تو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے یروشلم کا تاریخی سفر کر کے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے وہاں کے عیسائی پادری سے اس کی کنجیاں حاصل کیں۔ اس موقع پر امیر المومنین نے جس خوش اخلاقی، جس کشادہ دلی، عالی ظرفی اور بے لوثی سے عیسائیوں کے ساتھ معاملہ کیا، اور جس بلند اسلامی کردار کا مظاہرہ کیا، اس نے ان سب کا دل جیت لیا۔ یہی تو وجہ تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ اسی وقت اسلام لے آئے۔ اس وقت سے مسلم امت کا بیت المقدس سے جو رشتہ قائم ہوا، وہ صدیوں قائم رہا اور اس شان سے قائم رہا کہ ارض فلسطین اسلامی تہذیب کی شعاعیں پھوٹنے لگیں۔ 1096ء میں اسلام اور مسلم حکومتوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے نتیجہ میں دوسرے مسلم علاقوں کی طرح فلسطین پر بھی ایک بار پھر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا مگر مسلم امت کی یہ محرومی اور زبوں حالی زیادہ عرصہ باقی نہیں رہی۔ 1187ء میں امت کے عظیم لیڈر سلطان صلاح الدین ایوبی نے طویل صلیبی جنگوں کے بعد آخری حملہ کر کے بیت المقدس کو فتح کرنے کے بعد قبلہ اول کو عیسائیوں کے تمام نشانات سے پاک کیا، مسجد اور اس کے محراب کو



دوبارہ تعمیر کیا اور وہاں اپنے ساتھ لایا وہ منبر بھی نصب کیا جو وہ ہر وقت اور ہر جنگ میں اپنے ساتھ اس ارادے سے رکھتے تھے کہ جب انہیں فتح ملے گی تو وہ اسے یہاں اپنے ہاتھوں سے نصب کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری کی کہ وہ تو یقیناً ان لوگوں میں شامل تھے جن کی قسمیں بھی اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے قبلہ اول کی آزادی کے لئے تقریباً 16 جنگیں لڑیں اور فاتح قرار پائے۔ مسلم امت کے یہ عظیم ترین جرنیل 1138ء میں موجودہ عراق کے شہر تکریت میں جو صدام حسین کی بھی جائے پیدائش ہے، پیدا ہوئے تھے ان کی زیر قیادت ایوبی سلطنت نے مصر، شام، یمن، عراق، حجاز اور باربکر پر بھی حکومت کی۔ سلطان صلاح الدین کو ان کی بہادری، فیاضی، حسن خلق، سخاوت اور بردباری کے باعث نہ صرف مسلمان بلکہ عیسائی بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ آج تک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد واحد حکمران ہیں جنہیں فاتح بیت المقدس کا اعزاز حاصل ہے۔ تاریخ کی یہ عجیب یکسانی ہے کہ قبلہ اول کو آزاد کرانے والے یہ دونوں عظیم جرنیل سادگی اور متانت میں اپنی مثال آپ تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت کے تذکرے تو زبان زد خاص و عام ہیں لیکن صلاح الدین ایوبی اس منفرد شخصیت کا نام ہے جو اتنے بڑے فاتح اور حکمران ہونے کے باوجود حج کی سعادت کی آرزو لئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے کہ ان کے ذاتی مال میں اتنا پیسہ نہیں تھا کہ وہ حج بیت اللہ کا سفر اختیار کر سکتے۔ آخر کوئی تو وجہ ہے کہ صدیاں بیتنے کے بعد میں ان حکمرانوں کے تذکرے کروڑوں اربوں انسان کرتے دنیا سے گزر گئے اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے تو تا قیامت یوں ہی ان کے ناموں کے ڈنکے بجتے رہیں گے۔

قبضہ یہود میں تڑپتا بیت المقدس پہاڑیوں پر آباد ہے ان میں ایک پہاڑی کا نام صیہون ہے۔ اسی پر مسجد اقصیٰ قائم ہے۔ بیت المقدس پر کنٹرول کتنی دہائیاں قائم رہا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آج کے مشرق وسطیٰ کے دولت مند ترین ممالک میں غربت کا راج تھا۔ یہاں موجودہ ترقی اور سہولیات کا تصور تک نہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آج امت مسلمہ کے سینے میں خنجر کی مانند پیوست اسرائیل مشرق وسطیٰ میں عوامی سہولیات کے حوالے سے سب سے آگے ہے کیونکہ دنیا بھر کے وہ اسلام دشمنان جنہوں نے یہاں اسرائیل کو جنم دیا تھا آج تک اس پر دن رات دولت اور سامان حرب و ضرب کی برسات کرتے ہی جا رہے ہیں۔ وہ 29 نومبر 1947 کا دن تھا جب مسلمانوں کو دنیا میں قانونی طور پر مارنے کے لئے بنائی گئی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کی تقسیم کا منصوبہ منظور کیا اور 1948 میں امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی مشترکہ سازش سے فلسطین کے علاقہ میں یہودی سلطنت کا قیام عمل میں لایا گیا اور بیت المقدس کا نصف حصہ یہودیوں کے قبضہ میں آ گیا۔ 1967 کی عرب اسرائیل جنگ میں یہودیوں نے مکمل طور پر قبلہ اول پر اپنا قبضہ جما لیا اور انہوں نے مسجد اقصیٰ میں آگ لگا کر اس کا ایک حصہ جلا ڈالا تو اس آتش زدگی کا نشانہ وہ منبر بھی بنا تھا جو صلاح الدین ایوبی اپنے ساتھ لائے اور یہاں نصب کر کے گئے تھے۔

مسجد اقصیٰ آج ایک بار پھر کسی عمر فاروقؓ و صلاح الدین ایوبی کی راہ تک رہی ہے تو امت کے بیٹے عمر العابد کی شکل میں دشمنوں پر پلٹ پلٹ کر جھپٹ بھی رہے ہیں جو اسی قافلہ حق کے راہی ہیں۔ امت اس درد کو کب اپنا درد سمجھ کر آگے بڑھے گی، مورخ انتظار میں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر کچھ مسلم حکمرانوں کا خون سفید ہو گیا اور انہیں سوائے اپنے اقتدار کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تو اس سے اسرائیل کو یہ دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ ساری کی ساری امت ان جیسی ہو چکی ہے۔ اسرائیل کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ آج بھی مسلم امت کی رگوں میں دوڑنے والا خون ابھی بہت سرخ ہے اور ماؤں نے ابھی عمر پیدا کرنا چھوڑ نہیں دیا۔

بیٹی پر ظلم کیوں؟

زینب اور مریم بہت خوش تھیں۔ خوش کیوں نہ ہوتیں، باپ نے جو بلا لیا کہ آؤ برگر کھلانے لے چلوں۔ برگر کھانے کے شوق میں زینب اور مریم اپنے باپ کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے ہوئے باپ کی انگلیاں پکڑتے ہوئے دائیں اور بائیں ہو لیں۔ ان کے معصوم ذہنوں میں تو کوئی خدشہ کوئی ڈر نہیں تھا۔ کسی قسم کا کوئی شک نہیں تھا کہ ان کا باپ واقعی انہیں برگر کھلانے جا رہا ہے یا اس کی کوئی اور ہی نیت ہے۔ 7 سالہ مریم اور 11 سالہ زینب اپنے باپ کے ساتھ برگر کھانے جا رہی تھیں۔ باپ جو کہ محافظ ہوتا ہے۔ اپنے بچوں کو ہر آفت سے بچاتا ہے۔ اپنی اولاد کے لئے شجر سایہ دار ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ معصوم جانیں بے دھڑک باپ کے ساتھ چل رہی تھیں۔ وہ انہیں شکر گڑھ میں ایک قریبی نالہ بئیں کی طرف لے گیا۔ اس وقت بچیاں پوچھ رہی ہوں گی بابا ہمیں اس طرف کیوں لے آئے۔ ادھر تو کوئی برگر کی دکان نہیں ہے۔ آپ تو ہمیں برگر کھلانے لائے تھے نا! لیکن سفاک باپ امجد کو کوئی ترس نہ آیا اس ظالم باپ نے بچیوں کو پانی میں ڈبونا شروع کر دیا۔ بچیاں چیخ چلا رہی تھیں۔ لیکن سفاک باپ کو ان پر کوئی رحم نہیں آ رہا تھا۔ وہ معصوم کلیوں کو پانی میں غوطے دے دے کر مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بچیاں اس وقت چیخ و پکار کر کے اپنی ماں کو آوازیں دے رہی ہوں گی۔ ماں ہمیں بچا لو، ہم تمہیں ساتھ نہیں لے کر نہ آئیں ورنہ تم ہمیں بچا تیں۔ ماں اس سفاک باپ سے بچاؤ ہم کمزور ہیں باپ کے مضبوط ہاتھوں نے ہمیں پکڑ رکھا ہے، وہ ہمیں پانی میں ڈبو ڈبو کر مار رہا ہے۔ ماں اسے بتلا دو ہم نے برگر نہیں کھانے۔ پھر وہ پھٹی آنکھوں سے باپ سے التجائیں کر رہی ہوں گی بابا ہمیں برگر نہیں کھانے۔ بابا جی! ہم آپ سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتیں۔ بابا ہمیں چھوڑ دو ہمیں نہ مارو دونوں بچیاں واویلا اور فریاد کر رہی تھیں۔ اس دوران ننھی مریم کی آواز تو ختم ہو گئی اس کی چیخیں تھم گئیں، اس کا جسم لٹک گیا۔

اتنی سفاکیت دیکھ کر تو درختوں پر بیٹھے معصوم پرندے بھی دبک گئے ہوں گے وہ بھی آہ و فغاں کر رہے ہوں گے کہ ہمیں تو اپنے بچے اتنے پیارے ہیں کہ ہم بے غرض انہیں کھلاتے پلاتے ہیں۔ ان کو ہر آفت و بلا سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے ننھے بچوں کو کوئی ہاتھ لگائے تو کمزور ہوتے ہوئے بھی ان کا دفاع کرتے ہیں، لیکن یہ کیسا اشرف المخلوقات ہے جسے اللہ نے تمام مخلوق میں شرف و عزت سے نوازا ہے۔ اپنی اولاد کے لئے اتنا سفاک ہو سکتا ہے اور خاص طور پر بیٹی کے لئے جو باپ کو اپنا محافظ و گارڈ سمجھتی ہے۔ اسے باپ کے ہونے سے تحفظ کا احساس ہوتا ہے۔ بیٹی کو لگتا ہے کہ باپ جیسی عظیم ہستی کے ہوتے ہوئے کوئی اس کی طرف بری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ باپ ایک بیٹی کے لئے شجر سایہ دار ہوتا ہے۔ جس کا سایہ اسے زمانے کی تپش اور گرمی سے بچا کر راحت دلاتا ہے۔ لیکن یہ کیسا باپ ہے؟ جس نے برگر کے بہانے بیٹیوں کو پانی میں ڈبو ڈبو کر مارنے کی کوشش کی، مریم تو جلد ہی اپنے رب سے جا ملی اور زینب تشویشناک حالت میں ہے۔ وہ بھی گھر والوں نے جب بچیوں کی تلاش شروع کی تو قریبی نالہ بئیں سے چیخوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لوگوں کو آتے دیکھ کر امجد وہاں سے فرار ہو گیا جس سے ایک بچی کی جان بچ گئی اور وہ لاہور ہسپتال میں زیر علاج ہے۔ ایس ایچ او ستی شعیب کامران کی ٹیم نے چھاپہ مار کر ملزم کو گرفتار کر لیا ہے۔ سلاخوں کے پیچھے بند امجد اپنی بچ جانے والی بیٹی زینب کو کیا منہ دکھائے گا۔ بیٹی کو تو باپ کے نام سے ہی نفرت ہو جائے گی۔ کیا ایک بیٹی جس کے ساتھ باپ نے اس طرح کا سفاکانہ سلوک کیا اس کے سامنے اس کی چھوٹی بہن کو ڈبو کر مار دیا۔ کیا کبھی وہ اپنے باپ کو معاف کر پائے گی؟ اور اس کے ساتھ جو اس قدر ہیبتناک واقعہ ہوا۔ کیا وہ اسے بھول پائے گی؟ وہ بچ تو گئی لیکن اس دردناک صورتحال کی وجہ سے وہ اپنی زندگی نارمل گزار سکے گی؟ کیا وہ کسی کو اپنا محافظ



سمجھ سکے گی؟ یہ بہت سارے دکھی سوال وابستہ ہیں اس بچ جانے والی معصوم زینب کے ساتھ جو اپنے سب سے پیارے رشتے کے ستم کا شکار ہوئی۔

مریم کا معاملہ تو اس سے بھی الگ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سورہ التکویر میں قیامت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی اور جب جنگلی جانور اکٹھے کئے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے اور جب جانیں ملائی جائیں گی، قیامت کی ان تمام باتوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: واذا الموءدۃ سئلت، بایی ذنب قتلت ''اور جب زندہ دفن کی گئی (لڑکی) سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے بدلے قتل کی گئی''۔

ہائے افسوس! اس وقت زندہ درگور کرنے والی کا باپ مریم کو ڈبو کر مارنے والا باپ اللہ کی عدالت میں کس منہ سے کھڑا ہوگا۔ اللہ عدالت لگا کر مریم کو سامنے کھڑا کریں گے۔ مریم سے پوچھیں گے تمہیں کس گناہ کے بدلے میں مارا گیا۔ مریم اس وقت اپنے اللہ رحمن و رحیم سے کہے گی کہ میں نے تو برگر کا مطالبہ بھی نہیں کیا تھا میں تو بابا سے کچھ بھی نہیں مانگتی تھی پھر بھی بابا نے مجھے ڈبو ڈبو کر مار دیا۔

اے جاہل باپو! ذرا غور کرو بیٹیوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنے والو اللہ کے سامنے کس منہ سے پیش ہو گے، اس وقت تمہارا کیا حشر ہوگا۔

اس سنگدل باپ کا کیا حشر ہوگا، شادباغ کے علاقے عظیم پارک میں ایک سنگدل باپ نے اپنی 13 سالہ بیٹی عتیقہ کو گول روٹی نہ بنانے پر قینچی اور ڈنڈے مار مار زخمی کر دیا تھا جس کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ دم توڑ گئی تھی۔ اب بیٹی کی لاش پر جھوٹ موٹ کے آنسو بہا رہا تھا لیکن جرم کب چھپتا ہے۔ اگر اب چھپ بھی جاتا تو قیامت والے دن جب سارے اعمال نامے پھیلا دیئے جائیں گے اس وقت مجرم کیسے چھپ پائے گا۔ اس وقت عتیقہ سے پوچھا جائے گا تمہیں کیوں مارا گیا۔

اللہ اللہ! ایسے باپ کیا جواب دیں گے؟ کس منہ سے اللہ کا سامنا کریں گے؟ ایسے باپ دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں۔ اللہ ایسے باپوں کو ہدایت دے۔ بیٹیوں کو بوجھ نہ سمجھیں، ان کے محافظ بنیں۔ بیٹی کی اعلیٰ تربیت کر کے جنت میں رسول کریمؐ کے ساتھی بن جائیں۔

رسولؐ کے امتی ہونے کے ناطے اسوہ رسول اپنائیں۔ رسول کریمؐ کے اخلاق جیسا اخلاق بنانے کی کوشش کریں اور بیٹیوں کے ساتھ رسول کریمؐ جیسا حسن سلوک اپنانے کی کوشش کریں۔ حضرت محمدؐ رحمت دو عالم اپنی اولاد اور ساری امت کے لئے ایک مثالی باپ تھے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد اکرمؐ بیٹیوں سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ کی چار بیٹیاں تھیں۔ حضرت زینبؓ حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثوم اور سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہؓ، آپ فاطمہ کو اپنی لخت جگر کہتے تھے۔ رسول کریم کو آپ سے بہت محبت تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ رسول کریمؐ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو نماز سے فارغ ہو کر سیدھے حضرت فاطمہؓ کے گھر جاتے اور حضرت عائشہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ جب فاطمہؓ اپنے بابا کے گھر آتیں تو اللہ کے رسولؐ اٹھ کھڑے ہوتے بیٹی کی طرف بڑھتے، بیٹی کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ اسے بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر حضرت فاطمہ کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب آپ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ اٹھ کھڑی ہوتیں اپنے بابا کی طرف چل پڑتیں آپ کا ہاتھ پکڑ لیتیں، بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھا دیتیں۔ (ابو داؤد کتاب الادب) رسول کریمؐ ایک بہترین اور محبت کرنے والے باپ تھے۔ شفیق اور میزبان والد تھے اللہ امت محمدیہ کی بیٹیوں کے باپوں کو رسول کریمؐ کے نقش پا جیسا باپ ہونے کی توفیق عطا فرما کہ وہ اپنی بیٹیوں کے لئے نرم و گداز اور ریشم جیسے بن جائیں، کمزور جنس کے لئے مہربان بن جائیں۔

اے اللہ! اصلاح فرما دے۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ

ذی الحجہ کے دن اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا کردار

سب وقت، زمانے اور دن اللہ کے ہیں لیکن حج کے دن جن کو خاص اہمیت اور فضیلت والے دن قرار دیا گیا، یہ ذی الحجہ کے پہلے دس دن ہیں جنہیں عشرہ ذی الحج کا نام دیا گیا۔ جن کے بارے میں رسول کریمؐ نے فرمایا: ''کسی بھی دن کا کیا ہوا عمل اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں میں کیے ہوئے عمل سے زیادہ محبوب نہیں ہے (صحابہؓ نے) پوچھا! اے اللہ کے رسولؐ جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں ہاں مگر وہ شخص جو اپنی جان و مال کے ساتھ نکلے اور کچھ واپس لے کر نہ آئے۔ (سنن ابی داؤد 2438)

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ کوئی دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دس دنوں سے بڑھ کر عظمت والا نہیں اور نہ کسی دن کا عمل اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب ہے پس تم ان دنوں میں کثرت سے تہلیل (لا الہ الا اللہ) تکبیر (اللہ اکبر) اور تحمید (الحمدللہ) کہو۔''

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں بازار کی طرف نکل جاتے اور (لوگوں کو تکبیرات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے) تکبیرات پڑھتے اور لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیرات پڑھتے۔ (بخاری)

ذرا غور کریں! اللہ کی عبادت اور دعاؤں کی قبولیت کا بہترین وقت رات ہے جب دعائیں قبول ہوتی ہیں وہ پچھلی رات کا وقت ہے یعنی رات کے تیسرے پہر جب اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اپنے بندوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں اور پھر رمضان المبارک کی راتوں کا قیام اگلے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور لیلۃ القدر کی فضیلت والی رات جس کو ہم سے چھپا کر رکھا گیا کہ اسے طاق راتوں میں تلاش کیا جائے تاکہ اس رات کو پا کر ہم اپنے گناہوں کی بخشش کروا سکیں، یعنی 21 ویں، 23 ویں، 25 ویں، 27 ویں اور 29 ویں کی راتوں میں کون سی رات لیلۃ القدر ہوتی ہے، یہ اللہ رحیم و کریم جانتے ہیں اور جو اس رات کو پا لے اور اپنی مغفرت کروا لے وہ خوش نصیب ہے۔ یعنی یہ رات ہم سے خفیہ ہے، لیکن عشرہ ذی الحجہ کے دنوں میں ایک دن ایسا ہے جس دن کو اللہ نے فضیلت والا دن قرار دیا ہے وہ ہے عرفہ کا دن۔ جس دن اللہ دعائیں قبول کرتا ہے اور اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ عرفہ کے دن سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم کی آگ سے آزادی دیتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ قریب ہوتا ہے، پھر اپنے بندوں کے ذریعے سے فرشتوں سے فخر و مباہات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟''

مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ یوم عرفہ کی شام اہل عرفات کی وجہ سے فرشتوں سے فخر و مباہات کرتے ہوئے کہتا ہے (اے فرشتو!) میرے بندوں کی طرف دیکھو میرے پاس پراگندہ بالوں اور غبار آلود حالت میں آئے ہیں۔

سبحان اللہ! عرفہ کے دن کی فضیلت کے کیا کہنے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عرفات کے میدان میں اکٹھے ہو کر رب کریم کی عبادت کرنے والوں کا تذکرہ فرشتوں سے فخر کی صورت میں کرتا ہے اس دن بندوں کے قریب بھی ہوتا ہے اور جہنم سے آزادی کا پروانہ بھی دیتا ہے۔

یہ حج کے دن ہیں سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اللہ نے ان لوگوں پر جو اس کی راہ میں استطاعت رکھتے ہوں اس گھر کا حج فرض کیا ہے اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ اس سے بلکہ تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن و امان کی جگہ بنایا تم مقام ابراہیم کو

آبگینے
بشریٰ امیر
FACEBOOK.COM/BUSHRA.AMEER777
BUSHRAAMEER7@YAHOO.COM

جائے نماز مقرر کر لو (البقرہ: 125) جی ہاں! میری بہنو! آج حاجی اس گھر کا طواف کرتے ہیں۔ قیام، رکوع اور سجود کرتے ہیں۔ اللہ نے اپنے اس گھر کو اپنے پیارے دوست جنہیں اللہ نے خلیل اللہ کہا، حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ سے بنوایا اور اسے جائے امن قرار دیا۔ یہ حج جیسا عظیم عمل حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور اماں ہاجرہ علیہم السلام کے کردار اور ان کی ادائیں ہیں۔ ان کی قربانیاں ہی تو مناسک حج بن گئے ہیں۔ حج کیا ہے؟ قربانیاں کیا ہیں؟ یہی تو سنت ابراہیمی ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ محترمہ ہاجرہ علیہا السلام (ام اسماعیلؑ) کے لئے اللہ کی طرف سے وحی ہوئی کہ ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ کو اس سرزمین میں لے جا کر چھوڑ دیا جائے جہاں نہ کوئی آبادی ہے نہ کوئی چشمہ نہ کوئی پانی۔ وہ جگہ ویران خشک اور غیر آباد تھی۔ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے ایک مشک اور ایک تھیلی کھجوروں کے ساتھ حضرت ہاجرہؓ اور بیٹے اسماعیلؑ کو بے آب و گیاہ وادی میں تنہا چھوڑ کر چل دیئے۔ حضرت ہاجرہ نے یہ صورت حال دیکھ کر عرض کیا آپ ہمیں اس بے آب و گیاہ وادی میں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت ہاجرہؓ نے پھر پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے؟ کہا: ''ہاں'' حضرت ہاجرہؓ نے کہا پھر اللہ ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ یہ تھا اللہ کی برگزیدہ بندی کا اللہ رب العزت پر کامل بھروسہ اور بھرپور توکل۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ صرف ایک مشک پانی اور چند کھجوریں ہیں۔ یہ کب تک چلیں گی۔ دور دور تک زندگی کا کوئی نشان نہیں، کہیں پانی کا قطرہ نہیں، کوئی گھانس پھونس نہیں۔ ساتھ میں ننھی جان۔

کچھ دن گزرے پانی ختم، کھجوریں بھی ختم، دودھ خشک ہونے کی وجہ سے دودھ پیتے شیر خوار اسماعیلؑ کا حلق خشک ہو گیا۔ پانی کی تلاش میں کبھی صفا پہاڑی پر چڑھتیں اور کبھی مروہ پر سات مرتبہ دوڑیں اور ایک نظر دور لیٹے صاحبزادے کو بھی دیکھتیں جو حلق خشک ہونے کی وجہ سے زمین پر ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ وہیں حضرت اسماعیلؑ کے ایڑیوں کے رگڑنے کی جگہ پانی نکل آیا۔ حضرت ہاجرہ بھاگتی ہوئی آئیں اور پانی کے اردگرد منڈھیر بنانے لگیں اور ساتھ ہی ساتھ کہتی جا رہی تھیں: زم زم یعنی رک جا رک جا۔ وہاں سے قبیلہ جرہم کے لوگ گزرے انہوں نے دور سے ایک پرندہ دیکھا وہ حیران ہوئے کہ اس خشک وادی میں پرندہ کیسا؟ شاید یہاں پانی کا چشمہ ہے۔ وہ آئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک نورانی چہرے والی عورت اپنی گود میں بچہ لئے بیٹھی ہے۔ انہوں نے حضرت ہاجرہؓ سے وہاں بسنے کی اجازت مانگی وہ لوگ وہاں بسے۔ یہ تھا حضرت ہاجرہ کا اللہ پر توکل جس کی بدولت اللہ نے بے آب وادی کو آباد کر دیا اور یہی وہ جگہ ہے جہاں بیت اللہ کو حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ نے اس کی پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا یہ خانہ کعبہ ہے اور مکۃ المکرمہ کا امن والا شہر بھی ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا بھی۔ عرض کی! اے میرے رب میں نے اپنی یہ اولاد تیرے گھر کے پاس بے آب و گیاہ وادی میں لا بسائی ہے، تاکہ نماز قائم کریں۔ پس تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں میں سے رزق دے تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔

اللہ اکبر! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبولیت کے درجے سے نوازتے ہوئے اللہ نے قبول کیا۔ آپ کی بیوی حضرت ہاجرہ کے اللہ پر توکل کو بلندی کی چوٹیوں پر پہنچا کر ان کی قربانی اور ان کی بھاگ دوڑ کو قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بنا دیا۔ فرزند اسماعیلؑ کو باپ کی اطاعت اور رب کی رضا کے لئے قربانی دینے سے مسلمانوں کے لئے قربانی جیسے عمل کو زندہ کر دیا۔

اللہ تمام مسلمانوں کو سنت ابراہیمی پر چلائے۔ آمین

حضرت عائشہؓ کا دوپٹہ اور زعفرانی شہر پلوامہ

کشمیر کا خوبصورت علاقہ ضلع پلوامہ ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ کشمیر کے دارالحکومت سری نگر سے 40 کلومیٹر دوری پر واقع ہے۔ پلوامہ میں دو کالج اور ایک یونیورسٹی ہے۔ دودھ کی کثیر پیداوار کی وجہ سے اس ضلع کو اکثر کشمیر کی دودکول (دودھ کی نہر) کہا جاتا ہے۔ جو 118 ٹن فی سال سے زیادہ دودھ پیدا کرتا ہے۔ پلوامہ دنیا بھر میں زعفران کی کاشت کے لیے مشہور ہے جہاں اس کی کاشت عام اور کاروباری پیمانے پر ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے وادیٔ کشمیر اس کے رنگوں میں کھو جاتی ہے۔ زعفران کا پودا پیاز سے ملتا جلتا اور 45 سینٹی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ اس پر کھلنے والا پھول جامنی رنگ کا اور اس کے اندر گہرے میرون رنگ کی گھاس جیسی باریک پتیاں ہوتی ہیں جو دیکھنے میں بہت خوبصورت رنگ کی ہوتی ہیں۔ حکیم اور طبیب اسے دیسی ادویات میں استعمال کرتے ہیں۔ زعفران میں نباتاتی تیل ہوتا ہے جو انسانی جسم کے لیے کئی فوائد رکھتا ہے۔

بہرحال! زعفران دنیا کی قیمتی ترین جڑی بوٹی ہے۔ زعفران کے 150 پھولوں میں سے ایک گرام خالص زعفران حاصل ہوتا ہے اور جب فصل پکتی ہے تو جامنی رنگ کے پھولوں کے اندر گہرے سرخ رنگ کا زعفران ایک دلکش نظارہ پیش کرتا ہے۔ فصلوں سے زعفران کے پھول توڑنے کے لیے کشمیری بچے اور عورتیں کھیتوں کا رخ کرتے ہیں۔ پھول توڑتے ہیں ٹوکریوں میں بھرتے ہیں۔ زعفران کی پتیوں کو پھولوں سے الگ کرتے ہوئے ان کے ہاتھوں پر بھی زعفرانی رنگ لگ جاتا ہے۔ یہی زعفرانی رنگ لگانے اور اس کی خوبصورتی دیکھنے صائمہ کشمیر کے شہر پلوامہ میں آئی تھی۔ یہ اس کا سسرال تھا۔

صائمہ انڈونیشیا کے دارالحکومت جکارتہ کی رہنے والی ہے۔ 2016ء میں پلوامہ کے رہنے والے عابد حسین ایم بی اے کرنے کے بعد جکارتہ چلے گئے۔ جلد ہی انہیں جکارتہ کی ایک نجی کمپنی میں ملازمت مل گئی، ڈیوٹی کے پہلے روز عابد کی ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی جس کے کردار سے متاثر ہو کر اسے اپنا جیون ساتھی بنانے کا ارادہ کر لیا۔ عابد نے لڑکی کو اپنا نام بدلنے کا کہا کیونکہ اصل نام کی ادائیگی عابد کے لیے مشکل تھی۔ اس پر لڑکی نے اپنا نام صائمہ رکھ لیا۔ دونوں نے 2017ء میں شادی کر لی۔ ستمبر 2018ء میں ان کی پہلی بچی پیدا ہوئی۔ عابد کے کہنے پر اس کے ساتھ دسمبر کے پہلے ہفتے پلوامہ آئی جہاں اپنے ساس سسر اور دیگر سسرالی رشتہ داروں سے ملی۔ کشمیری زبان اس کے لیے مسئلہ بنی، وہ صرف انگلش بول سکتی تھی، عابد اور اس کی بہن صائمہ کے ساتھ انگلش میں بات کرتے، وہ بتدریج سسرالیوں اور گاؤں کی خواتین کے ساتھ گھل مل گئی۔ پھر 15 دسمبر کی صبح گولیوں کی تڑتڑاہٹ نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔ جس میں عابد حسین سمیت دس شہری شہید ہو گئے۔ صائمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا میں نے شوہر سے کہا تھا کہ بچے کے لیے دودھ لے کر آئے۔ جب وہ ایک گھنٹے تک واپس نہ آئے تو میں نے اسے تلاش کرنا شروع کیا، دو گھنٹے بعد معلوم ہوا کہ بھارتی فوج نے ان کی جان لے لی ہے۔ انہوں نے کشمیر نیوز سروس کو بتایا کہ عابد نے انہیں کبھی نہیں بتایا تھا کہ کشمیر کے حالات اس قدر خراب ہیں۔ یہاں میری زبان کوئی نہیں سمجھتا، میرا پاسپورٹ انڈونیشیا کا ہے۔ میں نے واپس اپنے وطن جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں شوہر کے ساتھ یہاں آئی، اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ بھارتی فوج نے میرے شوہر کی جان لی، وہ مجھے بھی مار دے گی۔

یہ ہے ظالم انڈین فوج کا کردار کہ اس کے ظلم سے کوئی نہیں بچ پا رہا۔ صائمہ جو زعفران کے کھیت دیکھنے آئی تھی۔ اس کے پھول توڑنے آئی تھی۔ سفید دوپٹے کو زعفرانی رنگ میں رنگنے آئی تھی۔ اس کا خاوند عابد حسین خون کے سرخ رنگ میں رنگ دیا گیا۔ اب وہ سہمی اور ڈری ہوئی زعفران کی سرزمین سے واپس جکارتہ چلی گئی ہے۔ مجھے اس موقع پر اپنی روحانی اماں جان حضرت عائشہؓ کا دوپٹہ یاد آیا ہے۔ آپؓ نے ایک

آبگینے
بشریٰ امیر
FACEBOOK.COM/BUSHRA.AMEER777
BUSHRAAMEER7@YAHOO.COM

بار اپنے دوپٹے کو زعفران کے رنگ سے رنگا تھا۔

مکہ، مدینہ و عرب میں خواتین اپنے دوپٹوں کو زعفرانی رنگ میں رنگا کرتی تھیں۔ اسے ہونٹوں پر بطور سرخی بھی استعمال کر لیتی تھیں۔ منگنی اور شادی کے موقع پر کپڑوں کو زعفرانی رنگ بھی لگایا جاتا تھا، حضرت محمد اکرمؐ نے اپنے ایک جوان صحابی کے کپڑوں کو زعفرانی رنگ لگا ہوا دیکھا تو خوشی سے دل لگی کرتے ہوئے مذکورہ نوجوان کی شادی کا تذکرہ فرمایا تھا۔ احادیث اور تاریخ میں ان واقعات کا ذکر موجود ہے۔ ہمارے ہاں جب شادی کے موقع پر پلاؤ کے ساتھ زردہ پکایا جاتا ہے تو زعفرانی رنگ ڈال کر زردہ بنایا جاتا ہے۔ چاولوں کی متنجن میں بھی زعفرانی رنگ ڈالا جاتا ہے۔ سوچتی ہوں عرب میں زعفران کیسے جاتا ہوگا۔ قرآن نے ہی بتا دیا۔ سورۃ القریش میں آگاہ کر دیا کہ عربوں کے تاجر سردی کے موسم میں یمن اور ہندوستان کے ساحل پہ آیا کرتے تھے۔ یہاں سے ہندوستان کا مال عرب جایا کرتا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ کشمیر کا زعفران عرب جایا کرتا تھا۔ پلوامہ کا زعفران مکہ مدینہ جایا کرتا تھا۔ کیا بعید کہ حضرت عائشہؓ کے دوپٹے کو جو زعفرانی رنگ لگا وہ پلوامہ کا ہی زعفران ہو؟

میں کہتی ہوں میرے ملک پاکستان نے، پاک فوج نے، اللہ کے شیروں اور شاہبازوں نے مقبوضہ وادی، اس کے ہر شہر اور بستی کو۔ ارض زعفران پلوامہ کو۔ پاکستان کے ساتھ جوڑنا ہے۔ کشمیر کی ہر بیٹی بھی چاہتی ہے۔ پاکستان کے راستے سے ہی وہ مکہ اور مدینہ سے جڑنا چاہتی ہے۔

اس جڑاؤ کو اب انڈیا کا ظلم روک نہیں سکتا (ان شاء اللہ)

محترم افتخار گیلانی جو سید علی گیلانی کے داماد ہیں۔ معروف بین الاقوامی صحافی ہیں انڈیا کی حالیہ درندگی میں صائمہ کے شوہر عابد حسین اور دیگر شہداء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شہید ہونے والوں میں آٹھویں کلاس کا طالب علم، شیر خوار بچے کے لیے دودھ خریدنے کی تگ و دو میں راستے میں کھڑا باپ، ایک دکاندار، پریکٹس سے واپس آ رہا ایک کھلاڑی اور کئی راہگیر شامل تھے۔ مقامی لوگوں کے مطابق پلوامہ کے ایک دیہات سرنو میں صبح ساڑھے 8 بجے کے قریب فوج اور عسکریت پسندوں کے درمیان تصادم ختم ہو گیا تھا۔ گو کہ لوگ سڑکوں پر تھے، مگر پرتشدد مظاہرے نہیں ہو رہے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ جب فورسز کی ٹکڑی آپریشن ختم کر کے واپس جا رہی تھی کہ کھار پور محلہ میں تنگ راستہ کی وجہ سے ان کی بھاری بھرکم کیپر گاڑی کو موڑنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ عوام کو سڑکوں سے ہٹانے اور راستہ بنانے کے لیے فورسز اہلکاروں نے بندوقوں کے دہانے کھول دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پیدل چل رہے افراد زمین پر گرتے گئے۔ اسی طرح کی صورتحال پلوامہ سٹیڈیم کے پیچھے برپورہ میں بھی پیش آئی اور وہاں بھی فورسز کی ایک گاڑی پھنس کر رہ گئی تھی۔ یہاں بھی فورسز نے بندوقوں کے دہانے کھول کر اندھا دھند فائرنگ کی۔ شہید ہونے والوں میں ایم بی اے ڈگری یافتہ عابد حسین لون بھی شامل ہے۔ وہ حال ہی میں اپنی انڈونیشین اہلیہ اور شیر خوار بچے کے ساتھ کشمیر منتقل ہوا تھا۔ آٹھویں جماعت کے طالب علم عاقب بشیر کا والد ہسپتال میں تو زخمیوں کو دیکھنے گیا تھا کہ اسے اپنے لخت جگر کی ہلاکت کی اطلاع ملی وہ ضلع ہسپتال پلوامہ سے گزر رہا تھا جس دوران ان کے دل میں خیال آیا کہ ضلع ہسپتال میں زخمیوں کی عیادت اور خون کا عطیہ کروں۔ ہسپتال میں اس کو بتایا گیا کہ ایک غیر شناخت شدہ بچے کی لاش پڑی ہے۔ جس کی ابھی تک شناخت نہیں ہو سکی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ تو اسی کے 14 سالہ لخت جگر کی لاش ہے۔

مقبوضہ وادی کے شیر دل بیٹوں کے نام اور بہادر بیٹیوں کے نام مجھ جیسی ناچیز کا یہی پیغام ہے کہ اے بیٹو اور بیٹیو! آگے بڑھے چلو۔ ہم نے چلتے ہوئے اور بڑھتے ہوئے اس دن تک دم نہیں لینا جب تک کہ پلوامہ کے زعفرانی کھیتوں سے زعفران کے پھولوں کو اس حال میں توڑ نہیں لینا کہ پلوامہ پر پاکستان کا پرچم لہرا نہیں لینا۔ پھر ان پھولوں کو دریائے نیلم کے کنارے کی سڑک سے راولپنڈی اور اسلام آباد پہنچا نہیں لینا۔ وہاں سے ان پھولوں کو سی پیک کے ذریعے گوادر کو سجا نہیں لینا اور پھر بحیرہ عرب کے ذریعے مکہ مدینہ پہنچا نہیں لینا۔ (ان شاء اللہ)

اپنا گھر اپنی جنت



میرے ہاتھ میں سبز اور سفید پرچم والا پین ہے جو کہ میری عزیزہ کے چھوٹے بیٹے جواد نے دیا ہے کہ میں اس پاکستانی پرچم والے پین کے ساتھ لکھوں، یہ ہے ایک پاکستانی بچے کا جذبہ جو کہ اپنے وطن پاکستان سے بہت محبت رکھتا ہے۔ پاکستان بنے 70 سال ہو گئے ہیں۔ تمام پاکستانی ہر سال 14 اگست کو یوم آزادی مناتے ہیں۔ بڑے بوڑھے جوان، عورتیں، بچے جوش و خروش سے پاکستانی پرچم لہرا کر تقاریر و سیمینار کر کے ملی ترانے اور نغمے گا کر اپنے ملک، اپنے وطن عزیز سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ وطن عزیز سے محبت کیوں نہ ہو لاکھوں قربانیاں دے کر یہ آزاد خطہ حاصل ہوا۔ اب اس آزاد سرزمین میں آزاد فضا میں سانس لینے والوں کا گھر ہے۔ وہ آزادی سے اپنے گھر میں رہتے ہیں۔ بلاشبہ اپنا گھر اپنی جنت ہوتا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے برصغیر میں مسلمان ہندوؤں کے ساتھ ایک ہزار سال اکٹھے رہے۔ جس طرح دریا کے دو کنارے نہیں مل سکتے، اس طرح ہندو اور مسلم کبھی اکٹھے نہ ہو سکے۔ ذرا تاریخ میں جھانک کر دیکھ لو ہندو اور مسلم کے نظریات الگ الگ رہے۔ ان میں ہمیشہ فرق رہا۔ ہر دور کی پارٹی اس فرق کو ختم نہ کر سکی۔ جیسے ہندو پانی اور مسلم پانی کی تفریق نہ مٹی، ہندو حلوائی اور مسلم حلوائی اور اسی طرح ہندو محلے اور مسلم محلے بھی الگ تھے۔ مسلمانوں سے ہندو تعصب و نفرت کی آگ تو اس قدر بھڑکی ہوئی تھی کہ وہ مسلمانوں کو کتوں سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔

آسٹرین نژاد نومسلم محمد اسد اپنی خود نوشت بندہ صحرائی میں لکھتے ہیں کہ 1933ء میں وہ کوہ ہمالیہ کے دامن میں واقع جوگندر سنگھ ریلوے اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں سے گاڑی دو گھنٹے بعد پٹھان کوٹ جائے گی چنانچہ ہم قریبی بازاروں میں گھومنے لگے۔ اس مٹرگشت کے دوران ہمیں ایک دکان پر گرما گرم دودھ کا کڑاہا نظر آیا اس نے ہماری بھوک کو چمکا دیا۔ ہم دکان پر پہنچے تو دکاندار نے دودھ سے بھرا ہوا لکڑی کا پیالہ پکڑا ہوا تھا اور وہ ایک آوارہ کتے کو دودھ پلا رہا تھا مجھے یہ منظر دلی طور پر اچھا لگا۔ جب میرے دوست نے اسے پنجابی میں بتایا کہ ہم دودھ پینا چاہتے ہیں تو اس نے اسی پیالے کو جس سے وہ کتے کو پلا رہا تھا، پانی سے کھنگالا اور دیوار میں بنے طاقچے کی طرف اشارہ کیا میں نے اپنے دوست سے اشارے کا مطلب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ ہندو ہے ہم ہندو نہیں اس لئے ناپاک ہیں۔ وہ کسی ایسے برتن کو ہاتھ نہیں لگائے گا جس میں ہم جیسے لوگ کچھ پئیں گے۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم خود طاق سے گلاس اٹھائیں اور وہ کڑچھے میں سے دودھ ڈال کر دے گا۔ یہ سنتے ہی میرا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کتے کو دودھ پلا رہا تھا مگر ہمیں ناپاک سمجھ کر برتن کو ہاتھ نہیں لگانا چاہتا تھا۔ میں نے غصے سے گلاس لیا اس سے کڑچھا چھینا اور گلاس کو دودھ سے لبالب بھر لیا اور پھر بھرا ہوا گلاس دودھ کے کڑاھے میں ڈال دیا اور سارے دودھ کو ناپاک کر دیا۔ گلاس کو دور پھینکتے ہوئے میں نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکالا جو پورے کڑاھے کی قیمت سے زیادہ تھا، اسے ہندو دکاندار کے منہ پر دے مارا۔ ذات پات اور پاک و ناپاک کے ہندو تصور کا میرا یہ پہلا جھگڑا تھا۔

یہ تھی ہندو قوم کی تنگ نظری اور مسلمانوں سے چھوت والا رویہ جس کی بدولت ہندوستان میں مسلمان متعصب ہندو کی عادتوں کا نشانہ بنتے رہے۔ ہندو نے یہ غیر اخلاقی اور بدترین رویہ اپنے ایک معروف ترین ہندو مفکر "کوتلیہ چانکیہ" جو کہ ٹیڑھی میڑھی ٹانگوں والا غریب اور بدصورت انسان تھا، سے لیا۔ وہ ذات کا برہمن تھا۔ جس کا تفصیلی تذکرہ مولانا امیر حمزہ کی کتاب "ہندو کا ہمدرد" میں ہے۔

کوتلیہ چانکیہ نے اپنی زندگی کے تجربات پر مبنی کتاب لکھی جس کا نام "ارتھ شاستر" ہے۔ ہندو کی اس لکھی گئی کتاب میں ایسے وضع کردہ اصول و قوانین ہیں جو انسان دشمن ہیں اور بھارتی حکومت اس کتاب کو سنسکرت اور انگریزی میں کئی بار شائع بھی کر چکی ہے۔ ان چند باتوں سے ہی ہندو ذہن کا پتہ چل جائے گا کہ ہندو کس قدر کرخت ذہن کا مالک ہے۔ کتاب میں لکھا ہے کہ جو عورت کام مکمل نہ کرے حالانکہ اس نے معاوضہ وصول کیا ہو تو اس کا انگوٹھا کاٹ دیا جائے۔ (صفحہ 142)

وراثت میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں ہوگا وہ اپنی ماں کے انتقال کے بعد اس کے کانسی کے برتن اور زیور ہی لینے کی حقدار ہوں گی۔ (صفحہ 211)

شودر ہو کر خود کو برہمن کہلانے والے کی دونوں آنکھیں نکالی جائیں یا اس سے 100 پن جرمانہ وصول کیا جائے۔ (297)

اگر کوئی برہمن کے باورچی خانہ کو ناپاک کرے، راجہ سے گستاخی کرے۔ راجہ کے راز فاش کرے، اس کی زبان کاٹ دی جائے۔ (صفحہ 300)

یہ ہے ہندو کا مذہب اور اپنے ہی دھرم والوں سے غیر مہذب رویہ اور ذات پات کی تقسیم کا زہر اور اسی طرح کی جھوٹ چالبازیوں اور فریب کاریوں سے بھرپور یہ کتاب ہندو کا مذہب ہے۔ بھلا ایسے دھرم اور دین اسلام والے کب اکٹھے رہ سکتے تھے۔ وہ اسلام جو دین فطرت ہے، امن کا دین ہے۔ ہر انسان کی عصمت و عزت کا محافظ ہے۔ مال و جان کا نگران ہے۔ یہی تھا وہ نظریہ جس نے مسلم کو ہندو سے جدا کیا۔ الگ ملک پاکستان بنانے کے لئے جدوجہد کا آغاز ہوا۔ مسلم خواتین نے بھرپور کردار ادا کیا۔ ہندوؤں کے ظالمانہ رویے کے خلاف امرتسر میں جلوس نکالا، اس جلوس میں ہزاروں برقع پوش لڑکیاں طالبات اور سیکڑوں خواتین تھیں۔ قیام پاکستان کے وقت ایسے ایسے دردناک منظر پیش آئے جنہیں سن اور پڑھ کر کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔

خواجہ افتخار کی لکھی کتاب "جب امرتسر جل رہا تھا" اس میں وہ رقم طراز ہیں کہ شام کے گہرے دھندلکے مزید تاریکی میں ڈوب رہے تھے۔ حملہ آوروں کی اکثریت نے منہ پر کپڑے باندھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی خوفناک لگ رہے تھے۔ جیسے کوئی خوفناک دیوتا آج ہی اپنی خون کی پیاس بجھا لے گا۔ ہر مرد ہر عورت اور بچہ اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔ آہ و بکا اور چیخ پکار کے ساتھ نفسا نفسی کا عالم تھا خون کا دریا تھا جو پانی کی مانند بے تحاشا بہہ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حملہ آوروں نے بے شمار عورتوں اور بچوں کو کاٹ کاٹ کر پھینک دیا۔ میری چھوٹی بہن منیبہ جو صرف چھ ماہ کی تھی، ابھی تک ماں کی چھاتی سے چپکی ہوئی تھی، تھوڑی دیر تک خاموشی سے لیٹے لیٹے جب بچی کو سکون محسوس ہوا تو وہ کھیلنے کے لئے ہاتھ پاؤں چلانے لگی چونکہ اس کے پاؤں میں چھوٹی چھوٹی پازیب پڑی ہوئی تھیں۔ اس کی آواز پیدا ہونے لگی ماں نے کوشش کی کہ بچی کے پاؤں پکڑ لے لیکن وہ پاؤں پکڑے تو رونے لگ گئی ماں نے اسے چپ کروانا چاہا لیکن بے سود۔ اس آواز کو دشمن نے سن لیا وہ تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور آتے ہی اپنا نیزہ بچی کے سینے میں پیوست کر دیا۔ نیزے کی انی بچی کے سینے سے پار ہو کر ماں کی پسلیوں کو بھی پار کر گئی۔ دشمن نے دوسرا نیزہ بچی کو پھر مارا اور معصوم بچی کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ پاکستان کے نام پر یتیم اور بے گھر ہونے والے ان بچوں کی چیخ پکار اور عورتوں کی دردناک چیخیں، میں نے تین مائیں دیکھیں جنہوں نے دودھ پینے کی عمر کے مردہ بچے سینوں سے لگا رکھے تھے۔ تینوں کا یہ عالم تھا کہ لوگ انہیں بتا رہے تھے کہ یہ بچہ مر گیا ہے، لاؤ اسے دفن کر دیں لیکن وہ بچوں کو مزید سختی سے اپنے ساتھ چپکا لیتیں اور ان پر دوپٹے ڈال دیتی تھیں، بولتی کچھ نہیں تھیں آنکھیں اور منہ کھولے ہوئے سب کو دیکھتیں۔ ان کے خاوند مارے گئے تھے اور خاندان کے باقی مردوں کا انہیں کچھ پتہ نہیں تھا۔ عزتیں تار تار تھیں۔ لٹے پٹے قافلے بیل گاڑیوں کے ذریعے پاکستان آ رہے تھے۔ بیشتر بیل گاڑیوں میں لاشیں تھیں جنہیں وہ راستے میں قبریں کھود کر دفنا دیتے اور بعض تو کٹے پھٹے منزل پر آ کر گرتے اور اللہ کو پیارے ہو جاتے۔ یہ تھے وہ لوگ جو اپنے گھر اپنی جائیدادیں اور اپنے عزیزوں کی لاشیں سرحد پار چھوڑ آئے تھے یہ تھیں وہ وطن عزیز کے لئے قربانیاں جو مہاجرین نے دیں۔ اپنے عزیز قربان کئے لاکھوں شہداء کے پاک خون سے بنا ہے یہ پاکستان۔ ان شہداء کی عظیم قربانیوں سے ہم اس آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ الحمدللہ پھر کیوں نہ کہیں، وطن اپنا گھر اپنی جنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور میرے راستے میں تکلیف دیے گئے اور لڑائی کی اور شہید ہو گئے۔ البتہ میں ان کی برائیاں دور کر دوں گا اور ایسی جنتوں میں داخل کر دوں گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہے۔ اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے۔ (آل عمران:56)

سائرس اعظم یا ذوالقرنین؟



اڑھائی ہزار سال قبل ایران (فارس) پر ایک خدا رسیدہ بادشاہ کی حکومت تھی جسے یونانی مورخین "سائرس اعظم" لکھتے ہیں۔ تاریخ ایران میں اب اسے "کوروش کبیر" یا "کوروش بزرگ" کہا جاتا ہے۔ کورش (گورش) یا کوروش (Cyrus) کا نام بائبل (اردو) کے عہد نامہ قدیم (Old Testament) میں خورس (قدیم فارسی میں خرس) آیا ہے۔ شاہ فارس سائرس نے 549 ق م میں شمال مغربی ایران کی سلطنت ماد (Media) فتح کر کے ہخامنشی سلطنت (Achaemenid Empire) کی بنیاد رکھی جو اس کے جد امجد ہخامنش سے منسوب ہوئی۔ سائرس نے 546 ق م میں لیڈیا (ایشیائے کوچک یا ایشیائی ترکی) پر قبضہ کر لیا اور 538 ق م میں اس کی فوجیں کلدانیہ (عراق) یا کالڈیا (Chaldea) کے دارالسلطنت بابل (Babylon) میں فاتحانہ داخل ہو گئیں۔ اس نے ان 62000 یہودیوں کو فلسطین واپسی کی اجازت دے دی جنہیں شاہ بابل بخت نصر 586 ق م میں قیدی بنا کر عراق لے آیا تھا۔ اس کے بعد طلوع اسلام تک عراق سلطنت ایران میں شامل رہا۔ سائرس نے شام بھی فتح کر لیا تھا اور اس کے بیٹے کمبوجیہ (Cambyses) نے مصر پر فوج کشی کر کے اسے بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

عہد ماضی کے بعض مفسرین قرآن نے سکندر اعظم مقدونی یونانی کو اس کی وسیع فتوحات کی بنا پر قرآن مجید میں مذکور ذوالقرنین قرار دے دیا کیونکہ قرآن میں ذوالقرنین کی مشرق، مغرب اور شمال میں تین فتوحات کا ذکر ہے جبکہ عہد حاضر کے مفسرین جن میں مولانا ابوالکلام آزاد اور سید ابوالاعلیٰ مودودی نمایاں ہیں، کہتے ہیں کہ سائرس ہی وہ موحد بادشاہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ذوالقرنین کے نام سے آیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ذوالقرنین کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"چونکہ فتوحات کی وسعت اور مغرب و مشرق کی حکمرانی کے لحاظ سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے، اس لیے سورۂ کہف میں مذکور ذوالقرنین کے باب میں متاخرین کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں، چنانچہ امام رازی نے بھی سکندر ہی کو ذوالقرنین قرار دے دیا، حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا ذوالقرنین سکندر مقدونی نہیں ہو سکتا۔ نہ تو وہ خدا پرست تھا، نہ عادل تھا، نہ مفتوح قوموں کے لیے فیاض تھا اور نہ اس نے کوئی سد (دیوار) بنائی۔

جہاں تک کورش یا سائرس کا تعلق ہے، وہ مذہب زردشت (زرتشت) کا (پیروکار) حکمران اور ہخامنشی خانوادے کا پہلا تاجدار تھا۔ یونانی مورخ زینوفن کے الفاظ میں "وہ صرف بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ انسانوں کا شفیق، مربی اور قوموں کا رحیم باپ بھی تھا۔ اس نے آشوری اور بابلی بادشاہوں کے تمام مظالم کے اثرات یک قلم محو کر دیے۔ اس کے متعلق یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ خداوند کہتا ہے: "خورس میرا چرواہا ہے" اور وہ "میرا مسیح ہے۔" یرمیاہ نبی نے پیش گوئی کی تھی کہ "وہ بنی اسرائیل کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے گا۔" چنانچہ خورس (ذوالقرنین) نے نہ صرف یہودیوں کو فلسطین واپس جانے کی اجازت دی بلکہ ان کے ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

جہاں تک لقب ذوالقرنین کا تعلق ہے، اصطخر (نزد شیراز) کے کھنڈروں سے سائرس کی جو سنگی تمثال (پتھر کی مورتی) برآمد ہوئی ہے، اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں جبکہ دانیال نبی کے خواب میں بھی دو سینگوں والے مینڈھے کی شکل دکھائی گئی تھی اور اس کی تعبیر جبریل نے یہ کی تھی کہ دو سینگوں والا مینڈھا ماد اور فارس کی بادشاہت ہے، جبکہ ذوالقرنین کے معنی بھی "دو سینگوں والا" ہیں۔ قرآنی تصریح کے مطابق وہ اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا تھا، احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتا تھا اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ کا فضل و کرم سمجھتا تھا۔ سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل تھا۔ قرآن میں مذکورہ ذوالقرنین کی مشرقی اور مغربی مہمات کی طرح سائرس نے بھی مشرقی اور مغربی مہمات سر کیں اور اس کی نسبت یونانی مورخین ہیروڈوٹس اور زینوفن کی شہادت موجود ہے کہ اس نے منگول نسل کی سیتھین قوم (یاجوج و ماجوج) کے سرحدی حملوں کی روک تھام کی مگر سکندر کی نسبت کوئی ایسی شہادت موجود نہیں۔ اس سے یہ تاریخی قرینہ پیدا ہوتا ہے کہ سدِ یاجوج و ماجوج سائرس ہی نے تعمیر کی تھی۔ علاوہ ازیں کاکیشیا (قفقاز) میں ایک دریا کا نام زمانہ قدیم سے کورش (موجودہ "کور" Kur جو جارجیا اور آذربائیجان میں بہتا ہوا دریائے اراکس سے آملتا ہے) چلا آتا ہے جسے ارمنی نوشتوں میں سائرس کے نام سے پکارا گیا ہے۔ انتھونی جیکسن (1557ء) سمیت یورپی سیاحوں نے بھی اس دریا کو سائرس ہی لکھا ہے جبکہ ارمنی نوشتوں میں اس سد (دیوار) کا نام بھاک کورائی (کور کا دروازہ) آیا ہے۔ ظاہر ہے کور دراصل گورش کی بدلی شکل ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کا ذوالقرنین اور گورش (خورس) یا سائرس دراصل ایک ہی شخصیت ہے (ملخص "اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج" از مولانا ابوالکلام آزاد)

مولانا آزاد نے اس تحریر کے ساتھ حوالہ نہیں دیا، تاہم قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کوروش کبیر یا سائرس اعظم ہی کے ذوالقرنین ہونے اور سدِ ذوالقرنین کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے وہ ناصر الدین قاچار دور کے ایرانی مورخ ملا تقی الدین سپہر کاشانی کی تصنیف ناسخ التواریخ (حصہ ہبوطِ آدمؑ) سے مستعار ہے۔

ذوالقرنین تو اللہ والا اور نیک دل بادشاہ تھا جیسا کہ قرآن میں اس کے الفاظ "یہ میرے رب کی رحمت ہے" سے ظاہر ہے مگر اس کا جانشین کمبوجیہ اس کے برعکس ثابت ہوا۔ یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے کمبوجیہ کے متعلق ایک عجیب واقعہ لکھا ہے: کمبوجیہ نے ایک روز اپنے ایک درباری پراکساپس کے بارے میں پوچھا کہ ایرانی رعایا کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ اس نے کہا کہ سب لوگ جہاں پناہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، البتہ یہ کہتے ہیں کہ جہاں پناہ شراب بہت پیتے ہیں۔ اس پر کمبوجیہ آگ بگولا ہو کر بولا: "دیکھو تمہارا بیٹا سامنے کھڑا

(باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 99)

بقیہ | محسن فارانی | 99

ہے۔ اگر میں ایسا تیر ماروں جو اس کے دل میں ترازو ہو جائے تو ایرانیوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہوگا اور اگر میرا نشانہ چوک گیا، تب وہ ٹھیک کہتے ہیں کہ شراب نے میرے حواس مختل کر دیے ہیں" ۔ یہ کہہ کر اس نے ایک تیر چلے میں رکھا اور نشانے پر پھینکا۔ پراکساپس کا جوان بیٹا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ کمبوجیہ نے حکم دیا کہ اس کا سینہ چاک کیا جائے۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی اور زخم جانچا گیا تو معلوم ہوا کہ تیر مقتول کے عین دل میں پیوست تھا۔ یہ دیکھ کر کمبوجیہ باغ باغ ہو گیا اور پراکساپس سے بولا: "یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایرانیوں کے اپنے حواس بجا نہیں"۔ خوفزدہ پراکساپس نے سنجیدگی سے کہا: "ایسا بے خطا نشانہ صرف جہاں پناہ کا ہو سکتا ہے"۔

اردشیر سوم کمبوجیہ سے بھی زیادہ ظالم تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی کوروش نے اس کے خلاف بغاوت کی۔ دونوں کی فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ کوروش لڑتے ہوئے بادشاہ کے پاس پہنچ گیا تو ایک سپاہی مہرداد کے ہاتھوں مارا گیا۔ اردشیر نے اعلان کیا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے باغی کو قتل کیا ہے۔ ایک دن مہرداد نے شراب کے نشے میں کہہ دیا کہ بادشاہ خواہ مخواہ جوانمرد بنا پھرتا ہے، کوروش کو تو میں نے قتل کیا تھا۔ اردشیر کو خبر ملی تو اس نے حکم دیا کہ گستاخ مہرداد کو کشتیوں کا عذاب دیا جائے۔ چنانچہ دو کشتیاں اس طرح بنوائی گئیں کہ ایک دوسری پر ٹھیک جفت ہوتی تھی۔ ایک کشتی میں مہرداد کو لٹا کر دوسری اس پر مضبوطی سے جڑ دی گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں اور منہ کشتی سے باہر تھے۔ پھر اسے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا گیا اور ساتھ ہی جلاب بھی دیا گیا۔ اس کے چہرے پر شہد مل دیا گیا، جس سے کیڑے مکوڑے اور مکھیاں اس پر آئیں اور اس کے لب و رخسار کو کاٹنے لگیں۔ ادھر جلاب لگے تو نچلی کشتی غلاظت سے بھر گئی۔ یوں اس میں کیڑے پیدا ہوئے جو مہرداد کی انتڑیوں اور دل و جگر کو کھانے لگے۔ وہ بدنصیب سترہ دن اس عذاب میں تڑپتا رہا اور مر گیا۔

گٹھیا کیلیئے غذائی ہدایات

غذا	مطلوبہ طور پر استعمال (کم پیورین)	اعتدال (متوازن پیورین)	نظرانداز (زیادہ پیورین)
روٹی اور اناج	روٹی، اناج، چاول، نوڈلز، مکئی کی روٹی	۲ تہائی کپ تک روز: دلیا ۱ تہائی کپ تک روز: گندم چوکر کے ساتھ	خمیر
پھل	سارے پھل اور ان کا رس	—	مگرناشپاتی (Avocado)
سبزیاں	ساری سبزیاں	آدھا کپ تک روز پالک، پھول گوبی، بندگوبی، مٹر، مشروم	—
پروٹین والی غذا بنا چربی کے گوشت مرغی / مچھلی بغیر چمڑی کے (بنا تیل کے پکائیں)	انڈا، پنیر، میوے، مکھن / مارجرین	آدھا کپ تک روز 1) گوشت، مرغی (گرام۵۰ گرام۸۰) 2) مچھلی (گرام۵۰- گرام۸۰) 3) خشک پھلیاں، دالیں (اکپ)	کلیجی، گردے، دل، مغز، میٹھی روٹی، بھیڑ کا گوشت، بطخ کا گوشت، تیتر، چھوٹی مچھلیاں
تیل اور چکنائی	ہر قسم کا تیل، لیکن کم مقدار میں	—	شوربا (گاڑھا)
سوپ	سبزیوں کا سوپ یا یخنی	گوشت کا سوپ	گوشت کا شوربا (گاڑھا) خمیر کے استعمال کے ساتھ
دیگر	مٹھائی، چاکلیٹ، مشروبات، چائے، کافی، کسٹرڈ، پڈنگ، نمک، مصالحے، اچار، زیتون، مکئی، سرکہ	—	قیمہ

متاثرہ جوڑ

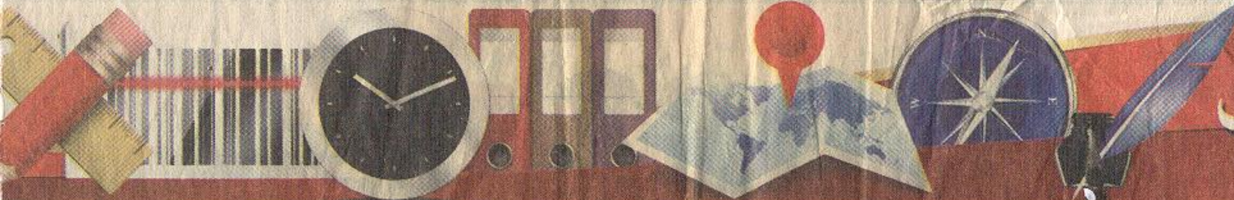
یورک ایسڈ کرسٹل جوڑوں اور جسم کے ٹھنڈے حصوں میں بنتے ہیں۔

1. کہنی
2. کلائی
3. گھٹنا
4. ٹخنا
5. انگوٹھا
6. انگوٹھے کا نچلا حصّہ



یہ غذائی احتیاط Efroze فارما نے مریضوں کو گٹھیا سے بچاؤ کے لئے فراہم کی ہے۔





عید کی خوشیاں مگر کیسے؟

محمد ذوالفقار

زندگی کا دستور ہے کہ جب بھی کوئی شخص کامیابی کا زینہ طے کرتا ہے، تو اس کے بدلے میں اس کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ یہ انعامات مال کی صورت میں ہوں یا کسی اعزاز کی صورت میں، دونوں صورتوں میں ہی باعث مسرت ہوتے ہیں اور یہ انعامات دنیاوی زندگی کے لیے بھی ہو سکتے ہیں اور آخروی زندگی کے لیے بھی۔

آج اگر ہم ترقی یافتہ دنیا کی دنیاوی ترقی کا راز جاننے کی کوشش کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ انتھک محنت اور دیانتداری کا نتیجہ ہے، لیکن اگر ہم بحیثیت مسلمان بات کریں، تو دنیا و آخرت میں حقیقی کامیابیاں اللہ نے ہمارا مقدر کی ہیں۔ اللہ کا ہم سب کے لیے سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم زندگی کا احاطہ کریں، تو یہ دو چیزوں پر محیط ہے، صبر اور شکر۔ اگر زندگی میں کوئی دکھ، تکلیف آئے تو اس پر صبر کرنے کا حکم ہے جبکہ خوشی کی صورت میں شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔

ویسے تو اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت پر جتنا شکر ادا کریں کم ہے، مگر بطور مسلمان جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیے ہیں، جن میں ماہ رمضان بھی ایک بڑا انعام ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کے لیے رہتی دنیا تک ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح اس ماہ مقدس کو تین عشروں میں تقسیم کیا گیا۔

پہلا عشرہ باعث رحمت، جس میں اللہ کی رحمتوں کی بارش ہوتی ہے اور مسلمان ان رحمتوں بھرے لمحات سے استفادہ کرتے ہیں، جس پر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر شکر بجالاتے ہیں۔

اسی طرح دوسرا عشرہ مغفرت کا ہے، جس میں مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا سامان کیا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو ہر وقت اپنی طرف بلاتا ہے کہ اے میرے بندے مجھ سے معافی مانگ کر دیکھ، میں تیرے گناہوں کو کیسے معاف کرنے والا ہوں۔

اسی طرح تیسرا عشرہ نجات کا عشرہ ہے، جس میں اللہ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کر کے نجات کا سامان مہیا کرتا ہے اور اس عشرے کی خاص بات یہ بھی ہے کہ اس عشرے میں اللہ تعالیٰ نے تمام راتوں سے افضل رات جسے لیلۃ القدر کہتے ہیں عطا فرمائی۔ اس عظیم رات میں کی جانے والی عبادت کا ثواب ہزار راتوں کے برابر ہے، یعنی یہ رات ہزار راتوں سے افضل ہے اور یہ بھی اللہ کی طرف سے دیا جانے والا ایک بڑا انعام ہے۔

ماہ رمضان کے الوداع ہوتے ہی اللہ اپنے بندوں کو ایک بہت بڑی خوشی عیدالفطر کی صورت میں عطا کرتا ہے۔ یہ بھی اللہ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے، جہاں اللہ اپنے بندوں کو مختلف قسم کے انعامات سے نوازتا ہے، وہیں اپنے بندوں پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد کرتا ہے۔ اگر تو ہم وہ ذمہ داری اچھے طریقے سے بھاتے ہیں، پھر تو ہم ان تمام نعمتوں کے حقیقی مستحق ہیں، وگرنہ کوئی ضرورت نہیں بھوکا پیاسا رہنے کی کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ جو شخص روزہ کے متعلق احکامات کی پاسداری نہیں کرتا، اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی مطلب نہیں۔ اگر ہم مسلمان ہیں، تو ہم پر لازم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کریں نا کہ اپنی من مانیاں کرتے پھریں۔ ہر نعمت کا شکر ادا کرنے کا اللہ نے طریقہ بتایا ہے، اگر ہم بطور مسلمان اپنے گریبان میں جھانکیں، تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم وہ سب کر رہے ہوتے ہیں، جو ان دنوں میں بھی نہیں کرتے، رمضان کے شروع ہوتے ہی ذخیرہ اندوزی، عیدی کے نام پر رشوت خوری، لوٹ مار، مہنگائی اور وہ تمام برائیاں جن سے اللہ نے سختی سے منع فرمایا ہے، وہ سب کر رہے ہوتے ہیں۔ ماہ مقدس میں جگہ جگہ رمضان بازار لگائے جاتے ہیں، جس میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ بازار سے بار عایت سامان دستیاب ہوگا، مگر حقیقت میں بالکل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ رمضان کے شروع ہوتے ہی سبزیاں، پھل اور روزمرہ کے استعمال کی اشیاء مہنگی ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے غریب عوام پس کر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر رمضان کے آخری عشرے کی بات کریں، تو اس میں لوگ عید کی خریداری کرنے آتے ہیں اور ہم نام نہاد مسلمان ان کی جیبوں پر نظر رکھے بیٹھے ہوتے ہیں اور ان دنوں میں بھی گراں فروشی عروج پر ہوتی ہے، جس سے کم از کم غریب آدمی تو عید جیسی خوشی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ ہمیں روزے کی حقیقی روح کو سمجھنا ہوگا اور روزے کی حقیقی روح یہ ہے کہ ہم دوسروں کا خیال رکھیں، محبت بھائی چارے کا فروغ، غریبوں کی مدد کریں اور ان تمام برائیوں سے بچیں، جو اللہ اور اس کی مخلوق سے دوری کا سبب بنتی ہیں۔ ورنہ کیسے ممکن ہے کہ ہم رشوت بھی لیں اور رمضان ہمارے لیے باعث رحمت بھی ہو۔ ہم دھوکہ بھی دیں، گراں فروشی بھی کریں اور اللہ سے مغفرت کی توقع بھی رکھیں۔ عید کا لفظی مطلب خوشی کا ہے، تو اللہ کے لیے سوچیے کیسے ممکن ہے کہ دوسروں کی خوشیاں چھین کر ہم خوش رہ سکیں۔ اس لیے کوشش کیجیے کہ اس دفعہ اپنی عید کی خوشیوں میں غریبوں کو شامل کیا جائے، جس کے لیے ضروری ہے کہ ہم زکوۃ الفطر یعنی فطرانہ عید کی نماز سے پہلے مستحق لوگوں تک پہنچائیں کیونکہ یہ ان کا ہم پر حق ہے اور اللہ اپنا حق تو معاف کر سکتا ہے، اپنے بندوں کے حقوق کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

زکوۃ الفطر کے حوالے سے چند اہم باتیں

1۔ زکوۃ الفطر ہر مسلمان پر فرض ہے جس کے پاس ایک دن کی حاجت سے زیادہ، ایک صاع (قریباً تین کلو گرام) گندم، جو، کھجور کے برابر مال بچا ہو۔

2۔ زکوۃ الفطر بڑوں اور بچوں سب پر لازم ہے۔

3۔ مسافر بھی ادا کرے گا۔

4۔ زکوۃ الفطر اناج کی صورت میں دیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے، یعنی گندم، چاول، کھجور وغیرہ یا پھر اس مقدار کے اناج کی قیمت۔ فطرانہ عید کی نماز سے پہلے دینا لازم ہے، اگر بعد میں دیا، تو صدقہ شمار ہوگا۔

5۔ زکوۃ الفطر غرباء، یتیم، مساکین جو استطاعت نہ رکھتے ہوں، ان کو دی جائے تاکہ وہ عید کی خوشیوں میں شامل ہو سکیں۔

6۔ زکوۃ الفطر ان اداروں کو بھی دیا جا سکتا ہے، جو رفاعی کاموں میں پیش پیش ہوں یعنی مدارس، خیراتی ہسپتال وغیرہ۔

اللہ ہم سب کو صحیح معنوں میں عید کی خوشیاں سمیٹنے اور دوسروں میں خوشیاں بانٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆......☆......☆

آپ ؐکے آخری لمحات

ناتمام
ہارون الرشید
haroon.rasheed@dunya.com.pk
SMS: "HRC" (space) message & send to 7575

وفات سے 3 روز قبل جبکہ حضور اکرمؐ اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ کے گھر تشریف فرما تھے، ارشاد فرمایا کہ "میری بیویوں کو جمع کرو"۔ آپؐ نے دریافت کیا: "کیا تم سب اجازت دیتی ہو کہ بیماری کے دن میں عائشہؓ کے ہاں گزار لوں؟"

اٹھنا چاہا لیکن اٹھ نہ پائے۔ جناب علی ابن ابی طالب اور فضل بن عباسؓ آگے بڑھے۔ آپ کو سہارے سے اٹھا کر سیدہ عائشہؓ کے حجرے کی طرف لے جانے لگے۔ اس وقت اصحاب کرامؓ نے حضور کو اس حال میں دیکھا تو گھبرا کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ آپ کو کیا ہوا؟ آپ کو کیا ہوا؟ وہ مسجد میں جمع ہونے لگے۔ اس طرح ایک بڑا ہجوم ہو گیا۔

عالی جناب کا پسینہ شدت سے بہہ رہا تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ بعدازاں فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں کسی کا اس قدر پسینہ بہتے نہیں دیکھا۔ "میں رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کو پکڑتی اور اسی کو چہرہ اقدس پر پھیرتی کہ آپ کا ہاتھ محترم اور پاکیزہ تھا"۔ یہ ورد سنائی دے رہا تھا کہ "لا الہ الا اللہ...... بیشک موت کی اپنی سختیاں ہیں"۔

اسی اثناء میں مسجد کے اندر شور بڑھنے لگا۔

آپؐ نے دریافت فرمایا: یہ کیسی آوازیں ہیں؟ عرض کیا گیا: یارسول اللہؐ! یہ لوگ آپ کی حالت سے خوف زدہ ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے ان کے پاس لے چلو۔ پھر اٹھنے کا ارادہ فرمایا لیکن اٹھ نہ سکے، آپؐ پر سات مشکیزے پانی کے بہائے گئے، تب سہارے سے اٹھا کر منبر پر لائے گئے۔ یہ رحمۃ للعالمینؐ کا آخری خطبہ تھا۔ فرمایا: اے لوگو......! شاید تمہیں میری موت کا خوف ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں یارسول اللہؐ۔

ارشاد فرمایا: اے لوگو......! تم سے میری ملاقات کی جگہ دنیا نہیں، کوثر ہے، خدا کی قسم گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اے لوگو......! مجھے تم پر تنگ دستی کا خوف نہیں بلکہ دنیا کی فراوانی کا اندیشہ ہے تم اس میں ایک دوسرے سے مقابلے میں لگ جاؤ جیسا کہ تم سے پہلے والے لگ گئے، اور یہ دنیا تمہیں بھی ہلاک کر دے جیسا کہ انہیں ہلاک کر دیا۔ پھر مزید ارشاد فرمایا "اے لوگو......! نماز کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ نماز کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو"۔ "اے لوگو! عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، میں تمہیں عورتوں سے نیک سلوک کی وصیت کرتا ہوں"۔ مزید فرمایا: اے لوگو! ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ دنیا کو چن لے یا اُسے چن لے جو اللہ کے پاس ہے، تو اس نے اُسے پسند کیا جو اللہ کے پاس ہے۔ جناب ابوبکرؓ تنہا شخص تھے جو اس جملے کو سمجھے، رونے لگے۔ گریہ کرتے ہوئے آپؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور رسول اکرم کی بات قطع کر کے پکارنے لگے...... "ہمارے باپ دادا آپؐ پر قربان، ہماری مائیں آپؐ پر قربان، ہمارے بچے آپؐ پر قربان، ہمارے مال و دولت آپؐ پر قربان......"۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: اے لوگو! ابوبکر کو چھوڑ دو۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں، جس نے ہمارے ساتھ بھلائی کی ہو اور ہم نے اس کا بدلہ نہ دے دیا ہو، سوائے ابوبکر کے۔ ان کا بدلہ میں نے اللہ پر چھوڑ دیا۔ مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں، سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔

ارشاد فرمایا: اللہ تمہیں ٹھکانہ دے، تمہاری حفاظت کرے، تمہاری مدد کرے، تمہاری تائید کرے۔ اے لوگو! قیامت تک آنے والے میرے ہر ایک امتی کو میرا سلام پہنچا دینا۔ پھر آپ کو سہارا دے کر گھر لے جایا گیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپؐ مسواک کو دیکھنے لگے، طلب نہ کر پائے۔ سیّدہ عائشہ سمجھ گئیں۔ عبدالرحمٰنؓ سے مسواک لے کر آپؐ کے دہن مبارک میں رکھ دی لیکن حضورؐ اسے برت نہ پائے۔ سیّدہؓ نے حضورؐ سے مسواک لے کر اپنے منہ سے نرم کی اور پھر آپ کو لوٹا دی۔ پھر سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ تشریف لائیں۔ آتے ہی رو پڑیں کہ آپؐ اٹھ نہ سکے۔ معمول یہ تھا کہ جب بھی تشریف لاتیں تو حضورؐ ان کے ماتھے پر بوسہ دیا کرتے۔ فرمایا "فاطمہ! قریب آ جاؤ......" پھر آپؐ نے ان کے کان میں کوئی بات کہی تو سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ اور زیادہ رونے لگیں۔ دوبارہ ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! قریب آؤ۔ دوبارہ ان کے کان میں کوئی بات ارشاد فرمائی تو چہرے پر رونق لوٹ آئی۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں: وصال کے بعد میں نے ان سے پوچھا تھا: وہ کیا بات تھی جس پر روئیں اور پھر مطمئن ہو گئیں؟ سیدہؓ نے کہا: پہلی بار آپؐ نے فرمایا: "فاطمہ! میں آج رات کوچ کرنے والا ہوں"۔ میں رو دی۔ جب روتے دیکھا تو فرمایا: فاطمہ! میرے اہلِ خانہ میں سب سے پہلے تم مجھ سے آملو گی۔ پھر آنحضرتؐ نے سب کو گھر سے باہر جانے کا حکم دے کر فرمایا: عائشہ! میرے قریب آ جاؤ۔ آپؐ نے اپنی زوجہ مطہرہؓ کے سینے پر ٹیک لگائی، ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور فرمایا: مجھے وہ اعلیٰ و عمدہ رفاقت پسند ہے۔ میں سمجھ گئی کہ انہوں نے آخرت کو چن لیا ہے۔

جبریل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! مَلکُ الموت دروازے پر کھڑے اذن چاہتے ہیں۔ آج سے پہلے انہوں نے کبھی کسی سے اجازت نہ مانگی تھی۔ فرمایا "جبریل! اسے آنے دو"۔ مَلک الموت آپؐ کے گھر میں داخل ہوئے، اور کہا: السلام علیک یارسول اللہ! مجھے اللہ نے آپ کی خواہش معلوم کرنے بھیجا ہے۔ آپ دنیا ہی میں رہنا چاہتے ہیں یا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس جانا پسند کرتے ہیں؟ فرمایا: مجھے اعلیٰ و عمدہ رفاقت پسند ہے، مجھے اعلیٰ و عمدہ رفاقت پسند ہے۔ مَلک الموت آنحضرت ﷺ کے سرہانے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے پاکیزہ روح! اے محمد بن عبداللہ کی روح! اللہ کی رضا و خوشنودی کی طرف روانہ ہو! راضی ہو جانے والے پروردگار کی طرف، جو غضبناک نہیں!

پھر آپ کا ہاتھ نیچے آن رہا، اور سر مبارک سیدہؓ کے سینے پر بھاری ہونے لگا۔ فرمایا: میں سمجھ گئی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اور تو کچھ سمجھ نہ آیا، اپنے حجرے سے نکلی اور مسجد کی طرف کا دروازہ کھول کر کہا "رسول اللہ کا وصال ہو گیا۔ رسول اللہ کا وصال ہو گیا!"

مسجد آہوں اور نالوں سے گونجنے لگی۔ علی کرم اللہ وجہہ جہاں کھڑے تھے وہیں بیٹھ گئے، ہلنے کی طاقت نہ رہی۔ عثمان بن عفانؓ معصوم بچوں کی طرح ہاتھ ملنے لگے۔ سیّدنا عمرؓ نے تلوار بلند کی اور کہا "خبردار! جو کسی نے کہا رسول اللہؐ وفات پا گئے ہیں۔ میں ایسے شخص کی گردن اڑا دوں گا۔! میرے آقا تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے گئے ہیں، جیسے موسیٰؑ اپنے رب سے ملنے گئے۔ وہ لوٹ آئیں گے۔"

سیّدنا ابوبکر صدیقؓ حجرۂ نبوی میں داخل ہوئے، رحمت دو عالم ﷺ کے سینہ مبارک پر سر رکھ کر رو دیئے، کہا:

وآ آ خلیلاہ، وآ آ صفیاہ، وآ آ حبیباہ، وآ آ نبیاہ

ہائے میرا پیارا دوست......! ہائے میرا مخلص ساتھی......! ہائے میرا محبوب......! ہائے میرے نبی......!

پھر آنحضرتؐ کے ماتھے پر بوسہ دیا اور کہا: یارسول اللہ! آپ پاکیزہ جئے اور پاکیزہ ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر آئے اور خطبہ دیا "جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا ہے سن رکھے کہ آنحضرتؐ کا وصال ہو گیا ہے اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ زندگی والی ہے"۔

سیّدنا عمرؓ کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ بعد میں کہا: پھر میں کوئی تنہائی کی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں اکیلا بیٹھ کر رو دوں۔ آپؐ کی تدفین کر دی گئی تو سیدہ فاطمہؓ نے سوال کیا "تم نے کیسے گوارا کر لیا کہ نبی علیہ السلام کے چہرۂ انور پر مٹی ڈالو......؟"

پھر کہا "یا ابتاہ، اجاب ربا دعاہ، یا ابتاہ، جنۃ الفردوس ماواہ، یا ابتاہ، الی جبریل ننعاہ"۔

ہائے میرے پیارے بابا جان، کہ اپنے رب کے بلاوے پر چل دیئے، ہائے میرے پیارے بابا جان، کہ جنت الفردوس میں اپنے ٹھکانے کو پہنچ گئے، ہائے میرے پیارے بابا جان، کہ ہم جبریل کو ان کے آنے کی خبر دیتے ہیں۔

تیرہواں پارہ

علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

تیرہویں پارے کا آغاز بھی سورہ یوسف سے ہوتا ہے۔ جناب یوسف علیہ السلام جب جیل سے آزاد ہو گئے تو بادشاہ نے جناب یوسف علیہ السلام کو اپنے قریبی مصاحبین میں شامل کر لیا۔ آپؑ ابتدائی طور پر وزیر خزانہ اور بعد میں عزیز مصر کے منصب پر فائز ہو گئے۔ جناب یوسف علیہ السلام نے زرعی نظام کو بڑی توجہ سے چلایا اور خوشحالی کے سات سالوں میں مستقبل کے لیے بہترین پلاننگ کی یہاں تک کہ جب پوری دنیا میں قحط سالی عام ہو گئی تو مصر کی معیشت انتہائی مضبوط اور مستحکم ہو چکی تھی۔ قحط سالی اپنے عروج پر پہنچی تو غلے کے حصول کے لیے دنیا بھر سے قافلے مصر پہنچنے شروع ہو گئے۔ جناب یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے بھی مصر کا رخ کیا۔ جب وہ عزیز مصر کے محل میں داخل ہوئے تو جناب یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو پہچان گئے، جب کہ آپ کے بھائی آپ سے غافل تھے۔ آپ نے باتوں باتوں میں اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگلی مرتبہ اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لانا! اگر تم اپنے چھوٹے بھائی کو نہ لائے تو تمہیں غلے سے کچھ بھی نہیں ملے گا اور ساتھ ہی جو پونجی ان کے بھائی غلہ خریدنے کے لیے لائے تھے اس کو بھی اپنے بھائیوں کے سامان میں ڈال دیا۔

جب جناب یوسف علیہ السلام کے بھائی جناب یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے عزیز مصر کی بہت زیادہ تعریف کی اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ عزیز مصر کی خواہش تھی کہ ہم بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لے کر جائیں۔ جناب یعقوب علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ کیا میں تم پر اسی طرح اعتماد کروں جس طرح میں نے اس سے قبل یوسف علیہ السلام کے معاملے میں تم پر اعتماد کیا تھا۔ اس پر جناب یعقوب علیہ السلام کے بیٹے خاموش ہو گئے۔ جب سامان کھولا گیا تو اس میں سے غلے کے ساتھ ساتھ پونجی بھی برآمد ہو گئی۔ اس پر یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا دیکھیے بابا عزیز مصر نے تو ہماری پونجی بھی ہمیں دے دی ہے۔ اب جناب یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں بنیامین کو تمہارے ساتھ اس صورت میں روانہ کروں گا کہ تم اسکی حفاظت کی قسم کھاؤ۔ بیٹوں نے جناب یعقوب علیہ السلام کے سامنے حلف دیا تو جناب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ جب مصر میں داخلے کا وقت آئے تو علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہونا۔

جب یوسف علیہ السلام کے بھائی دوبارہ ان کے پاس پہنچے تو جناب یوسف علیہ السلام نے جناب بنیامین کو علیحدہ ایک طرف کر لیا اور ان سے کہا کہ میں آپ کا بھائی یوسف ہوں۔ اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے اپنا پیالہ جناب بنیامین کے سامان میں رکھوا دیا۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو اعلان کروایا گیا کہ قافلے والو تم چور ہو۔ جناب یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم ہم زمین پر فساد پھیلانے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ اگر تم میں سے کسی کے سامان سے بادشاہ کا پیالہ برآمد ہو گیا تو اس کی کیا سزا ہو گی۔ جواب میں جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جو مجرم ہو گا وہ خود اپنے کیے کا ذمہ دار ہو گا۔ جب سامان کی تلاشی لی گئی تو جناب بنیامین کے سامان میں سے پیالہ برآمد ہو گیا۔ جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اس موقع پر بڑے عجیب ردعمل کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو اس سے قبل ان کے بھائی یوسف علیہ السلام نے بھی چوری کی تھی۔ اس پر جناب یوسف نے کہا کہ جو تم الزام تراشی کرتے ہو اس کی حقیقت سے اللہ تعالیٰ بخوبی آگاہ ہیں۔ جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ بھی کہا کہ آپ ہم بھائیوں میں سے کسی ایک کو پکڑ لیں۔ جناب یوسف علیہ السلام نے کہا کہ معاذ اللہ ہم کسی مجرم کی جگہ کسی دوسرے کو کس طرح پکڑ سکتے ہیں۔ جناب یوسف علیہ السلام کے ایک بھائی نے کہا کہ میں تو واپس نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ بابا یعقوب مجھے اجازت نہیں دیں گے یا اللہ تعالیٰ میرے حق میں کوئی فیصلہ نہیں فرما دیتے۔

جناب یوسف علیہ السلام کے بھائی جناب یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان کو جناب بنیامین کی گرفتاری کی خبر دی تو جناب یعقوب علیہ السلام نے بلند آواز سے جناب یوسف علیہ السلام کا نام لیا اور آپ اتنی شدت سے روئے کہ آپ کی بینائی بھی گل ہو گئی۔ جناب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ آپ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور جناب یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو تلاش کریں۔

اب جناب یوسف علیہ السلام کے بعض بھائی دوبارہ مصر آئے تو حالت بدلی ہوئی تھی۔ غربت اور مفلوک الحالی نے ان کو بری طرح متاثر کیا ہوا تھا، انہوں نے جناب یوسف علیہ السلام کے پاس آ کر اپنی غربت کی شکایت کی اور صدقے کا تقاضا کیا تو جناب یوسف علیہ السلام نے پوچھا کیا آپ بھول گئے جو آپ نے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ بھائیوں نے کہا کہ آپ یوسف کو کیسے جانتے ہیں کہیں آپ ہی تو یوسف نہیں۔ کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا' بے شک جو صبر اور تقویٰ کو اختیار کرتا ہے تو اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اس موقع پر جناب یوسف علیہ السلام کے بھائی انتہائی شرمسار ہوئے اور انہوں نے آپ سے معافی چاہی تو جناب یوسف علیہ السلام نے کہا کہ تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا اور اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔ جناب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اپنی قمیض اتار کر دی اور کہا کہ جناب یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالنا ان کی بینائی واپس آ جائے گی اور آئندہ ان کو بھی اپنے ہمراہ لانا۔

جناب یعقوب علیہ السلام کے بیٹے جب آپ کی قمیض لے کر روانہ ہوئے، تو جناب یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر میں موجود بیٹوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھے بیٹے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔ اس پر بیٹوں نے کچھ بے ادبی والے الفاظ کہے جناب یعقوب علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ جب مصر سے آپ کے بیٹے آئے اور انہوں نے آپ کے چہرے پر قمیض ڈالی تو جناب یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آ گئی۔ جناب یعقوب علیہ السلام کے گھر میں موجود بیٹوں نے ان سے معافی طلب کی۔ آپ نے اپنے بیٹوں کو معاف کر دیا۔ سب اہل خانہ مصر کو روانہ ہوئے۔ جب جناب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے جناب یعقوب علیہ السلام کو تخت پر بٹھا لیا۔ جناب یعقوب علیہ السلام اور ان کے گیارہ بیٹے جناب یوسف علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ اس شریعت میں تعظیمی سجدہ جائز تھا جبکہ مسلمانوں کے لیے تعظیمی سجدہ منع ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر پروردگار عالم کا شکر ادا کیا اور دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار! مجھے اسلام پر موت دینا اور صالحین کے ساتھ ملا دینا۔ جناب یوسف علیہ السلام کا واقعہ عروج و زوال کی ایک داستان اور صبر اور استقامت کی دستاویز ہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ صبر کا پھل ضرور دیتا ہے' چاہے اس میں کچھ دیر ہو۔

اس کے بعد سورۃ الرعد ہے۔ آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں جتلاتے ہوئے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے انواع و اقسام کے پھل پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ہر قوم میں ایک ہادی مبعوث فرمایا۔ یہ بھی بتلایا کہ بجلی کی کڑک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتی ہے اور فرشتے اللہ کے خوف سے کانپتے ہیں۔ فرمایا کہ دلوں کا امن اور سکون اللہ کے ذکر اور اس کی یاد سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے بعد سورہ ابراہیم ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی دنیاوی اور اخروی فلاح و بہبود کے لیے بہت سی دعائیں مانگیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے جذبات سے معمور رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت میں ہمارے لیے یہ درس اور سبق موجود ہے کہ ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہنا چاہیے اور کسی بھی وقت اس کی حمد کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن مجید میں بیان کردہ مضامین سے سبق حاصل کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

Daily DUNYA, Sunday, April 9, 2017

جادو اور شیطانی اثرات کا علاج

دین سے دنیا تک
علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

جادو انسان کو لاحق ہونے والے فتنوں اور خطرات میں سے ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ جادو کی تاریخ اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات بہت قدیم ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 102 سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جادو کے ذریعے میاں بیوی کے درمیان تفریق پیدا ہو جاتی اور اس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اسی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ جادوگر انسانوں کو جو نقصان پہنچاتے تھے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اجازت کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔ گویا کہ جادوگر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر سے تجاوز نہیں کر سکتا، لیکن کسی حکمت کے تحت کئی مرتبہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس قسم کے اثرات کو انسانوں کی آزمائش کے لیے ان پر مرتب ہونے دیتے ہیں۔ قرآن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پالا بھی جادوگروں سے پڑا۔ جس وقت آپؑ فرعون کے پاس اپنے معجزاتی عصا اور ید بیضا کو لے کر آئے تو فرعون اور اس کے درباریوں نے اس کو جادوگری کا شاخسانہ قرار دیا اور سلطنت میں اس بات کی منادی کروائی گئی کہ جتنے جادوگر فرعون کی قربت چاہتے ہیں وہ فرعون کے دربار میں حاضری دیں تا کہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ کروایا جا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام الناس کو بھی مقابلہ دیکھنے کی دعوت دی گئی؛ چنانچہ ایک بڑے میدان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مابین ایک مقابلے کا اہتمام کیا گیا۔ اس مقابلے کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ اعراف، سورہ طٰہٰ، سورہ شعراء اور قرآن مجید کے دیگر مقامات پر کیا۔ اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ: ''میدان میں اترنے کے بعد جادوگروں نے فرعون کا نام لے کر اپنی رسیوں کو زمین پر پھینکا، رسیاں دیکھنے والی آنکھوں کے لیے حرکت کرنے والا سانپ بن گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس بہت بڑے جادو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول فرمایا کہ آپ اپنے عصا کو زمین پر ڈالیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ ایک اژدھے کی شکل اختیار کر کے ساری رسیوں کو نگل گیا۔ اس منظر کو دیکھ کر جادوگر اس حقیقت کو بھانپ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا جادوگری کا مظہر نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک معجزہ ہے؛ چنانچہ جادوگروں نے فی الفور ایمان کے راستے کو اختیار کر لیا''۔

نبی کریم ﷺ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کی دعوت کو لے کر آئے تو جہاں پر کافروں نے آپ ﷺ کی مختلف طریقوں سے مخالفت کی اور آپ ﷺ کو ایذا دینے میں کسی قسم کی کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی، وہیں نبی کریم حضرت رسول اللہ ﷺ پر جادو کا وار کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔

صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ جادو مدینہ میں واقع ہوا جبکہ وحی اور رسالت ثابت اور ٹھہر چکی اور قرار پکڑ چکی تھی اور نبوت کے دلائل اور رسالت کی صداقت قائم ہو چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کر کے مشرکوں کو ذلیل و رسوا کر دیا تھا تو اس کے بعد یہودیوں میں سے ایک شخص جسے لبید بن اعصم کہا جاتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے ہوا اور اس نے ایک کنگھی کے دندانوں اور کنگھی کیے ہوئے بالوں اور نر کھجور کے خوشہ کے چھلکا میں جادو کیا، تو اللہ رب العزت کی طرف سے ان کے پاس وحی آئی اور جو کچھ ہوا تھا انہیں اس کی خبر دی گئی۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے معوذتین دو سورتیں (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) نازل فرما دیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان اشیا پر پڑھا جن پر جادو کیا گیا تھا تو سحر کے تمام اثرات زائل ہو گئے۔

اس جادو کے کیے جانے میں بنیادی طور پر جو حکمت معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اس کے ذریعے امت کو اس قسم کے فتنوں سے بچاؤ کے لیے تدابیر بتلائی جا سکیں۔ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے جادو کی روک تھام کے لیے جو تدابیر معلوم ہوتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1۔ ارکان اسلام کی بجا آوری اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصیت سے عبادت کا اہتمام کرنا: جب انسان عبادات اور ارکان اسلام کی بجا آوری کا خصوصیت سے اہتمام کرتا رہتا ہے اور بغیر تعطل کے تسلسل کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتا رہتا ہے تو جادو کے اثرات بتدریج کمزور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

2۔ طہارت کا اہتمام کرنا: جب انسان تزکیہ اور طہارت کا اہتمام کرتے ہوئے مسلسل ناپاکی سے دور رہتا اور تواتر کے ساتھ وضو اور غسل کا اہتمام کرتا رہتا ہے تو اس پر جادو کے اثرات کمزور سے کمزور تر ہوتے جاتے ہیں۔

3۔ سورہ بقرہ کی تلاوت: اسی طرح احادیث مبارکہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس گھر میں سورہ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے اس گھر میں تین دن تک شیطان نہیں گھس سکتا اور احادیث مبارکہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ جادوگر سورہ بقرہ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔

4۔ آیۃ الکرسی اور سورہ بقرہ کی آخری دو آیات: جو شخص پوری سورہ بقرہ کی تلاوت نہیں کرتا اسے یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ آیۃ الکرسی اور سورہ بقرہ ہی کی آخری دو آیات بھی جادو کے خلاف موثر اور مفید ہیں۔

5۔ معوذتین اور اخلاص کی تلاوت: سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ ناس صبح و شام تین تین مرتبہ پڑھنے سے جادو کے اثرات زائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر نماز کے بعد اور سونے سے قبل بھی آیت الکرسی اور معوذات (سُورَۃُ الْاِخْلَاصِ، سُورَۃُ الْفَلَقِ، سُورَۃُ النَّاسِ) پڑھنی چاہئیں۔

5۔ احادیث میں مذکور معوذات: معوذتین کے ساتھ ساتھ احادیث میں بھی بعض معوذات مذکور ہیں، جن میں سے سرفہرست ''اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق'' ہے ان معوذات کو پڑھنے سے بھی جادو کے اثرات زائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بعض دیگر اذکار بھی جادو کے اثر کو زائل کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ جن میں سے ''بِسْمِ اللہِ الَّذِی لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔'' سرفہرست ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص صبح سو مرتبہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔'' ورد کرے تو اس پر اس دن شیطانی اثرات مرتب نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ''اَعُوْذُ بِاللہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ۔'' بھی شیطانی اثرات کی روک تھام کے لیے موثر ہیں۔

6۔ مسنون طریقہ ہائے علاج: مسنون طریقۂ علاج میں سے حجامہ کروانا اور صبح نہار منہ عجوہ کھجور کھانا بھی جادو کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے موثر ہیں۔

قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر انسان جادو جیسے فتنے سے بچ سکتا ہے۔ بعض لوگ طہارت کا اہتمام، ارکان اسلام کی پابندی اور مسنون اذکار کا اہتمام کرنے کی بجائے جلد اس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لیے جعلی عاملین اور کاہنوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو جاتے ہیں جو ان کے عقیدے، اعمال، عزت و آبرو اور مال کے اتلاف کا باعث بن جاتے ہیں۔ یہ عاملین انسان کو ایسے کاموں میں لگا دیتے ہیں جن میں سراسر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کے عناصر پائے جاتے ہیں؛ چنانچہ انسان اس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ اعمال کر بیٹھتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سنگین ہو جاتی ہے اور وہ اپنی دنیا اور آخرت کی ناکامیوں کو خود اپنے ہاتھ سے سمیٹ لیتا ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس نے اپنے ماننے والوں کی زندگی کے ہر مسئلے میں کامل رہنمائی کی ہے؛ چنانچہ مسلمانوں کو اپنے ایمان، مال، عزت اور آبرو کو داؤ پر لگانے کی بجائے اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے ذریعے اس آزمائش کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی اذکار اور مسنون دعاؤں کے ذریعے دم کرنے کی اجازت دی ہے۔ کوئی ایسا شخص جو قرآن مجید کی آیات اور مسنون اذکار کے ذریعے دم کرتا ہو اس سے دم کروانا جائز ہے، لیکن ایسے اعمال کی بجا آوری جو شیطان کی پیروی اور بداعتقادی پر محمول ہوں اور انسان توحید باری تعالیٰ کی بجائے شرک کے راستے پر چل نکلے ان سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے اعمال کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

Daily DUNYA, Wednesday, November 15, 2017

اسلام اور انسان

دین سے دنیا تک
علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کا خالق و مالک ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کی جملہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہت ہی احسن انداز میں بندوبست فرمایا۔ انسانوں کی غذائی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انواع واقسام کی فصلیں، سبزیاں، پھل اور اسی طرح بہت سے حلال جانور بھی پیدا کیے تا کہ انسان کی خوراک کے بندوبست کے ساتھ ساتھ اس کے ذائقے کی حس کی تشنگی بھی باقی نہ رہے۔ اسی طرح انسان کے تن ڈھانپنے کے لیے مختلف قسم کے ملبوسات کی تیاری کے اسباب بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی نے میسر فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی رفاقت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انسانوں کو جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا اور انسانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک دینے کے لیے اس کو اولاد جیسی نعمت سے نوازا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی بنیادی مادی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو انواع واقسام کی سہولیات بھی عطا فرمائیں۔ اس کو عقل، غوروفکر، مشاہدے، تجربے اور تجزیے کی ایسی صلاحیتیں عطا فرمائیں کہ وہ مختلف فنون میں ترقی کے ذریعے اپنی آمدورفت، رسل و رسائل اور ابلاغ میں وسعت کے ذرائع پیدا کر سکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان تمام نعمتوں کو عطا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان سے اس بات کا تقاضا بھی کیا کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرے۔ سورہ الذاریات کی آیت نمبر 56 کے مطابق جنات اور انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندگی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بندگی اور معرفت کے حصول کے لیے ہر زمانے میں انبیاء اور رسل اللہ کو بھیجا گیا اور ان پر وحی کا نزول فرمایا گیا اور اُن احکامات کو نازل کیا گیا جو اللہ کے پسندیدہ تھے اور انسان کو ان امور سے روکا گیا جو اللہ کے یہاں ناپسندیدہ تھے۔ ہر عہد کے تقاضوں کے لحاظ سے احکامات شریعت کا نزول کیا گیا اور ان احکامات اور شرائع کے ذریعے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کیا جاتا رہا یہاں تک کہ بنی نوع انسان کو ایک نقطے پر مرتکز کرنے، ان کو ایک مرکز سے وابستہ رکھنے اور ان کو ایک ہی پسندیدہ دین کے راستے پر چلانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کو بطور دین پسند فرما لیا اور نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر قرآن مجید کا نزول فرما کر دین کو ہمیشہ کے لیے مکمل اور تمام کر دیا اور بطور مثالی قائد و رہنما نبی کریم ﷺ کو منتخب فرما دیا۔ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسوہ کامل بنا دیا اور سورہ احزاب کی آیت نمبر 21 میں ارشاد ہوا کہ ''بلاشبہ یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے ایک ہمہ گیر زندگی کو گزارا اور زندگی کی کسی بھی جہت میں خلا کو باقی نہیں چھوڑا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے جہاں پر روحانی ترقی کے اسباب اور ذرائع کو اپنی امت کے لوگوں پر واضح فرما دیا وہیں پر آپ ﷺ نے عائلی زندگی، کاروبار، نکاح و طلاق، والدین کی فرمانبرداری، اولاد کی تربیت، جہاد اور ریاست سے متعلقہ تمام امور کو بہترین انداز میں واضح فرما دیا۔

نبی کریم ﷺ کے اسی عظیم اور غیر معمولی کردار کو دیکھتے ہوئے مشہور مؤرخ مائیکل ہارٹ نے نبی کریم ﷺ کا نام دنیا کے سو کامیاب ترین آدمیوں کی فہرست میں سب سے پہلے نمبر پر درج کیا اس لیے کہ آپ ﷺ نے صرف روحانی اعتبار سے انسانوں کی رہنمائی نہیں فرمائی بلکہ عصری اور سیاسی معاملات میں بھی انسانوں کی کامل رہنمائی کی۔ انسان حالات اور صحبت سے متاثر ہوتا ہے اور دیگر مختلف مذاہب، تہذیبوں اور تمدنوں سے پالا پڑنے کے بعد اس کے نظریات اور افکار میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ قرون اولیٰ کا مسلمان اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ حقیقی معنوں میں کامیابی اور فلاح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری میں ہے۔ لیکن امتداد زمانہ اور گردش دوراں کے سبب جب مسلمان غیر مسلم مفکرین، مغربی دانش گاہوں اور سیکولر تعلیمی اداروں سے وابستہ ہوئے تو مسلمانوں کے مختلف طبقات کے اذہان میں مذہب کی حیثیت کے بارے میں مختلف طرح کے سوالات پیدا ہوئے۔ دین سے دوری، قرآن وسنت سے لاعلمی اور غیر مذاہب کے اثرات کی وجہ سے رفتہ رفتہ دنیاوی تعلیم یافتہ مسلمانوں کے طبقات میں ایک فکر پیدا ہوئی کہ دین کا تعلق صرف اور صرف اخروی فلاح و بہبود کے ساتھ ہے، دین کا تعلق صرف انسان اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور دینی تعلیمات انسانوں کے عقائد، عبادات اور اخلاقی اصلاح سے متعلق ہیں اور سماج، معاش اور سیاسی امور کے بارے میں دین انسانوں پر کسی قسم کی ذمہ داریوں کو عائد نہیں کرتا۔ ان تصورات کے نتیجے میں مسلمانوں کے اذہان و قلوب میں اس طرح کی کیفیات پیدا ہوئیں کہ انہوں نے دین کو فقط مسجد اور مدرسے تک محدود سمجھنا شروع کر دیا اور ان کے نزدیک دین کا دائرہ کار فقط نماز، روزے، دیگر ارکان اسلام کی ادائیگی اور بعض اخلاقی امور کی اصلاح کے ساتھ تھا۔ چنانچہ نماز پنجگانہ کی ادائیگی، جمعے اور عیدین کے روز غسل کر کے مسجد اور عیدگاہ کی طرف جانا، جھوٹ نہ بولنا، گالی نہ دینا اور کسی کی غیبت نہ کرنا جیسے امور کو دین کا حصہ سمجھا گیا لیکن اس کے بالمقابل بہت سے اہم امور کو دین سے علیحدہ کر دیا گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب قرآن مجید غیر محرف کتاب ہے۔ اسی طرح خوش نصیبی سے نبی کریم ﷺ کا اسوہ کامل بھی بالکل کامل اور محفوظ حالت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ جس سے اس حقیقت کو بھانپنا کچھ مشکل نہیں کہ دین کا تعلق صرف عقائد اور عبادات کے ساتھ نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ ہے۔ بدقسمتی سے دور حاضر میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ارکان اسلام کی ادائیگی میں بھی تساہل کا مظاہرہ کرتی ہے لیکن ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو دین کی افادیت اور اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں وہ بھی دین سے متعلق کئی اہم امور میں عملاً دینی رہنمائی کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ گو بہت سے امور میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ تین امور جن میں مسلمان معاشروں کو اپنی اصلاح کی اشد ضرورت ہے درج ذیل ہیں:

(1) شادی بیاہ (2) کاروبار (3) سیاسی امور

شادی بیاہ کے موقع پر جن رویوں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے جس طرح بے پردگی، اختلاط، اسراف اور تبذیر کا مظاہرہ ہوتا ہے وہ یقیناً دینی تعلیمات سے صریحاً بغاوت ہے۔ شادی بیاہ کے حوالے سے شریعت کی تعلیمات بالکل واضح ہیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر مباح امور کی انجام دہی میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن فضول خرچی اور آلات موسیقی کے بے دریغ استعمال، بے پردگی اور ہندوانہ رسوم و رواج کی پیروی کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔

تجارت کے معاملات میں بھی مسلمانوں کو اپنی اصلاح کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ قوم مدین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے عذاب کے آنے کی وجہ کاروباری معاملات میں حد سے تجاوز کرنا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک چنگھاڑ کے نتیجے میں ان کو قصہ پارینہ بنا دیا۔ دور حاضر کا مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ شاید کاروباری معاملات کا مسجد اور احکام دین سے کوئی تعلق نہیں۔ یاد رکھیے کہ رشوت ستانی، سود خوری، ملاوٹ، یتیم کے مال کو کھانا، کم تولنا، کم ماپنا ایسے کام ہیں جن کے نتیجے میں انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب کا نشانہ بن سکتا ہے۔

اسی طرح نظام اور امور ملکی کو فقط اپنی مرضی سے چلانا اور اللہ کے احکامات کو کلی طور پر نظر انداز کر دینا کسی بھی طور پر قابل قبول نہیں۔ سیاسیات کے حوالے سے اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے انسان اپنے حق کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے اور فرائض منصبی کو بھی انجام دے سکتا ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرامین کو پامال کر کے جو انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں کلی طور پر آزاد ہے تو وہ بہت بڑی غلطی فہمی کا شکار ہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کو قرآن وسنت کی تعلیمات کو پڑھنے اور خلافت راشدہ کے ماڈل پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام ایک ہمہ گیر دین ہے اور اس کے پیروکاروں کو زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی کرنی چاہیے۔ بصورت دیگر وہ دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے کبھی ہمکنار نہیں ہو سکتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو بصیرت اور غوروفکر کرنے کی صلاحیتوں سے نوازے۔ آمین!

کرنیں

حسنِ معاشرت

حضرت سیدنا حسین ابن علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی سے سوال کیا کہ جناب رسالت مآبؐ کا اپنے ہم نشینوں اور مصاحبوں سے کیا طرز عمل تھا؟ ارشاد فرمایا: حضورؐ کے چہرہ انور پر ہمیشہ بشاشت رہتی تھی، آپ بہت نرم مزاج تھے، آپ سے بات کرنا بہت ہی آسان تھا، آپ بدمزاج اور سخت دل نہیں تھے، اور نہ ہی بدگفتاری آپ کا شیوہ تھا، آپ نہ تو لوگوں کے عیب بیان کرتے تھے، نہ بخل کرتے تھے، اور نہ ہی آپ فضول باتوں کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے، اگر کوئی شخص آپ کے پاس امید لے کر آتا تو آپ اس کو مایوس نہیں کرتے تھے اور کسی کو بھی نامراد نہیں لوٹاتے تھے، آپ نے اپنے لئے تین چیزوں کو چھوڑ دیا تھا، آپ کسی بھی شخص کی مذمت کرتے نہ ہی اس کا عیب نکالتے تھے اور نہ کسی کی پوشیدہ چیز معلوم کرتے تھے، اور آپ صرف اسی معاملے پر بات کیا کرتے تھے، جس میں آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی اور جب آپ محوِ گفتگو ہوتے تو، آپ کے ہم مجلس، اس طرح اپنے سروں کو جھکا لیتے، جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھ گئے ہوں (جو ذرا سی جنبش سے اڑ جائیں گے) اور جب آپ خاموش ہوتے تو تب وہ (اہل مجلس) آپ سے کوئی بات (کرنے کی ہمت) کرتے، اور وہ آپ کے روبرو کسی بھی معاملے میں بحث وتکرار نہیں کیا کرتے تھے، اور جب کوئی ایک شخص بات کرتا تو دوسرے تمام اہل مجلس خاموش رہتے (اور اس کی بات ختم ہونے کا انتظار کرتے) جب آپ کے شرکائے مجلس کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی (ان کی موافقت اور دلجوئی کیلئے) تبسم فرماتے اور جس چیز پر وہ تعجب کرتے، آپ بھی اس بات پر تعجب فرماتے، جب کوئی اجنبی شخص (جو کہ آداب مجلس سے یا آپ کے مقام ومرتبے سے پوری طرح واقف نہ ہوتا) سختی سے بات کرتا یا سوال کرتا تو آپ صبر وتحمل سے کام لیتے، حتیٰ کہ آپ کے اصحاب اس پر سختی کرتے، تو آپ فرماتے، جب تم دیکھو کہ ضرورت مند اپنی حاجت طلب کر رہا ہے، تو تم بھی اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، آپ بغیر نوازش اور عطاء کے اپنی تعریف کو قبول نہیں فرماتے تھے، ہاں! آپ کسی کو کچھ عطا فرماتے اور وہ (سپاس گزاری اور احسان شناسی کیلئے) آپ کی تعریف کرتا تو آپ قبول فرما لیتے، آپ کسی کے کلام کو منقطع نہیں کرتے تھے، ہاں اگر کوئی شخص حق سے تجاوز کرتا تو پھر آپ اس کی بات کاٹ دیتے، اسے روک دیتے یا مجلس سے اٹھ جاتے۔ (شمائل ترمذی) حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ نہ طبعاً فحش گفتار تھے، نہ تکلفاً اور نہ ہی بازار میں بلند آواز سے باتیں کیا کرتے تھے، آپ برائی کا جواب درشتی سے دینے کی بجائے اسے معاف کردیتے تھے اور (برائی سے) درگزر فرماتے تھے۔ (سنن ترمذی، احمد، مصنف ابن ابی شیبہ) ☆☆

پنجاب یونیورسٹی کی ایک تقریب

پنجاب یونیورسٹی پاکستان کی ایک ممتاز درس گاہ ہے جس میں سائنسی اور غیر سائنسی مضامین میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے پورے پاکستان سے طالب علم رجوع کرتے ہیں۔ اس یونیورسٹی میں جہاں پر طلبہ کو بہت اچھے انداز میں تعلیم دی جاتی ہے وہیں پر غیر نصابی سرگرمیوں کے ذریعے بھی طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے وقتے وقتے سے مختلف پروگرامز کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ جن میں مختلف علوم کے ماہرین کو اظہار خیال کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔ بحیثیت طالب علم پنجاب یونیورسٹی سے میری ایک لمبا عرصہ وابستگی رہی۔ میں نے یہاں سے ریگولر طالب علم کی حیثیت سے ابلاغیات میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی اور اس کے علاوہ بھی کئی اور مضامین میں پرائیوٹ طالب علم کی حیثیت سے ماسٹر ڈگریز حاصل کیں۔ اپنے زمانہ طالب علمی میں مرتب ہونے والے پروگراموں میں بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتا رہا اور مختلف دینی سکالرز اور دیگر علوم کے ماہرین سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا رہا۔ شعبۂ ابلاغیات کے چیئرمین ڈاکٹر مسکین علی حجازی، ڈاکٹر شفیق جالندھری، ڈاکٹر اے آر خالد، ڈاکٹر مغیث الدین شیخ، مجاہد منصوری، وقار ملک، ڈاکٹر احسن اختر ناز خود بھی علم ودانش کے اعتبار سے ملک کی ممتاز شخصیات تھیں۔ ان تمام اساتذہ کے ساتھ کلاسز کے دوران اور کلاسز کے بعد تبادلۂ خیال کرنے کا موقع میسر آتا رہا۔ شعبۂ ابلاغیات میں ملک بھر سے آنے والے دیگر ماہرین تعلیم کی بہترین مؤثر اور جچی تلی آراء سے بھی رہنمائی حاصل کرنے کا موقع میسر آتا رہا۔ زمانہ طالب علمی میں مجھے خود بھی اسلامیات اور دینیات کے حوالے سے بعض ہوسٹلز اور ڈیپارٹمنٹس میں اظہار خیال کرنے کا موقع ملا۔ پنجاب یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد بھی گاہے گاہے اسلامی جمعیت طلباء کے رہنما مجھ سے رابطے میں رہے اور مجھے پنجاب یونیورسٹی میں مختلف عناوین پر گفتگو کرنے کا موقع ملتا رہا۔

دین سے دنیا تک
علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

چند ہفتے قبل ایک مرتبہ پھر اسلامی جمعیت طلباء کے رہنما اسامہ اعجاز نے مجھ سے تین روزہ درس قرآن کورس میں شمولیت کے لیے رابطہ کیا۔ نوجوان طلباء کے ذوق وشوق اور علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے میں نے ہمیشہ طلبہ کی دعوت کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ اس دفعہ بھی میں نوجوان دوستوں کی دعوت کو فی الفور قبول کرلیا۔

22 نومبر کو ''حیا اور پاک دامنی'' کے عنوان پر پنجاب یونیورسٹی کے ہوسٹل گراؤنڈ میں ایک بہت بڑے اور پروقار اجتماع کا انعقاد ہوا، جس میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ اور پردے میں سینکڑوں طالبات نے شرکت کی۔ اس اجتماع میں جہاں مجھے اپنے زمانہ طالب علمی کی یادوں کو تازہ کرنے کا موقع ملا وہیں پر میں نے بے راہ روی اور بے حیائی کے انسداد کے حوالے سے نوجوانوں کے سامنے قرآن وسنت کی روشنی میں بعض نکات کو رکھا جنہیں میں قارئین کے گوش گزار بھی کرنا چاہتا ہوں:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں اپنے ماننے والوں کی کامل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام نے جہاں پر عقائد، عبادات، معیشت اور معاشرت کے حوالے سے اہل اسلام کی مکمل رہنمائی کی ہے وہیں پر بے راہ روی اور فحاشی کے انسداد کے لیے بھی اسلام کی تعلیم بالکل واضح ہیں۔ فحاشی اور برائی سے بچاؤ کے لیے ہمارے معاشرے میں بسنے والے نوجوان لڑکے، لڑکیوں، ان کے والدین اور سرپرستوں کو مندرجہ ذیل تجاویز پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

1۔ اچھی صحبت کا انتخاب: اچھی صحبت دنیا اور آخرت کی بھلائی اور فلاح وبہبود کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ زخرف کی آیت نمبر 67 میں اس امر کا اعلان فرمایا ''سب دلی دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیز گاروں کے''۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ فرقان کی آیت نمبر 28-27 میں اس امر کا اعلان فرمایا: ''اور جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا اے کاش میں رسول اللہ ﷺ کا راستہ اختیار کرتا' ہائے بربادی، کاش میں فلاں کو دلی دوست نہ بناتا''۔ بُری صحبت سے اجتناب کے ساتھ ساتھ اچھی صحبت کے اختیار کرنے کے حوالے سے سورہ کہف کی آیت نمبر 28 میں اس امر کا اعلان ہوا کہ ''اور روکے رکھیں اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ' جو صبح وشام اپنے رب کو پکارنے والے ہیں''۔ انسان جب بری صحبت میں بیٹھتا ہے تو لامحالہ اس کے منفی اثرات اس کی شخصیت پر بھی مرتب ہوتے ہیں چنانچہ انسان کو بری صحبت کو اختیار کرنے کی بجائے اہل ایمان، اہل تقویٰ، فحاشی اور عریانی سے دور رہنے والے پاک دامن اور اچھے کردار کے لوگوں کے ساتھ رفاقت کو اختیار کرنا چاہیے۔

2۔ نمازوں میں دوام: انسان کو اچھی صحبت کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں آ کر باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ نماز کو ادا کرنا چاہیے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں پانچ وقت کی حاضری انسان کو فحاشی اور عریانی سے دور لے جاتی ہے۔ چنانچہ سورہ عنکبوت کی آیت نمبر 45 میں اس امر کا اعلان ہوا: ''بے شک نماز فحاشی اور برائی سے روکتی ہے''۔ ایک نماز کو ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کی ادائیگی کا پختہ ارادہ اور جذبہ انسان کے ذہن میں ایک احتساب کی کیفیت کو پیدا کرتا ہے اور عقل مند اور باشعور انسان اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں آنے سے پہلے یہ بات سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر اس نے اپنے سیرت وکردار کو آلودہ کیا تو کس منہ سے اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوگا۔

3۔ پردے کا اہتمام اور اختلاط سے بچاؤ: یہ ایک حقیقت ہے کہ مرد وزن میں ایک دوسرے کے لیے ایک فطری کشش موجود ہے۔ چنانچہ اس فطری کشش کے منفی اثرات سے نوجوانوں کو بچانے کے لیے اللہ احکم الحاکمین نے مرد وزن کو نظریں جھکانے، عورتوں کو پردے میں رہنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بہترین ٹھکانہ ان کے گھروں کو قرار دیا۔ چنانچہ معاشرے کو بے حیائی اور بدکرداری سے بچانے کے لیے جہاں پر دیگر اقدامات کو کرنا ضروری ہے وہیں پر پردے داری اور اختلاط سے بچاؤ کا التزام اور اہتمام کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خواتین کو تعلیم اور مختلف شعبوں میں شمولیت سے روکا جائے بلکہ ان کو ایسا ماحول کو فراہم کیا جائے جہاں پر وہ اختلاط سے بچ کر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں بھرپور طریقے سے حصہ لینے کے ساتھ ساتھ اپنی آبرو کا بھی تحفظ کرسکیں۔

4۔ نکاح: اللہ احکم الحاکمین نے مرد وزن کے مابین پائی جانے والی فطری کشش کو خوبصورت انداز میں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے نکاح کا خوبصورت اور مقدس طریقہ انسانوں کے سامنے رکھا ہے۔ نکاح میں غیر ضروری تاخیر کرنا کسی بھی طور پر درست نہیں۔ لڑکے اور لڑکی کے بالغ ہوجانے کے بعد جلد از جلد ان کا نکاح کر دینا چاہیے۔ بعض لوگ اپنی تعلیمی اور پیشہ ورانہ مصروفیات کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں اس وجہ سے کئی مرتبہ نکاح کو مؤخر کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے کردار میں مختلف طرح کے سقم پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہ بات کسی بھی طور پر مناسب نہیں۔ انسان کو اپنی تعلیم اور پیشہ ورانہ مصروفیات کے ساتھ ساتھ اپنی پاک دامنی کے تحفظ کے لیے اولین فرصت میں نکاح کر لینا چاہیے۔

5۔ والدین اور اولاد کے درمیان ہم آہنگی: اپنے کردار کو بہتر بنانے کے لیے والدین کو بچوں کی مشغولیات سے اچھی طرح آگاہ ہونا چاہیے۔ بچوں کی مشغولیات پر نظر رکھنے میں کوئی قباحت نہیں اور اس امر کو بداعتمادی اور شک کے سبب چھوڑنا درست نہیں۔ والدین کو اپنی معاشی مصروفیات میں ہمہ وقت الجھے رہنے کی بجائے بچوں کے معمولات، ان کی کارکردگی، دلچسپیوں اور رجحانات پر بھی گہری نظر رکھنی چاہیے تاکہ وہ پاک اور صاف زندگی گزار سکیں۔

6۔ دعا: مذکورہ بالا تمام امور پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے کردار کی اصلاح کے لیے اللہ احکم الحاکمین سے دعا کا مانگنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت لوط علیہ السلام نے جہاں پر ہم جنس پرستی اور لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف آنے کی دعوت دی، وہیں پر ان کی بدعملی سے نجات اور بچاؤ کے لیے اللہ سے اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لیے دعا بھی مانگی۔ چنانچہ ہمیں بھی اپنے اور اپنے اہل خانہ کو صحیح راستے پر رکھنے کے لیے اللہ رب العالمین سے دعا بھی مانگتے رہنا چاہیے۔

اگر ہمارے معاشرے میں شرم وحیا، عفت وعصمت اور پاک دامنی کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے تو معاشرے میں موجود نوجوانوں کی صلاحیتوں سے بھرپور طریقے سے استفادہ کرکے معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ بنایا جا سکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو حیا اور پاک دامنی والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

Daily DUNYA ,Sunday,November 5, 2017



بنیادی دینی تعلیم

دورِ حاضر کا مسلمان دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی طرح مادی علوم وفنون کے حصول اور کسب معاش میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ اسلام ہمیں جدید علوم وفنون کے حصول سے نہیں روکتا نہ ہی کاروبار اور معاملاتِ زندگی سے متعلق دیگر سرگرمیوں میں شمولیت پر کوئی قدغن عائد کرتا ہے۔ لیکن کتاب وسنت کے مطالعے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر مسلمان کو کم ازکم اتنا دینی علم ضرور حاصل ہونا چاہیے کہ جس کے ذریعے وہ اپنے عقائد کی اصلاح کر سکے، ارکانِ اسلام کو صحیح طور پر بجا لا سکے اور روزمرہ زندگی سے متعلق بعض اہم امور کی باآسانی انجام دہی کرنا اس کے لیے ممکن ہو سکے۔ حساب، کیمیاء، طبعیات، حیاتیات، شماریات، نفسیات، طب، انجینئرنگ، سوشل سائنسز، بزنس مینجمنٹ اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کرنا ہر اعتبار سے جائز اور درست ہے۔ لیکن یہ مقام افسوس ہے کہ وہی مسلمان جو عصری علوم کی باریکیوں اور گہرائیوں میں اترنا چاہتا ہے وہ بنیادی دینی علوم سے بالکل بے بہرہ نظر آتا ہے۔ ایک مسلمان کو کم ازکم اتنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کے تقاضے کیا ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات، صفات اور اسماء کے بارے میں علم کو حاصل کرنا اور اپنے خالق ومالک کی معرفت کے لیے جستجو کرنا یقیناً ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ معبود برحق ہیں اور سورہ ذاریات کی آیت نمبر 56 کے مطابق اس نے جنات اور انسانوں کو بنیادی طور پر اپنی بندگی اور عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کے لیے اپنے خالق ومالک کی اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق معرفت حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ ہمیں بطور مسلمان اس حقیقت کو ذہن نشیں کر لینا چاہیے کہ ہمارا خالق ومالک ہماری جملہ ضروریات، حاجات اور خواہشات کو پورا کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ ہمیں ہر مشکل، تکلیف، مصیبت اور تنگی سے نجات دلا سکتا ہے۔ جب ہمارا ایمان اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات، صفات، قدرت اور طاقت کے بارے میں درست ہوگا تو یقیناً ہماری عبادات میں بھی خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہوگی اور ہم اس کی عبادت وبندگی کے لیے بھرپور انداز میں کوشش کر سکیں گے۔

دین سے دنیا تک

علامہ ابتسام الٰہی ظہیر

ibtisam.elahi@dunya.com.pk

SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے انبیاء ورسل اللہ علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور نبی کریم حضرت رسول اللہ ﷺ کے سر پر تاج ختم نبوت کو رکھ کر آپ ﷺ پر سلسلۂ رسالت ونبوت کو ختم فرما دیا۔ نبی کریم ﷺ کا اسوہ ہمارے لیے ایک بہترین نمونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ کی پیروی کے حوالے سے اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ احزاب کی آیت نمبر 21 میں ارشاد فرماتے ہیں ''بلاشبہ یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔'' نبی کریم ﷺ کی اتباع کرنا، آپ ﷺ کے شرف، رتبے، حرمت کو پہچاننا، آپ ﷺ سے والہانہ محبت کرنا اور آپ ﷺ کی ختم نبوت پر غیر مشروط اور غیر متزلزل ایمان رکھنا ہر مومن ومسلمان کی ذمہ داری ہے۔ اپنے معبود برحق کے بعد اس کی طرف سے مقرر کردہ اپنے حقیقی مقتدیٰ اور پیشوا کی معرفت کو حاصل کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں دونوں جہانوں کی کامیابیاں چھپی ہوئی ہیں۔ چنانچہ ایک مومن ومسلمان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات، صفات اور اسماء معرفت کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی سیرت وکردار، آپ ﷺ کی شخصیت اور ناموس سے متعلق بھی بنیادی معلومات ضرور حاصل ہونی چاہئیں۔

شہادتین کے بعد ارکان اسلام کی بجاآوری بھی ہر مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ نمازِ پنجگانہ کی ادائیگی ہر مومن ومسلمان پر فرض ہے اور اس میں کسی بھی قسم کی کوتاہی اور سستی کا نتیجہ اخروی ناکامی کی شکل میں نکلے گا۔ نماز کس طرح ادا کرنی چاہیے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا نماز قائم کرنے کا حکم دیا۔ نبی مہربان حضرت رسول اللہ ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس حکم پر خود بھی عمل کیا اور اپنے اہل بیت عظامؓ اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تلقین کی۔ نبی کریم ﷺ کس طرح نماز ادا فرماتے رہے اس کی وضاحت کتب احادیث میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ نماز کے ساتھ ساتھ ہر صاحب نصاب پر قمری سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ زکوٰۃ انسان کی ذاتی رہائش گاہ اور ذاتی سواری کے علاوہ موجود اثاثوں اور سرمائے پر ڈھائی فیصد کے حساب سے ادا کرنی پڑتی ہے۔ جو شخص ساڑھے سات تولے مالیت کے زیور یا اس کے مساوی یا اس سے زائد رقم کا مالک ہو اس پر سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ مادی سرگرمیوں اور معاشی مصروفیات کے دوران ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ اس اہم ذمہ داری کو بھی بھرپور طریقے سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس حوالے سے تاجر اور دیگر کاروبار یا ملازمت کرنے والے لوگوں کے ساتھ ساتھ زراعت سے وابستہ لوگوں کو بھی احکام عشر کو توجہ سے سمجھنا چاہیے۔

ہر صحت مند مسلمان پر رمضان المبارک کے مہینے میں روزے رکھنا فرض ہے۔ سفر یا بیماری کی وجہ سے چھوٹ جانے والے روزوں کو پہلی فرصت میں مکمل کرنا ہر مومن ومسلمان کی ذمہ داری ہے۔ روزے کے دوران کھانے پینے اور دیگر خواہشات سے احتراز ضروری ہے۔ روزے کو توڑ دینے والے اور اس کو فاسد کرنے والے امور کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ہر صاحب حیثیت صحت مند مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا بھی فرض ہے۔ بہت سے لوگ وسائل اور استطاعت ہونے کے باوجود حج کو نظرانداز کرتے رہتے ہیں۔ ان کا یہ معاملہ ہر اعتبار سے قابل مذمت ہے۔

ارکان اسلام کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے نئے خاندانوں کی تشکیل کی بنیاد بننے والے بنیادی معاشرتی اور مذہبی بندھن یعنی نکاح کے لوازمات کو سمجھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ اسی طرح خاندانی نظام میں بگاڑ کی صورت میں اسلام نے طلاق اور خلع کی شکل میں جو علیحدگی کی صورتیں رکھی ہیں ان کو سمجھنا بھی ہر مسلمان کے لیے بہت اہم ہے۔ نکاح اور طلاق کے امور کے ساتھ ساتھ ہر انسان کو زندگی میں اپنے عزیز واقارب سے جدائی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور ایک دن اُس کو خود بھی اس دارِفانی سے کوچ کر جانا ہے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو کوئی فرار نہیں۔ اس حقیقت کا سامنا ہر گھرانے کو کرنا پڑتا ہے۔ تجہیز وتکفین کے فرائض کی انجام دہی سے بے بہرہ ہونا یقیناً بدنصیبی کی بات ہے۔ ہر مسلمان کو میت کے غسل اور جنازے سے متعلقہ امور کا اچھی طرح پتا ہونا چاہیے تاکہ بوقت ضرورت انسان اس سلسلے میں کسی دوسرے کی مدد کا محتاج نہ ہو۔ ہر میت کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اس کی وراثت کے شرعی امور پر غور وغوض کرنا بھی ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ ان بنیادی علوم کو صرف اور صرف علماء کے سپرد کر دینے کی صورت میں سنی سنائی معلومات کی وجہ سے انسان بہت سے اہم امور کی بجاآوری میں کوتاہی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ جو کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہے۔

دنیا کی زندگی کو بہتر بنانا اور اس میں ترقی کرنے کی کوشش کرنا کسی بھی اعتبار سے مذموم نہیں لیکن یقیناً وہ لوگ ہر اعتبار سے قابل مذمت ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے اخروی زندگی اور دین سے متعلق ان بنیادی امور کو نظرانداز کرتے ہیں جن کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ براہ راست ہماری زندگی کے اہم امور سے ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو ان تمام جملہ امور کی انجام دہی کے لیے بنیادی علم ضرور حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنی اہم دینی ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہو سکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو بنیادی علم دین کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو لوگ بنیادی علم کو حاصل کر چکے ہیں ان کے علم میں اضافہ فرمائے۔ آمین

Daily DUNYA ,Sunday,November 12, 2017



عورت کے وقار کی بحالی

چند دن قبل سوشل میڈیا پر ڈیرہ اسماعیل خان میں بااثر افراد کی غنڈہ گردی کی بھینٹ چڑھنے والی مظلوم لڑکی کی داستان ہماری نام نہاد غیرت کے منہ پر کسی طمانچے سے کم نہیں۔ بااثر غنڈوں نے کس قدر بہیمیت کا مظاہرہ کیا، مجھ میں اس کی تفصیل لکھنے کی ہمت نہیں۔ یہ انسانیت سوز داستان سوشل میڈیا ہی نہیں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر بھی تفصیل کے ساتھ سامنے آ چکی ہے۔ جی ہاں وہی سانحہ جس میں بھائی کے کیے کی سزا بہن کو یوں دی گئی کہ انسانیت بھی کانپ کر رہ گئی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ نام نہاد غیرت مند اپنے گھر کی خبر لیتا اور اپنی بہن کی اصلاح کرتا۔ اگر غصے پر قابو پانا ممکن نہ تھا تو وہ اس لڑکے کو تنبیہ کرتا جس کے اس کی بہن سے رابطے تھے۔ یہ کہاں کی غیرت اور انسانیت ہے کہ جرم تو اپنی بہن اور لڑکے نے کیا لیکن انتقام لڑکے کی بہن سے لیا گیا۔ صد حیف کہ اطلاع ملنے کے باوجود نہ تو خیبر پختونخوا کی حکومت حرکت میں آئی اور نہ ہی پولیس اور ضلعی انتظامیہ نے نوٹس لیا۔

عورت کا استحصال کوئی نئی بات نہیں بلکہ صدیوں سے عورت کے ساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عورت کی پیدائش کے بعد نام نہاد غیرت مند باپ ''غیرت'' کھا کر اس کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اسی طرح عورت ایک مملوکہ اثاثے کی حیثیت سے زندگی گزارا کرتی تھی۔ باپ کی موت کے بعد سوتیلی مائیں سوتیلے بیٹوں کے نکاح میں آ جاتی تھیں۔ عورت کا وراثت میں کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔

اسلام نے عورت کو بہت زیادہ مقام عطا کیا اور ہر طرح کے استحصال کو ختم کرنے کے لیے بڑے خوبصورت انداز میں بہت ہی مثبت لائحہ عمل تجویز کیا۔ عورت کو درگور کرنے والی قبیح رسم کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا گیا۔ اور سورہ نساء کی آیت نمبر 22 میں اس امر کا اعلان کر دیا گیا کہ ''مت نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے نکاح کر چکے ہوں تمہارے باپ مگر جو البتہ پہلے ہو چکا (دور جاہلیت میں)۔ بے شک یہ بے حیائی اور ناپسندیدہ (عمل) ہے اور برا چلن ہے''۔ عورت کا وراثت میں حصہ مقرر کیا گیا اور میت کی ماں، بیٹی اور بیوی کو اس کی وراثت میں سے حصہ دلایا گیا۔ عورت کو بطور بیوی احسن طریقے سے رکھنے کی تلقین کی گئی اور سماجی سطح پر ہونے والے کسی بھی ظلم وستم سے اس کو بچانے کے لیے بیش قیمت اصول وقوانین مقرر کیے گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ نساء کی آیت نمبر 19 میں ارشاد فرمایا ''اور زندگی بسر کرو ان کے ساتھ اچھے طریقے سے''۔ اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت نمبر 228 میں ارشاد فرمایا ''اور ان (عورتوں) کے لیے ویسے ہی (حقوق ہیں) جس طرح (مردوں کے حقوق ہیں) ان پر دستور کے مطابق۔'' اس آیت مبارکہ کے مطابق گھریلو سطح پر بھی مرد کو عورت کا استحصال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ حدیث پاک میں تو یہاں تک ارشاد ہوا ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والا ہو''۔ نبی کریم ﷺ نے خود بھی ایک عظیم شوہر کا کردار ادا کر کے رہتی دنیا تک کے انسانوں کو اس بات کا سبق دیا کہ انسان کو اپنے گھر والوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ گھریلو معاملات اور امور خانہ داری میں اپنی ازواج مطہراتؓ کے ساتھ شریک ہوتے۔ آپ ﷺ نے زندگی کے طویل روز وشب میں کبھی بھی اپنی بیویوں کے ساتھ سختی والا برتاؤ نہیں کیا بلکہ گھر کی سطح پر ان کو ایک شریک زندگی اور رفیق سفر کا مقام عطا کیا۔

قرآن مجید میں عورت کو رکھنے کے لیے جہاں پر معروف طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا وہیں پر ناگزیر وجوہات کی بنیاد پر علیحدگی کی نوبت آ جانے پر اس بات کا حکم دیا گیا کہ اس کو احسان کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔ گویا کہ علیحدگی کے وقت ساتھ رکھنے کے مقابلے میں بھی زیادہ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسلام میں مرد وزن کے حقوق کے حوالے سے جو غیر معمولی اصول پڑھنے کو ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کی بدچلنی کا چشم دید شاہد بھی ہو تو بھی وہ غیرت میں آ کر اپنی عورت کو قتل نہیں کر سکتا بلکہ اس کو عدالت سے رجوع کرنا پڑے گا۔ جہاں پر وہ چار قسمیں کھائے گا کہ اس کی اپنی بیوی پر بدکرداری کی تہمت سچی ہے۔ پانچویں دفعہ قسم کھا کر وہ یہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو اگر وہ اپنی بیوی پر جھوٹا الزام لگا رہا ہے۔ اسلام کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ اس الزام کے بعد بھی عورت کے لیے دنیا میں بچاؤ کا راستہ رکھا گیا ہے تاکہ کوئی جنونی، متشدد اور بدنیت انسان اپنی بیوی غلط طریقے سے استحصال نہ کر سکے۔ عورت سے چار قسمیں کھانے کا مطالبہ کیا جائے گا کہ اس کا خاوند اس پر جھوٹا الزام لگا رہا ہے اور وہ پانچویں قسم یہ کھائے گی کہ اللہ کا اس پر غضب ہو اگر اس کے شوہر کا الزام سچا ہے۔ ان قسموں کو کھانے کے بعد عورت ہر طرح کی قانونی گرفت سے آزاد ہو جاتی ہے اور میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی جاتی ہے۔ اس امر کو شریعت میں ''لعان'' کہا جاتا ہے۔ عورت کی معاشرے میں عزت وناموس کے تحفظ کے لیے حدِ قذف کو مقرر کیا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی پاکدامن عورت پر تہمت لگاتا ہے اور اپنی تہمت کو ثابت کرنے کے لیے چار چشم دید گواہوں کو پیش نہیں کر پاتا تو ایسی صورت میں تہمت لگانے والوں کو اسی (80) کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

اسلام میں عورت کی تعلیم کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ اور جملہ علوم وفنون کے دروازوں کو اس کے لیے کھلا رکھا گیا ہے۔ دینی علم کا مقام جملہ علوم میں انتہائی بلند ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم دینی علوم وفنون میں کمال درجے کی مہارت رکھتی تھیں۔ خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قرآن وسنت اور ان سے اخذ ہونے والے مسائل پر گہری نظر رکھتی تھیں۔ چنانچہ جب بھی کبھی اصحاب رسول ﷺ کسی مسئلے میں رہنمائی چاہتے تو وہ بلا جھجک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔ عورت کو اسلام میں بہت زیادہ حقوق دیئے گئے۔ لیکن بعض لبرل عناصر اور مادر پدر آزادی کے علمبردار لوگ اسلام کے تحت عورت کو ملنے والے حقوق پر طنز کرتے ہوئے دینِ اسلام کے بارے میں مختلف طرح کی باتیں کرتے ہیں جو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔

دین سے دنیا تک

علامہ ابتسام الٰہی ظہیر

ibtisam.elahi@dunya.com.pk

SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

عورت کی حق تلفی کے حوالے سے عام طور پر پردے کا رونا رویا جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کی شخصی آزادی کا گلا گھونٹا اور اس کو پردے کا پابند بنا دیا۔ حقیقی بات یہ ہے کہ عورت کو مخلوط مجالس سے بچانے اور اس کو پردے میں رکھنے کے پس منظر میں عورت کی بے توقیری نہیں بلکہ عزت کا تحفظ پنہاں ہے۔ معاشرے میں مختلف قسم کے بدنیت اور غلط اخلاق والے لوگ بستے ہیں۔ اگر پاک دامن اور شریف عورتیں بے حجاب ہوں تو وہ ایسے لوگوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو حجاب میں رہنے کا حکم دیا اور شریعت نے بلا عذر گھر سے نکلنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ اس حکم کا مقصد ان کو بدکردار اور بدنیت لوگوں سے محفوظ رکھنا ہے۔ اسلام نے عورت کی عزت اور وقار کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ اگر کوئی کنوارہ شخص عورت کی آبروریزی کرتا ہے تو قرآن نے اس کو سو (100) کوڑے لگانے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر ایسا شخص شادی شدہ ہو تو حدیث پاک میں اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر بدکرداری کے جرم میں تشدد، اغوا اور دیگر جرائم کی آمیزش بھی ہو جائے تو فساد فی الارض کے باب میں ایسے شخص کو سزائے موت تک بھی دی جا سکتی ہے۔ بہت سے لوگ عورت کے تحفظ کے لیے مغربی ممالک سے مستعار قوانین کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ اہل مغرب نہ تو عورت کی عزت کا تحفظ کر سکے ہیں اور نہ ہی عورت کو وہ مقام دے سکے ہیں جو اسلام نے دیا ہے۔ اسلام میں عورت کے ہر روپ کو بہت زیادہ عزت اور وقار عطا کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کی متعدد احادیث میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کی ہے۔ اس کے برعکس یورپی معاشروں کے اولڈ ہاؤسز میں بوڑھی ماؤں کو بے کسی اور بے بسی کی زندگی گزارتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ آج اگر ہم عورت کے وقار، عزت اور مرتبے کا تحفظ چاہتے ہیں تو ہمیں اس سلسلے میں کسی مغربی حوالے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں اسلام کی آفاقی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے عورتوں کو ان کے حقوق دلوانے چاہئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو بصیرت سے نوازے تاکہ ہم حقائق پہچاننے کے قابل ہو سکیں۔ آمین!

Daily DUNYA, Thursday, November 30, 2017



آخرت سے رجوع کرنا پڑے گا

بدمست شرابی کو شرابی کہیے تو کچھ زیادہ ہی بدمست ہو جاتا ہے ر ایسے میں ذرا دور ہٹنا اور بچنا پڑتا ہے کیونکہ یہ دوسری والی ستی شدید غصے کے باعث ہوتی ہے! چور کو چور کہیے تو وہ آپ کو یسے گھورے گا جیسے آپ اُس کے گرو، بلکہ ڈاکو ہوں! یہی حال ن کا ہے جو کام وام کچھ کرنا نہیں چاہتے اور زندگی کے سارے ے کھل کر، خوب جی بھر کے بٹورنا چاہتے ہیں۔ جی بھر کے ہڈ رامی اور حرام خوری کرنے والے چاہتے ہیں کہ اُنہیں بہتر ارکردگی کا ایوارڈ دیا جائے! اور اگر کوئی آئینہ دکھائے تو اُس ے زندگی بھر کا بَیر پالنے میں دیر نہیں لگاتے۔

اپنی اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا سب کی خواہش ہے مگر ں کے لیے جو کچھ کرنا ہے وہ کرنے کی خواہش کسی کے دل میں اگزیں نہیں ہوتی۔ اور ساتھ ہی ان کی فرمائش یہ ہے کہ کوئی آئینہ کھانے کی زحمت بھی گوارا نہ کرے۔ معاملات میٹھے میٹھے ہی چل ہے ہوں تو کون چاہے گا کہ کوئی کڑوی چیز حلق سے اتاری جائے؟

بھارت کی شمال مشرقی ریاست آسام کے وزیر صحت نے آئینہ کھانے کی اپنی سی کوشش کی ہے تو بہت سے لوگ ہڑبڑا کر اُن کے لاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہیمنتا بسوا سرما نے نئے سکول ٹیچرز میں تقرر نامے تقسیم کرنے کی تقریب سے خطاب کرتے وئے کہا کہ: ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اُس کی بنیاد پر سزا یا جزا ے محروم نہیں رہتے یعنی یہ کہ اچھا کریں تو اچھا نتیجہ سامنے آئے گا اور گر کچھ بُرا کریں گے تو بُرے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ تمام مذاہب کی طرح ہندو دھرم کی مقدس کتب کی تعلیمات کی روشنی میں 'کرما' کا یہی صول ہے یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ یا یہ کہ ببول کے پیڑ پر گلاب نہیں اگا کرتے۔ ہیمنتا بسوا سرما اگر یہیں تک رہتے تو کوئی بات نہ تھی۔ اُنہوں نے لوگوں کو آئینہ دکھانے کی بھرپور کوشش میں مذہبی کتب کو بنیاد بناتے ہوئے کہا کہ ہم جو گناہ کرتے ہیں اُن کی سزاؤں سے بچ نہیں سکتے۔ بہت سی دوسری خطرناک اور جان لیوا بیماریوں کے ساتھ انہوں نے کینسر کو بھی گناہوں کا نتیجہ قرار دیا۔ ہیمنتا نے کہا کہ لوگوں کو گناہوں کی سزا مختلف صورتوں میں ملتی ہے۔ بہت سے لوگ اپنے گناہوں کی پاداش میں حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بہت سوں کو جان لیوا بیماریاں لپیٹ میں لے کر اس دنیا سے رخصت کرتی ہیں۔ کینسر کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ کینسر کو گناہوں کا نتیجہ قرار دینے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ہیمنتا بسوا سرما نے گناہ کی تعریف و توضیح کو بھی فریضہ جانتے ہوئے کہا کہ: ہم زندگی بھر بہت سے ایسے گناہ کرتے ہیں جن کے گناہ ہونے کا ہمیں خیال تک نہیں آتا۔ اس ذیل میں اُنہوں نے کہا کہ اپنی ذمہ داریوں سے فرار، گریز یا چشم پوشی بھی گناہ کے درجے میں ہے اور تنخواہ لے کر اپنے حصے کا کام پوری ایمانداری سے نہ کرنا بہت محتاط الفاظ میں' یہ بھی گناہ ہی کہلائے گا۔ یعنی درحقیقت ہیمنتا بسوا سرما نے تمام ہڈحراموں اور حرام خوروں کو کینسر سے مرنے کی وعید سنائی ہے!



کالم آرائی
ایم ابراہیم خان
ibrahim.khan@dunya.com.pk
SMS: "MIK" (space) message & send to 7575

اُن کی یہ کھری کھری باتیں سن کر، جیسا کہ امکان تھا، بہت سوں کے منہ پھول گئے۔ خاص طور پر آخری بات کا لوگوں نے بہت بُرا مانا کیونکہ معاشرے میں ایسے ہی لوگوں کی بہتات ہے جو کام کم اور دام زیادہ چاہتے ہیں۔ ایسی خبریں تواتر سے آرہی ہیں کہ سکول ٹیچرز تنخواہ تو پوری وصول کرتے ہیں مگر پڑھانے پر خاطر خواہ توجہ دینے کی بات کیجیے تو زمانے بھر کے دلائل کی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فرائض کی بجا آوری کے معاملے میں اُن سے اچھا کوئی نہیں!

ہیمنتا نے جو کچھ کہا اُس سے سیخ پا ہونے والوں میں اپوزیشن کے ارکان بھی شامل ہیں۔ وزیر صحت کے اِن اخلاقی فرمودات نے آسام اسمبلی میں بھی خاصی گرما گرمی پیدا کی۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے رہنماؤں نے کہا کہ ہیمنتا بسوا سرما اپنی ناقص کارکردگی پر پردہ ڈالنے کے لیے مذہبی تعلیمات اور اخلاقی درس کا سہارا لے رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ صوبائی وزیر صحت کینسر کے تمام مریضوں سے بھی معافی مانگیں کیونکہ کینسر کو گناہوں کا نتیجہ قرار دینے سے اُن سب کی دل آزاری ہوئی ہے!

آسام کے وزیر صحت نے جو کچھ کہا ہے اُس میں دو ایک نکات پر اختلافِ رائے ہو سکتا ہے مگر بحیثیتِ مجموعی وہ سچ ہی تو کہہ رہے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے، ہم ایسا بہت کچھ کرتے ہیں جو معاشرے کے وضع کیے ہوئے قوانین کی روشنی میں تو جرم قرار نہیں دیا جاسکتا مگر مذہبی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو اُسے گناہ سے کم کچھ بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اب کام چوری اور ہڈحرامی ہی کو لیجیے۔ اِس پورے خطے کی مجموعی ذہنیت یہی تو ہے کہ لوگ کچھ کیے بغیر بہت کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ محنت سے جی چراتے ہوئے لوگ زندگی کا ہر لطف پانا چاہتے ہیں۔ سرکاری دفاتر میں کام سے جی چرانے کا کلچر ہمارے ہاں یعنی پورے خطے میں ایک زمانے سے مروج ہے۔ اب یہ کلچر نیم سرکاری اور خالص نجی اداروں تک پھیل گیا ہے۔ نجی اداروں میں کام کرنے والے بھی معاشرے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا معاشرہ ہوگا ویسی ہی تو ورک فورس دستیاب ہوگی۔

محنت نہ کرنے اور ذمہ داریاں ادا کرنے سے گریز کو خرابی یا جرم سمجھا ہی نہیں جاتا۔ لوگ اور بالخصوص سرکاری ملازمت کرنے والے لوگ تو تنخواہ کو شیرِ مادر سمجھ کر پینے پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی یاد دلائے کہ صرف تنخواہ وصول کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا، کام بھی کرنا چاہیے تو بُرا تو لگنا ہی ہے۔ اگر کسی بڑی معاشرتی خامی یا خرابی کو ہم جرم کا درجہ دینے کے لیے تیار ہی نہ ہوں تو پھر کوئی نہ کوئی آگے بڑھ کر اُس خرابی کو گناہ کے درجے ہی میں رکھنے کی جسارت کرے گا۔ بھارت بھر میں سرکاری مشینری جو کچھ کر رہی ہے اور اخلاقی و مالیاتی کرپشن کی جو کیفیت ہے اُسے دیکھتے ہوئے ہر وہ شخص ہیمنتا بسوا سرما ہی کی طرح کی باتیں کرے گا جس کے دل میں قوم کا ذرا سا بھی درد ہوگا۔

ہاں! یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ کینسر کی بات کرنا حد سے تھوڑا سا بڑھا ہوا معاملہ تھا۔ مگر خیر! آسام کے وزیر صحت نے اس معاملے میں منہ چھپا کر جان چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ جب اُنہیں کسی نے یاد دلایا کہ اُن کے والد بھی تو کینسر ہی کے ہاتھوں پرلوک سدھارے تھے تو اُنہوں نے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے کہا ہو سکتا ہے کہ اُنہیں بھی گناہوں کی سزا ملی ہو!

ہیمنتا بسوا سرما نے بے حسی کے تالاب میں پہلا اور خاصا بھاری پتھر پھینکا ہے۔ لوگوں کو اُن کی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لیے جزا و سزا کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے۔ ہمارے ہاں بھی معاملات اب تک انتہائی خرابیوں کا شکار ہیں۔ اس دنیا کے قوانین اور سزاؤں سے تو لوگ سُدھرنے کا نام نہیں لے رہے۔ ایسے میں مذہبی تعلیم کا سہارا لے کر آخرت اور جزا و سزا کا تصور ذہنوں میں بیدار کرنے ہی سے کچھ بھلا ہو تو ہو!

پتھر کی سِل پر نکاح نامہ

ماہرین جب کچھ کرنے، کر دکھانے اور دکھانے کی ٹھان لیں تو رومال سے انڈا اور ٹوپی سے کبوتر بھی نکال کر دکھا سکتے ہیں۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے چار ہزار سال پرانا نکاح نامہ دریافت کیا ہے۔ ترکی کی ہاران یونیورسٹی کے ماہرین نے جو نکاح نامہ دریافت کیا ہے وہ پتھر کی ایک بڑی اور موٹی سِل پر کندہ ہے۔ قدیم زبانوں کے ماہرین نے خاصی محنت کے بعد نکاح نامے کی عبارت کو پڑھنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس پر دلہن کا نام ''ہتالہ'' اور دولہا کا نام ''لاکی پوم'' درج ہے۔ نکاح نامے کے آخر میں درج ہے کہ اگر دلہن کے اولاد نہ ہوئی تو وہ شوہر کے لیے باندی کا اہتمام کرے گی (تاکہ وہ بے اولاد نہ رہے)!

کہا جا رہا ہے کہ اب تک دریافت کیے جانے والے نکاح ناموں میں یہ قدیم ترین ہے۔ اس نکاح نامے سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اُس دور میں عورت کے بے اولاد رہ جانے کی صورت میں مرد کا نام زندہ رکھنے یعنی اُس کا شجرۂ نسب آگے بڑھانے کی خاطر بیوی کو اس بات کا پابند کرنا لازم سمجھا جاتا تھا کہ وہ شوہر کو کسی باندی ہی کے ذریعے اولاد کے حصول کی محض اجازت نہ دے گی بلکہ باندی بھی خرید کر دے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس دور میں شادی کے وقت اور بھی بہت سی شرائط کا تعین کیا جاتا ہو مگر جب تک ہمیں مزید نکاح نامے نہیں مل جاتے تب تک ٹھیک سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ تب نکاح یا گھریلو زندگی کی شرائط میں کون کون سے نکات شامل کیے جاتے تھے۔



کالم آرائی
ایم ابراہیم خان
ibrahim.khan@dunya.com.pk
SMS: "MIK" (space) message & send to 7575

آج کل نکاح نامہ کاغذ کے ٹکڑے کی شکل میں ہوتا ہے اس لیے الماری میں کسی چیز کی تلاش کے دوران نہ چاہتے ہوئے ہاتھ میں آجاتا ہے اور انسان شادی سے پہلے کا زمانہ یعنی ''زمانہ ماقبلِ غلامی'' کو یاد کر کے کچھ دیر کے لیے سرد آہیں بھرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چار ہزار سال قبل نکاح نامے کو کسی دور افتادہ کونے میں رکھ کر بھول جانے کو ترجیح دی جاتی ہوگی۔ اور ویسے بھی کس میں اس بات کا یارا ہوتا ہوگا کہ اتنی بھاری چیز اٹھائے اور پھر سرد آہیں بھی بھرے!

یہ بات بڑی خوش کُن لگی کہ چار ہزار سال قبل کے لوگوں میں اِتنا شعور بہرحال تھا کہ نکاح نامہ نہ صرف یہ کہ موجود ہو بلکہ انتہائی ٹھوس ہو۔ تب کا نکاح نامہ آج کے نکاح نامے کی طرح کا نہیں ہوتا تھا جسے کاغذ کا ٹکڑا سمجھ کر ٹھکرانے میں دیر نہیں لگائی جاتی۔ اوّل تو اُس دور کا نکاح نامہ تھا اِس نوعیت کا کہ اِدھر سے اُدھر کرنے میں بھی بہت احتیاط کا مظاہرہ کرنا پڑتا تھا۔ بصورتِ دیگر پتھر کی سِل ہاتھ یا پیر پر گرنے سے میاں یا بیوی کے زخمی ہونے کا خدشہ برقرار رہتا تھا۔

آج کل نکاح نامہ کاغذ کے ٹکڑے کی شکل میں ہوتا ہے اس لیے الماری میں کسی چیز کی تلاش کے دوران نہ چاہتے ہوئے ہاتھ میں آجاتا ہے اور انسان شادی سے پہلے کا زمانہ یعنی ''زمانہ ماقبلِ غلامی'' کو یاد کر کے کچھ دیر کے لیے سرد آہیں بھرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چار ہزار سال قبل نکاح نامے کو کسی دور افتادہ کونے میں رکھ کر بھول جانے کو ترجیح دی جاتی ہوگی۔ اور ویسے بھی کس میں اس بات کا یارا ہوتا ہوگا کہ اتنی بھاری چیز اٹھائے اور پھر سرد آہیں بھی بھرے!

بات حیرت انگیز لگتی ہے کہ نکاح کے ثبوت کو پتھر کی سِل پر کندہ کرانا کیوں ضروری سمجھا جاتا تھا۔ مگر خیر! یہ بات کچھ ایسی حیرت انگیز بھی نہیں کہ سِرے سے سمجھ ہی میں نہ آسکے۔ چار ہزار سال پہلے کی شادی بھی اِس بات کی ضامن تو نہیں ہوتی تھی کہ میاں بیوی کبھی جھگڑیں گے ہی نہیں۔ شادی چونکہ انسانوں کے درمیان ہوتی تھی اس لیے ناچاقیاں بھی ہوتی ہوں گی۔ اور گھریلو زندگی میں جھگڑا ہوتا ہے تو معاملہ مار پیٹ تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگاتا۔ ڈھائی تین ہزار سال تک دانش کی راہ پر چلتا ہوا انسان اب اکیسویں صدی میں قدم رکھ چکا ہے۔ تب بھی گھریلو زندگی میں ہنگامہ آرائی، مار پیٹ اور قتل و غارت سے باز نہیں آیا تو سوچا جاسکتا ہے کہ چار ہزار پہلے کے میاں بیوی کس طرح لڑتے ہوں گے۔

ہو سکتا ہے کہ نکاح نامے پتھر کی سِل پر اس لیے تیار کیے جاتے ہوں کہ میاں بیوی کو ناچاقی کی صورت میں ایک دوسرے کے خلاف کسی بھی حد سے گزرنے میں آسانی رہے۔ مثلاً اگر کوئی جھگڑا خاصی بحث و تمحیص کے بعد بھی نمٹ نہ رہا ہو اور کوئی بھی فریق دوسرے کی بات ماننے پر آمادہ ہی نہ ہو رہا ہو تو ''اتمامِ حجت'' کے طور پر نکاح نامے کی سِل ہی اُس کے سَر پر دے ماری جائے! ایسی صورت میں اگر قانون نافذ کرنے والے آلۂ قتل برآمد کر بھی لیتے ہوں گے تو بچ نکلنے کے لیے یہ بھی کہا جاسکتا ہوگا کہ اگر یہ آلۂ قتل ہے تو بزرگوں سے جواب طلبی کی جائے کہ یہ اُنہوں نے دیا تھا۔

مرزا تنقید بیگ کو ہم نے پتھر کی سِل پر کندہ نکاح نامہ دریافت کیے جانے سے متعلق خبر سنائی تو وہ چند لمحات کے لیے خیالات کی دنیا میں گم ہوگئے۔ ہم یہ سمجھے وہ شاید یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر ان کا نکاح نامہ بھی پتھر کی سِل کی شکل میں ہوتا تو وہ کوئی اچھا موقع دیکھ کر اُسے بھابی کے سَر پر دے مارتے! مگر خیر یہ امکان زیادہ قوی تھا کہ بھابی یہ کام پہلے کر گزرتیں!

ہم نے کاندھے سے جھنجھوڑ کر مرزا کو خیالات کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں واپس آنے پر مجبور کیا تو وہ ایک عدد خاصی سرد آہ بھر کر رہ گئے۔ ہم نے جب اُنہیں خیالات میں گم دیکھ کر اپنے ذہن میں ابھرنے والے وسوسے کے بارے میں بتایا تو اُنہوں نے دو تین لمحوں تک ہمیں یوں گھور کر دیکھا گویا درست اندازہ لگانے پر دل ہی دل میں ہم پر لعن طعن کر رہے ہوں۔ گھورنے کا دورانیہ ختم ہونے پر اُنہوں نے کہا ''تم بھی چونکہ شادی شدہ ہو اِس لیے یہ گمان رکھتے ہو کہ جس طور تمہاری گھریلو زندگی میں ناچاقیاں ہیں، اُسی طور تمام شادی شدہ افراد الجھنوں سے دوچار ہوں گے۔ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ ہماری گھریلو زندگی میں ایسا کچھ نہیں کہ ہم تمہاری بھابی کے سَر پر 'حجری نکاح نامہ' دے مارنے کے تصوّر سے سرشار ہوں''۔

مرزا کی اِس بات پر ہمارے جی میں آیا کہ خوب ہنسیں بلکہ قہقہے لگائیں۔ ہم سمجھ گئے کہ ہمارے درست اندازے سے خار کھا کر' محض جھینپ مٹانے کے لیے ہمیں مطعون کرنے کی اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کا بس چلے تو قبر کا کتبہ تیار کرانے کی عمر میں وہ مسالے پیسنے والی گھریلو سِل پر نکاح نامہ کندہ کرا کے چار ہزار سال پرانی روایت کا احیا بھی کریں اور بھابی کو مستقل سراسیمہ رکھنے کا اہتمام بھی۔

مرزا سمیت بہت سے دوستوں کا ''زمانہ مابعدِ شادی'' دیکھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ فی زمانہ نکاح نامہ پتھر کی سِل پر کندہ کرانے میں بھی کچھ ہرج نہیں کیونکہ نکاح کے بعد شروع ہونے والا زمانہ بندے کو کتبے کی منزل تک پہنچانے میں زیادہ دیر نہیں لگاتا۔ ایسے میں ''حجری نکاح نامے'' کی پشت کو بروئے کار لا کر اُس سے کتبے کی شکل میں بھی مستفید ہوا جاسکتا ہے۔



مجاہدِ ملت قاضی حسین احمدؒ

صدائے درویش

حافظ محمد ادریس
muhammad.idrees@dunya.com.pk
SMS: HIC" (space) message & send to 7575

قاضی حسین احمد پانچ سال قبل اس دارِ فانی کو چھوڑ کر جنت مکیں ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ملت اسلامیہ کا نایاب ہیرا تھے۔ قاضی صاحب اپنے پانچ بھائیوں اور پانچ بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ وہ زیارت کا کا صاحب کے ایک دینی و علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد صاحب مولانا قاضی عبدالربؒ اور دادا جان قاضی دُرِ مکنونؒ، ماموں مولانا لطف اللہؒ اور نانا مولانا عبدالحق جہانگیرویؒ، سبھی اجلّ علما تھے۔ دیو بندی مکتب فکر کے قائدین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ خاندان کے بزرگوں نے انگریزوں کے خلاف جہادی تحریک بھی چلائی اور قاضی صاحب کے ننھیال و ددھیال میں کئی بزرگان شہادت سے بھی سرفراز ہوئے۔ یوں یہ خاندان محض علمی روایات ہی کا وارث و امین نہیں تھا بلکہ جہادی معرکوں کا بھی شہ سوار تھا۔ مولانا عبدالقدوس قاسمیؒ، مولانا عبدالسبوح قاسمیؒ، قاضی عطاء الرحمٰنؒ، ڈاکٹر عتیق الرحمان اور خود قاضی صاحب دینی و عصری علوم سے بہرہ ور تھے۔ قاضی صاحب نے اسلامیہ کالج پشاور سے گریجویشن اور جامعہ پشاور سے ایم ایس سی جغرافیہ میں تعلیم مکمل کی۔

قاضی صاحب کچھ عرصہ تک جہانزیب کالج سیدو شریف (سوات) میں بطور لیکچرر بھی کام کرتے رہے۔ پھر ملازمت چھوڑ کر پشاور میں اپنا کاروبار منظم کیا۔ اللہ نے ان کے کاروبار میں بڑی برکت دی۔ یہ میڈیسن کا کاروبار تھا جو اب ڈائیگنوسٹک سنٹر بن کر بخیر و خوبی چل رہا ہے۔ قاضی صاحب کی اہلیہ، چاروں بچے عزیزم آصف لقمان قاضی، عزیزی ڈاکٹر انس فرحان قاضی، عزیزہ ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی اور عزیزہ خولہ سلجوقی سبھی جماعت کی اگلی صفوں میں کام کر رہے ہیں بلکہ پورا خاندان جو سیکڑوں ارکان پر مشتمل ہے، اسی فکر کا داعی اور اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے جسے خاندان کے اس نایاب سپوت نے اپنایا اور زندگی بھر نبھایا۔ آخری وقت میں بھی اپنے بچوں کو وصیت فرمائی کہ جماعت اسلامی کا ساتھ کبھی اور کسی حال میں بھی نہ چھوڑنا۔ زندگی بھر اس راہ پہ گامزن رہنا جس پہ میں نے اپنی ساری زندگی پوری یکسوئی کے ساتھ گزاری ہے۔

قاضی صاحب زمانہ طالب علمی میں اسلامی جمعیت طلبہ سے متاثر ہوئے، خاندان کا ماحول دیوبندی اور جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودیؒ کی فکر سے متصادم نہیں تو اختلافی ضرور تھا۔ قاضی صاحب کے دو بڑے بھائی جناب عطاء الرحمان اور ڈاکٹر عتیق الرحمٰن بھی جمعیت کے سرگرم کارکن تھے۔ ان کے بزرگوں کی وسعتِ ظرفی تھی کہ عمومی طور پر علمائے دیوبند کے برعکس انھوں نے اپنے ہونہار سپوتوں کے اس راستے پر چلنے کی مزاحمت نہیں کی۔ قاضی صاحب عملی زندگی میں داخل ہوئے تو فوراً جماعت کے کارکن بنے۔ پھر 1970ء میں جماعت کے رکن بن گئے۔ زمانہ طالب علمی میں اپنے بھائی ڈاکٹر عتیق الرحمٰن صاحب کے پاس لاہور آیا کرتے تھے، جو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں زیر تعلیم اور کالج ہاسٹل میں رہائش پذیر تھے۔ اسی عرصے میں مرکز جماعت اچھرہ میں مولانا مودودیؒ سے ان کی براہِ راست ملاقاتیں ہوئیں اور مولانا کی شخصیت کو دیکھتے ہی وہ ان کے گرویدہ ہو گئے۔

کون جانتا تھا کہ صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) کا ایک عام سا طالب علم اور علماء کا سپوت مولانا سید مودودیؒ کی اس تحریک کا بہت بڑا اثاثہ ثابت ہوگا، نہ صرف اس کی اگلی صفوں میں کام کرے گا بلکہ مولانا کی جانشینی اور جماعت کی قیادت کی ذمہ داری بھی اللہ اس سے لے گا۔ اس میدان میں اللہ کا یہ بندہ امارت و قیادت کے مقام پر فائز ہوا تو سید مودودیؒ کی طرح سر سے کفن باندھ کر گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی پیچھے کی طرف دیکھنے کی بجائے آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ سیّد نے جو نقوشِ پا چھوڑے تھے وہ تو قیامت تک آنے والے قافلوں کے لیے جرأت و حوصلے کا سامان پیدا کرتے رہیں گے۔ قاضی صاحب نے بھی ان نقوشِ پا پر چل کے دکھایا اور ہر آمر کو للکارتے رہے۔ ان کی بے لوث جدوجہد کا سارا زمانہ معترف ہے، دوست بھی اور دشمن بھی!

صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکرِ بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی!

قاضی صاحب سید مودودیؒ کے پیروکار اور علامہ اقبالؒ کے مدّاح و فداکار تھے۔ انھیں کلامِ اقبال، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں، یوں مستحضر تھا کہ بسا اوقات احساس ہونے لگتا جیسے پورا کلام انھیں ازبر ہے۔ وہ کئی بار خود فرماتے کہ لوگ مبالغہ کرتے ہوئے انھیں کلام اقبال کا حافظ کہہ دیتے ہیں۔ ہم ان کا یہ تبصرہ سن کر کہا کرتے تھے کہ اس میں کوئی مبالغہ تو نظر نہیں آتا۔ آپ جس موضوع پر گفتگو کریں خواہ تقریر ہو یا انٹرویو، آپ کا خطبہ ہو یا کوئی مضمون، ڈرائنگ روم میں گپ شپ ہو یا کوئی پریس کانفرنس، کلامِ اقبال اس میں پھولوں کی طرح مہکتا اور موتیوں کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ میں تو کلامِ اقبال کو دیکھتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ علامہ کے بے شمار اشعار قاضی صاحب پر پوری طرح منطبق ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کلام اقبال کا بیشتر حصہ آفاقی اور عالمگیر حقیقتوں پر مشتمل ہے مگر ان کے اشعار کے مطابق جب بھی اور جو بھی اپنے آپ کو جس قدر ڈھال لے گا، یہ اشعار اس کا لباس اور اوڑھنا بچھونا بن جائیں گے۔ قاضی صاحب ایسی ہی شخصیات میں سے ایک انقلابی شخصیت تھے۔ یوں سمجھیے کہ وہ اقبال کے شاہین تھے۔

راقم الحروف کو قاضی صاحب کے ساتھ کام کرنے کا براہ راست طویل موقع نصیب ہوا۔ یہ عرصہ اٹھائیس سال پر محیط ہے۔ ان کو سفر و حضر میں، امن و حرب میں، اندرونی و بیرونی محاذوں پر، آسائش و راحت اور ابتلا و آزمائش میں، ہر جگہ دیکھنے اور پرکھنے کے مواقع ملتے رہے۔ میری آنکھوں کے سامنے ان کا تصور آتا ہے تو وہ اس شعر کا مصداق نظر آتے ہیں۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

قاضی صاحب آتشِ نمرود میں بے خطر کود جایا کرتے تھے۔ اگر کوئی ناصح و خیر اندیش خطرات کی سنگینی کا حوالہ دے کر احتیاط و پرہیز کی ترغیب دیتا تو جواب میں کہا کرتے تھے کہ ہم تو درویش ہیں، کندھے پہ ردائے درویشی لیے پھرتے ہیں۔ ہم سے کوئی کیا چھین لے گا۔ ہم اللہ کی راہ میں کام کرتے ہوئے کیوں پسپائی و مداہنت اختیار کریں۔ ہم درویشی کی چادر جہاں چاہیں، بچھالیں!

نہ تخت و تاج میں نَے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

یہ شعر بھی قاضی صاحب کی زبان سے بارہا سنا، جو فی الحقیقت ان کی آزادیٔ طبع اور فکری حریت کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔

فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے!

قاضی صاحب نے جو مجلس بھی سجائی، امت کے درد کا مداوا کرنے، ظلم کے خاتمے اور عدل و انصاف کے قیام کی فکر ہی ان پر غالب رہی۔ کلمۃ اللہ کی سربلندی ان کا مطمح نظر تھا اور اس راستے میں شہادت ان کی تمنا۔ وہ جہاد کرتے ہوئے ہی اللہ کے دربار میں گئے ہیں۔ ان کا درجہ حدیث کے مطابق شہید کا ہے کیوں کہ آنحضورؐ کا ارشاد ہے: جو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے موت سے ہم کنار ہوا وہ بھی شہید ہے اور جو اللہ کے راستے میں جدوجہد کرتا ہوا موت کی وادی میں پہنچ گیا، وہ بھی شہید ہے۔ (صحیح مسلم، عن ابی اہریرہ، حدیث 1915) مرحوم نے ایک لحہ بھی اللہ کی راہ میں جدوجہد سے کبھی منہ نہیں موڑا تھا۔

قاضی صاحب نے اپنے دورِ امارت میں جو کاروانِ دعوت و محبت چلایا تھا اس نے ملک بھر میں لسانی و نسلی اور سیاسی و مذہبی نفرتوں کے مقابلے میں اسلامی اخوت و محبت کا پرچار کیا۔ مہینے بھر کی یہ کٹھن مہم بہت مشکل اور تھکا دینے والی تھی۔ ہر روز نیا سفر اور نئی منزلیں، قیام و طعام کے مسائل و مشکلات، سفر کی تھکاوٹ اور بے آرامی، کوئی چیز قاضی صاحب اور ان کے کارواں کے لیے سدِّ راہ نہ بن سکی۔ مذہبی و دینی جماعتوں کے درمیان روایتی و تاریخی دوریاں، نفرتوں کے الاؤ بھڑکانے کا سبب بن رہی تھیں۔ اس آگ کو بجھانا ملک و ملت کے مفاد و سلامتی کا تقاضا تھا مگر یہ کام کوئی آسان نہ تھا۔ قدم قدم پر مشکلات اور رکاوٹیں، راستے تنگ اور گلیاں بند، کئی لوگ اس بھاری پتھر کو چوم کر رکھ دیتے۔ قاضی صاحب نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا اور بڑے عزم اور قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے، اپنی مضبوط شخصیت کے ساتھ میدان میں اترے اور نفرتوں کی آگ کو ٹھنڈا کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔ مسلکی مسئلہ اگرچہ ابھی تک مکمل اور حتمی طور پر تو حل نہیں ہو سکے مگر قاضی صاحب نے ملی یکجہتی کونسل کے تحت ہر دو متحارب گروہوں کو ایک میز پر اکٹھا کیا، ان کے درمیان مذاکرات ہوئے اور کئی موضوعات پر باہمی رواداری کی فضا بھی پیدا ہوئی۔

جماعت اسلامی کے ساتھ سیاسی میدان میں جن مذہبی جماعتوں کا ٹکراؤ ہوتا تھا ان میں جمعیت علمائے پاکستان اور جمعیت علمائے اسلام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آپس میں افہام و تفہیم کے فقدان نے بلاوجہ ان پارٹیوں کے لوگوں کو ایک دوسرے سے متنفر کر دیا تھا۔ قاضی صاحب کی کوششوں سے متحدہ مجلس عمل وجود میں آئی تو مولانا شاہ احمد نورانیؒ اور قاضی صاحبؒ کے درمیان اتنا قرب پیدا ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت اور احترام کے رشتوں میں جڑ گئے۔ قاضی صاحب کسی بھی مسلک کے دینی ادارے اور مدرسے میں چلے جاتے، ہر مسلک کے اساتذہ و طلبا والہانہ ان کا استقبال کرتے۔ یہی کیفیت عالمی اسلامی تحریکوں کے کارکنان و قیادت کی تھی۔ قاضی صاحب کو دیکھتے ہی وہ ان کی طرف لپکتے، ان کی پیشانی، چہرہ اور ہاتھ چومنے لگتے۔



نبی کریم ﷺ سے وابستگی



نبی کریم ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری رسول ہیں اور ہر کلمہ گو مسلمان آپ ﷺ سے والہانہ وابستگی رکھتا ہے۔ بہت سے لوگ اس بات کو بھی جاننا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے اس وابستگی کا اظہار کس طرح ہونا چاہیے؟ کتاب وسنت میں اس حوالے سے بہت ہی شاندار رہنمائی موجود ہے۔ اس حوالے سے بعض اہم نکات قارئین کے سامنے رکھ رہا ہوں:

1۔ عظمت کا احساس: نبی کریم ﷺ سے وابستگی کے اظہار کا پہلا اہم تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عظمت کا احساس انسان کے دل میں راسخ ہو اور انسان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جمیع مخلوقات میں سے کسی بھی شخص کا مقام اور رتبہ نبی کریم ﷺ جیسا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ سے پہلے بھی انبیاء اور رسل اللہ کو مبعوث کیا لیکن آپ ﷺ کی ذات پر نبوت ورسالت کو تمام کر دیا۔ نبی کریم ﷺ سے پہلے آنے والے رسول اپنے اپنے علاقے اور مخصوص وقت کے لیے مبعوث کیے گئے جب کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت عالمگیر اور قیامت کی دیواروں تک کے لیے اس کو دوام حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ سے پہلے آنے والے کتابیں بعد میں آنے والے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے منسوخ ہو گئیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات اقدس پر اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو نازل فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن اور آپ ﷺ کی سنت مطہرہ کو رہتی دنیا تک کے لیے حجت، دلیل، ضابطہ حیات اور دستور عمل بنا دیا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کسی بھی علاقے اور عہد کا انسان اگر ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو آپ ﷺ کے قلب اطہر پر اترنے والے قرآن مجید اور آپ کی سنت سے رہنمائی حاصل کر کے ہی ہدایت کا راستہ مل سکتا ہے۔

2۔ نبی کریم ﷺ سے والہانہ محبت: نبی کریم ﷺ سے وابستگی کے اظہار کے لیے آپ ﷺ سے والہانہ محبت کرنا انتہائی ضروری ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص بھی ایمان والا نہیں ہوگا جب تک میں اس کے والد اور اولاد سے بھی زیادہ اس کا محبوب نہ بن جاؤں۔ قرآن مجید کی سورہ توبہ کی آیت نمبر 24 میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امر کا اعلان فرمایا: ''کہہ دیجیے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ مال (جو) تم نے کمایا ہے اور (وہ) تجارت (کہ) تم ڈرتے ہو جس کے مندا پڑ جانے سے، اور وہ گھر جو تم پسند کرتے ہو زیادہ محبوب ہیں تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنے حکم کو لے آئے اور اللہ ہدایت نہیں دیتا (ایسے) فاسقوں کو۔'' یہ آیت مبارکہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ہمیں دنیا میں رہتے ہوئے اللہ، اس کے رسول اور اللہ کے راستے میں جدوجہد کرنے سے باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ سے والہانہ محبت کیا کرتے تھے۔ آپ کے ادنیٰ اشارہ ابرو پر وہ اپنے تن، من، دھن کو نچھاور کرنے پر آمادہ وتیار ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے ہر حکم کو ماننے کے لیے ہمہ وقت آمادہ وتیار رہا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرامؓ کی وابستگی کا عالم یہ تھا کہ میدان جہاد میں جب وہ کفار کے ساتھ مقابلے کے لیے موجود ہوتے تو ان کی نگاہیں جہاں کافروں کی صفوں کی طرف ہوتی تھیں، وہیں پر وہ نبی کریم ﷺ کے دفاع کے لیے بھی پوری طرح مستعد اور چاق چوبند رہا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ذات اقدس کے دفاع کو ہر چیز پر مقدم جانا کرتے تھے۔ تاریخ اسلام کے دامن میں ایسے واقعات بھی محفوظ ہیں کہ غزوات کے دوران صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کی طرف آنے والے تیروں کو اپنے وجودوں پر روکنا گوارا کر لیا لیکن نبی کریم ﷺ کی ذات پر معمولی سی آنچ کو بھی نہیں آنے دیا۔

3۔ آپ ﷺ کی غیر مشروط پیروی: نبی کریم ﷺ سے وابستگی کے اظہار کے لیے آپ ﷺ کی غیر مشروط پیروی کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ کوئی بھی شخص جس نے نبی کریم ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے اس کے علم میں یہ بات ہونی چاہیے کہ رسول کو بھیجنے کا بڑا مقصد یہ تھا کہ اس کے ہر حکم کو بلا چوں چراں مانا جائے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ نساء کی آیت نمبر 64 میں اعلان فرماتے ہیں: ''اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر (اس لیے) تاکہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔'' اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 31 میں اس امر کا اعلان فرما دیا کہ: ''آپ کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔'' گویا کہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کا متلاشی ہے اگر وہ نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے محبت کرنے لگیں گے۔ نبی کریم ﷺ کی بات کو ہر غیر کی بات پر ترجیح دینا آپ ﷺ کی وابستگی کا اہم تقاضا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی ہر بات کو بلا چوں چراں تسلیم کر لیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں کسی بھی قسم کے تساہل اور لچک کا مظاہرہ نہیں ہوتے تھے۔ قرآن مجید میں تحویل قبلہ کے واقعے کا ذکر موجود ہے۔ کہ جس وقت بیت المقدس سے قبلے کو تبدیل کر کے بیت اللہ کی طرف کر دیا گیا تو حضرات صحابہ کرامؓ نے لحہ بھر کے لیے بھی اس حکم کو ماننے میں دیر نہ کی۔ بلکہ بعض صحابہ کرامؓ کو جب حالت نماز میں اس بات کی اطلاع ملی کہ قبلہ تبدیل ہو چکا ہے تو انہوں دوران نماز ہی میں اپنے قبلے کو تبدیل کر کے اس بات کو ثابت کر دیا کہ مومن و مسلمان کا کام فی الفور نبی کریم ﷺ کے حکموں کی تعمیل کرنا ہے اور اس حوالے سے کسی بھی قسم کی کوتاہی اور تاخیر کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ جب ہم ارکان دین پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جملہ عبادات کو بجا لانے کے دوران اتباع رسول ﷺ کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ چنانچہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وہی قبول ہیں جو اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ نساء کی آیت نمبر 103 میں اس بات کا حکم دیا بے شک نماز فرض ہے مومنوں پر مقررہ اوقات میں۔ لیکن ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ عرفات میں سورج ڈوب رہا ہوتا ہے لیکن مسلمان نمازوں کو ادا کرنے کی بجائے عرفات سے اس لیے کوچ کر رہے ہوتے ہیں کہ اس دن نبی کریم ﷺ نے عرفات میں نماز ادا کرنے کی بجائے وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ نبی کریم ﷺ کی پیروی کرنے کے دوران ہمیں اس بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی پیروی زندگی کے ہر شعبے میں کرنی چاہیے۔ بعض لوگ دینی امور یا عبادات کو تو نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ادا کرتے ہیں لیکن کاروبار، شادی بیاہ اور ریاستی امور کو نبی کریم ﷺ کی سیرت سے الگ کر دیتے ہیں۔ حالانکہ مومن و مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ زندگی کے تمام معاملات کو آپ ﷺ کے اسوہ کامل کی روشنی میں بجا لانے کی کوشش کرتا ہے۔

4۔ نبی کریم ﷺ کے احکامات کی تنفیذ: نبی کریم ﷺ سے والہانہ وابستگی کے تقاضوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان کو اپنی بساط کے مطابق نبی کریم ﷺ کے احکامات کی اپنی ذات اور ماتحت افراد پر تنفیذ کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایک باپ کو اپنے گھر میں نبی کریم ﷺ کے احکامات کی عملداری کے لیے کوششیں کرنی چاہئیں، کسی ادارے کے سربراہ کو اپنے ادارے میں، اسی طرح کسی علاقے کے سرکردہ رہنما کو اپنے علاقے میں اور ملک کے ذمہ داران کو ملک میں نبی کریم ﷺ کے احکامات کی عملداری کے لیے تگ و دو کرنی چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خلفاء راشدین کو جو مقام بلند عطا کیا اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے احکامات کی تنفیذ کے لیے اپنی پوری کی پوری زندگی کو وقف کیے رکھا۔ چنانچہ تاریخ میں ان کے نام ہمیشہ کے لیے سنہری حروف سے درج ہو گئے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ جس حد تک ممکن ہو نبی کریم ﷺ کے احکامات و فرامین کی تنفیذ کے لیے کوشاں رہیں۔

5۔ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا: نبی کریم ﷺ کی ذات سے وابستگی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس پر درود بھیجا جائے۔ جو شخص آپ ﷺ کی ذات پر مسلسل درود بھیجتا رہتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور اس کے غموں کو دور فرما دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا نکات پر عمل پیرا ہو کر ہی ہم صحیح معنوں میں نبی کریم ﷺ سے وابستگی کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو حقیقی معنوں میں نبی کریم ﷺ سے وابستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

Daily DUNYA, Wednesday, December 20, 2017

دینی جماعتوں کا لائحہ عمل



دین سے دنیا تک
علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

گزشتہ چند دنوں کے دوران ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بہت سے اہم واقعات رونما ہوئے۔ امریکی صدر ٹرمپ کے بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالخلافہ قرار دینے کے اعلان پر امت مسلمہ میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ جہاں پر اس جارحانہ بیان پر عالم اسلام کے بہت سے مقتدر رہنماؤں نے اپنے اپنے احتجاجی بیانات ریکارڈ کروائے' وہیں پر پاکستان کی مذہبی جماعتوں نے بھی اس حوالے سے ملک گیر احتجاج کیا۔ گزشتہ دو جمعوں کے دوران ملک بھر میں بیت المقدس کے حوالے سے احتجاجی اجتماعات کا انعقاد کیا گیا۔ 17 دسمبر کا دن اس حوالے سے بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا کہ اس دن کراچی، لاہور اور پشاور جیسے پاکستان کے مرکزی شہروں میں تین بڑے مذہبی اجتماعات کا انعقاد ہوا۔ لاہور میں دفاع پاکستان کونسل کے زیر اہتمام ناصر باغ کے بالمقابل چوک استنبول میں بہت بڑے اجتماع کا انعقاد کیا گیا جس میں ہزاروں کی تعداد میں دفاع پاکستان کونسل سے وابستہ جماعتوں کے کارکنان نے شرکت کی۔ استنبول چوک مال روڈ لاہور میں ہونے والی کانفرنس سے دفاع پاکستان کونسل کے چیئرمین مولانا سمیع الحق، پروفیسر حافظ محمد سعید، لیاقت بلوچ، شیخ رشید، عبدالرحمٰن مکی، مولانا فضل الرحمٰن خلیل، پیر ہارون گیلانی، ریاض فتیانہ، مولانا امیر حمزہ، ودیگر نے خطاب کیا۔ مجھے بھی کانفرنس میں خطاب کرنے کا موقع ملا۔

مذہبی وسیاسی جماعتوں کے قائدین نے دفاع پاکستان کونسل کی تحفظ بیت المقدس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ٹرمپ کا مقبوضہ بیت المقدس کو اسرائیلی دارالحکومت قرار دینے کا اعلان نئی صلیبی جنگ کا آغاز اور دنیا کے امن پر خودکش حملہ ہے۔ مسلمان دنیا کا امن تہہ وبالا کرنے کے لیے جنگیں نہیں چھیڑتے لیکن اگر امریکہ نے اعلان واپس نہ لیا تو پھر کھلی جنگ ہوگی اور امریکہ افغانستان میں ناکامی کے بعد بیت المقدس کے گردونواح میں خوامخواہ ناکام محاذ آرائی کرنا چاہتا ہے۔ کشمیری و فلسطینی مسلمانوں کو جلد آزادی ملے گی۔ مسلم ممالک کی افواج قبلہ اول کی آزادی کے لیے کردار ادا کرے۔ کونسل کے قائدین نے کوئٹہ میں چرچ پر حملے کی مذمت کی اور کہا کہ مسجدوں، بازاروں پر حملے کرنے والے دشمن قوتوں کے ایجنٹ ہیں' کوئی بھی سمجھدار مسلمان ان تخریبی کارروائیوں میں ملوث نہیں ہوسکتا۔ کانفرنس میں وزیراعظم سے اسلام آباد میں اسلامی سربراہی کانفرنس بلانے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ اعلان واپس نہ لینے کی صورت میں مسلمان ممالک کو امریکی سفارتخانے بند کردینے چاہئیں۔ قائدین نے مطالبہ کیا کہ مسلمان حکمران بیت المقدس کی آزادی کے لیے اسرائیل کیخلاف جہاد کا اعلان کریں۔ افواج پاکستان اور عدلیہ کے خلاف ہرزہ سرائی نریندر مودی کا ایجنڈا ہے۔ یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے۔ پاکستان کی سیاسی صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ مودی اور ٹرمپ سے دوستیاں نبھانے والے آئندہ الیکشن میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ سنی، شیعہ جھگڑوں کے خاتمے کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا گیا۔ دفاع پاکستان کونسل کے چیئرمین مولانا سمیع الحق نے اپنے خصوصی خطاب میں کہا کہ ہمارے سینے جذبۂ جہاد سے سرشار ہیں۔ ہمیں حکمرانوں کی طرف نہیں دیکھنا بلکہ امت کو جگانا ہے۔ حکمران امریکہ کی کٹھ پتلیاں ہیں۔ جہاد کو اسلامی ریاست سے مشروط قرار نہیں دیا جاسکتا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت کوئی ایک مسلمان حکمران بھی جرأت نہیں کرسکتا کہ وہ جہاد کی بات کرے۔ اس لیے یہ جنگ اُمت محمدیہ نے لڑنی ہے۔ آج ہمیں صلاح الدین ایوبی کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس وقت یہودیوں کو نہ روکا گیا تو ان کا اگلا ہدف حرمین شریفین ہیں۔

کراچی میں جماعت اسلامی کے زیر اہتمام بہت بڑے مارچ کا انعقاد ہوا جس میں خواتین، بزرگوں، نوجوانوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ مارچ سے خطاب کرتے ہوئے امیر جماعت اسلامی سینیٹر سراج الحق نے کہا کہ بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ جب تک ایک بھی مسلمان زندہ ہے بیت المقدس اسرائیل کا دارالحکومت نہیں بن سکتا۔ مسلمانوں کے قبلہ اول کی آزادی کی جدوجہد مقدس جہاد ہے۔ ہم مقدس جہاد میں فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دینے کے امریکی فیصلے کی واپسی تک جدوجہد جاری رہے گی۔ تمام اسلامی ممالک امریکہ سے اپنے سفیر واپس بلائیں۔ عالم اسلام کے حکمران امریکہ کے خلاف جرأت مندانہ موقف اختیار کرتے ہوئے مسلم عوام کے احساسات وجذبات کی ترجمانی کریں۔ اسلامی فوجی اتحاد بیت المقدس اور مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لیے واضح طور پر اپنے ایجنڈے کا اعلان کرے۔ حکمران خواہ سوتے رہیں مسلم عوام اور نوجوان زندہ و بیدار ہیں۔ انہوں نے بھی کوئٹہ چرچ پر حملے کی شدید مذمت کی اور کہا کہ ملک میں دہشت گردی کے پیچھے امریکہ، اسرائیل اور بھارت کا ٹرائیکا ملوث ہے۔ یہ پاکستان کو غیر مستحکم اور عالمی سطح پر بدنام کرکے بتانا چاہتے ہیں کہ یہاں اقلیتی برادری غیر محفوظ ہے۔ عالمی اور بیرونی سازش ہے کہ مسلمانوں کو تقسیم کرکے کمزور کیا جائے۔ آج امت کے اتحاد کی ضرورت ہے۔ القدس مارچ پاکستان کے حکمرانوں اور عالم اسلام کی قیادت کو آواز دے رہا ہے کہ مسلم عوام کے احساسات وجذبات کی ترجمانی کریں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ اسلامی فوجی اتحاد مسلمانوں کے ان اہم مسائل کے حل کے لیے واضح طور پر اعلان کرے گا اور مسلم عوام کا ترجمان بنے گا۔

پشاور میں جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام ایک بڑی تحفظ ناموس رسالت ﷺ کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ 2013ء کے عام انتخابات میں ایم ایم اے نہ ہونے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے خیبر پختون خوا میں ایک سیکولر پارٹی نے اقتدار پر قبضہ کرلیا ان لوگوں کی وجہ سے پاکستان کی اسلامی اور تہذیبی حیثیت خطرے میں ہے۔ لیکن اب ایم ایم اے حفاظت کرے گی۔ ایم ایم اے کی بحالی سے ان کے غبارے سے ہوا نکل چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم 50 لاکھ افراد ایک میدان میں جمع کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ ملکی ادارے ہمارا راستہ کیوں روک رہے ہیں۔ انہوں نے فاٹا کے مسئلے پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فاٹا کا سیدھا سادا مسئلہ مفاد پرستوں نے پیچیدہ بنادیا۔ لیکن اب فوج نے بھی کہہ دیا جو فیصلہ ہوگا وہ قبائلی عوام کی مرضی سے ہوگا۔ اس لیے کسی کی دھمکی یا بلیک میلنگ نہیں چلے گی۔ انہوں نے کہا کہ اے پی ایس کے حوالے سے تشویشناک بات یہ ہے کہ اتنے سفاک واقعہ کی خاطر خواہ تحقیقات نہیں ہوسکیں۔ ہمارا اب بھی مطالبہ ہے تحقیقات کے لیے جوڈیشل کمیشن بننا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ نے سازش کے تحت داڑھی اور پگڑی کو خطرہ، مدارس کو دہشت گردوں کا مرکز قرار دیا اس وقت ہم نے اپنے اداروں کو تحفظ فراہم کیا۔ امریکی چاہتے تھے کہ نوجوان ریاست کے خلاف کھڑے ہوں۔ اور وہی ہو جیسے افغانستان، عراق اور شام میں ہوا؛ تاہم پاکستان میں علماء موجود تھے جنہوں نے اپنے نوجوانوں کو اس سازش سے بچاتے ہوئے سازشوں کو ناکام بنادیا۔ انہوں نے کہا کہ امریکی صدر ٹرمپ کا خیال ہے کہ وہ سفارتخانہ بیت المقدس منتقل کردے گا جبکہ اقوام متحدہ نے اسے اسرائیل کا حصہ ہی نہیں تسلیم کیا۔ عالمی ادارے کو نوٹس لینا چاہیے تاکہ امریکہ سفارتخانہ بیت المقدس منتقل نہ کرسکے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے پہلے بھی توہین رسالت ایکٹ میں ترمیم کو روکا۔ اور ابھی بھی ہم نے دیگر جماعتوں کے ہمراہ یہ کوشش ناکام بنائی۔ قانون انتخابی اصلاحات سے متعلق تھا لیکن ختم نبوت ﷺ سے متعلق مسئلے کو بھی چھیڑا گیا۔ یہ بات پارلیمانی کمیٹی کے سامنے نہیں رکھی گئی۔ گھنٹے کے اندر ہم نے اس مسئلے کو حل کیا اور 48 گھنٹے میں ترمیم واپس ہوئی۔ انہوں نے اس موقع پر کوئٹہ دھماکے کی بھرپور انداز میں مذمت کی۔

ان تینوں اجتماعات میں ہونے والے خطابات میں حکمرانوں پر واضح کیا گیا کہ مذہبی جماعتیں ناموس رسالت ﷺ اور القدس کی آزادی کے حوالے سے کسی قسم کا سمجھوتہ اور لچک کا مظاہرہ نہیں کریں گی۔ وہاں پر اس عزم کا بھی اظہار کیا گیا کہ ملک میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے مذہبی جماعتیں بھی اپنا کردار ادا کریں گی اور اقلیتوں کی عبادت گاہوں پر ہونے والے حملوں اور ان کے خلاف جارحیت کو کسی بھی طور پر برداشت نہیں کیا جائے۔ یہ امر خوش آئند ہے کہ ملک بھر کی مذہبی جماعتیں اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے اسی طرز عمل کو اجاگر کرنا چاہتی ہیں جس کا ذکر کتاب اللہ اور نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ہونے والے معاہدۂ میثاق مدینہ میں موجود ہے۔ بیت المقدس کے حوالے سے مذہبی جماعتوں کی تاحال تگ ودو جاری ہے اور اب اسلام آباد میں بھی ملی یکجہتی کونسل کے زیر اہتمام القدس کانفرنس کا انعقاد ہورہا ہے جس میں ملی یکجہتی کونسل کے تمام نمایاں رہنما شرکت کریں گے۔ مستقبل میں دینی جماعتیں سیاسی اور مذہبی اعتبار سے کیا لائحہ عمل اپناتی ہیں اور ملکی سیاست پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں' آنے والے چند دن اس امر کو واضح کردیں گے۔

Daily DUNYA, Wednesday, December 27, 2017

چند اہم واقعات



دین سے دنیا تک
علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

گزشتہ چند دنوں کے دوران ملک بھر میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جن میں سے ہر واقعہ اپنی حیثیت میں انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالخلافہ قرار دینے کے حوالے سے مذہبی جماعتیں جہاں اپنے اپنے دائرے میں احتجاج میں مصروف رہیں' وہیں پر 20 دسمبر کو ملی یکجہتی کونسل کے زیر اہتمام اسلام آباد میں ایک پروقار کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں تمام مکاتب فکر کے جید علمائے کرام نے شرکت کی۔ بیت المقدس کو پنجہ یہود سے آزاد کروانے کے لیے مختلف تجاویز پیش کی گئیں۔ ملی یکجہتی کونسل کے صدر ڈاکٹر ابوالخیر زبیر، جماعت اسلامی کے سینئر رہنما پروفیسر ابراہیم، جماعۃ الدعوہ کے مرکزی رہنما حافظ عبدالرحمٰن مکی، ملی یکجہتی کونسل کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل ثاقب اکبر، ممتاز کشمیری رہنما عبدالرشید ترابی اور دیگر رہنماؤں نے کانفرنس سے خطاب کیا۔ مجھے بھی اس کانفرنس میں شمولیت کا موقع ملا اور میں نے بھی بعض تجاویز کو قائدین اور سامعین کے سامنے رکھنا۔ اس موقع پر میں نے جن خیالات کا اظہار کیا انہیں میں قارئین کی نظر کرنا چاہتا ہوں:

اسلامی تاریخ میں یہود اور بیت المقدس کے حوالے سے مختلف مناظر دیکھنے کو ملے۔ پہلے منظر میں خیبر کے قلعے کو فتح کرنے کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں جھنڈا دیا گیا۔ اس جنگ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامنا یہود کے سرکردہ رہنما مرحب سے ہوا۔ جسے اپنی طاقت فنون سپہ گری پر بہت زیادہ ناز تھا۔ اس کو اس بات کا علم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں اس کا مقابلہ ایمان اور جذبہ جہاد سے سرشار ایک عظیم بہادر اور مرد میدان سے ہونے والا ہے جن کے پیچھے پوری شمع رسالت ﷺ کے پروانے متحد حیثیت میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ولولہ ایمانی، جذبہ جہاد اور اتحاد کے ذریعے مرحب اور اس کی فوجوں کو گرا کر خیبر کے قلعے کو فتح کرلیا۔

جہاں تک تعلق ہے بیت المقدس کا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں بیت المقدس نصرانیوں کی تحویل میں تھا لیکن جذبہ ایمانی اور جذبہ جہاد سے سرشار مسلمانوں نے جب متحد ہو کر بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی تو نصرانی بیت المقدس مسلمانوں کو دینے پر آمادہ وتیار ہوگئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بیت المقدس کی چابیوں کو دے دیا گیا اور بیت المقدس حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کی صداؤں سے گونج اُٹھا۔ کچھ صدیوں کے بعد دوبارہ بیت المقدس نصرانیوں کی تحویل میں چلا گیا۔ اس مرتبہ بھی مسلمانوں نے ایمان اور جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر صلاح الدین ایوبیؒ کی قیادت میں جب متحد ہو کر بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی تو 1187ء میں بیت المقدس دوبارہ بازیاب ہوگیا۔ انیسویں صدی کے اواخر سے یہود نے ایک منظم طریقے سے پوری دنیا سے بیت المقدس کے گردونواح میں نقل مکانی کرنا شروع کی اور 1967ء میں وہ اپنی سازشوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئے۔ 1967ء لے کر اب تک مسلمان بیت المقدس کے حوالے سے خاطر خواہ کامیابیوں کو اس لیے حاصل نہیں کرسکے کہ ایمان اور جذبہ جہاد میں زوال کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد بھی نظر نہیں آتا۔ اس سلسلے میں جہاں پر اُمت مسلمہ کو متحد ہو کر ایک ولولہ تازہ کے ساتھ اس مسئلے پر یکسو ہونے کی ضرورت ہے' وہیں مسلمان ریاستوں کو بھی باہمی اختلافات کو فراموش کرکے بیت المقدس کی بازیابی کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

17 دسمبر کو کوئٹہ چرچ پر ہونے والے حملے کے نتیجے میں ملک بھر میں شدید اضطراب محسوس کیا گیا۔ پاکستان ہمارا دیس ہے جس میں بسنے والوں کی اکثریت مسلمان ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے پیروکار بھی اس ملک کے باشندے ہیں۔ ان کی جان، مال، عزت اور آبرو کا تحفظ کرنا اہل اسلام کی ذمہ داری ہے۔ مسلمان حکمرانوں کو اقلیتوں کے حقوق کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہنا چاہیے اور ان میں کسی بھی قسم کے احساس محرومی کو پیدا نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اسی طرح مسلمان عوام کو بھی ان کے جائز حقوق کے حوالے سے کسی بھی قسم کی منفی سوچ اور عزائم کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ چرچ پر ہونے والے اس حملے کے حوالے سے مذہبی جماعتوں نے متفقہ طور پر ان عناصر کی بیخ کنی کرنے کا مطالبہ کیا جنہوں نے چرچ پر حملہ کیا اور ان کو انسانیت کے ساتھ ساتھ مذہب کا بھی دشمن قرار دیا۔

حالیہ دنوں میں حکمرانوں کے بھارتی جاسوس کلبھوشن یادیو کے حوالے سے نرم رویے پر بھی ملک میں اضطراب کی ایک لہر دیکھنے کو ملی۔ کلبھوشن کا دہشت گرد ہونا ایک بدیہی حقیقت ہے اور اس حوالے سے جو سلوک کسی بھی مجرم کے ساتھ ہونا چاہیے اسی سلوک کا مستحق کلبھوشن بھی ہے۔ لیکن دکھ اور تاسف کا مقام یہ ہے کہ حکومت نے ممتاز قادری کی مرتبہ رائے عامہ کو نظر انداز کرکے انہیں سزائے موت دے دی لیکن کلبھوشن کے مسئلے میں اس رویے کا مظاہرہ نہیں کیا جس کی قوم توقع کررہی تھی۔ کلبھوشن کے ساتھ نرم سلوک نے ماضی کی بہت سی تلخ یادیں بھی تازہ کردیں۔ ریمنڈ ڈیوس نے قرطبہ چوک میں جس انداز میں پاکستانی شہریوں کا قتل عام کیا اس پر یقیناً وہ کڑی سزا کا مستحق تھا لیکن حکومت نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے ورثاء کو جبراً دیت لینے پر مجبور کردیا اور بے گناہ مسلمانوں کا قاتل بحفاظت امریکہ منتقل ہوگیا۔ اس کے بالمقابل قوم کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی عرصہ دراز سے امریکہ کی تحویل میں ہے۔ گو اس حوالے سے حکمران عوامی جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے عوامی سطح پر ردعمل کا اظہار کرچکے ہیں لیکن سفارتی اور حکومتی سطح پر کسی قسم کی کوئی پیش قدمی نہیں کی گئی۔ حکومت کو اس حوالے سے اپنے طرز عمل پر ازسر نو غور وغوض کرنے کی ضرورت ہے اور اس قسم کے اقدامات سے گریز کی ضرورت ہے جن سے قومی وقار میں کمی اور عوام الناس میں نفرت پیدا ہو۔

بعض اخبارات میں شائع ہونے والی اس خبر سے بھی مسلمانوں میں تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی کہ پاسپورٹ سے مذہب کے خانے کو باہر نکالا جارہا ہے۔ اس خبر سے ان شبہات کو تقویت ملی کہ حکومت حرمت رسول ﷺ اور ناموس رسالت ﷺ جیسے مسئلوں پر دیدہ دانستہ مداہنت کا مظاہرہ کررہی ہے۔ پاسپورٹ ایک سفری دستاویز ہے اور کسی بھی مذہب کا پیروکار حجاز مقدس کے علاوہ اس دستاویز کے ذریعے دنیا بھر میں سفر کرسکتا ہے۔ تاہم حجاز میں چونکہ صرف مسلمانوں کے داخلے کی اجازت ہے اس لیے مذہب کا خانہ غیر مسلموں کے حجاز کے سفر کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ منکرین ختم نبوت ﷺ ایک عرصہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہلوا کر سرزمین حجاز میں داخل ہونے کی منصوبہ بندی کررہے ہیں۔ اس قسم کے اقدامات سے ان کی مذہبی شناخت معدوم ہونے کے سبب ان کو حجاز مقدس میں داخل ہونے کا موقع ملے گا۔ اس سے قبل جب یہی قدم جنرل پرویز مشرف کے دور میں اُٹھایا گیا تو تمام مذہبی جماعتوں اور رہنماؤں نے متحد ہو کر انہیں اس فیصلے کو واپس لینے پر مجبور کردیا تھا۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے حکمران دوبارہ اسی قسم کی غلطی کرکے عوام الناس کو ایک مرتبہ پھر پریشانی اور اضطراب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ حکمرانوں کو اس حوالے سے اپنے فیصلوں پر غور وغوض کرنے کی ضرورت ہے اور ایسے اقدامات سے بچنے کی ضرورت ہے جن سے اُمت مسلمہ میں بے چینی اور تشویش پیدا ہو اور معاشرے کا سکون تہہ وبالا ہوجائے۔

کچھ سال قبل ایک صاحب اثر گھرانے کے نوجوان نے ایک پولیس افسر کے بیٹے کو معمولی تنازعے پر قتل کردیا۔ جس پر ملک کے تمام طبقات نے بااثر خاندان کے اس نوجوان کے احتساب کا مطالبہ کیا۔ لیکن حالیہ دنوں میں شائع ہونے والی خبروں نے اس حوالے سے ملک بھر میں تشویش کی ایک لہر کو پیدا کردیا کہ وہ لڑکا اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے رہا ہو چکا ہے۔ اصلاحی معاشرے میں قتل وقتال کو روکنے کے لیے قانون قصاص کا ہونا ضروری ہے تاکہ ہر قاتل کو اس کے کیے کی سزا مل سکے۔ تاہم باہمی رضامندی کے ساتھ دیت کی ادائیگی کے ذریعے بھی مقتول کے لواحقین کو راضی کرکے قاتل کو سزائے موت سے بچایا جاسکتا ہے لیکن اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ دیت کو مقتولین پر مسلط نہ کیا جائے بلکہ وہ اپنی مرضی سے دیت لینے پر آمادہ ہوں۔ سرمائے اور اقتدار یا اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرکے کسی کو جبراً دیت لینے پر مجبور کرنا کسی بھی طور پر اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے معاشرے کو ہر قسم کے حادثات سے محفوظ ومامون فرما کر امن وامان کا گہوارا بنادے۔ آمین!

Daily DUNYA, Wednesday, November 29, 2017

حقیقت پسندانہ تجزیہ



علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

عصری معاشروں میں بشمول ہمارے معاشرے کے‘ تعصب اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ ہم حالات کا درست تجزیہ کرنے کی بجائے‘ عام طور پر ہر بدلتی صورتحال کو پسند اور ناپسند کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ صورتحال کا درست تجزیہ کیے بغیر اصلاح احوال کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ گزشتہ چند دنوں کے دوران فیض آباد دھرنے کے حوالے سے مختلف طرح کی آراء سننے کو ملتی رہیں۔ کوئی اس دھرنے کے شرکا کو نظریاتی اور کوئی اس کو کسی کے اشاروں پر دیا ہوا دھرنا قرار دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ بعد ازاں دھرنے کے منتشر ہونے کے حوالے سے بھی مختلف طرح کی باتیں کی جاتی رہیں۔ صورتحال کا درست تجزیہ کرنے کے لیے ختم نبوت کے ترمیمی بل کے پسِ منظر اور ترمیمی بل پیش کیے جانے کے بعد والے حالات پر غور کرنا ضروری ہے۔

تحریکِ ختم نبوت ﷺ کے نتیجے میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دور حکومت میں آئین میں ختم نبوت ﷺ کے حوالے سے معاملات بالکل واضح کر دیئے گئے تھے اور بعد ازاں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے بھی امتناع قادیانیت کے حوالے سے آئین میں ایسی شقیں شامل کر دیں کہ جن کے نتیجے میں ختم نبوت ﷺ کا کوئی بھی منکر شعائر اسلام کو استعمال کرنے پر قانون شکنی کا مرتکب اور سزا کا مستحق قرار پاتا تھا۔ جب بھی کبھی پاکستان کے مذہبی رہنماؤں اور طبقات نے محسوس کیا کہ حکمران بیرونی دباؤ یا مغرب نواز این جی اوز کی ایما پر ناموس رسالت ﷺ اور ختم نبوت ﷺ سے متعلق قوانین میں ترمیم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں‘ تو مذہبی رہنماؤں نے اپنی بساط کے مطابق فی الفور اس پر بھرپور طریقے سے آواز اُٹھائی اور مغرب نواز طبقے کی خواہشات کبھی بھی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ جب سابق گورنر پنجاب نے آسیہ کیس کے موقع پر حرمت رسالت ﷺ سے متعلق قانون 295(C) پر تنقید کی تو وہ اپنے ہی گارڈ کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ ملک بھر کے بیشتر مذہبی طبقات نے اس قتل کا سبب سابقہ گورنر کے اپنے بیانات کو قرار دیا اور ممتاز قادری کی حرمت رسول ﷺ سے وابستگی کے سبب انہیں مجرم تسلیم نہ کیا۔ لیکن ایک فیصلے کے ذریعے انہیں سزائے موت سنائی گئی۔ جس کی وجہ سے ملک بھر میں غم و غصے اور تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی اور یہ تاثر ابھرا کہ حرمت رسول ﷺ کے حوالے سے حکمرانوں کا طرز عمل متوازن اور مناسب نہیں۔ بعد ازاں اسی دورِ حکومت میں نیشنل فزکس سنٹر کے نام کو ایک متنازع شخصیت کے نام سے منسوب کر دیا گیا۔ مذہبی طبقات نے بڑے واضح انداز میں حکومت سے سنٹر کے نام کی تبدیلی کا مطالبہ کیا لیکن حکومت نے اس حوالے سے بھی سنجیدگی کا مظاہرہ نہ کیا۔ اسی دورِ حکومت میں بعض بلاگرز نے پاکستان میں ایسے پیجز کو چلایا جن پر نبی کریم ﷺ کی توہین کی گئی تھی۔ حکمرانوں نے بلاگرز کے خلاف بھی بروقت اقدامات نہ کیے اور ملک بھر میں ہونے والے جلسے، جلوسوں اور آل پارٹیز کانفرنسز کو نظر انداز کر کے اُمت مسلمہ کے زخموں پر نمک پاشی کی گئی۔

پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کبھی اس بات کو محسوس کیا گیا کہ ختم نبوت کے منکروں کے لیے نرمی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے تو تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام اپنے مکتب فکر کے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ختم نبوت ﷺ کے دفاع کے لیے متحد ہو گئے۔ چنانچہ جب پرویز مشرف کے دور میں مذہب کے خانے کو پاسپورٹ سے نکالا گیا تو ملک میں ایک تحریک بپا ہو گئی۔ بعد ازاں جنرل پرویز مشرف نے مذہبی طبقات کے مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے حالات کے بگڑنے سے پہلے پہلے‘ اپنی غلطی تسلیم کر کے مذہب کے خانے کو دوبارہ پاسپورٹ میں بحال کر دیا۔ حالیہ دور میں ممتاز قادری، بلاگرز اور نیشنل فزکس سنٹر کا نام ایک متنازع شخصیت کے نام پر رکھنے کے بعد جس وقت یہ بات منظر عام پر آئی کہ شق 62، 63 میں نااہل شخص کو پارٹی کا سربراہ بنانے کے لیے ترمیم کی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ ختم نبوت ﷺ کے متعلق شقوں پر بھی طبع آزمائی کی گئی۔ تو ملک بھر میں ایک اشتعال کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ قومی اسمبلی میں شیخ رشید صاحب نے ایک جذباتی اور بھرپور تقریر کے ذریعے جب اس امر کی نشاندہی کی تو ابتدائی طور پر حکومت اس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ و تیار نہ ہوئی اور حلف نامے اور اقرار نامے کو ہم معنی قرار دے کر عوام کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن بتدریج مذہبی طبقات اس حقیقت کو بھانپ گئے کہ حکومت اس مسئلے میں غلط بیانی سے کام لے رہی ہے اور صرف حلف نامے کو اقرار نامے میں تبدیل نہیں کیا گیا بلکہ الیکٹورل رول سے متعلقہ شقوں 7B اور 7C کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ملک بھر میں اجتماعات اور کانفرنسوں کا انعقاد ہوا جن میں حلف نامے کو اقرار نامے میں تبدیل کرنے کے نکتے پر خصوصیت سے زور دیا گیا۔ اس مطالبے کو عوام الناس کی مکمل تائید حاصل ہونے کی وجہ سے حکومت نے تسلیم کر لیا اور ساتھ ہی عوام کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس بات کا بھی اعلان کر دیا گیا کہ راجا ظفر الحق کی سربراہی میں ایک کمیٹی کو قائم کیا جائے گا جو اس واقعہ کے ذمہ داران کو بے نقاب کرے گی اور بعد ازاں مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ حکومتیں عوامی دباؤ سے نکلنے کے لیے تاخیری حربے استعمال کرتی ہیں، اس مسئلے میں بھی کچھ یہی رویہ اپنایا گیا۔

اس حوالے سے حکومتی اراکین کا یہ گمان تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صورتحال تبدیل ہو جائے گی اور عوام اس مسئلے کو فراموش کر دیں گے۔ اس حوالے سے ہونے والے احتجاجی جلسے، جلوسوں کو روزمرہ کی کارروائی سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا۔ اسی مؤقف کو جب فیض آباد کے دھرنے میں دوبارہ اُٹھایا گیا تو حکومت کا یہ گمان تھا کہ چند ہزار افراد کا یہ مطالبہ شاید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مدہم پڑ جائے لیکن جب دھرنے کے شرکا اپنے مطالبے پر پوری طرح کاربند رہے تو حکومت نے اس مسئلے کی حساسیت کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہوئے دھرنے کے شرکا کو منتشر کرنے کے لیے لاٹھی چارج اور شیلنگ کی جس پر ملک بھر میں بڑے پیمانے پر اجتماعات، مظاہرے اور دھرنے شروع ہو گئے۔ چنانچہ حکومت یہ سمجھ گئی کہ دھرنے کے شرکا کو قوت کے ذریعے منتشر کرنا یقیناً ایک غلط فیصلہ تھا۔ اسلام آباد ہائیکورٹ کے جج شوکت عزیز صدیقی ایک صاحب فہم وفراست اور حرمت رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے حساسیت رکھنے والے انسان ہیں اور اس مسئلے میں بھی خصوصی دلچسپی لے رہے ہیں لیکن اس دھرنے کے نتیجے میں عوام کی روزمرہ کی نقل وحرکت پر پڑنے والے اثرات کے سبب جسٹس صاحب نے بھی دھرنے کے بارے میں سخت احکامات جاری کیے جن پر عمل کروانا کسی بھی طور پر انتظامیہ کے لیے ممکن نہ ہو سکا۔ انتظامیہ نے حکومت کی مشاورت کے ساتھ فوج کے پاس ایک سمری بھیجی جس میں بگڑتے ہوئے حالات کو ٹھیک کرنے کے لیے مداخلت کا مطالبہ کیا گیا۔ فوج نے اس موقع عوامی جذبات اور ملک میں پھیلی ہوئی اشتعال انگیزی کو سامنے رکھتے ہوئے آپریشن سے معذوری کا اظہار کیا۔ اس ساری صورتحال سے گمان کیا جا رہا تھا کہ کشیدگی کے سبب آنے والے دنوں میں تصادم کئی جہتوں میں پھیل سکتا ہے۔ چنانچہ معاشرے کے سنجیدہ طبقات اس حوالے سے بہت زیادہ دباؤ اور پریشانی کا شکار تھے۔ دھرنے کے شرکا نے بھی آنسو گیس، شیلنگ اور اس کے نتیجے میں جاں بحق ہونے والے افراد کے بعد وزیر قانون کے استعفیٰ کے ساتھ ساتھ پوری کابینہ کے مستعفی ہونے کا مطالبہ کر دیا۔ اس مطالبے کی وجہ سے ملک میں ڈیڈ لاک کا شدید اندیشہ پیدا ہو چکا تھا۔ سیکورٹی اداروں نے معاملے کی حساسیت کو بھانپتے ہوئے حکومت کی سمری کی روشنی میں مثبت کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور دھرنے کے شرکا سے اس بات کی اپیل کی کہ وہ ملکی صورتحال پر سنجیدگی کا مظاہرہ کریں اور اپنے اصولی مطالبات کو بڑھانے کی بجائے انہی پر کاربند رہیں۔ حکومت کو بھی اس سلسلے میں قائل کرنے کی کوشش کی گئی جو الحمدللہ کامیاب ہوئی اور ملک ڈیڈ لاک کی کیفیت سے باہر نکل آیا۔

دھرنے کے شرکا کے مطالبے کے نتیجے میں وفاقی قانون زاہد حامد مستعفی ہو گئے اور دھرنے کے شرکا پر قائم مقدمات اور گرفتاریوں کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اس مفاہمت پر پورے ملک میں اطمینان کا اظہار کیا گیا اور یہ توقع ظاہر کی گئی کہ آئندہ کے بعد ناموس رسالت ﷺ اور ختم نبوت ﷺ جیسے قوانین کے خلاف کسی قسم کی کوئی سازش نہیں کی جائے گی۔ دھرنے کے شرکا کے مطالبات میں راجا ظفر الحق کمیٹی کی رپورٹ کا سامنے آنا اور مجرموں کے ظاہر ہونے کے بعد ان کے خلاف قانونی کارروائی کرنا بھی شامل ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ بعض عناصر اس بگڑتی ہوئی صورتحال کے بعد قائم ہونے والے امن پر مطمئن ہونے کی بجائے اپنی اپنی گروہی عصبیت اور انانیت کے سبب کبھی فوج اور کبھی دھرنا دینے والی جماعت کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سکیورٹی کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر فوج نے جس کردار کا مظاہرہ کیا اور دھرنے پر ہونے والے تشدد کے نتیجے میں جاں بحق ہونے والے افراد کے حوالے سے دھرنے کے قائد اور شرکا نے جس سنجیدگی اور متانت کا مظاہرہ کیا، یقیناً وہ لائق ستائش ہے اور اس معاملے کے تانے بانے کسی سازش سے جوڑنے والے عناصر کو اس امر پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر خدا نخواستہ افواج پاکستان یا سکیورٹی ادارے اس مسئلے میں ضامن کا کردار ادا نہ کرتے تو ملک کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر قابو پانا حکومت کے لیے ممکن نہ رہا تھا۔ اس موقع پر ہمیں جماعتی مفاد کی بجائے ملی مفاد کو اہمیت دینی چاہیے اور ملک کے ڈیڈ لاک کی کیفیت سے باہر نکلنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

ٹرمپ اور اسرائیل



علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

قرآن مجید کی سورہ بقرہ کی آیت نمبر 120 میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امر کا اعلان فرما دیا ’’اور تم سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے یہود و نصاریٰ‘ یہاں تک کہ آپ پیروی (نہ) کریں ان کی ملت کی‘‘۔ تاریخ انسانیت اس بات پر شاہد ہے کہ یہود و نصاریٰ قرآن مجید کی اس آیت کی کئی مرتبہ اپنے عمل سے تصدیق کر چکے ہیں۔ مسلمانوں نے ان کے بارے میں خواہ کتنی ہی لچک کا مظاہرہ کیوں نہ کیا لیکن اہل اسلام کے خلاف ان کی خفیہ اور علانیہ سازشیں اور منظم جدوجہد جاری وساری رہیں۔ یہ بات درست ہے کہ دنیا میں انصاف پسند اور انسانیت دوست مسیحی موجود ہیں لیکن جب ہم یہود و نصاریٰ کی سیاسی قیادتوں کو دیکھتے ہیں تو وہ اس آیت کا سو فیصد مصداق نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کو نفسیاتی اور جذباتی طور پر گزشتہ چند سالوں کے دوران جتنے چرکے لگائے گئے اور جتنی اذیتیں پہنچائی گئیں‘ اس سے قبل اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ماضی قریب میں امریکی پادری ٹیری جونز نے قرآن مجید کے اوراق کو نذر آتش کرنے کی ناپاک جسارت کی۔ گوانتانامو بے کی جیلوں میں قرآن مجید کے مقدس اوراق (نعوذ باللہ) کی توہین کی گئی۔ اسی طرح کئی یورپی ممالک میں گستاخانہ خاکے بنائے گئے اور بداخلاقی اور بدتہذیبی پر مبنی اس غیر انسانی رویے پر امریکہ اور یورپ کے رہنما چپ سادھے رہے۔ دنیا کے مختلف مقامات پر وقفے وقفے سے مسلمانوں کا بلاجواز قتل عام کیا گیا۔ وہی مغربی طاقتیں جو انڈونیشیا اور سوڈان میں مسیحیوں کے حقوق کے لیے فوراً سے پہلے آواز اُٹھانا شروع کر دیتی ہیں‘ برما کے مسلمانوں کی نسل کشی پر خاموش تماشائی بنی رہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی مسلسل ظلم و بربریت اور قتل عام کے باوجود مقبوضہ کشمیر کے لیے اقوامِ متحدہ کی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوئی کردار ادا نہ کیا گیا۔

فلسطینی ایک عرصے سے یہود کے ظلم و بربریت کا شکار ہیں اور ان کے بنیادی انسانی حقوق بھی تسلیم نہیں کیے جا رہے۔ بوڑھوں، بچوں، نوجوانوں کا قتل عام اور عورتوں کی بے حرمتی کے واقعات آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں۔ مسلمان ممالک کے حکمران اور عوام اس حوالے سے‘ گزشتہ کئی عشروں سے اپنا احتجاج ریکارڈ کرواتے آ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود مجال ہے کہ اقوام متحدہ، امریکہ اور اسرائیل کے کانوں پر جوں تک بھی رینگی ہو۔ امریکی صدر ٹرمپ نے اپنی انتخابی مہم میں مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کے بارے میں منفی عزائم کا اظہار کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ امریکہ میں آباد مسلمانوں کو امریکہ سے نکالنے عزم کا اظہار بھی کر چکے ہیں۔ انہوں نے کچھ عرصہ قبل پاکستان کے خلاف حملے کی دھمکی دے کر براعظم ایشیا کے ایک نمایاں مسلمان ملک کے خلاف اپنے جارحانہ عزائم کا اظہار کیا تھا اور حالیہ دنوں میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہم السلام کے شہر یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کر کے‘ وہاں پر سفارتخانہ قائم کرنے کا اعلان کر کے ایک مرتبہ پھر انہوں نے مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی ہے۔

مسلمانوں کی بیت اللہ اور مسجد نبوی شریف کے بعد‘ جس مقام سے سب سے زیادہ روحانی وابستگی ہے، وہ مسلمانوں کا قبلۂ اوّل‘ بیت المقدس ہے۔ بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ وہ عظیم مقام ہے جس میں معراج کی رات اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو آسمانوں کے سفر سے قبل پہنچایا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 1 میں ارشاد فرماتے ہیں ’’پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات‘ اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی تاکہ ہم دکھائیں انہیں اپنی نشانیوں سے‘‘۔ نبی کریم حضرت رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ سے بیت المقدس پہنچا کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں نبی کریم ﷺ کو اپنی نشانیاں دکھلائیں وہیں پر یہ بھی واضح فرما دیا کہ نبی کریم ﷺ ایک قبلے کے امام بن کر نہیں بلکہ دونوں قبلوں کے مقتدیٰ بن کر آئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد‘ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بیت المقدس مسلمان سلطنت کا حصہ بن گیا اور کئی صدیوں تک مسلمانوں کے زیرِ انتظام رہا۔ بعد ازاں یورپی مسیحیوں کی منظم جدوجہد کے بعد ایک مرتبہ پھر بیت المقدس مسیحیوں کے ہاتھ چلا گیا۔ لیکن 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ایک مرتبہ پھر اس کو مسیحیوں کے تصرف سے بازیاب کروا لیا۔ نتیجتاً دوبارہ مسلمان بیت المقدس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کو بجالاتے رہے۔

یہود جو ایک عرصے سے مسلمان اُمت کے انداز واطوار پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے‘ جب انہوں نے اس بات کا اندازہ لگایا کہ گردشِ دوراں اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ مسلمانوں کے عقائد اور معاملات میں خاطر خواہ کمزوری پیدا ہو چکی ہے تو انہوں نے مسلمانوں کی اسلام سے روگردانی اور دنیاوی معاملات سے غفلت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے انیسویں صدی کے اواخر میں اسرائیل کی ریاست کے قیام کے لیے دنیا بھر سے بیت المقدس کے گرد و نواح نقل مکانی شروع کر دی۔ بالآخر کئی عشروں کی منظم جدوجہد کے بعد وہ مسلمانوں پر سیاسی اور عسکری اعتبار سے حاوی ہونے میں کامیاب ہوتے چلے گئے۔ 1948ء اور 1967ء کی جنگوں میں عرب اتحاد کو یہودیوں کے ہاتھوں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور 1967ء میں سقوط بیت المقدس کا المناک سانحہ رونما ہوا۔

یہ سانحہ مسلمان اُمت کے لیے سقوطِ بغداد کے بعد انتہائی غم اور کرب کے اعتبار سے دوسرا بڑا سانحہ تھا۔ پوری دنیا کے مسلمانوں نے یوں محسوس کیا جیسے ان کی بہت بڑی متاع عزیز کو ان سے چھین لیا گیا ہو۔ 1967ء کے بعد بتدریج اسرائیل کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور مسلمان رقبے اور عددی اعتبار سے زیادہ ہونے کے باوجود باہمی انتشار اور ایمان کی کمزوری کی وجہ سے اسرائیل کی پیش قدمی کا مقابلہ نہ کر سکے۔ حالیہ دنوں میں اسرائیل نے بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کی مجموعی صورتحال کو دیکھتے ہوئے یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت بنانے کا اعلان کیا تو امریکی صدر ٹرمپ نے اپنی روایتی عصبیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً اسرائیل کے اس اعلان کی تائید کرتے ہوئے‘ اسے قبول کر کے اپنا سفارتخانہ یروشلم میں کھولنے کا اعلان کر دیا۔ اس موقع پر بحیثیت مجموعی مسلمان حکمرانوں کا مضبوط اور طاقتور ردعمل سامنے نہیں آیا۔ گو ترکی کے صدر رجب طیب اردوان نے اسرائیل کے بیان اور امریکہ کے عاقبت نااندیشانہ اقدام کو چیلنج کیا اور پاکستان کی قومی اسمبلی اور وزارتِ خارجہ نے صدر ٹرمپ کے بیان کی مذمت کی‘ لیکن بحیثیت مجموعی‘ مسلمان اُمت اس پوزیشن میں نظر نہیں آ رہی کہ اسرائیل کے اس اقدام اور امریکہ کی جانب سے اس کی حوصلہ افزائی پر کوئی فیصلہ کن کردار ادا کر سکے۔ تاریخ کے اس نازک موڑ پر مسلمان اُمت کو ایک اجتماعی موقف کو اپناتے ہوئے فلسطینیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرنے کے ساتھ ساتھ‘ اپنے مقدس مذہبی مقام کو پنجۂ یہود سے نکالنے کے لیے ٹھوس حکمت عملی کو اپنانا چاہیے۔

اس وقت مسلمانوں کے پاس کئی ایسے فورم موجود ہیں جن کے توسط سے مسلمان اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کے ازالے کے لیے‘ اپنی آواز مؤثر انداز میں اُٹھا سکتے ہیں۔ کئی ممالک کا فوجی اتحاد بھی ماضی قریب میں معرضِ وجود میں آ چکا ہے۔ رابطہ عالم اسلامی اور او آئی سی کی انجمنیں دنیا بھر کے مسلمانوں کو یکجا کرنے کے اپنا نمایاں کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اس موقع پر اگر عالم اسلام کوئی مثبت اور ٹھوس لائحہ عمل نہیں اپناتا تو یہود اور جارحانہ عزائم رکھنے والے صلیبی‘ مسلمانوں کے خلاف کئی نئی سازشوں کے تانے بانے بننے کی کوشش کریں گے۔ یہود کے بارے میں قرآن مجید کا بیان واضح ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہرزہ سرائی کرنے والے جبرائیل امین سے عداوت کا اظہار کرنے والے، نبی کریم ﷺ کو پہچاننے کے باوجود آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے والے اور مسلمانوں کے خلاف شدید بغض اور عداوت رکھنے والے ہیں۔ ان سے کسی بھی جارحیت اور سازش کی توقع کی جا سکتی ہے؛ چنانچہ مسلمان حکمرانوں کو حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے‘ کسی مؤثر حکمت عملی کو اپنانا چاہیے تاکہ مستقبل میں امت مسلمہ کے تشخص کو برقرار رکھا جا سکے اور اُمت کو کسی نئے بحران سے دوچار ہونے سے محفوظ رکھا جا سکے۔

پیغمبر اعظم ﷺ کی بے مثال محبت!

صدائے درویش
حافظ محمد ادریس
muhammad.idrees@dunya.com.pk
SMS: HIC" (space) message & send to 7575

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی پوری مخلوق سے حتیٰ کہ حیوانوں، پرندوں اور نباتاتی حیات سے بھی محبت تھی۔ آپ کو خالق باری نے دل ہی ایسا دیا تھا کہ جس میں محبت کے زمزمے رواں دواں رہتے تھے۔ اپنے اہل وعیال سے محبت اور حسنِ سلوک کو آپ نے اہل ایمان کی اعلیٰ ترین اخلاقی خوبی قرار دیا ہے۔ آپ اس معاملے میں سب انسانوں سے ممتاز تھے۔ اپنے صحابہؓ کے ساتھ ایسی اپنائیت، محبت اور وابستگی تھی کہ ہر صحابی سمجھتا تھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت میرے ساتھ ہے۔ آپ کا کمال ہے کہ آپؐ نے ہر صحابی کو ایسا اعزاز بخشا کہ جس میں دوسرے اس کے ثانی نہیں۔ یہ بالکل درست اور بدیہی بات ہے کہ سب سے زیادہ محبت تو یارِ غار ابوبکر صدیقؓ ہی کے ساتھ تھی، اس کے باوجود نبی جودوعطا کا یہ کمال ہے کہ جس صحابی کے حالات کا مطالعہ کیجیے، ہرایک کا بے بدل اعزاز سامنے آجاتا ہے۔

ایوب بن بُشَیر کے بقول حضرت ابوذر غفاریؓ سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ ملاقات کے وقت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے؟ توانھوں نے فرمایا کہ: میں جب بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ملا تو آپؐ نے ہمیشہ مجھ سے مصافحہ کیا۔ ایک دفعہ آپؐ نے مجھے گھر سے بلوایا۔ میں اس وقت اپنے گھر پر نہیں تھا، جب میں گھر آیا اور مجھے بتایا گیا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپؐ لیٹے ہوئے تھے۔ آپ اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئے اور گلے لگایا۔ آپ کا یہ معانقہ بہت خوب اور بہت ہی خوب تھا (یعنی بڑا لذت بخش اور بہت ہی مبارک تھا)۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب آپؐ کے محبوب و مشفق چچا ابوطالب کے بیٹے تھے۔ آپؐ کے حکم سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور مہاجرین حبشہ نے ان کو اپنا متفقہ امیر و ترجمان بنالیا۔ نجاشی کے دربار میں انھوں نے ہی اسلام کی ترجمانی کی تھی جس سے متاثر ہو کر شاہِ حبشہ نے دراصل اسی وقت دل سے اسلام قبول کرلیا تھا اگرچہ اس کا اظہار بعد میں آنحضورؐ کا خط ملنے پر کیا۔ حضرت جعفرؓ چودہ سال حبشہ میں بسر کرنے کے بعد اس وقت واپس مدینہ آئے جب نبی برحقؐ، خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ طویل سفر کے باوجود حضرت جعفرؓ خیبر روانہ ہوگئے اور وہیں جا کر آپؐ سے ملاقات کی۔ اس وقت ایک طویل جدوجہد اور مشکل جنگ جوئی کے بعد آپؐ نے اللہ کی تائید اور صحابہؓ کی بے مثال جرأت و استقامت کے نتیجے میں خیبر کے جملہ قلعے فتح کر لیے تھے۔

آپؐ نے حضرت جعفرؓ کو دیکھا تو بے ساختہ ان کی طرف بڑھے، ان کو گلے لگالیا اور ان کا ماتھا چوما۔ اپنے چچا زاد بھائی کو دیکھ کر آپؐ انتہائی خوش تھے۔ آپؐ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ خیبر کے قلعوں کی شاندار فتح پر میرا دل زیادہ شاداں و فرحاں ہے یا جعفرؓ کی آمد اور ملاقات کی خوشی اس سے زاید ہے۔ امام شعبی تابعیؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے جعفرؓ بن ابی طالب کا استقبال کیا تو آپؐ ان سے لپٹ گئے اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔ (سنن ابی داؤد، شعب الایمان للبیہقی)

غزوۂ احد میں جب فتح شکست میں بدلتی نظر آئی اور اسلامی فوج میں انتشار پیدا ہوا تو آپؐ کے گرد چند صحابہ نے حصار بنالیا۔ آپؐ میدان میں ڈٹے رہے۔ اللہ نے سورہ آل عمران میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے: یاد کرو جب تم بھاگے چلے جارہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمھیں نہ تھا، اور (اللہ کا) رسول تمھارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔ اس وقت تمھاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمھیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیے، تاکہ آیندہ کے لیے تمھیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمھارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو۔ اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ (آل عمران 3:153)

حضورؐ اس وقت صحابہؓ سے فرما رہے تھے کہ وہ بھگدڑ کا مظاہرہ نہ کرو۔ آپؐ میدان میں جم کر کھڑے تھے اور بلند آواز سے فرما رہے تھے "اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہ"۔ یعنی اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ اس وقت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے حواس کو مکمل برقرار رکھا۔ نہ گھبراہٹ نہ خوف، نہ پاؤں میں لغزش، نہ ہاتھوں میں رعشہ۔ آنحضورؐ کے پاس کھڑے ہو کر آپؐ کے لیے ڈھال بن گئے اور دشمن پر بڑی مہارت وجرأت سے تیر بھی چلاتے رہے۔ حضورؐ خود اپنے دست مبارک سے اپنے جان نثار کو تیر پکڑا رہے تھے اور کوئی ایک تیر بھی خطا نہیں ہو رہا تھا۔ وہی موقع تھا جب نبی رحمتؐ نے حضرت سعدؓ کو وہ تمغہ عطا فرمایا جس کی نظیر پوری جماعت صحابہ میں نہیں ملتی۔ آپؐ فرما رہے تھے: "سعد دشمن پر تیر چلاتے جاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان" ساتھ ہی آپؐ نے اپنے قیمتی ہیرے کے لیے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! سعد کی تیر اندازی میں قوت اور نشانے میں اصابت عطا فرما، اور سعد کی دعاؤں کو قبول فرما۔ (جامع ترمذی بروایت حضرت علیؓ)

اس دعا کا اثر تھا کہ حضرت سعدؓ دنیا کے بہترین جرنیل اور تاریخ انسانی کے عظیم ترین فاتح ثابت ہوئے۔ اس وقت کی سپر طاقت ایران کو ملیامیٹ کر کے وسیع و عریض زمین پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔ وہ مستجاب الدعوات بھی تھے اور ان کی قبولیت دعا کی بھی بڑی ایمان افروز تفصیلات حدیث اور تاریخ میں ملتی ہیں۔ اسی معرکۂ احد میں انصار کی عظیم بیٹی حضرت امِ عمارہؓ نے وہ کارنامے سرانجام دیے کہ زبانِ رسالت مآبؐ سے ان کی تحسین فرمائی گئی۔ ان کے لیے تحسین کے الفاظ کے ساتھ وہ دعا رسولِ امینؐ کے لبوں پر آئی جس سے بڑے انعام کا کوئی مومن تصور بھی نہیں کرسکتا۔ آپؐ نے فرمایا: یوم احد کی مشکل گھڑیوں میں میں نے ام عمارہؓ کو دیکھا کہ وہ میرے دائیں جانب دشمن سے برسرِ پیکار تھیں، میں نے بائیں اور آگے دیکھا تو وہاں بھی وہ اپنا خنجر چلا کر دشمن کو پیچھے دھکیل رہی تھیں۔ امِ عمارہؓ تو خاتونِ احد ہے۔ ام عمارہؓ صحابہ وصحابیات کے درمیان خاتونِ احد کہلاتی تھیں اور پورے معاشرے میں ان کو ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔

اسی معرکے کے دوران حضرت امِ عمارہؓ، ایک کافر ابن قیمہ کے ہاتھوں زخمی ہوئیں۔ ان کے بازو پر شدید زخم آئے۔ آنحضورؐ نے اپنی چادر سے پٹی پھاڑ کر امِ عمارہؓ کے زخم پر باندھی اور ان سے درد کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگیں: یارسول اللہ ﷺ! اس درد و تکلیف کا کیا ہے۔ آپؐ اللہ سے میرے لیے اور میرے اہل وعیال کے لیے دعا کیجیے کہ ہم جنت میں آپؐ کے قرب میں رہیں۔ آپؐ نے اپنی عظیم صحابیہ کی اس درخواست پر اللہ سے دعا مانگی کہ انھیں اپنے اہل وعیال سمیت جنت میں آپ کا قرب نصیب ہو۔ (البدایہ والنہایہ، ص 584، المغازی للواقدی، ج ا، ص 273-272)

سبحان اللہ کیا لوگ تھے اور کیا شان تھی!

حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ آپ کی لختِ جگر تھیں۔ آپؐ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور وہ بھی آپؐ پر جان قربان کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ و جناب ابوطالب کی وفات کے بعد جب قریش نے آنحضورؐ کو اذیتیں پہنچانے میں شدت اختیار کی تو سیدہ فاطمۃ الزہراؓ آپ کے دفاع کے لیے گھر سے باہر آجایا کرتی تھیں۔ آپؐ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "لاتکرھوا البنات فانھن المونسات الغالیات" (مسند امام احمد، روایت حضرت عقبہ بن عامرؓ) یعنی بیٹیوں سے نفرت کا اظہار مت کیا کرو (جیسا کہ جاہلیت میں ہوتا تھا) بلاشبہ وہ تو (والدین کے لیے) ان کے غم بانٹنے والی اور بہت قیمتی اثاثہ ہوتی ہیں۔

تمام والدین جانتے ہیں کہ سعادت مند بیٹے بھی والدین کے دکھ درد میں ان کے شریک اور ضرورت کے وقت ان کی خدمت کرتے ہیں مگر بیٹیاں اس معاملے میں زیادہ ہی والدین کا خیال رکھتی ہیں۔ وہ واقعی محبت کرنے والی اور قیمتی متاع ہوتی ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا آنحضورؐ کے ساتھ غم کی گھڑیوں میں ڈٹ کر کھڑی ہوجاتی تھیں۔ دشمن آپؐ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اذیت پہنچاتے یا آپ کی پشت مبارک پر نماز کی حالت میں مرے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھ دیتے تو سیّدنا محمد عربی کی یہ لختِ جگر گھر سے دوڑ کر آتیں اور آپؐ کے دشمنوں کو برا بھلا کہہ کر آپ کی ڈھال بن جاتیں۔ اکثر شاموں کو آپؐ دن بھر کی دعوتی سرگرمیوں کے بعد جب گھر پلٹتے تو آپؐ کے مبارک بالوں میں دشمنوں کی طرف سے پھینکی جانے والی گرد کو وہ پانی سے دھوتیں اور کبھی فرطِ جذبات اور محبت کی فراوانی سے آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے۔ ایسے ہر موقع پر آنحضورؐ اپنی محبوب بیٹی کو تسلی دیتے اور بہت زیادہ پیار فرماتے۔ پھر کہتے: لختِ جگر! کوئی فکر نہ کرو، اللہ تمھارے باپ (کی محنت) کو ضائع نہیں کرے گا۔ یہ دین غالب ہو کر رہے گا۔ (امام البیہقی دلائل النبوۃ)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل وصورت، سیرت و عادت اور چال ڈھال میں صاحبزادی فاطمہ زہراؓ سے زیادہ رسول اللہؐ کے مشابہ ہو۔ جب وہ حضورؐ کے پاس آتیں تو آپؐ (جوشِ محبت سے) کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھتے ان کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیتے اور اس کو چومتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے۔ جب آپؐ ان کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپؐ کے لیے کھڑی ہوجاتیں، آپ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتیں، اس کو چومتیں اور اپنی جگہ پر آپ کو بٹھاتیں...... (سنن ابی داؤد)

خبردار! بات حرمتِ حضورؐ کی ہے

فاختہ
امیر حمزہ
ameer.hamza@dunya.com.pk
SMS: "AHC" (space) message & send to 7575

ختم المرسلین حضرت محمد کریمؐ اپنے مولا کریم جَلّ جَلالُہ کے بارے میں اپنی امت کے لوگوں کو بتاتے ہیں کہ "انتہائی تکلیف دینے والی بات کو سن کر اللہ سے بڑھ کر کوئی بھی صبر کرنے والا نہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتے پھرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ پھر بھی ایسے لوگوں کو (بیماریوں اور مصائب وغیرہ) سے عافیت (تحفظ) بھی عطا فرماتے ہیں اور ان کو رزق بھی دیتے ہیں"۔ (بخاری:7378) امام مسلم بن حجاج ذرا اضافے کے ساتھ حضور نبی کریمؐ کے الفاظ مبارک یوں لائے ہیں: ترجمہ "لوگ اللہ تعالیٰ کا مدمقابل بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد گھڑتے ہیں اور وہ مولا کریم ان سب تکلیف دہ باتوں کے باوجود ان لوگوں کو رزق بھی دیتے ہیں اور ان کو "دنیاوی نعمتیں" بھی عطا فرماتے ہیں۔ (مسلم 2804:) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہمارے حضورؐ کی حدیث پاک کو یوں لاتے ہیں۔ "کسی تکلیف دینے والی بات کو سن کر اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں کہ اس کے ساتھ شرک کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے باوجود ایسے لوگوں کو (صحت، مال اور خوراک وغیرہ) کا رزق عطا فرما رہے ہیں۔" (مسند احمد 19756)۔

قارئین کرام! ایسا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے خالق بھی ہیں، سارے جہانوں کے رب بھی ہیں اور وہ ہر شے پر قادر اور قدیر بھی ہیں۔ لہٰذا وہ صبر کرتے ہیں، مہلت دیتے ہیں اور ٹائم دیتے ہیں۔ اس کے برعکس جب مولا کریم کے حبیب اور خلیل کی بات آتی ہے۔ محبوب اور دوست کی بات آتی ہے۔ اپنے بنائے ہوئے رسول کی بات آتی ہے۔ ختم المرسلین حضرت محمد کریمؐ کی بات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ برداشت نہیں کرتے۔ ابولہب جیسا مشرک ہمارے حضورؐ کی توہین کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ تباہ ہوگیا اور پھر وہ ایسا تباہ ہوا کہ بدبو چھوڑتی ہوئی اس کی لاش کو اس کے عزیزوں نے گھسیٹ کر گڑھے میں ڈالا۔ جی ہاں! کتاب و سنت کے دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حرمت حضورؐ کی جو بات ہے اس پر لاپرواہی اور بے پرواہی سراسر ہلاکت اور خجالت و رزالت کا راستہ ہے۔ ہٹ دھرم کے لئے یہاں عافیت کا کوئی طریق نہیں۔

میں نے اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا طریق کار پر غور وخوض کیا تو مجھے سمجھ یہ آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی پہچان اور اپنی توحید کی دعوت کے لئے دنیا کے آخری دور میں حضرت محمد کریمؐ کا انتخاب فرمایا ہے۔ انہیں ختم المرسلین بنایا ہے۔ اب اگر ان کی حرمت وعزت کا تحفظ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے وقار اور توحید کا تحفظ بھی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے تحفظ پر بات کی تو اپنے خلیل اور حبیب حضرت محمد کریمؐ سے بات کی اور ایسے بات کی جیسے ایک دوست اپنے گہرے دوست اور محبوب سے بات کرتا ہے اور اپنے دشمن کا شکوہ کرتا ہے اور دوست کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ اس کا ازالہ کرے۔ قارئین کرام! مولا کریم کا اپنے محبوب حضرت محمد کریمؐ کے ساتھ کریمانہ انداز ملاحظہ فرمائیں!

"آدم کے بیٹے نے مجھے جھٹلا دیا حالانکہ یہ اس کا حق نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دے ڈالی حالانکہ ایسی حرکت اس کو لائق نہ تھی۔ اس کا مجھے جھٹلانا یوں ہے کہ کہتا پھرتا ہے اللہ نے جس طرح مجھے پہلی دفعہ پیدا کیا اب دوبارہ نہیں بنائے گا، حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی دفعہ کی نسبت کہیں آسان ہے۔ اسی طرح اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ (میرا دشمن) کہتا پھرتا ہے کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے حالانکہ میں اکیلا ہوں، بے پرواہوں، نہ مجھ سے کوئی ہے، نہ میں کسی سے ہوں۔ میرے تو برابر کا بھی کوئی نہیں (بخاری:4974)

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے رسول تو کئی بنائے مگر محبوب اور دوست ایک ہی بنایا اور انہیں دعوت کا جو انداز بتایا اس میں دوستی اور محبوبیت اپنے درجۂ کمال پر دکھائی دیتی ہے۔ اب ایسے دوست اور محبوب کی حرمت پر کوئی آنچ لانے کی کوشش کرے تو اس کا کانچ کی طرح تڑاخ تڑاخ ہوجانے کا منظر دنیا نہ دیکھے تو رب جبار کو قاہر وقادر کون کہے؟

اپنے ملک پاکستان میں ختم نبوت کے تحفظ کی تحریک کو میں نے اسی تناظر میں دیکھا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جنرل راحیل شریف صاحب ضرب عضب کی کامیاب اننگ کھیل رہے تھے، تب پورے ملک میں دھماکے ہو رہے تھے، فوج پر حملے ہوئے تو حکمرانوں نے مذمت کردی۔ پولیس پر ہوئے تو مذمت کردی۔ مساجد پر ہوئے تو مذمت کردی۔ علماء پر ہوئے تو مذمت کردی۔ مسیحی لوگوں کے چرچ پر ہوئے تو مذمت کردی۔ حیرت کی بات ہے کہ ختم نبوت کے دشمنوں پر حملہ ہوا تو ملک کی ایک بڑی جماعت کا سربراہ اب مذمت سے کہیں آگے بڑھ کر یہ کہہ گیا کہ "قادیانی ہمارے بھائی ہیں" ان پر حملہ کیوں ہوا۔ جی ہاں! یہ بھی ظلم ہوا، کہ وہ پاکستان کے شہری ہیں پاکستان کے آئین میں وہ غیر مسلم اقلیت ہیں اور ہر اقلیت کی جان ومال کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

اس پر کسی کو کوئی اختلاف نہیں مگر یہ کیا ہوا کہ وہ ہمارے بھائی ہیں؟ موصوف نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ پاکستان کے لوگوں نے انہیں وزیراعظم کے منصب پر بٹھایا ہے تو انڈیا کے ساتھ دوستی قائم کرنے کی خاطر وزیراعظم بنایا ہے، یعنی یہ بیان ایسے دنوں میں سامنے آیا جب کلبھوشنوں کی وجہ سے پاکستان کے لوگوں کو دھماکوں سے اڑایا جارہا تھا۔ اس کے بعد جنرل قمر جاوید باجوہ صاحب ردّالفساد کا کامیاب کوڑا ہاتھ میں پکڑ کر دہشت گردوں پر برسانے کا اک نیا عزم لے کر نمودار ہوئے تو حکمران لوگوں نے مولویوں کا روپ دھارا اور ختم نبوت کو نہ ماننے کے فتوے لگانے شروع کر دیئے اور ایسے لوگوں کو مشکوک بنانا شروع کر دیا جو ختم نبوت اور حرمت رسولؐ کے لیے مرمٹنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ یہ انتہائی مذموم حرکت تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج اللہ نے مظلوموں اور سچے لوگوں کو عزت دی ہے اور مجرموں کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے۔ وگرنہ ان مجرموں کو ختم نبوت کے قانون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی کیا ضرورت تھی کہ پہلے انہوں نے حلف کی عبارت کو تبدیل کیا پھر پریشر آنے پر درست کیا۔ 7B-7C کو جو آئین سے نکالا تھا، اس کو داخل نہ کیا اس پر ملک بھر میں احتجاج ہوا تو پھر دوبارہ دونوں شقوں کو آئین کا حصہ بنایا۔ اب کوئی کیسے مانے کہ موجودہ حکمرانوں نے جان بوجھ کر ختم نبوت کے قانون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ چنانچہ اب ملک بھر کے عوام کا یہ مطالبہ شروع ہوا کہ مسلم لیگ ن کی اپنی حکومت نے ذمہ داروں کے تعین کے لئے جو کمیٹی بنائی، راجہ ظفر الحق نے اس کمیٹی کے سربراہ کی حیثیت سے رپورٹ میاں نواز شریف کو دے دی' وہ اس رپورٹ کو سامنے کیوں نہیں لاتے۔ وفاقی وزیر قانون جس کے بارے میں شہباز شریف نے بھی کہا کہ اسے ہٹا دیا جائے، نہ ہٹایا گیا۔ اب مسلمانان پاکستان کا یہ ذہن بن گیا کہ دو تین کے علاوہ تمام ممبران اسمبلی اور حکومت ہی مجرم ہے لہٰذا عوامی مینڈیٹ کو نئے سرے سے حاصل کیا جائے۔ ہم سمجھتے ہیں یہ ذہن پوری قوم کا ہے اور پاکستان کے 21 کروڑ عوام کی زبان پر جو یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ اس بات کے ذریعے اپنے حبیب اور خلیل حضرت محمد کریمؐ کی ختم نبوت اور حرمت حضور نبی کریمؐ کا تحفظ فرما رہے ہیں۔ مجرم جو آنچ کا باعث بنے، کانچ کی طرح ان کے اقتدار کا تڑاخ تڑاخ ہونا نوشتہ دیوار ہے۔ جو عوامی عدالت، عوامی انصاف کی بات کرتے تھے' اللہ نے ان کو عوام کے ذہنوں سے گرادیا۔ حضورؐ کے فرمان کے مطابق انسانوں کے دل اللہ کی مٹھی میں ہیں وہ جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ جی ہاں! ختم نبوت کے قانون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ اللہ نے ناراض ہو کر اپنے حبیب اور خلیل کی ختم نبوت کا دفاع ایسے کیا کہ پاکستان کے لوگوں کے دل بدل گئے۔ لہٰذا حکمرانو! خبردار۔ بات حرمتِ حضورؐ کی ہے ختم نبوت کے مجرموں کے ساتھ جو ہوچکا اور ہونے جارہا ہے مشیت الٰہی یہی ہے کہ ان کی قسمت میں ذلت ورسوائی ہے۔

Daily DUNYA, Wednesday, January 10, 2018

انبیاءؑ کا اسلوبِ دعوت

دین سے دنیا تک

علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

انبیاء علیہم السلام کائنات کی سب سے برگزیدہ ہستیاں تھیں۔ جنہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کی نشر واشاعت کے لیے خود کو وقف کیے رکھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو حکمت، بصیرت اور غیر معمولی دانائی سے نوازا تھا۔ استقامت اور اولوالعزمی کے عظیم ترین جوہر ان کی ذات میں موجود تھے۔ قرآن مجید نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور بالخصوص ان کے دعوتی اسلوب کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے بعد دعوت کے اسلوب کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے جو اہم پہلو سامنے آتے ہیں' وہ درج ذیل ہیں:

1۔ استقامت: انبیاء علیہم السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے ہوئے اس راستے میں آنے والی تکالیف کو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو ساڑھے نوسو برس تک زبردست اذیتوں اور تکالیف کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن آپؑ نے ان تمام مشکلات کا مقابلہ بڑے صبر اور استقامت کے ساتھ کیا۔ صاحب بصیرت اور صاحب دانائی ہونے کے باوجود آپؑ کو دیوانہ اور مجنوں کہا گیا لیکن حضرت نوح علیہ السلام اس گستاخانہ طرز عمل اور بدسلوکی سے ذرا برابر بھی دل شکستہ نہ ہوئے بلکہ تواتر کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی مختلف طرح کی اذیتوں کا نشانہ بننا پڑا۔ حکمران وقت اور بستی والوں کی مخالفت کو برداشت کرنا پڑا۔ توحید سے تعلق کی پاداش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلتی ہوئی چتا کے اندر بھی گرایا گیا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام تواتر اور تسلسل کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے وقت کے بااثر ترین ظالموں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ فرعون کی حکمرانی، قارون کا سرمایہ، ہامان کا منصب اور شداد کی جاگیر لوگوں کے عقائد اور سوچ وفکر پر اثر انداز ہو رہی تھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان تمام بااثر لوگوں سے متاثر اور مرعوب ہوئے بغیر بڑے تواتر کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کی دعوت دی۔

2۔ دعوت کے اجر کا اللہ تعالیٰ سے طلب گار ہونا: انبیاء علیہم السلام اپنی دعوتی سرگرمیوں کے حوالے سے فقط اللہ تبارک وتعالیٰ سے اجر کے طلب گار رہے اور انہوں نے اس حوالے سے لوگوں سے کسی قسم کے اجر یا مال کی تمنا نہیں کی۔ چنانچہ سورہ شعراء کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت نوح، حضرت لوط حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہم السلام نے دعوت دین کے ساتھ ساتھ یہ الفاظ بھی کہے کہ "اور نہیں میں سوال کرتا اس پر کسی اجرت کا میری اجرت فقط رب العالمین کے ذمے ہے۔" انبیاء علیہم السلام اپنی دعوت کے بدلے دنیا والوں سے کسی قسم کے مفادات یا مال کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ ہمہ وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے اجر کے امیدوار رہے۔

3۔ حکمت ودانائی: انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں حکمت ودانائی کا پہلو بھی پورے عروج پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ستارہ پرستوں کا تجزیہ کیا تو آپؑ نے ستارے کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر یہ بات کہی کہ مجھے ڈوب جانے والوں سے محبت نہیں، چاند کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر آپؑ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہدایت کو طلب کیا اور سورج کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر آپؑ نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ میں اپنے چہرے کا رخ کر لیا اس کے لیے جس نے آسمانوں وزمین کو پیدا کیا یکسو ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب دربارِ نمرود میں گئے تو وہاں پر آپؑ کا نمرود کے ساتھ جو مکالمہ ہوا اس موقع پر آپؑ نے نمرود کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان کرواتے ہوئے فرمایا: میرا رب وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ ایسے عالم میں نمرود نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ اس نے ایک بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ایک مجرم کو آزاد کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ نمرود لوگوں کو دھوکا دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ آپؑ نے ایسے عالم میں اس امر کا اعلان فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ وہ ہے جو سورج کو مشرق سے لے کر آتا ہے پس تُو سورج کو مغرب سے لے کر آ۔ اس موقع پر کافر کے لبوں پر چپ کی مہر لگ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بھی بیان کیا کہ آپؑ نے بڑی حکمت اور دانائی سے اپنے عہد میں ایک علاقے کی حکمران ملکہ سباء کو عقلی دلائل کے ساتھ اس بات کو باور کروا دیا کہ وہ سورج کو رب سمجھنے کی جو غلطی کر رہی ہے اس کو اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔ جب ملکہ سباء حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے تخت کو بدل کر اس کے سامنے پیش کیا تو وہ اپنے تخت کو پہچان گئی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنے محل کے ایک ایسے حصے کی طرف آنے کی دعوت دی جہاں چمکدار اور نفیس شیشے کا بنا ہوا فرش موجود تھا۔ ملکہ سباء اس شیشے کے بنے ہوئے فرش کو پانی کا بنا ہوا فرش سمجھ کر اپنی پنڈلی سے اپنے کپڑے کو اُٹھاتی ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو یہ بات کہتے ہیں: بے شک یہ شیشوں کا جڑا ہوا ایک فرش ہے اس پر ملکہ سباء اس حقیقت کو بھانپ گئی کہ وہ سورج کو رب مان کر بہت بڑی غلطی کر رہی ہے اور اس کو رب کی پہچان میں بہت بڑی ٹھوکر لگی ہے۔ اس نے اس موقع پر یہ الفاظ کہے بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں مطیع ہوئی سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العالمین کے لیے۔

4۔ خیر خواہی: انبیاء علیہم السلام کے اسلوب دعوت میں خیر خواہی کا عنصر بھی پورے عروج پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو دعوت دی تو اس موقع پر آپؑ نے اپنی قوم کے لوگوں کو یہ الفاظ کہے کہ میں تمہیں جس چیز سے روکتا ہوں اس میں تمہاری مخالفت نہیں کرنا چاہتا بلکہ فقط تمہاری اصلاح چاہتا ہوں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھے راستے پر آنے کی صورت میں اپنی یا قوم کی پاکباز بیٹیوں کے ساتھ نکاح کی دعوت دی۔ انبیاء علیہم السلام ہمہ وقت اپنی قوم کی اصلاح کے لیے غور وفکر کرتے رہے اور اس حوالے سے ان میں زبردست دردمندی کی کیفیت پائی جاتی تھی۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی مختلف طرح کی اذیتوں کا سامنا کرنے کے باوجود ہمہ وقت بھٹکی ہوئی انسانیت کو سیدھے راستے کی طرف لانے کے لیے کوشاں رہے۔ طائف کی وادی میں جب آپ ﷺ کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کیا گیا تو ایسے عالم میں بھی آپ ﷺ نے اپنے لہو رنگ وجود کے ساتھ بھی طائف کے لوگوں کی تباہی کی دعا نہیں مانگی بلکہ ان کی ہدایت کی دعا مانگی اور یہ الفاظ کہے: "اے اللہ میری قوم کے لوگوں کو ہدایت دے کہ یہ جانتے نہیں ہیں۔"

5۔ نکتۂ مشترکہ کی طرف دعوت: انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں کے لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف لانے کے لیے توحید کے مشترکہ نکتے پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ چنانچہ اہل کتاب کو جب بھی سیدھے راستے کی طرف آنے کی دعوت دی گئی تو ان کو یہ بات بھی کہی گئی کہ اس نکتے کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں گے۔ انبیاء علیہم السلام نے توحید کی آفاقی دعوت کو نکتہ مشترکہ کے طور پر اجاگر کر کے بنی نوع کو اس پر مجتمع ہونے کی بھی دعوت دی۔

6۔ تدریج: انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں تدریج کا پہلو بھی پایا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ انسانوں کو رفتہ رفتہ دین کی طرف دعوت دیتے۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور مسلمانوں کو اس کے تمام احکامات کو بغیر کسی کمی بیشی کے ماننا واجب ہے۔ لیکن نزول وحی کے دور میں بہت سے معاملات پر اہل دین کی بتدریج اصلاح کی گئی۔ شراب اور جوئے کی حرمت سے قبل ان کے نقصانات سے اہل ایمان کو آگاہ کیا گیا۔ جب ان کے نقصانات کے حوالے سے اہل ایمان کو شرح صدر حاصل ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم پر شراب اور جوئے کو حرام قرار دے دیا۔

7۔ علم اور دلائل: انبیاء علیہم السلام کے اسلوب دعوت میں علم اور دلائل کا پہلو بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور وہ ہمیشہ بات کو دلائل کی بنیاد پر لوگوں کے سامنے رکھتے اور وحی الٰہی کے ذریعے ملنے والے پیغامات کو بڑے مدلل انداز میں لوگوں کے سامنے رکھتے رہے۔ چنانچہ دین کی دعوت دینے والوں کو دلائل شریعہ کو مدلل انداز میں لوگوں کے سامنے رکھنا چاہیے تاکہ اعمال اور عقائد کی اصلاح ہو سکے۔

انبیاء علیہم السلام کے اسلوب دعوت پر عمل کرنے کے ساتھ یقیناً مخلوق کی اصلاح کے امکانات بڑھ سکتے ہیں اور یہ یہی طریقہ اور اسلوب دعوت درحقیقت عوام کی اصلاح پر منتج ہو سکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو انبیاء علیہم السلام کے اسلوبِ دعوت سے استفادہ کرتے ہوئے لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف بلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

Daily DUNYA Multan, Friday, December 8, 2017

پاک فوج کی سمت، میاں جی کی جہت

فاختہ

امیر حمزہ
ameer.hamza@dunya.com.pk
SMS: "AHC" (space) message & send to 7575

لیفٹیننٹ ارسلان شہید کے گھر جب میں گیا تھا تو ان کے والد گرامی شمشیر ستی کو انتہائی حوصلے میں پایا مگر ایک باپ کہ جس کی تین بیٹیوں میں اکلوتا بیٹا ارسلان تھا اس کی جدائی خاموش طبع شمشیر کو اندر ہی اندر ایسا گھائل کر گئی کہ دو ماہ بعد دل کا دورہ پڑنے سے وہ اس دنیا کو چھوڑ کر اپنے بیٹے ارسلان کے ساتھ جا ملے۔ کیپٹن حسنین نواز شہید کے والد محمد نواز سے ٹیلی فون پر بات ہوئی وہ کہہ رہے تھے، حمزہ بھائی! دفاع وطن کی خاطر شہادت کے اعزاز کے بعد ہمیں کسی اعزاز کی نہ ضرورت ہے اور نہ خواہش، مگر سیاسی حکمرانوں کا کردار یہ ہے کہ میاں شہباز شریف جب ننکانہ میں میرے گھر آئے تھے تو ہمارے گھر کے قریب پلاٹ میں چھوٹا سا یادگاری عجائب گھر بنانے کا اعلان ہوا تھا۔ ریلوے روڈ اور ایم سی ہائی سکول کو حسنین شہید کے نام سے موسوم کرنے کا اعلان ہوا تھا۔ میرے بیٹے کے لئے میاں صاحب نے کچھ مراعات کا اعلان کیا تھا، یہ سب اعلانات ہی ثابت ہوئے، عمل کی دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ میں نے اعلیٰ حکام سے رابطہ کیا تو سوائے ٹال مٹول اور مایوسی کے کچھ نہ ملا...... جی ہاں! جب ملک کی خاطر جانیں دینے والوں کے وارثوں کے ساتھ بھی سیاسی حکمرانوں کا رویہ روایتی سیاست کے سوا کچھ نہیں تو ان کے باقی اعلانات اور وعدوں کا کیا ہو گا۔ ذرا ان کی تفصیل بیان ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کئی کتابیں مرتب ہو جائیں کہ اعلانات انتہائی خوش کن تھے مگر عمل کی دنیا میں سوائے زیرو کے زمین پر کچھ بھی نہ تھا۔

لاہور سے میجر اسحاق شہید اور اسلام آباد سے کیپٹن جنید حفیظ شہید بھی راہِ شہادت کے راہی بن گئے۔ سوچتا ہوں نوجوان بیوہ جب اپنے شوہر کی یادگار سوا سالہ بچی کو دیکھتی ہے تو شوہر تو یاد آتا ہے۔ پہاڑ جیسی باقی زندگی کو سر کرنے کا جب خیال آتا ہے اور شوہر کے بغیر جب تصور دماغ میں آتا ہے تو کرب کی شدت کو جوان بیوہ ہی جانتی ہے، جس پر گزر رہی ہوتی ہے۔ جنرل قمر جاوید باجوہ صاحب بھی شہید اسحاق کی بچی کی جانب پیار سے بازو پھیلائے اخبارات میں نظر آئے، ان کی ذمہ داری ہے وہ ہر شہید کے گھر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پاک فوج ایک خاندان ہے، اس کا سربراہ آرمی چیف ہے۔ یہ خاندان پاکستان کی حفاظت کے لئے جانیں پیش کر رہا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف دس ہزار ارسلان، حسنین، جنید اور اسحاق قربان کر چکا ہے۔ ایک سمت ہے جس کی جانب یہ خاندان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ میں اس خاندان کو پاکستان کے اداروں میں سے ایک اہم ادارہ نہیں بلکہ ریاست قرار دیتا ہوں۔ اگر یہ قابل فخر ریاست اپنی سمت کی جانب گامزن نہ رہ سکتی تو میرا پاکستان آج عراق، شام، لیبیا، یمن اور افغانستان ہوتا اور اسحاق شہید کی بیوہ جیسی بیوائیں لاکھوں میں ہوتیں۔ پاک فوج کے ریاستی خاندان نے اپنی فیملی کی چند سو بیواؤں کے بدلے پاکستان کو بننے والی لاکھوں بیواؤں سے بچا لیا ہے۔ یوں میں کہہ سکتا ہوں کہ ہر شہید کی بیوہ اور ماں کس قدر عظیم ہے کہ فرض کی ادائیگی کی سمت میں وہ گامزن ہے اور پاکستانی قوم کی بیٹیاں سکون سے گھروں میں عزت سے بیٹھی ہیں۔ ارسلان اور جنید حفیظ جیسے اکلوتے بھائیوں کی بہنوں اور شہداء کی بیواؤ...... تمہیں مبارک ہو تم بڑی عظیم ہو، تمہاری عظمت کو سلام۔

انگریز کے دور میں "رائل انڈین ایئر فورس" کے ایک مسلمان اہلکار محترم محمد صدیق صاحب جو 92 سال کی عمر میں آج بھی زندہ ہیں' بتلاتے ہیں کہ تقسیم کے وقت ہندوستان کے تمام فوجیوں کو ایک فارم دیا گیا تھا کہ وہ پاکستان کی فوج کا حصہ بنیں گے یا ہندوستان کی فوج کا؟ گورداسپور، جالندھر اور امرتسر مسلم اکثریت کی وجہ سے پاکستان کا حصہ بن رہے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے ظلم یہ کیا کہ ان علاقوں کو ہندوستان میں شامل کر دیا۔ مسلمانوں کا یہ دشمن تھا اس نے دو سو سکھوں کو جیلوں سے رہا کر کے مشرقی پنجاب بھیجا تاکہ مسلمانوں کی قتل وغارت کریں۔ اسی طرح مسلمان فوجیوں کو انڈونیشیا اور ملائشیا میں زبردستی بھیج دیا تاکہ وہ مسلمان مرد اور خواتین کا دفاع نہ کر سکیں، یوں لاکھوں مسلمان شہید ہو گئے، عورتوں کی عزتیں لٹ گئیں، ہزارہا بیوہ ہو گئیں۔ قارئین کرام! ایسے ماحول میں مسلمانوں کی عزتوں کو بچایا تو پاک فوج کے حصے میں آئی بلوچ رجمنٹ اور پنجاب رجمنٹ نے بچایا۔ الغرض! پاک فوج کی اول دن سے یہی سمت ہے اور وہ اپنی اسی سمت کی جانب رواں دواں ہے۔

چھوٹے میاں جی خادم اعلیٰ پنجاب کی خدمت کی جہت ہم نے ملاحظہ کر لی، اب بڑے میاں جی جناب میاں نواز شریف صاحب کی جہت بھی ملاحظہ ہو۔ جب سے میاں جی کو عدالت عظمیٰ نے نااہل قرار دیا ہے تب سے وہ پاکستان مخالف جہت میں چلتے ہوئے دکھائی دینے لگے ہیں۔ آئے دن ان کا قدم اس جانب بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ جب ان سے تفتیش کے لئے سپریم کورٹ نے جے آئی ٹی بنائی تو وہ ڈھاکہ کی باتیں کرتے ہوئے یہ تاثر دینے لگے کہ اگر مجھے وزارت عظمیٰ سے ہٹایا گیا تو ملک کے ساتھ ڈھاکہ جیسا سانحہ ہو سکتا ہے۔ جب وہ نااہل قرار پا کر وزارت عظمیٰ سے معزول ہوئے تو اب کہتے پھر رہے ہیں "ایک وزیراعظم کو فارغ کر دیا گیا، ملک ایسے ہی فیصلوں سے برباد ہوتے ہیں، ایسے ہی فیصلے انتشار اور افراتفری پیدا کرتے ہیں، ایسے فیصلوں سے منزل کھوئی ہو جاتی ہے۔" قارئین کرام! ایسے بیانات میاں جی کس جلسے میں، کہاں اور کس کی صدارت ونگرانی میں ارشاد فرما رہے ہیں، یہ ملاحظہ فرمائیں گے تو "نظریہ نواز شریف" سمجھنے میں مزید آسانی ہو جائے گی۔ جی ہاں! میاں حضور نے ارشاد فرمایا اور خوب فرمایا، کوئٹہ میں محمود خان اچکزئی کی قوم پرست جماعت کے جلسہ میں ارشاد فرمایا۔ عبدالغفار خان المعروف سرحدی گاندھی کے نظریاتی اور سیاسی دوست عبدالصمد اچکزئی کی برسی پر ہونے والے جلسہ میں خطاب فرمایا۔ عبدالصمد کے بیٹے اور نظریاتی وارث محمود خان کی صدارت ونگرانی میں ارشاد فرمایا۔ آج کل میاں صاحب اپنے ایسے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے ان لوگوں کا پلیٹ فارم استعمال فرما رہے ہیں جو پاکستان کے مخالف لوگ تھے۔ قائداعظم کو ستانے والے لوگ تھے۔ افسوس یہ ہے کہ ایسا کردار وہ شخص ادا کر رہا ہے جو قائداعظم اور لیاقت علی خان کی کرسی پر بیٹھا ہے۔ اپنے آپ کو قائداعظم ثانی بھی کہلواتا ہے۔ افسوس پاکستان کی تاریخ میں یہ دن بھی آنے تھے کہ نام نہاد قائداعظم ثانی نے یہاں تک فرمانا تھا "محمود اچکزئی کے ساتھ میرا نظریاتی تعلق ہے، پشتونخوا میپ اور مسلم لیگ (ن) نظریاتی رشتے میں منسلک ہیں۔ نظریہ مجھے ہمیشہ عزیز رہا ہے جس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ میری سیاست اسی نظریے پر ہے۔"

افسوس اور حیرت اس بات پر ہے کہ جی حضوری پر مشتمل تقلیدی اور مفاداتی سیاست نے معاشرے کا ایسا برا حال کر دیا ہے کہ میاں جی کے مندرجہ بالا بیان پر کسی سچے مسلم لیگی نے واویلا نہیں کیا، گریبان چاک نہیں کیا، ماتم نہیں کیا کہ قائداعظم کی کرسی پر بیٹھنے والا کیا ظلم ڈھا گیا ہے؟

اس بات کو تو سب جانتے ہیں کہ ختم نبوت کا طے شدہ مسئلہ "نظریہ نواز شریف" نے کھڑا کیا۔ پھر دھرنے والے لاہور سے نکلے تو چھوٹے میاں جی نے جانے دیا۔ منصوبہ طے پا چکا تھا کہ فوج کے ذریعہ آپریشن کیا جائے گا۔ بندے مریں گے تو ختم نبوت کا مسئلہ ہمارے سر سے اتر جائے گا اور فوج کے سر پڑ جائے گا۔ چنانچہ جان بوجھ کر پولیس کو ناکام کیا گیا اور پھر فوج کو بلایا گیا...... فوج میاں جی کی سیاست سمجھ چکی تھی وہ درمیان میں آئی اور خوش اسلوبی سے مسئلہ حل کر دیا۔ اب میاں جی اور ان کے جی حضوریے فوج کو مطعون کرتے پھرتے ہیں کہ معاہدے میں ان کا نام کیوں آیا؟ تمہاری سیاسی چالوں میں وہ یہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے۔ مظاہرین تمہارے پیدا کئے ہوئے مسئلے کی وجہ سے یہاں تھے، وہ پاکستانی تھے۔ ان میں غریب لوگ بھی تھے ان کو پیسے دے کر حسن سلوک نہ کرتے تو اور کیا کرتے۔ کیا تمہاری خواہش کو پورا کرتے۔ گولیاں مارتے لال مسجد جیسا اک اور سانحہ ہوتا۔ ملک میں خارجیت کا اک نیا فیز چلتا، انڈیا کو اپنا لُچ تلنے کا اک مزید موقع ملتا کہ پہلے والے خارجیوں سے ابھی پوری طرح نبٹا نہیں جا سکا۔ میں کہتا ہوں پاک فوج نے ختم نبوت کے مظاہرین سے حسن سلوک کیا اور ملک کو انتشار سے بچایا۔ ختم نبوت کا پرچم بلند ہوا، اس پر قوم اپنی پاک فوج کو خراج عقیدت و تحسین پیش کرتی ہے۔ ریاست کے قومی ادارے نے ریاست کو مستقبل کے فساد سے بچا لیا ہے۔ پاک فوج میں اسلام اور وطن کی وہ بیٹیاں جن کے آنچلوں کو شوہروں اور بھائیوں کے آسروں سے بے آسرا ہونا تھا وہ آنچل اور دوپٹے بچ گئے ہیں۔ ایسے کردار پر مبارکباد، مبارکباد۔ پیغام یہ ہے کہ پاکستان دشمنوں کے کندھے سے کندھا ملا کر ڈھاکے کا طعنہ دو گے۔ ملک کی بربادی کی بات کرو گے تو نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کے سچے جانباز محافظ ایسا نہ ہونے دیں گے۔ قوم اپنے ایسے دانشور محافظوں کے ساتھ کھڑی ہے۔ پاکستان زندہ باد۔



Daily **DUNYA** ,Tuesday,November 7, 2017

میرے مربیّ پروفیسر غلام اعظمؒ!......(2)



صدائے درویش
حافظ محمد ادریس
muhammad.idrees@dunya.com.pk
SMS: HIC" (space) message & send to 7575

پروفیسر غلام اعظم نیک اور متقی انسان تھے۔ اس کے ساتھ نہایت بہادر اور نڈر مسلمان! دورِ جوانی سے عالمِ پیری تک مسلسل جدوجہد اور پورے عزم کے ساتھ اسلام کی سربلندی اور ملتِ اسلامیہ کی خیر خواہی میں زندگی کا ہر لمحہ بیتایا۔ وہ سراپا خیر انسان تھے۔ ان کی زندگی میں کبھی دورنگی نہ دیکھی گئی۔ بزدلی اور ہزیمت کا کوئی شائبہ تک اس عظیم انسان کی زندگی میں کہیں نظر نہیں آتا۔ وہ اقبال کے اس شعر کا حقیقی مصداق تھے۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۹۰ سال کی عمر میں جیل جانے سے قبل اپنی یادگار تحریر بنگلہ دیش میں مظالم کی داستان لکھی۔ پروفیسر غلام اعظم صاحب نے اپنے اس تاریخی کتابچے میں لکھا:

"نومبر 2011ء میں، میں 89 سال کی عمر کو پہنچ گیا تھا اور اب میں 90 سال کے پیٹے میں ہوں۔ بڑھاپا سو بیماریوں کو ساتھ لاتا ہے اور میرے دائیں پاؤں اور بائیں گھٹنے میں مسلسل تکلیف رہتی ہے۔ اس مرض پر قابو پانے کے لیے مجھے دن میں دو مرتبہ exercise کرنا پڑتی ہے جس کے لیے میں کسی دوسرے فرد کا سہارا لینے پر مجبور ہوتا ہوں۔ میں اکیلا چل پھر بھی نہیں سکتا لہٰذا میں دائیں ہاتھ میں بیساکھی کا سہارا لے کر اور اپنا بایاں ہاتھ کسی کے کندھے پر رکھ کر نماز کے لیے مسجد جاتا ہوں۔ اس حالت میں غیر ضروری طور پر کہیں آ جا بھی نہیں سکتا۔ پھر بلڈ پریشر اور دیگر متعدد بیماریوں کے حوالے سے مجھے روزانہ کئی بار باقاعدگی سے دوائیاں لینی پڑتی ہیں۔ اس حال میں بھی حکومت مجھے جیل بھیج رہی ہے۔ میں اس سے پہلے چار بار جیل جا چکا ہوں۔ مجھے جیل یا موت سے کوئی خوف نہیں۔

الحمدللہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرتا نہیں۔ میں شہید ہونے کی تمنا لے کر ہی اسلامی تحریک میں شامل ہوا تھا۔ اب اگر اس جھوٹے مقدمے میں مجھے پھانسی پر بھی لٹکا دیا گیا تو مجھے شہادت کا درجہ ملے گا، جو یقیناً میرے لیے خوش قسمتی کا باعث ہو گا۔ اس عمر رسیدگی اور بیماریوں کی بھرمار کے ساتھ جیل میں میرا وقت کس طرح گزرے گا، اس کو میں اپنے اللہ پر چھوڑتا ہوں۔ آپ لوگوں کو یاد ہو گا کہ 11 برس پہلے یعنی 2000ء میں رضاکارانہ طور پر جماعت اسلامی کے امیر کی ذمہ داری سے از خود فراغت لینے کے بعد میں نے کبھی کوئی سیاسی بیان نہیں دیا لیکن گزشتہ کچھ دنوں سے میرے خلاف میڈیا میں جو جھوٹا، بے بنیاد اور من گھڑت پراپیگنڈا کیا جا رہا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں سچائی کو سامنے لانے کے لیے مجھے کچھ کہنا چاہیے۔" (صفحہ 3-4)

"میں پیدائشی لحاظ سے اس ملک کا باشندہ ہوں۔ 1922ء میں لکشمی بازار ڈھاکہ میں، اپنے ننھیال میں پیدا ہوا۔ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان بھی ڈھاکہ ہی کے تعلیمی اداروں سے پاس کیا اور پھر ڈھاکہ یونی ورسٹی سے بی اے اور ایم اے (سیاسیات) مکمل کیا اور طلبہ سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ 1947ء اور 1949ء میں لگاتار دو بار میں ڈھاکہ یونی ورسٹی کی سٹوڈنٹ یونین کا جنرل سیکرٹری منتخب ہوا۔ میں فضل الحق مسلم ہال کی سٹوڈنٹس یونین کا سیکرٹری جنرل بھی رہا۔ نومبر 1948ء میں بنگلہ زبان کو بھی پاکستان کی قومی زبان کا درجہ دلانے کا میمورنڈم، میں نے خود اس وقت کے وزیراعظم پاکستان، نواب زادہ لیاقت علی خاں کو پیش کیا تھا۔ اسی تحریک کی قیادت کرنے کی وجہ سے 1952ء اور 1955ء میں دو دفعہ گرفتار ہوا اور جیل کاٹی۔ میں نے 1954ء میں جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی اور یوں میری سیاسی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

متحدہ پاکستان میں 1955ء سے لے کر 1971ء تک میں نے تمام جمہوری تحریکوں میں حصہ لیا۔ سی او پی (کمبائنڈ اپوزیشن پارٹیز)، پی ڈی ایم (پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ)، ڈی اے سی (ڈیموکریٹک ایکشن کمیٹی) کی سرگرمیوں میں میرا بڑا مؤثر کردار رہا۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور دیگر سیاسی لیڈر شپ کے شانہ بشانہ میں نے جمہوریت کے لیے کام کیا۔ 1964ء میں حکومت سے سیاسی اختلاف کے باعث میں گرفتار ہو گیا۔ 1970ء میں جب عوامی لیگ نے عام انتخابات میں بھاری کامیابی حاصل کی تو میں نے شیخ مجیب الرحمٰن اور اس کی پارٹی کو مبارک باد کا پیغام بھیجا۔" (صفحہ 4)

"حکومت نے اب جو قدم اٹھایا ہے اس کے پیچھے کوئی نیک مقاصد نہیں بلکہ ناپاک سیاسی مقاصد ہیں۔ عوامی لیگ چاہتی ہے کہ جماعت اسلامی کی قیادت کو ختم کر کے ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ آئندہ الیکشن میں جماعت اسلامی کوئی مؤثر کردار ادا نہ کر سکے اور عوامی لیگ کو 2001ء کی طرح شرم ناک شکست کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

بغاوت کے اس مقدمے کو جس کالے قانون کے تحت آگے بڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے، انٹرنیشنل لائرز ایسوسی ایشن کے مطابق اس میں 17 کمزوریاں پائی گئی ہیں۔ سونار گاؤں ہوٹل ڈھاکہ میں وکلا کی اس تنظیم کی جو کانفرنس ہوئی ہے، اس میں بزرگ قانون دان جسٹس ٹی ایچ خان نے کہا تھا: "یہ قانون سراسر جنگل کا قانون ہے۔ جس طرح کسی جانور کو باندھ کر ذبح کیا جاتا ہے، اس قانون کے تحت ملزمان کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔ انٹرنیشنل کرائمز ٹربیونل کے نام کے ساتھ انٹرنیشنل کا لفظ ہی ایک کھلا مذاق ہے کیونکہ اس کا کسی انٹرنیشنل معیار کے ساتھ دور دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے"۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی وزیراعظم شیخ حسینہ کو خط لکھ کر متوجہ کیا ہے کہ اس قانون میں ترمیم کر کے اس کو حقیقی طور پر انٹرنیشنل معیار پر لایا جائے لیکن شیخ حسینہ حکومت نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی، کیونکہ اگر اس ٹربیونل کے قوانین کو انٹرنیشنل معیار کے مطابق بنایا جائے تو جماعت اسلامی کے کسی لیڈر کو کوئی سزا نہیں دی جا سکے گی، کوئی جرم ثابت ہی نہیں کیا جا سکے گا اور جماعت کے ذمہ داران میں سے کوئی مجرم ہی قرار نہیں پائے گا۔" (صفحہ 9)

"13 اکتوبر 2010ء سونار گاؤں ہوٹل ڈھاکہ میں بنگلہ دیش سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن نے بھی ایک سیمینار کا اہتمام کیا تھا۔ اس سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے انگلینڈ کے مشہور قانون دان اسٹیفن نے، جو انٹرنیشنل کرائمز کورٹ یوگوسلاویہ اور روانڈا کے وکیل بھی رہے ہیں، کہا تھا کہ جس قانون کے تحت یہ مقدمہ چلایا جا رہا ہے وہ بنگلہ دیش کے دستور اور انٹرنیشنل قانون کے سراسر خلاف ہے، لہٰذا انٹرنیشنل کمیونٹی اس کو غیر جانب دارانہ تسلیم نہیں کرے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ جنگی جرائم کے مقدمے کو انٹرنیشنل معیار کے مطابق کرنے کے لیے شفاف دلائل درکار ہوں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس مقدمے کے ججوں کے تقرر میں فریقین کی رضامندی شامل ہونا لازمی ہے اور ان ججوں کا عالمی معیار کا ہونا بھی ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ انٹرنیشنل قانون میں اس بات کو بالکل واضح کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو ایسے جرم کی سزا نہیں دی جا سکتی کہ جس کی نشان دہی قانون کے مطابق اس وقت نہ کی گئی ہو، جب کہ یہ جرم سرزد ہوا تھا۔

میں یہ بات ایک دفعہ پھر واضح الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے کبھی بھی انسانیت کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ معاشرے کے ایک خاص گروہ کے لوگ جو اندھے بن کر اور خود غرضانہ سوچ کے تحت، مجھے سیاسی اور سماجی طور پر نیچا دکھانے کے لیے، گزشتہ 40 سال سے گھناؤنا پراپیگنڈا پھیلا رہے ہیں، ان کا مقصد سادہ لوح عوام کے دل میں میرے خلاف نفرت پیدا کر کے سیاسی فائدہ سمیٹنا ہے۔ انسانیت کے خلاف، اگر میں سرگرم رہا ہوتا تو اس لمبے عرصے میں کسی نہ کسی عدالت میں میرے خلاف کوئی مقدمہ ضرور درج ہوتا۔ 1973ء میں شیخ مجیب حکومت نے غیر قانونی طور پر میری شہریت ضبط کی لیکن 1994ء میں سپریم کورٹ کے فل بنچ نے اپنے متفقہ فیصلے کے ذریعے میرا یہ حق مجھے واپس دلایا کیوں کہ میرے خلاف لگائے گئے تمام الزامات جھوٹے ثابت ہوئے تھے۔ عجیب تماشا یہ ہے کہ اب نئے سرے سے انہی پرانے الزامات کو دہرایا جا رہا ہے۔" (صفحہ 9-10)

"اپنی 50 سالہ سیاسی زندگی میں، میں نے ملک میں بہت سارے سفر کیے ہیں۔ میں عوام ہی میں رہا ہوں۔ میں نے اپنے اخلاق سے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے مجھے معلوم ہے کہ یہ حکومت میرے خلاف جو بھی الزام لگا رہی ہے، عوام اس کو کبھی بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ اگر یہ لوگ مجھے پھانسی بھی دیتے ہیں، جو ان کی خواہش ہے، تو بھی ہمارے عوام مجھے اللہ کی راہ کا ایک سپاہی سمجھیں گے۔" (صفحہ 15-16) (ماخوذ از کتابچہ بنگلہ دیش میں ظلم کی داستان مطبوعہ ادارہ معارف اسلامی، لاہور)

پروفیسر صاحب کے اپنے قلم سے لکھا گیا کتابچہ، جس کے کچھ حصے اوپر نقل کیے گئے ہیں، ایک ایسی عبارت ہے جو سچائی، حقائق اور مضبوط دلائل پر مشتمل ہے۔ پروفیسر صاحب آج ہمارے درمیان موجود نہیں مگر ان کی یادیں کبھی دل سے محو نہیں ہو سکتیں۔ ان کی تحریر کردہ بیسیوں کتب ان کے چاہنے والوں کی تربیت کا سامان کرتی رہیں گی۔ وہ پلٹ کر نہیں آئیں گے مگر ان سے محبت کرنے والے ان سے جا ملیں گے۔ اللہ اس عظیم بندۂ مومن کی قربانی کو قبول فرمائے اور اس کے صدقے اہلِ حق کو آزمائشوں کی اس طویل سیاہ رات سے نجات دلائے۔

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

Daily **DUNYA** ,Friday,November 10, 2017



قرآن اور ماحول دوستی



فاختہ
امیر حمزہ
ameer.hamza@dunya.com.pk
SMS: "AHC" (space) message & send to 7575

"خشکی اور سمندر میں 'ماحول دشمنی' نمایاں ہو کر سامنے آ گئی۔ انسانی ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہی ایسا ممکن ہوا۔ (ماحول دشمن لوگ) جو حرکتیں کر چکے ہیں (اللہ نے فیصلہ کیا ہے) کہ اس کے نقصان کا کچھ مزہ ان کو چکھائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ واپس (ماحول دوستی) کی طرف پلٹ آئیں۔ (الروم: 41)

زہریلی دھند کا ایک سبب دھان کی فصل کو جلانا بھی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایسے ہارویسٹر کیوں نہیں بنا سکتے کہ جو مونجی کو بوریوں میں بھر دے اور پرالی کی گانٹھوں کو باندھ کر کسان کے حوالے کر دے۔ یہ پرالی جو جل کر ہمارا ماحول خراب کرتی ہے، یہی پرالی جب ہاتھوں کی کٹائی سے گانٹھوں کی شکل میں کسان کی حویلی میں پہنچتی تھی تو اسے سبز چارے کے ساتھ ملا کر ٹوکے سے گزارا جاتا تھا اور یہ مویشیوں کی خوراک بن کر ہمیں دودھ کی شکل میں مشروب دیا کرتی تھی۔ قرآن کہتا ہے واپس پلٹو۔ خادم اعلیٰ پنجاب کی خدمت میں تجویز ہے کہ واپس پلٹنے کا سائنسی ٹارگٹ دیں۔ اسی طرح کا ٹارگٹ گندم کی فصل میں موجود ہے۔ گندم کا دانہ تھریشر مشین سے بوریوں میں بھرا جاتا ہے جبکہ گندم کا "ناڑ" توڑی کی شکل اختیار کر جاتا ہے اور وہ توڑی مویشیوں کی خوراک بن جاتی ہے۔ "ناڑ" سے مجھے یاد آیا، 50 سال پہلے اپنے بچپن کا وہ منظر آج بھی مجھے دورِ گزشتہ کو آواز دینے پر ابھارتا ہے جب گاؤں میں میری والدہ محترمہ اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ سادہ اور رنگدار چنگیریں بنایا کرتی تھیں۔ گندم کی روٹیاں گندم کے پودے "ناڑ" سے تیار شدہ چنگیر میں رکھ کر کھائی جاتی تھیں۔ آج پلاسٹک کی چنگیر اور پلاسٹک کا ہاٹ پاٹ سامنے آ گیا۔ یاد رہے! پلاسٹک کی اشیاء اور برتن ماحول دشمن اور صحت کے لئے خطرناک قرار دیئے جا چکے ہیں۔ جی ہاں! قرآن کہتا ہے واپس پلٹو، کیا ہم اس کے لئے تیار ہیں؟ قارئین کرام محض تعلیم کی خاطر اباجی نے گاؤں کو چھوڑا اور ننکانہ میں مکان خرید لیا۔ شہر میں آئے تو ان دنوں نائلون کا زنانہ اور مردانہ کپڑا بڑا مشہور ہوا۔ میرے اصرار پر اباجی نے مجھے نائلون کی دھاری دار شرٹ اور سفید شلوار سلوا دی۔ سردیوں کے دن تھے، ایک دن سخت سردی میں مجھے اس قدر گرمی محسوس ہوئی کہ میں نے اوپر سے پہنا ہوا سویٹر اتار دیا۔ نیچے سے قمیض اتار دی اور باہر صحن میں آ گیا۔ بدن پر خارش ہو رہی تھی۔ کھال سرخ ہو چکی تھی۔ جگہ جگہ سوزش ہو گئی تھی۔ کافی دیر بعد سکون ملا، پتہ چلا کہ پٹرولیم مصنوعات سے بنے ہوئے کپڑے کا کمال ہے۔ اس کے بعد آج تک میں نے صرف سوتی اور کھدر کا لباس پہنا ہے۔ سوال پھر وہی ہے قرآن کہتا ہے واپس آ جاؤ، واپس۔

لوگ گھروں سے سبزی اور سودا سلف لینے نکلتے تھے تو کپڑے کے بنے ہوئے تھیلے یا کھجور کی چھال سے بنے ہوئے بیگ لے کر نکلتے تھے۔ سبزی، گوشت اور دیگر سامان اسی میں لے کر واپس پلٹتے تھے۔ اب پولی تھین یا پلاسٹک کے شاپر استعمال ہوتے ہیں۔ بچے سکول جاتے تھے تو ماں کے ہاتھوں کا کپڑے سے بنا ہوا بستہ لے کر جاتے تھے۔ اب نائیلون کے بستے ہیں۔ دودھ دہی کے لئے گھر سے برتن لے کر دکان پر جایا کرتے تھے۔ روٹیاں مٹی یا سٹیل کی پرات میں "سوتی پُونے" میں لپیٹ کر واپس گھر آتی تھیں۔ اب روٹیاں، نان، دہی بھلے، گرما گرم چھولے اور پائے وغیرہ شاپروں میں بند ہو کر گھروں میں آتے ہیں۔ شاپروں کا کیمیکل اور اس کے دیگر اثرات کھانے کو زہریلا بنا دیتے ہیں۔ کیا ہم واپس پلٹیں گے۔ طرزِ زندگی بدل پائے گا؟ پلاسٹک نما کاغذی ڈبوں میں بند خوراک بھی کیمیکلز کی وجہ سے محفوظ رہتی ہے۔ یہ اور ڈسپوزیبل برتن بھی صحت اور ماحول دشمن ہیں۔ پلاسٹک کی بوتلوں میں پانی اور سوڈا واٹرز کی بوتلیں بھی ماحول دشمن ہیں۔ یہ کچرا اور کوڑا بن کر مسلسل ریڈی ایشن چھوڑتے ہے جب یہ آگ پکڑتے ہیں تو فضا کو زہریلا بنا دیتے ہیں۔ فیکٹریوں میں ٹائر جلتے ہیں تو اللہ کی پناہ...... احتجاج میں سڑکوں پر ٹائر جلتے ہیں، خوشی کے مواقع پر ہمارے منچلے گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کے سائلنسر نکال کر دھویں اور شور سے خوشی مناتے ہیں یعنی ہمارا غصہ اور خوشی بھی اپنے دامن میں خودکشی کے جراثیم پالے ہوئے سامنے آتی ہے۔ پھر چونکہ احتجاج اور خوشی سڑکوں اور چوراہوں پر ہوتی ہے لہٰذا ٹریفک کئی کئی گھنٹے بند رہ کر کھڑی اور رینگتی گاڑیوں اور رکشوں کے زہریلے دھویں سے ماحول دشمنی کا خوب ثبوت دیتی ہے۔ کیا یہ سب انسانوں کے ہاتھوں کی کرتوتیں نہیں ہیں۔ قانون سازی کے لئے قوانین کہاں ہیں۔ انتظامیہ کہاں ہے اور تربیت کے لئے حکمران کہاں سوئے ہوئے ہیں؟

میں نے ایک بار تحقیق کر کے لکھا تھا کہ مکہ کی حدودِ حرم کا تعین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آج سے کوئی چار ہزار سال قبل کیا تھا۔ مدینہ کی حدودِ حرم کا تعین حضرت محمد کریمؐ نے کیا تھا۔ ہر شہر کی حدِ حرم کوئی 25 یا 30 کلومیٹر بنتی ہے۔ امن و امان کی حرمت اور انسانی صحت کی حرمت ایسے شہر میں قابل کنٹرول رہتی ہے۔ بڑا شہر بنانا مقصود ہو تو اسلام آباد کی طرح سیکٹروں میں بنائیں۔ اضافہ یہ کر لیں کہ ہر دو سیکٹروں کے درمیان زراعت اور پارکوں کے لئے جگہ چھوڑ دیں۔ زرعی زمینوں پر ہاؤسنگ سوسائٹیاں نہ بنائیں۔ سڑکوں پر تعمیرات کی اجازت نہ دیں۔ کمرشل ایریاز ماحول کو سامنے رکھ کر بنائیں۔ بائی پاسوں پر تعمیرات کی اجازت نہ دیں، مگر وائے افسوس! حکمرانوں کا ویژن کوئی نہیں اور کرپشن نے ماحول دشمنی میں خوب خوب کردار ادا کیا ہے۔ اب سارے لوگ سانس میں زہر پھانک رہے ہیں۔ کوئی ہے جو اصلاح کر کے قرآن کے الفاظ میں واپس ماحول دوستی کی جانب قوم کو لے جانے کا کردار ادا کرے؟ کوئی وقت تھا انجکشن لگانے کی سرنج شیشے کی ہوا کرتی تھی اب وہ بھی پلاسٹک کی ہے۔ سیرپ بھی شیشی کے بجائے پلاسٹک بوتلوں میں شروع ہو گیا ہے۔ الغرض میڈیکل کا سامان بھی جو صحت دینے کے لئے تھا، صحت دشمن اور ماحول دشمن بن گیا۔ جب یہ کوڑے میں جا کر جلتا ہے تو اس زہر کی زہرناکی کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ کیا صحت کا کوئی ایسا وزیر ہمیں دستیاب ہے جو میڈیکل کے سامان کو ماحول اور صحت دوست بنائے؟ صنعتوں کے دھویں فضا کو خراب کر رہے ہیں۔ ان کا کیمیکل ملا پانی دریاؤں، نہروں اور نالوں میں بہہ کر بربادی کر رہا ہے۔ سبزیاں اس سے اگائی جا رہی ہیں۔ صنعتوں کے پانی کو صاف کرنے کے آلات اور دھویں کو معیاری بنا کر چھوڑنے کے فلٹروں کو دیکھنا وزیر صنعت کا کام ہے یا وزیر ماحولیات کا؟ کیا دونوں وزیر اپنا کام کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے اگر وہ کام کرتے تو آج ہمارا یہ حال کیونکر ہوتا؟ پانی، ہوا، ایٹم اور سورج سے بننے والی بجلی ماحول دوست ہے مگر حکمران تیل سے مہنگی اور ماحول دشمن بجلی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

یاد رہے! جزیروں پر آبادیاں اور ساحلی شہر سمندر کا حصہ ہیں۔ یوں خشکی اور سمندری آبادیوں کے باسیوں نے خشکی اور سمندر میں جو ماحول دشمن رویہ اپنایا ہے اس نے فضا کو گندہ کر دیا ہے۔ اب زمین کا پانی پئیں تو زہریلا، فضا میں سانس لیں تو آکسیجن زہریلی۔ فضا کی صحت کا پیمانہ یہ ہے کہ ایک مربع میٹر یعنی تین فٹ مربع میں 20 مائیکرو گرام کثافت یعنی آلودگی ہو تو خطرناک ہو جاتی ہے۔ اللہ اللہ! لاہور کی فضا میں اس کی مقدار دو سو مائیکرو گرام تک ہو چکی ہے۔ رپورٹ یہ بھی ہے کہ 300 درجے تک آلودگی چلی گئی ہے۔ یاد رہے! ماحولیات کے نام سے باقاعدہ ایک شعبہ قائم ہے۔ وزارت موجود ہے۔ حکمرانوں کا گریبان کون پکڑے کہ تم نے پاکستان کے لوگوں کو گندی فضا کے سمندر میں ڈبکیاں لگانے کے لئے چھوڑ دیا ہے جبکہ خود بیرونی دنیا کے صاف ماحول میں محلات بنا لیتے ہو۔ تمہارے بیمار بھی وہیں سانسیں لیتے ہیں، تمہاری حکمرانی کیسی ہے اس کا جواب دو۔ عوام کے نقصان کا ہرجانہ ادا کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم واپس پلٹنے کے لئے ماحول دوست حکمرانوں کا انتخاب کریں۔ آئندہ الیکشن میں ماحول دوستی کو انتخابی مہم کا اہم ترین حصہ ہونا چاہئے۔ میں اپنے کالم کا اختتام بھی ماحول دوستی سے متعلق ایک دوسری آیت سے کر رہا ہوں۔ مولا کریم فرماتے ہیں "تم لوگوں کو جو کوئی بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت ساری (ماحول دشمن) چیزوں سے عافیت دے دیتے ہیں۔ (الشوریٰ 30)

Daily DUNYA Multan, Tuesday, December 5, 2017

رسولِ رحمتؐ کی بے مثال استقامت!

صدائے درویش
حافظ محمد ادریس
muhammad.idrees@dunya.com.pk
SMS: HIC" (space) message & send to 7575

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی خطرات و مشکلات میں گزاری۔ اعلیٰ مقاصد حاصل کرنے والوں کی راہ میں دشوار گزار گھاٹیاں، جان لیوا معرکے اور دل فگار مناظر قدم قدم پر آتے ہیں۔ جو اللہ کا ہو جائے، اسے ہر گام پہ کامیابی کے مژدے سنائے جاتے ہیں۔ اللہ سے بڑا فیاض اور داتا کون ہے؟ اللہ اپنے بندوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ ساری مخلوق کے دلوں میں جتنے جذباتِ محبت موجزن ہیں، خالقِ کائنات کی اپنے بندوں سے محبت اس سے ستر گنا زیادہ ہے۔ اللہ کے بندے بھی اپنے اس رحیم و کریم مالک و خالق سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ انھیں سب سے زیادہ محبت اپنے رب سے اور اس سے ملانے کا ذریعہ بننے والے نبی رحمت محمدؐ سے ہوتی ہے۔ اللہ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ انھی لوگوں کے حصے میں آتا ہے، جو بڑے نصیب والے اور بلند حوصلوں کے مالک ہیں۔

ہجرت ایک مشکل اور کٹھن کام ہے۔ گھربار کو اللہ کی خاطر چھوڑ دینا بھی ہجرت ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے اوامر و نواہی کی پابندی بھی ہجرت ہے۔ گھربار کو چھوڑنے کی ہجرت تو ایک ہی بار کی جاتی ہے، اگرچہ بڑی مشکل ہوتی ہے، لیکن دوسری نوعیت کی ہجرت تو زندگی بھر کا معمول ہے اور اس میں کہیں زیادہ محنت اور قربانی درکار ہے۔ نبی اکرمؐ نے ہجرت کے فضائل بیان فرمائے تو خود ہجرت کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی بہترین مثال ہیں۔ آنحضورؐ کو آغازِ نبوت ہی میں عرب کے مردِ دانا ورقہ بن نوفل نے بتا دیا تھا کہ آپ کی قوم آپ کو گھر سے نکال دے گی۔ نبوت کے پانچویں سال اہلِ ایمان کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنا پڑی اور اس کے چار پانچ سال بعد یثرب نے اہلِ ایمان کے لیے اپنے دروازے کھول دیے۔

نبوت کے دسویں سال کے بعد آنحضورؐ خود بھی ذہناً گھربار چھوڑنے کے لیے تیار تھے۔ آپؐ نے اپنے جاں نثار اور بے مثال مبلغ و مجاہد مصعب بن عمیرؓ کو اہلِ یثرب کی درخواست پر وہاں اپنا نائب بنا کر بھیج دیا تھا۔ حضرت مصعبؓ نے آپ کو مدینے سے دعوت بھیجی کہ آپ وہاں آ جائیں تو آپ نے دعوت قبول فرما لی، چنانچہ آپ گھربار چھوڑ کر اس انقلابی سفر پر روانہ ہوئے۔ اس سفر کے ہر لمحے میں ہمارے لیے عبرت کے بے شمار درس پنہاں ہیں۔ آپؐ نے جن حالات میں ہجرت کی، وہ بہت مشکل تھے۔ آپ کو قتل کرنے کی سازش تیار تھی۔ عملاً اس رات آپؐ کے گھر کا چودہ افراد نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ یہ سب لوگ قریش کے مختلف اہم قبائل سے چنے گئے تھے۔ ان افراد کے نام تاریخ میں مذکور ہیں:

(۱) شیبہ بن ربیعہ، (۲) عتبہ بن ربیعہ، (۳) ابوسفیان بن حرب، (۴) طعیمہ بن عدی، (۵) جبیر بن مطعم، (۶) حارث بن عامر، (۷) نضر بن حارث، (۸) ابوالبختری بن ہشام، (۹) زمعہ بن اسود، (۱۰) حکیم بن حزام، (۱۱) عمرو بن ہشام (ابوجہل)، (۱۲) منبہ بن حجاج، (۱۳) نبیہ بن حجاج اور (۱۴) امیہ بن خلف۔

ان دشمنوں میں سے گیارہ بدر کے میدان میں کفر کا جھنڈا اٹھائے اہلِ حق کے مدمقابل ہوئے۔ اللہ غالب و عزیز نے ان کو بدر میں قتل کرا دیا۔ تین خوش قسمت اس جنگ میں شرکت سے بچ گئے۔ یوں ان کی جانیں بھی بچ گئیں، مگر اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ ہجرت کے آٹھ سال بعد آنحضورؐ نے مکہ فتح کیا تو یہ خوش قسمت اسلام کی دولت سے بھی مالا مال ہو گئے۔ بڑے دل اور عظیم شان کے مالک نبی رحمتؐ نے جس طرح خانہ کعبہ میں پناہ لینے والوں سے کوئی تعرض نہ کرنے کا حکم صادر فرمایا اسی طرح ان تینوں کے گھروں میں پناہ لینے والوں کو بھی امان بخشی گئی۔ اللہ اللہ! یہ عظمت و وسیع الظرفی۔ اوپر کی فہرست میں سے بچ جانے والے ابوسفیان، جبیر اور حکیم بن حزام تھے۔ باقی سبھی تہہ تیغ ہو کر واصلِ جہنم ہوئے۔

ہجرت کی رات دشمن زہر میں بجھی ہوئی تلواریں لیے گھر کے باہر پہرہ دے رہے تھے کہ جوں ہی آپ گھر سے باہر قدم رکھیں سبھی یک بار حملہ کر کے آپ کا کام تمام کر دیں۔ اللہ کے نبیؐ اس صورتِ حال سے باخبر تھے۔ اس کے باوجود آپ اپنے گھر سے نکلے تو جان جانے کا خوف اور دشمنوں سے کسی قسم کا ڈر آپؐ کے قدم نہ روک سکا۔ سورۂ یٰسٓ آپ کی زبان پر تھی اور اللہ کی محبت دل میں موجزن۔ آیات بھی کس قدر موقع و محل کے مطابق تھیں "یٰسٓ۔ قسم ہے قرآنِ حکیم کی کہ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو، سیدھے راستے پر ہو (قرآن) غالب اور رحیم ہستی کا نازل کردہ ہے تاکہ تم خبردار کرو ایک ایسی قوم کو جس کے باپ دادا خبردار نہ کیے گئے تھے اور اس وجہ سے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک دیوار ان کے پیچھے۔ ہم نے انھیں ڈھانک دیا ہے، انھیں اب کچھ نہیں سوجھتا"۔ (یٰسٓ)

آپؐ اس محاصرے میں سے بخیریت نکل گئے۔ رات بھر جاگ کر پہرہ دینے والوں کی آنکھوں پر اس وقت غنودگی کے جھٹکے نے یک بار پردہ ڈال دیا، جب آپؐ نے قدم مبارک دروازے سے باہر رکھا۔ یوں انھیں کچھ بھی سجھائی نہیں دیا۔ آپؐ اس گھیرے میں سے تو نکل گئے لیکن انسانی جذبات، وطن کی محبت، جائے پیدائش سے تعلقِ خاطر، اس کے گلی کوچوں سے وابستہ حسین یادیں، پھر سب سے بڑھ کر اس میں موجود بیت اللہ کا تصور اور اس سے دوری کا غم رسولِ رحمتؐ کے دل کو تڑپا گیا۔ جنم بھومی سے محبت تو فطری ہوتی ہے۔ یہاں گزرے ہوئے ۵۳ سال ایک تیز فلم کی طرح آپؐ کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ آپؐ نے اس بلدِ امین، ارضِ مقدس اور حرمِ کعبہ کو مخاطب کر کے کہا: "اے مکہ! اللہ کی قسم، تو خدا کی سرزمین پر سب سے بہتر مقام ہے۔ اللہ کو بھی تو بہت محبوب ہے اور مجھے بھی بہت عزیز۔ میں تجھے چھوڑ کر کبھی نہ جاتا، اگر اہلِ وطن مجھے اس پر مجبور نہ کر دیتے"۔ (ابن ماجہ)۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: "یہ لوگ (یعنی کفار مکہ) کچھ چالیں چل رہے ہیں اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں۔ پس چھوڑ دو اے نبی! ان کافروں کو ذرا کی ذرا ان کے حال پر چھوڑ دو" (الطارق ۸۶:۱۵-۱۷)۔ مفسرین و مورخین ان آیات کو بھی ہجرت کے موقع کے مناسب حال شمار کرتے ہیں۔ آخری آیت میں تمہیل اور رویداً کے جو الفاظ آئے ہیں، ان میں ٹھہراؤ، اطمینان، سکون، آہستگی اور وقار کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اس موقع پر ظاہری حالات ایسے تھے کہ ان میں گھبراہٹ، بھگدڑ، تیزی اور تشویش کا ہونا فطری بات ہے لیکن حکم یہ تھا کہ پورے وقار کے ساتھ کافروں کے گھیرے کے درمیان سے گزریں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ اپنی اسی شان اور وقار کے ساتھ اس گھیرے میں سے نکلے جو ان کے مقامِ رفیع کے عین مطابق تھا۔ اہلِ ایمان کے لیے اس سارے واقعہ میں بڑی عبرت ہے کہ اگر وہ اللہ کی رضا کے مطابق قدم اٹھائیں، اسی پر توکل اور بھروسا کریں اور مدد بھی اسی سے مانگیں تو کوئی دشمن ان کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

مکہ سے جانبِ منزل جو سفر شروع ہوا تو آپ کو یثرب یعنی شمال کی طرف جانا تھا لیکن مکہ سے نکل کر آپؐ جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کا عارضی مسکن اور سفری پڑاؤ غارِ ثور تھا۔ اس غار کی بھی قسمت جاگ اٹھی۔ حرا کو اپنے وجودِ مسعود سے آباد کرنے والی پاکیزہ ذات آج رات غارِ ثور کی مہمان تھی۔ غارِ ثور تک کے سفر کا ہر لمحہ یادگار ہے۔ پہاڑوں کی عمودی، بلندیوں تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ رفیقِ سفر، اولین اہلِ ایمان کا سرخیل، آنحضورؐ کے اپنے الفاظ میں آپ کا محسن، ابوبکر صدیقؓ ساتھ تھا۔ مشکل چڑھائیوں کا مرحلہ آیا تو پچاس سالہ ابوبکرؓ نے رسالت مآب کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ غار کی جانب سفر کے دوران یارِ غار کبھی شمعِ رسالت کے آگے چلتے، کبھی پیچھے۔

آنحضورؐ نے ابوبکرؓ کی یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا کہ ابوبکر، ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس پر عرض کیا: "دل کی عجیب کیفیت ہے۔ آج کائنات کی سب سے قیمتی متاع کا امین میں ہوں۔ خیال گزرتا ہے کہ آگے سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو جائے تو میں آپؐ کے آگے ہو جاتا ہوں کہ آنے والا خطرہ اپنے سینے پر سہہ لوں۔ پھر خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ پیچھے سے کوئی دشمن حملہ آور نہ ہو جائے تو پیچھے پیچھے چلنے لگتا ہوں کہ وار کرنے والا آئے تو میں ڈھال بن جاؤں"۔ یوں دو نفوسِ قدسی کا یہ مختصر قافلہ جبلِ ثور کی بلندیوں پر چڑھ گیا اور غارِ ثور میں مقیم ہوا۔ غارِ ثور کی قسمت بھی جاگ اٹھی تھی کہ اسے آیاتِ ربانی کا حصہ بن جانا تھا۔

اللہ نے ارشاد فرمایا: "تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں، اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے اس کے گھر سے نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ "غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے، اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے"۔ (التوبہ ۹:۴۰)

Daily DUNYA, Tuesday, December 12, 2017

معرکۂ احد کی ایمان افروز جھلکیاں!

صدائے درویش
حافظ محمد ادریس
muhammad.idrees@dunya.com.pk
SMS: HIC" (space) message & send to 7575

آنحضورؐ کی سیرت میں معرکۂ احد خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ابتلا و آزمائش اور عزیمت و استقامت کی بہترین مثال! ستر صحابہ کرامؓ کی شہادت اور جنت کی بشارت! ان شہداء کی قبریں آج بھی ایمان افروز واقعات کی غماز ہیں۔ آنحضورؐ نے شہداء کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ یہ منظر بڑا عجیب تھا۔ لوگوں کے دل بھی زخمی تھے اور جسم بھی۔ آنحضورؐ اپنے لشکر کے آگے آگے تھے اور کبار صحابہؓ آپؐ کے دائیں بائیں اور پیچھے چل رہے تھے۔ اکثر زخمیوں کو اونٹوں پر بٹھا دیا گیا تھا جبکہ بعض کو ان کے احباب نے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔

صحابہ کرامؓ کو آنحضورؐ سے جو والہانہ محبت تھی، اس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ قرآن کے الفاظ میں نبیؐ کی ذات مومنین کے لیے ان کی اپنی جانوں سے زیادہ محبوب ہے اور حدیثِ رسولؐ میں ایمان کو اس بات سے مشروط کیا گیا ہے کہ مومن اپنی جان، اولاد، والدین غرض ہر چیز سے زیادہ محبوبِ خدا سے محبت کرے۔ زخمیوں کا یہ قافلہ اپنے قائد کی قیادت میں اپنے شہر کی طرف رواں دواں تھا اور ادھر اہلِ مدینہ تک جنگ کی پریشان کن خبریں پہنچ چکی تھیں۔ مدینہ میں رہ جانے والے اہلِ ایمان میں سے اکثریت عورتوں اور بچوں کی تھی۔ خواتینِ اسلام اپنے گھروں سے احد کی جانب نکل کھڑی ہوئیں۔ بنو دینار کی ایک صحابیہ (حضرت خنساءؓ) بھی ان خواتین میں شامل تھیں۔ انہیں راستے ہی میں بتایا گیا کہ ان کے والد، ان کا خاوند، ان کا بھائی اور ان کا بیٹا میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے ہیں۔ ان سب کی شہادت پر انہوں نے اناللہ پڑھا اور بے قراری سے پوچھا: رسول اللہ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ بخیریت ہیں۔ انہوں نے کہا "مجھے ایک نظر آنحضورؐ کو دیکھ لینے دو تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے"۔ چنانچہ اس عظیم خاتون کو آنحضورؐ کے پاس لایا گیا۔ آنحضورؐ کو دیکھنے کے بعد انہوں نے کہا "یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس معرکے سے زندہ سلامت ہمارے پاس بھیج دیا ہے۔ اب مجھے کسی چیز کا کوئی غم نہیں"۔

راستے ہی میں آنحضورؐ کی پھوپھی زاد بہن، حضرت حمنہ بنت جحشؓ آپ سے ملیں۔ آپؐ نے انہیں دیکھتے ہی کہا "اے بہن! جو مصیبت آئی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر تجھے اجر عطا فرمائے"۔ انہوں نے پوچھا "یارسول اللہ! کیا ہوا؟" آپؐ نے فرمایا "تیرے ماموں حمزہؓ شہید ہو گئے"۔ یہ سن کر انھوں نے اناللہ پڑھا اور کہا: اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، انہیں شہادت مبارک ہو۔ آپؐ نے پھر فرمایا "اللہ تجھے اجر عطا فرمائے"۔ انہوں نے عرض کیا "کس کے بدلے میں؟" ارشاد ہوا "تیرے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کے بدلے میں"۔ اس پر بھی انہوں نے پہلے ہی الفاظ دہرائے۔ اس کے بعد آپؐ نے پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ تجھے اجر عطا فرمائے"۔ پوچھا "کس کے بدلے میں؟" تو فرمایا "تیرے شوہر مصعب بن عمیرؓ کے بدلے میں"۔ یہ سن کر سیدہ حمنہؓ کی چیخ نکل گئی۔ آنحضورؐ پر بھی رقت طاری ہو گئی اور آپؐ نے فرمایا: "عورت کے لیے اس کے نیک شوہر کا جو مقام ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا"۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اپنی پھوپھی زاد بہن کو تسلی دی اور جب وہ پُرسکون ہوئیں تو آپؐ نے پوچھا "تمھاری یہ کیفیت کیوں ہو گئی تھی؟" انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ مصعبؓ بہت عظیم اخلاق کے مالک تھے اور انہوں نے اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں"۔ آپؐ نے اپنی بہن اور ان کے بچوں کے حق میں دعائے خیر مانگی۔ حضرت حمنہؓ نے معروف صحابی حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ سے دوسری شادی کی۔ ان سے سیدہ حمنہؓ کو حضرت محمد بن طلحہؓ جیسا عظیم سپوت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ حضرت طلحہؓ بہت مالدار تھے اور مصعبؓ کے یتیم بچوں کے ساتھ ان کا سلوک اتنا کریمانہ تھا کہ لوگ اسے ضرب المثل کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔

مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے سیدالانصار حضرت سعد بن معاذؓ کی والدہ امِ سعدؓ نظر آئیں۔ اس وقت آنحضورؐ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت سعد بن معاذؓ نے گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ اپنی والدہ کو دیکھ کر انھوں نے کہا "یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ آ رہی ہیں"۔ جب وہ قریب پہنچیں تو آنحضورؐ نے اپنا گھوڑا روک لیا، امِ سعدؓ کی تعظیم کی اور انہیں سلام کہنے کے بعد ان کے بیٹے عمرو بن معاذؓ کی شہادت پر ان سے تعزیت کی۔ عمرو بن معاذؓ شہادت کے وقت 32 سال کے تھے۔ انہیں ضرار بن خطاب نے شہید کیا تھا۔ قاتل نے ازراہِ تمسخر کہا تھا کہ چل نوجوان میں موٹی آنکھوں والی حور سے تیری شادی کروا دوں۔ آنحضورؐ نے اس بات کی گواہی دی کہ عمرو بن معاذؓ جنت میں پہنچ گئے ہیں جہاں حوریں ان کے استقبال کے لیے منتظر تھیں۔

امِ سعدؓ بھی کتنی عظیم خاتون تھیں۔ اپنے لختِ جگر کی شہادت پر کہا "یارسول اللہ ﷺ! یہ صدمہ تو بہت بڑا صدمہ ہے، مگر آپ کو اپنے سامنے زندہ دیکھ کر صدمہ بہت ہلکا ہو گیا"۔ امِ سعدؓ کی اس بات سے آنحضورؐ بہت متاثر ہوئے اور آپؐ نے جملہ شہدائے احد کے پسماندگان کے حق میں دعا کی۔ آپؐ نے فرمایا "اے امِ سعد! مجھ سے یہ خوشخبری سن لے اور تمام شہداء کے اہل و عیال کو یہ خوشخبری سنا دے کہ وہ سب وہاں اکٹھے ہیں اور خوش و خرم ہیں اور انہوں نے اپنے پسماندگان کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ سے شفاعت کی ہے"۔ امِ سعدؓ نے یہ سننے کے بعد کہا "یارسول اللہ ﷺ! ان بشارتوں کے بعد اب اپنے بچھڑنے والوں پر کیوں کوئی آنسو بہائے؟" آپؐ نے اس موقع پر دعا فرمائی تھی "اے اللہ! شہداء کے لواحقین کے غم دور فرما دے۔ ان کی اس مصیبت میں ان کا مددگار بن جا اور انھیں نعم البدل عطا فرما"۔

3ھ کے ماہ شوال میں جنگِ احد لڑی گئی تھی۔ جس روز آنحضورؐ مدینہ میں داخل ہوئے وہ شوال کی پندرہ تاریخ تھی۔ آپؐ زخموں سے چور تھے۔ آپ کو سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ نے گھوڑے سے اتارا۔ پھر آپؐ ان دونوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ گھر میں آ کر آپؐ نے اپنی تلوار اپنی بیٹی خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے حوالے کی اور فرمایا "پیاری بیٹی! اسے دھو کر خون اتار دو۔ بخدا آج کے دن اس نے میرا خوب ساتھ دیا ہے"۔ اسی دوران میں سیدنا علیؓ بن ابی طالب نے بھی اپنی تلوار سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی طرف بڑھائی اور فرمایا "اسے بھی صاف کر دو بلاشبہ یہ قابلِ تعریف تلوار ہے۔ اس نے میرے دل کو خوب ٹھنڈا کیا ہے"۔ کثرتِ قتال سے حضرت علیؓ کی تلوار ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ انہوں نے اس کی جانب اشارہ کیا تو آنحضورؐ نے برجستہ فرمایا "اے علی! بلاشبہ تو نے اپنی تلوار کے خوب جوہر دکھائے، مگر سہل بن حنیفؓ، ابودجانہؓ، عاصم بن ثابتؓ اور حارث بن صمہؓ نے بھی شمشیر زنی کا حق ادا کیا ہے"۔

جنگ کے بعد ہر گھر میں میدانِ جنگ کے واقعات زیرِ بحث تھے، بعض لوگ حیران تھے کہ یہ سارا کچھ کیسے ہو گیا۔ اس جنگ پر جامع ترین تبصرہ خود خالقِ کائنات نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ ان شاء اللہ وہ تبصرہ آئندہ نذرِ قارئین کیا جائے گا۔ جب آنحضورؐ کے گھر میں تلواریں دھوئی جا رہی تھیں اور زخمیوں کی شدتِ تکلیف اور شہداء کی جدائی کا غم ہر گھر میں موضوعِ گفتگو تھا تو آنحضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "ان شاء اللہ مشرکین پھر کبھی ہمارے مقابلے پر ایسی کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر فتحِ مبین عطا فرمائے گا"۔ تاریخ گواہ ہے کہ جنگِ احد کے بعد پھر کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا کہ کافروں کو صحابہ کرامؓ کے مقابلے پر برتری حاصل ہوئی ہو۔ آنحضورؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک فتوحات پر فتوحات حاصل کیں اور جب آپؐ اپنے رفیقِ اعلیٰ کی جانب رختِ سفر باندھ رہے تھے تو جزیرہ نما عرب میں اسلام کے مدمقابل کوئی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

ایک سال قبل جنگِ بدر نے مکے کے ہر گھر میں صفِ ماتم بچھا دی تھی۔ اب جنگِ احد کی وجہ سے مدینہ منورہ کا ہر گھرانہ سوگوار تھا۔ معرکۂ بدر اہلِ کفر کے لیے اللہ کی پکڑ اور اس کا عذاب ثابت ہوا جبکہ جنگِ احد میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو آزمائش میں ڈالا۔ قرآن کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان میں سے شہداء کی صورت میں کچھ بندوں کو اٹھا کر ان کے درجات بھی بلند کرنا چاہتا تھا اور اسلام کے ساتھ ان کی وابستگی کا امتحان بھی لینا چاہتا تھا۔ اُحد میں ستر مسلمان شہید ہوئے جبکہ بدر میں بھی ستر کفار مارے گئے تھے۔ سورہ آلِ عمران کی آیت 165 میں اللہ تعالیٰ نے اس جانب اشارہ کیا ہے۔

عددی لحاظ سے دونوں جنگوں میں فریقین کے علی الترتیب ستر ستر افراد قتل ہوئے مگر فوجی تناسب سے مسلمانوں کا جانی خسارہ دس فیصد تھا، جبکہ کفار کا خسارہ ۷ فیصد تھا۔ دونوں جنگوں کے بعد کی فوری صورتِ حال کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہر دو فریقوں نے جنگ کے نتائج پر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ردعمل کا اظہار کیا۔ یہ بالکل فطری امر تھا۔ اہلِ اسلام کے نزدیک علی وجہ البصیرت زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور مومن بطیبِ خاطر اسے اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکا ہے۔ لہٰذا جب یہ جان اللہ کی راہ میں کام آ جائے تو بندہ مومن سمجھتا ہے کہ حق بحق دار رسید بلکہ بقول شاعر:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

Daily DUNYA, Wednesday, November 8, 2017



لمحۂ فکریہ

دین سے دنیا تک
علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

اللہ تبارک وتعالیٰ خالق و مالکِ کائنات ہیں۔ جب انسان گہرائی سے کائنات کی تخلیق پر غور وفکر کرتا ہے تو یہ بات اس کی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ نظامِ ہستی دہریوں کی باطل فکر کے مطابق ازخود نہیں بنا۔ بلکہ کائنات کو بنانے اور چلانے والے حکیم ودانا پروردگار ہیں۔ کائنات میں بلا ناغہ، تواتر اور تسلسل سے رونما ہونے والے تغیرات پکار پکار کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ رات اور دن کے ہر روز آنے اور جانے، ایک مقررہ وقت پر سورج کے نکلنے، چاند کے ہر مہینے بڑھنے اور کم ہونے، سمندروں میں بحری جہازوں کے چلنے، فضا میں بادلوں کے پرواز کرنے اور موسموں کے تغیرات میں یقیناً اہلِ فکر ودانش کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے غور وفکر کا بہت بڑا مواد موجود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کی بڑی اکائیوں کے ساتھ ساتھ اس کی بنائی ہوئی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق میں اس کی نشانیاں موجود ہیں۔ سورہ نحل اس اعتبار سے قرآن مجید کی بہت ہی خوب صورت اور دلنشیں سورت ہے کہ اس میں انسانوں کو تفکر فی الخلق کی دعوت دی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں گائے کے گوبر اور خون کے درمیان سے نکلنے والے تازہ دودھ، پھلوں اور پھولوں کے رس کو چوس کر شہد کی مکھی کے پیٹ سے نکلنے والے شفا بخش شہد، فضائے بسیط میں اڑنے والے پرندوں، سمندروں سے نکلنے والی والی خوش ذائقہ مچھلیوں، انواع واقسام کے پھلوں اور انسانوں کے گھر میں پیدا ہونے والے بیٹے بیٹیوں اور گھروں کا ذکر کیا کہ یقیناً ان تمام چیزوں میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ فطرت کے یہ حسین اور منظم شاہکار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کائنات کو بنانے اور چلانے والا حکیم ودانا خالق ومالک یقیناً کائنات کے چپے چپے پر تصرف فرما رہا ہے۔

اس ہر سُو پھیلی کائنات میں جہاں صاحبِ بصیرت انسانوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نشانیاں چھپی ہوئی ہیں وہیں پر سیاسی اُتار چڑھاؤ اور قوموں کے عروج وزوال میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ کسی فرد کا حاکم بننا اور بعد ازاں اپنے ہمہ گیر اقتدار کے بعد زوال پذیر ہو جانا یقیناً اس حقیقت کا احساس دلاتا ہے کہ کائنات کا حقیقی بادشاہ اللہ حاکم الحاکمین ہے۔ اس زمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بہت سے لوگوں کو وقتی طور پر اقتدار دیا اور وہ اس اقتدار اور اختیار کے حصول کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو بالکل فراموش کر گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی گرفت اور پکڑ کا نشانہ بنے۔ فرعون کے پاس بہت بڑا اقتدار تھا اور وہ اس اقتدار کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی عورتوں کو چھوڑ دیا کرتا تھا۔ وہ اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے خبط میں مبتلا ہو چکا تھا اور اپنے آپ کو رب کہا کرتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کے مظلوموں کو فرعون کے ظلم سے نجات دلانے کا ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ فرعون ایک تدبیر کے تحت ایک سال بنی اسرائیل کے بچوں کو چھوڑ دیا کرتا اور ایک سال ذبح کر دیا کرتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اسی برس پیدا فرمایا جس برس اس نے بچوں کو ذبح کرنا تھا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی نصرتِ خاص سے نہ صرف یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی چال سے محفوظ فرما لیا بلکہ ان کی پرورش کا انتظام بھی فرعون کے محل ہی کے اندر کر دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرعون کی سرکشی اور بغاوت کے باوجود اسے یک لخت تباہ نہیں کیا بلکہ اس کو مختلف طرح کے عذابوں کے ذریعے تنبیہ کی۔ طوفان، جوؤں، ٹڈیوں، لہو کی بارش اور مینڈکوں کے عذاب کے ذریعے اس کو جھنجوڑا گیا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت سی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود جب وہ اپنی اصلاح پر آمادہ نہ ہوا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بالآخر اس کو غرقِ آب کر دیا۔ آخری لمحات میں گہرے پانی کی لہروں میں غوطے کھاتے ہوئے اس سرکش نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لانے کا اعلان کیا لیکن آخری لمحات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لپکتے ہوئے عذاب کو دیکھ کر ایمان کا دعویٰ کرنے والے کے ایمان کو مسترد کر دیا گیا۔ قارون کو بھی اپنے سرمائے پر بہت زیادہ ناز تھا اور وہ اس کو اللہ کی عطا کی بجائے اپنے زورِ بازو کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ بستی کے سمجھدار لوگ اس کو نیکی کرنے اور فساد سے بچنے کی تلقین کرتے لیکن وہ کسی کی نصیحت کو خاطر میں نہ لاتا۔ اس کی بستی میں رہنے والے دنیادار لوگ اس کے سرمائے سے متاثر ہو کر اس کے سرمائے کی حصول کی تمنا کیا کرتے تھے۔ لیکن اہلِ علم بستی کے لوگوں کی اس خواہش کو رد کرتے اور ان کو کہتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملنے والا ثواب قارون کے سرمائے سے بہت بہتر ہے۔ مادہ پرست لوگوں کی نگاہیں حقیقت کو پہچاننے سے قاصر رہتیں لیکن پھر وہ وقت بھی آیا جب قارون کو اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ ایسے عالم میں وہی لوگ جو کل تک قارون کے سرمائے کے طلب گار تھے اللہ کا احسان تسلیم کرنے لگے کہ ان کے پاس وہ مال موجود نہیں جو قارون کے پاس تھا ورنہ وہ بھی زمین کے اندر دھنسا دیے گئے ہوتے۔

ابولہب مکہ کا سردار اور چوہدری تھا وہ اپنی چودھراہٹ کے گھمنڈ میں نبی مہرباں حضرت رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو جھٹلاتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو عبرت کا نشان بنا دیا اور رہتی دنیا تک قرآن مجید کے ہر قاری کی زبان پر اس کی تباہی اور بربادی کی آیت کو بھی جاری کر دیا۔

فرعون، ہامان، قارون، شداد، ابوجہل اور ابولہب کا زوال اللہ تبارک وتعالیٰ کی حقیقی بادشاہت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس زمین پر جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نافرمان عبرت کا نشانہ بنے وہیں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندگی کو اختیار کرنے والے بہت سے لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پر اقتدار اور غلبہ عطا فرما دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیل خانے میں موجود تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یک لخت جیل خانے سے نکال کر وزیر خزانہ کی مسند پر پہنچا دیا۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب طالوت کو بھی آناً فاناً بادشاہت کا منصب عطا فرما دیا اور ان کے علم اور تقویٰ کی بدولت ان کو مسلمانوں کا امیر بنا دیا۔ حضرت ذوالقرنین کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پر غلبہ عطا فرمایا دیا۔ اسی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ مکہ اور قریش کی مخالفت اور شقاوت کے باوجود نبی مہرباں حضرت رسول اللہ ﷺ کو بحفاظت مدینہ طیبہ منتقل فرما دیا۔ اور کافروں کے نہ چاہنے کے باوجود دینِ حق کو نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی کے اندر دنیا میں غالب فرما دیا۔ آپ ﷺ کے رفقاء اور تلامذہ میں سے صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو اللہ نے زمین پر غلبہ عطا فرما کر اہلِ فکر ودانش کو یہ بات سمجھا دی یقیناً زمین اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملکیت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح باغیوں کی سرکوبی کرنے پر قادر ہیں اسی طرح زمین پر اپنے مخلص بندوں کو غلبہ عطا فرمانے پر بھی قادر ہیں۔

پاکستان اور دیگر عصری معاشروں میں حکمرانوں کا زوال اور سیاست کی بدلتی ہوئی بساط یقیناً اللہ احکم الحاکمین کی حقیقی بادشاہت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہ لوگ جو قوموں کے اتار اور چڑھاؤ اور انسانوں کے عروج و زوال سے اللہ احکم الحاکمین کی حقیقی بادشاہت کو سمجھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یقیناً وہ اللہ احکم الحاکمین کی تابع داری اور فرمانبردای کا راستہ اختیار کر کے دنیا اور آخرت کی سرخروئی کو اپنا مقدر بنا لیتے ہیں اس کے برعکس جو دنیا کے چند روزہ اقتدار کے نشے میں غرق ہو کر اللہ احکم الحاکمین کی حقیقی بادشاہت کو بھلا دیتے ہیں' اللہ تبارک وتعالیٰ اخروی رسوائی اور ناکامی سے قبل ہی دنیا میں ان کو نشانِ عبرت بنا دیتا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ حقیقی معنوں میں ہمیں اپنی بادشاہت اور لازوال اقتدار کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں دنیا کے نشے میں دھت ہو کر اپنی ذات سے بے نیاز ہو جانے والوں میں شامل نہ فرمائے۔ آمین!

Daily DUNYA Multan, Friday, December 22, 2017



عمران صادق وامین اور فتووں کی مشین

فاختہ
امیر حمزہ
ameer.hamza@dunya.com.pk
SMS: "AHC" (space) message & send to 7575



ویسے تو عمران خان اور میاں نواز دو ایسے سیاستدان ہیں جو سیاست کے میدان میں ہمہ وقت برسرِ پیکار نظر آتے ہیں مگر ان کے ساتھ دو ایسے سیاستدان بھی ہیں جو دونوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ یہ دو سیاستدان شیخ رشید اور حنیف عباسی ہیں۔ شیخ رشید صاحب میاں نواز شریف صاحب کو نااہل قرار دلوانے میں پیش پیش تھے چنانچہ یہ کامیاب ہو گئے۔ جناب حنیف عباسی نے عمران خان صاحب اور جہانگیر ترین کو نااہل قرار دلوانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ حنیف عباسی ستر فیصد ناکام ہو گئے اور تیس فیصد کامیاب ہو گئے۔ ستر فیصد ناکام اس لئے ہوئے کہ عمران خان کو سپریم کورٹ نے صادق وامین قرار دے دیا جبکہ جہانگیر ترین کو نااہل قرار دے دیا۔ جہانگیر ترین کی نااہلی کو ہم نے حنیف عباسی کی 30 فیصد کامیابی اس لئے کہا ہے کہ ترین صاحب یونیورسٹی کے پروفیسرز، زمیندار اور صنعتکار ہیں۔ لندن میں حلال کی ایک کمائی ظاہر نہ کرنے کی وجہ سے نااہل ہوئے ہیں۔ ان کا جمہوری رویہ سامنے آیا جو انتہائی قابلِ تحسین ہے کہ جہانگیر ترین جو تحریک انصاف کے سیکرٹری جنرل تھے انہوں نے فوراً یہ عہدہ چھوڑ دیا۔ لہٰذا میرے خیال میں حنیف عباسی کی کامیابی کے نمبر اور کم ہو گئے۔ اب ان کی کامیابی صرف پندرہ فیصد رہ گئی۔ یوں شیخ رشید صاحب سو فیصد کامیاب ہوئے تو حنیف عباسی صرف 15 فیصد کامیابی حاصل کر سکے۔

سپریم کورٹ آف پاکستان نے عمران خان کو صادق وامین قرار دیا تو اس کا سبب بھی واضح کیا کہ وہ عوامی خدمت کے کسی سیاسی عہدہ پر فائز ہی نہیں رہے لہٰذا اقتداری کرپشن کا ان سے کیا تعلق؟ اسی طرح بنی گالہ میں انہوں نے جو گھر بنایا وہ ان کی سابقہ اہلیہ جمائمہ صاحبہ نے ان کو تحفہ دیا۔ لندن کا فلیٹ خان صاحب نے اپنی کرکٹ کی کمائی سے لیا۔ یوں عمران خان سیاست کے میدان میں واحد لیڈر رہیں جن کو پاکستان کی سب سے بڑی عدالت نے صادق و امین قرار دیا ہے۔ یوں اب تحریک انصاف والے عمران خان کو صادق وامین کہہ کر اپنی پارٹی کے انصاف کے ترازو کو مزید بلند کر سکتے ہیں۔ یہ موقع حنیف عباسی کی رٹ نے فراہم کیا ہے لہٰذا عمران خان کے لئے جناب حنیف عباسی کی مندرجہ بالا خدمت کو ملاحظہ کیا جائے تو محسوس مجھے یہ ہوتا ہے کہ میاں نواز شریف میرے دیے ہوئے پندرہ نمبر بھی واپس لے لیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو جناب حنیف عباسی کی کامیابی زیرو ہو جاتی ہے۔ اسے مکمل ناکامی بھی کہا جا سکتا ہے۔

یاد آیا محترمہ بے نظیر بھٹو مرحومہ کا دورِ حکومت تھا جب شوکت خانم ہسپتال میں بم دھماکہ ہوا تھا۔ ان دنوں میں محترم عمران خان کی خدمت میں اظہارِ افسوس کے لئے حاضر ہوا تھا۔ ساتھ انگریزی ترجمے والا ایک قرآن بھی ان کی اہلیہ محترمہ کے لئے لے گیا تھا۔ ان دنوں خان صاحب اور جمائمہ صاحبہ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ وہ ایک ارب پتی باپ کی بیٹی تھیں۔ لیڈی ڈیانا کی سہیلی تھیں۔ ان کے ہمراہ ہسپتال دیکھنے آئیں اور عمران خان کے جذبہ انسانیت کو دیکھ کر مسلمان ہوئیں اور اسلام اور پاکستان کی بیٹی یوں بن گئیں کہ خان صاحب کی اہلیہ بن گئیں۔ آج خان صاحب صادق وامین ٹھہرے ہیں تو جمائمہ کے تعاون سے صادق وامین ٹھہرے ہیں کہ انہوں نے لندن سے جو رقم منگوائی تھی اس کا ثبوت عدالت کو فراہم کر دیا۔ یہی رونا خان صاحب اپنی تقریروں میں رویا کرتے تھے کہ میں تو باہر سے پیسہ پاکستان لایا اور حلال کا پیسہ لایا جبکہ میرے مخالف پاکستان سے پیسہ باہر لے کر گئے اور حرام کا مال لے کر گئے۔ میں اور یہ لوگ برابر کیسے ہو گئے؟ خان صاحب اب سینے پر ہاتھ مار کر کہہ سکتے ہیں کہ میں سپریم کورٹ کا رجسٹرڈ صادق وامین ہوں۔

یہاں جمائمہ خان کے کردار کو خراجِ تحسین پیش نہ کیا جائے تو اس سے بڑھ کر بخل اور تنگ دلی نہ ہو گی کہ خواتین کا جو عمومی مزاج ہے وہ تو الزام تراشی کا ہے۔ خاوند سے شکوہ ہو تو بیوی ہوتے ہوئے بھی جگہ جگہ خاوند کی بدنامی کا ہے۔ جمائمہ اپنے سابق شوہر عمران خان کی مطلقہ ہو گئیں مگر شکوے کا ایک جملہ نہ بولا۔ اپنے دونوں بچوں کو اپنے حق میں کر کے باپ کے خلاف نہ کیا بلکہ باپ کا فرمانبردار بنایا۔ عمران خان نے ریحام خان سے شادی کی تب بھی اس نے ہونٹوں کو سوئی دھاگے سے پروئے رکھا۔ طلاق ہوئی تب بھی کوئی طعنہ نہ دیا۔ اس کے برعکس سابق شوہر پر مشکل وقت آیا تو حق کا ساتھ دیتے ہوئے ثبوت فراہم کر دیا۔ حقیقت یہ ہے جمائمہ کے اس روپ کو کوئی مغربی کہے یا مشرقی کہے، میں اسے خالص اسلامی روپ کہوں گا؛ انسانی روپ کہوں گا؛ فطری، حقیقی اور ملکوتی روپ کہوں گا۔ وہ روپ جس کو مرد حضرات چھوڑ چکے۔ جس کو ہماری قوم کے لیڈر چھوڑ چکے۔ وہ سیاسی رہنما ہوں یا مذہبی راہبر، چند خوش قسمتوں کے سوا سب کے اخلاق ویرانے میں کھڑے ہو چکے۔ وہ گالیوں پر اتر آتے ہیں، طعنوں کو کلچر بناتے ہیں، فتووں کی مشین چلاتے ہیں۔ مسئلہ تو محض سیاسی مارکیٹ ہے مگر فتوے ارتداد کے، کفر کے اور یہودی قرار دینے کے۔ آہ! میری قوم کے نونہال ایسے لوگوں کو رہنما اور لیڈر مان کر جب میرے مرنے کے بعد لیڈر بنیں گے تب لیڈر کیسے ہوں گے، میں یہ سوچ کر ہی رنجیدگی اور غم کی تلاطم خیز دھینگا مشتی میں اپنے رخسار اور اپنے چہرے کو بچانا شروع کر دیتا ہوں کہ کسی مشین کا قیمہ نہ بن جاؤں، کسی مضبوط ٹانگ کا شکار نہ ہو جاؤں۔

حضورؐ نے فرمایا "اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ" مومن الفت کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ (مسند احمد: حسن) مزید فرمایا! "اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ" مومن چالاکوں کی چالاکی سے ناآشنا شریف النفس اور نرم دل ہوتا ہے۔ چالاکوں کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا! "وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِیْمٌ" فاجر شخص (دینی اور اخلاقی اقدار کو پھاڑنے والا) دھوکہ باز اور مکر وفریب والا ہوتا ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ: حسن)

میرے حضورؐ کے صحابہ کیسے تھے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا کردار ملاحظہ ہو۔ انہوں نے گھر میں بکری ذبح کی پھر وہ کسی کام کے لئے گھر سے باہر چلے گئے، کچھ دیر کے بعد گھر تشریف لائے تو اپنے گھر والوں سے کہنے لگے، تم لوگوں نے اپنے یہودی پڑوسی کے گھر گوشت کا تحفہ بھیجا ہے؟ دوبارہ مذکورہ جملہ بولتے ہوئے کہا: میں نے اللہ کے رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے حضرت جبریل لگاتار مجھے پڑوسیوں کے بارے میں حسن سلوک کی وصیت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مجھے گمان ہونے لگ گیا کہ اللہ تعالیٰ پڑوسی کو وراثت میں حصہ دار بنا دیں گے۔ (ابوداؤد: حسن)۔ جی ہاں! صحابہ نے یہودی پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کر کے بتلا دیا کہ حضورؐ کی منشا یہ ہے کہ پڑوسی یہودی ہو یا مسیحی، ہندو ہو یا سکھ اس کے ساتھ حسن سلوک اسلام ہے۔ مگر ہم کیسے لوگ ہیں کہ جمائمہ آئی تو طعنے، اب وہ لندن میں بیٹھی ہے تو طعنے۔ سوچتی تو یقیناً ہو گی، میں مسلمان ہوں مگر مسلمان میری جان نہیں چھوڑ رہے۔ فتویٰ یہی ہے میں یہودن ہوں (اللہ کی پناہ ایسے رویوں سے)۔ بتلاؤ کون ہماری دعوت سے مسلمان ہو گا۔ حکومت نے فتووں کی مشین بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ کرے وہ کامیاب ہو۔ خارجیوں نے انہی فتووں سے مسلمانوں کو بم دھماکوں سے اڑایا۔ ابھی کوئٹہ میں مسیحی برادری کا چرچ لہولہان کر دیا۔ میرے حضورؐ کے صحابہ پڑوسیوں کے ساتھ کیا کر رہے ہیں اور اسلام کا نام لے کر دہشت گرد کیا کر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔ اے مولا کریم جی! ہمیں ایسا مومن بنا دیجئے جو الفت ومحبت کا مرکز ہو کیونکہ آپ کے حبیبؐ نے فرمایا ہے "اس مسلمان میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں جو نہ انسانیت سے الفت کرتا ہے اور نہ ایسے (خشک زدہ) مسلمان سے (انسانیت) الفت کرتی ہے۔ (مسند احمد: حسن)



اصلی اور جعلی نبوت کا فرق

سب سے پہلے انسان اور رسولوں میں پہلے رسول اور نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ہمارے رسول گرامی خاتم الانبیاء حضرت محمد کریمؐ نے انسانیت کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد ایک اہم ترین واقعہ سے پردہ اٹھایا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی اولاد کو کس طرح سے پیش کیا گیا۔ اور دوسرا واقعہ ان کے پاس ''مَلَکُ الْمَوْت'' کی حاضری ہے کہ جب موت کا فرشتہ ان کے پاس آیا تو ان کا ردعمل کیا تھا؟......

''حضرت ابوہریرہؓ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی کمر پر ہاتھ پھیرا، چنانچہ قیامت تک کے لئے ان کی اولاد میں سے ہر ذی روح کہ جس کو اللہ تعالیٰ پیدا فرمانے والے تھے وہ گر پڑے (یعنی آدم علیہ السلام کی پشت میں تمام انسانوں کا جو ڈیٹا تھا، وہ حقیقت بن کر سامنے آ گیا) صورتحال یہ تھی کہ ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان روشنی کا ایک نشان تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد کو (ان کے والد) حضرت آدمؑ کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام، اللہ سے سوال کرنے لگے، یہ لوگ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے بتلایا، یہ تمہاری اولاد ہے۔ اولاد پر نظر ڈالتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان جو نورانی نشان تھا وہ بہت ہی خوبصورت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا، رب کریم! یہ بندہ کون ہے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتایا، تیری اولاد میں سے جو آخری امتیں ہوں گی یہ بندہ ان میں سے ہوگا۔ اس کا نام داؤد ہوگا۔ مولا کریم! اس کو عمر کتنی دی ہے؟ فرمایا، ساٹھ سال۔

فاختہ
امیر حمزہ
ameer.hamza@dunya.com.pk
SMS: "AHC" (space) message & send to 7575

حضرت آدم علیہ السلام (یہ سوچ کر کہ میرے اس قدر خوبصورت، اعلیٰ کردار اور حسین بیٹے کی عمر کم ہے) عرض کرنے لگے، مولا کریم جی! اس کو میری زندگی سے چالیس سال دے دیجئے۔ پھر جب آدم علیہ السلام کی زندگی اختتام کو پہنچی (ایک روایت کے مطابق ہزار سال عمر تھی، چالیس سال پہلے ہی) موت کا فرشتہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آ گیا تو حضرت آدم علیہ السلام اسے دیکھ کر کہنے لگے، میری عمر کے ابھی چالیس سال باقی ہیں (تم پہلے ہی کیوں آ گئے؟) موت کا فرشتہ کہنے لگا، جناب والا نے اپنے بیٹے داؤد کو چالیس سال دے دیئے تھے (لہٰذا میں درست وقت پر آیا ہوں) اللہ کے رسول حضرت محمد کریمؐ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے فرشتے کی بات ماننے سے انکار کر دیا، چنانچہ ان کی اولاد بھی اب اسی طرح ہی انکاری ہو جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام بھول گئے تھے۔ ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام غلطی کر بیٹھے تھے (جنت کا ممنوعہ پھل کھا کر) چنانچہ ان کی اولاد بھی غلطی کر جاتی ہے (ترمذی:3076 حسن)

قارئین کرام! معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے بندے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی عمر بتلا دی تھی، یہی وجہ ہے کہ جب فرشتہ چالیس سال پہلے آ گیا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ میرے تو 40 سال ابھی باقی ہیں۔ وہ الگ بات ہے کہ بھول کر غلطی کر بیٹھے۔ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اگرچہ جنت اور اس کی نعمتوں کو دیکھ رکھا تھا مگر یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ اس دنیا میں بیوی بچوں کو چھوڑنا بہرحال ایک ناگوار صورتحال ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ آدمؑ نے سوچا ہوگا جنت میں ذرا دیر بعد ہی چلے جائیں گے۔ فی الحال حضرت حوا اور اپنے بچوں کو تو نہ چھوڑیں...... مگر کب تک؟ آخر چھوڑنا ہی ہوگا۔

'' (چالیس سال بعد) ان کی موت کا جب وقت آ گیا تو اپنے بیٹوں سے کہنے لگے، بیٹو! جنت کے پھل کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ اب بیٹے (کیلا، انار، انگور، کھجور وغیرہ کی) تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں سامنے (انسانی حلیے میں) فرشتے آ رہے ہیں۔ ان کے پاس لباس اور خوشبوئیں ہیں۔ کدالیں، کسیاں اور کلہاڑے ہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں کدھر کو جا رہے ہو؟ بیٹے کہتے ہیں: ابا جی بیمار ہیں، جنت کے پھلوں کی خواہش کر رہے ہیں۔ فرشتے کہنے لگے، ہمارے ساتھ واپس آ جاؤ، تمہارے باپ کے اگلے جہان جانے کا ٹائم آ گیا ہے۔ اب جب گھر آمد پر حضرت حوا نے انہیں دیکھا تو پہچان لیا اور وہ (اپنے خاوند) حضرت آدمؑ کے ساتھ چمٹ گئیں۔ حضرت آدمؑ حوا سے کہنے لگے، تجھ سے پہلے جانے کا جو مجھے وقت دیا گیا تھا وہ آ چکا۔ اب میرے اور میرے رب کریم کے فرشتوں کے درمیان سے ہٹ جا۔ ساتھ ہی فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح کو قبض کر لیا۔ غسل دیا، کفن دیا، خوشبو لگائی، قبر کی لحد بنائی، جنازہ پڑھا، پھر قبر میں اترے، حضرت آدم علیہ السلام کی میت کو رکھا، لحد کو کچی اینٹوں سے بند کر دیا، اوپر مٹی ڈال دی اور ''یَا بَنِی اٰدَمَ ھٰذِہٖ سُنَّتُکُمْ'' آدمؑ کے بیٹوں سے کہا، یہ ہے تم لوگوں کی تدفین کا طریقہ (الجامع الکامل، حدیث حسن، رواہ عبداللہ بن احمد:21240)

قارئین کرام! حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے محبوب، لاڈلے اور جلالی طبیعت کے حامل بندے اور رسول تھے۔ ہمارے پیارے ختم المرسلین حضرت محمد کریمؐ نے ان کی وفات کا واقعہ اپنی امت کو کس طرح بتلایا ہے، آیئے! ملاحظہ کرتے ہیں۔ فرمایا'' موت کا فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس (انسانی شکل) میں آیا اور کہنے لگا، اپنے رب کی دعوت کو قبول کرو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتے کی آنکھ پر مکا دے مارا اور آنکھ پھوڑ ڈالی۔ فرشتہ واپس اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا، آپ نے مجھے اپنے جس بندے کی جانب بھیجا، موت اس کے ارادے میں نہیں۔ اس نے تو میری آنکھ ہی نکال دی۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو درست فرما دیا اور حکم دیا کہ میرے اسی بندے کے پاس واپس جاؤ اور اسے کہو، جناب آپ زندگی چاہتے ہیں تو اس طرح کرو کہ اپنا ہاتھ بیل کی کمر پر پھیر لو۔ جتنے بال تمہارے ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے اتنے سال زندہ رہ لو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پوچھنے لگے، پھر؟ کہا پھر موت۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے چلو پھر ابھی چلتے ہیں۔'' (مسلم:2373، بخاری:3407)

قارئین کرام! معلوم ہوا موت کا فرشتہ جب نبیوں کے پاس آتا ہے تو اجازت لے کر آتا ہے۔ جی ہاں! اگر عموم نہیں تو پھر خصوص یہ ہے کہ جلیل القدر رسولوں کے پاس اجازت سے ہی آتا ہے۔ آیئے! اب حضرت داؤد علیہ السلام کا آخری ٹائم حضرت محمد کریمؐ کے فرمان کے مطابق ملاحظہ کرتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام باہر سے گھر آئے تو کیا دیکھا، صحن کے درمیان بندہ کھڑا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے پوچھا، تم کون ہو؟ (کہ شاہی محل میں بغیر اجازت کے اندر کس طرح داخل ہو کر کھڑے ہو، ایسی جرأت؟) بندہ کہنے لگا، میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا۔ میں وہ ہوں جس کے سامنے کوئی رکاوٹ حائل نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا، ہاں! اللہ کی قسم! تب تم موت کے فرشتے ہو۔ اللہ کے حکم کو خوش آمدید۔ ساتھ ہی حضرت داؤد علیہ السلام دوڑے اور اس جگہ پہنچے جہاں موت کے فرشتے نے ان کی روح کو قبض کر لیا (مسند احمد:9432)

قارئین کرام! معلوم ہوا حضرت داؤد علیہ السلام اپنے محل میں اپنی پسندیدہ جگہ پر تشریف لے گئے اور وہاں سے موت کے فرشتے نے ان کی روح کو قبض کر لیا۔ اسی طرح سارے نبیوں کے سردار حضرت محمد کریمؐ نے اپنے صحابہ کو پہلے ہی واضح کرنا شروع کر دیا تھا کہ میں دنیا سے جا رہا ہوں اور پھر اللہ کا بھیجا ہوا آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کو اختیار دیا کہ جب تک چاہو زندگی لے لو اور چاہو تو ابھی آ جاؤ...... ہمارے حضورؐ نے اللہ سے ملاقات کو پسند فرمایا اور حجرہ عائشہؓ جو جنت کا ٹکڑا ہے، وہاں سے حضورؐ اپنے مولا کریم کے پاس تشریف لے گئے اور ختم المرسلین کا روضہ مبارک قیامت تک کے لئے ہر مومن کی نگاہ کا نور اور دل کا سرور ہے۔

قارئین کرام! لاہور شہر میں برانڈرتھ روڈ کی رام گلی کے ایک مکان کی لیٹرین میں جعلی نبی مرزا قادیانی موت سے دوچار ہوا۔ قادیانیوں سے سوال ہے کہ اگر وہ سچا تھا تو موت کے فرشتے سے بستر تک جانے کی مہلت تو حاصل کر لیتا؟ کہاں سچے انبیاء اور کہاں مسیلمہ کذاب اور قادیانی دجال؟

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء، گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں

ہم سمجھتے ہیں ختم نبوت کی آئینی شقوں کے ساتھ جن لوگوں نے کھلواڑ کی کوشش کی ہے ان کو سامنے ضرور لایا جانا چاہئے۔ آئینی احترام کا تقاضا یہی ہے کہ جعلی نبوت کے ہمدردوں کا پردہ چاک ہو۔



میرا شہید بھتیجا کیپٹن حسنین نواز

میں محمد نواز گوہر کے گھر پہنچا، کئی سالوں بعد آج ملاقات ہو رہی تھی۔ ہم دونوں بغلگیر ہوئے اور کتنی ہی دیر تک یونہی کھڑے رہے۔ محمد نواز گوہر نے کہا، حمزہ یار! تیرے بھتیجے حسنین نے ننکانہ کی سرزمین کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ جنت میں اکٹھے جائیں گے۔ حسنین اپنے باپ محمد نواز اور چچا امیر حمزہ کو جنت میں لے جائے گا۔ میں نے کہا: کیا شک ہے حسنین میرا بھتیجا ہے، ہم جنت میں اکٹھے جائیں گے (ان شاء اللہ) اور ایک بار پھر ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ گئے۔

قارئین کرام! کیپٹن حسنین شہید کی عظیم شہادت اور اس کے عالمی اثرات پر گفتگو ذرا بعد میں...... پہلے یہ عرض کر دوں کہ میرا آبائی شہر ننکانہ صاحب ہے۔ حسنین کے والد محمد نواز اور میں نے گورنمنٹ گورونانک ہائی سکول سے میٹرک کیا۔ ہم دونوں دوست تھے۔ دونوں کا ذہن اسلامی اور دینی تھا۔ سکول میں ہمارے درمیان بحث بھی ہوتی مگر محبت، دوستی اور احترام کا رشتہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ سکول کے بعد ہم دونوں گورنمنٹ ڈگری کالج میں داخل ہو گئے۔ میں تو چند ماہ پڑھنے کے بعد مدرسہ میں داخل ہو گیا جبکہ محمد نواز صاحب نے ایم اے اسلامیات کر لیا۔ پھر وہ مرحلہ بھی آیا جب کالونی شاد باغ کی دو مسجدوں میں ہم نے خطابت شروع کر دی۔ جمال مصطفیٰ مسجد میں محمد نواز صاحب تھے اور مبارک مسجد میں مَیں تھا۔ محبت اور پیار کا رشتہ مزید گہرا ہوتا چلا گیا۔ پھر میں لاہور چلا آیا تو فراق کے دن برسوں پر پھیل گئے۔ محمد نواز کہنے لگے، حمزہ صاحب! معلوم ہے جب آپ نے زندگی میں پہلی کتاب ''باوانِ توحید'' لکھی تو اس کا ایک نسخہ مجھے دیا۔ وہ آج تک میری لائبریری میں موجود ہے۔ میں آپ کو اخبارات اور ٹی وی پر دیکھتا اور خوش ہوتا تھا کہ میرا بھائی بہت آگے چلا گیا۔ اب تو ملنے سے بھی گیا۔ میں نے کہا: آج میں آپ کے ہاں آیا ہوں تو حسنین کی شہادت نے آپ کو سارے پاکستان کے لوگوں میں ایک ممتاز مقام سے نواز دیا ہے۔ آج میرے لئے فخر ہے کہ میں اپنے عظیم بھائی سے ملنے آیا ہوں، جو میرے شہید بھتیجے کا باپ ہے۔ ایسا شہید کہ جس کی شہادت نے بین الاقوامی سفارتی ہواؤں کا رخ بدل کر رکھ دیا ہے۔



حسنین کی شہادت سے چند دن قبل ماحول کچھ ایسا تھا کہ امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے پاکستان کو دھمکیاں دے ڈالی تھیں کہ افغانستان میں ہماری ہزیمت کا ذمہ دار پاکستان ہے۔ اس کے لئے آخری موقع ہے، ہم ہر حد تک جائیں گے یعنی سفارتی زبان میں یہ جنگ کی دھمکی تھی۔ ایسی کشیدگی اور دھمکی کے ماحول میں امریکہ نے اچانک پاکستان سے رابطہ کیا اور مجبوراً کیا...... رابطے میں ایک پیغام تھا۔ پیغام میں درخواست اور لجاجت تھی کہ ہمیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ہماری ایک فیملی پچھلے پانچ سالوں سے افغانستان میں اغوا کاروں کے پاس تھی، ہماری انٹیلی جنس رپورٹ اور ڈرون طیارے سے لی گئی فلم کے ذریعے اس وقت کی صورتحال یہ ہے کہ اغوا کار اس فیملی کو افغانستان کے صوبہ پکتیا سے کرم ایجنسی میں منتقل کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ فیملی کار کی ڈگی میں بند ہے۔ ان سے مقابلہ ہوا تو یہ لوگ فیملی کو قتل کر دیں گے۔ ڈگی میں جوشوا اور اس کی بیوی کیٹلان کے علاوہ ان کے تین بچے بھی بند ہیں۔ پلیز مدد کریں اور انہیں بحفاظت بازیاب کروائیں۔ ادھر پاک فوج نے مظلوموں کی مدد کا مثبت جواب دیا اور پھر اس فیملی کو بازیاب کروانے کے لئے کیپٹن حسنین کو اس آپریشن کی کمانڈ سونپ دی گئی۔ کیپٹن حسنین نے سکیورٹی کا جال بن دیا۔ جوانوں کو ہدایات دیں کہ ڈگی کو ہر صورت محفوظ رکھنا ہے۔ یوں دہشت گردوں کو ایک جھڑپ کے بعد پار لگا دیا گیا اور کینیڈین خاندان کو محفوظ و مامون کینیڈا میں پہنچایا گیا۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ خود میڈیا کے سامنے نمودار ہوئے۔ پاکستان کی تعریف کی، شکریہ ادا کیا اور پاکستان کے کردار کو سراہا۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے پاک امریکہ تعلقات میں تناؤ ختم ہو گیا۔ چند دن کے بعد امریکی سفیر نے پاک آرمی کے سربراہ جنرل قمر جاوید باجوہ سے ملاقات کی۔ جنرل صاحب ٹانگ پر ٹانگ رکھے، چھڑی ہاتھ میں تھامے قدرے شان بے نیازی سے بیٹھے ہیں اور امریکی سفیر فدویانہ انداز میں بیٹھے ہیں۔ یہ بہت بڑا پیغام ہے اور اس پیغام کے پیچھے میرے بھائی اور دوست محمد نواز کے جگر گوشے میرے بھتیجے حسنین نواز کا پاکیزہ خون ہے۔ اس خون نے بین الاقوامی سطح پر پاکستان کو قدآور بنا دیا ہے۔ قدآور آرمی چیف کے قد کو اور اونچا کر دیا ہے۔

دنیا بھر کے لوگو! ایک بات پر غور کرو، اغوا ہونے والا خاندان پاکستان سے افغانستان میں داخل نہیں ہوا۔ یہ وسط ایشیا کے ملک ازبکستان سے ترمذ کے راستے افغانستان میں آئے اور پھر کابل کے نواح میں اکتوبر 2012ء میں اغوا ہوئے۔ پانچ سال تک افغانستان میں رہے۔ ان کی ویڈیوز جاری ہوتی رہیں۔ تاوان مانگا جاتا رہا اور امریکہ اپنے ناٹو ساتھیوں کی موجودگی کے باوجود ان کو رہا نہ کروا سکا۔ خارجی دہشت گرد جو امریکی اور بھارتی تعاون سے ہی افغانستان سے پاکستان آ کر دہشت گردی کرتے ہیں۔ انہی کے ایک باغی گروپ نے یہ کام کیا۔ امریکہ کو ویسے اب اپنی ناکامی اور شکست کا اعتراف کر کے افغانستان سے نکل جانا چاہئے۔ جی ہاں! اس فیملی کو بھی معلومات ملنے کے باوجود رہا نہ کرا سکا۔ اس کو محفوظ و مامون طریقے سے رہا کروایا تو محمد نواز گوہر کے لخت جگر حسنین نواز نے رہا کروایا۔ نواز گوہر کو میرے اللہ نے واقعی گوہر یعنی ایک موتی سے نوازا۔ امریکی صدر ٹرمپ اور کینیڈین وزیراعظم جسٹن کو چاہئے کہ محمد نواز گوہر کو واشنگٹن اور ٹورنٹو آنے کی دعوت دیں اور سلیوٹ کریں۔ تشکر کا حق تو اسی طرح ادا ہو گا۔ باقی ان کی مرضی۔ وزیراعظم جسٹن تو انسانیت کے ہمدرد ہیں۔ ٹرمپ کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کیا ہیں۔

کیپٹن حسنین نے اب ایک اور کام کیا۔ اس نے سوچا کہ کرم ایجنسی میں یہ لوگ تبھی آ رہے تھے کہ یہاں ان کے سہولت کار موجود ہوں گے۔ چنانچہ حسنین نے ڈیوٹی نہ ہونے کے باوجود سہولت کاروں کا پتا چلایا اور مذکورہ علاقے میں سہولت کاروں کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ دہشت گرد اور سہولت کاروں کی بچھائی ہوئی بارودی سرنگیں کلیئر کر کے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک بارودی سرنگ کا دھماکہ ہو گیا۔ کیپٹن کے ہمراہی جوان زخمی ہو گئے۔ وہ واپس مڑے اور زخمیوں کو اٹھایا۔ پھر وقفے کے بعد دوسرا دھماکہ ہوا تو اس کے زخمیوں کو اٹھانے چل کھڑے ہوئے۔ اس سے فارغ ہوئے تو تیسرا دھماکہ ہو گیا۔ ساتھیوں نے منع کیا، سر آپ نہ جائیں لیکن حسنین جو چھوٹی عمر میں ہی میجر رینک کا کورس کر چکا تھا اور 3 جنوری 2018ء کو میجر کی پوسٹ پر پروموٹ ہونے والا تھا، کے سامنے جنت تھی۔ وہ پھر چل کھڑا ہوا۔ اب کے ایک اور دھماکہ ہوا اور حسنین زخمی ہوا۔ پانی لایا گیا تو اس نے کہا، پہلے دوسروں کو دو۔ اس نے اسلامی تاریخ کے واقعے کو زندہ کیا۔ حسنین کو ہسپتال لے جایا جا رہا تھا، خون تیزی سے بہہ رہا تھا، گھر میں اپنی ماں کو وہ پہلے ہی پیغام دے چکا تھا۔ واپس آ گیا تو غازی، نہ آیا تو شہید۔ بیٹے کا خیال، اپنا خیال رکھنا، میں پاک جھنڈے میں آؤں گا، ملاقات کر لینا۔ آخری وقت اس نے کلمہ پڑھا اور فردوس بریں کی طرف پرواز کر گیا۔ (ان شاء اللہ)

بہن ساجدہ نواز مجھے بتلا رہی تھیں۔ حمزہ بھائی! شہادت سے چند دن قبل اس نے مجھے خواب سنایا کہ ایک خوبصورت ترین مجلس ہے، صحابہ کرامؓ موجود ہیں۔ چاروں خلفاءؓ موجود ہیں۔ میں سب کے چہرے اور نام پہچانتا ہوں۔ ایک بلند مسند پر اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما ہیں لیکن آپؐ کے گرد نور اور تجلیات کا ہالہ ہے جو آسمان کی جانب بلند ہو رہا ہے۔ حضور ﷺ کا سفید لباس روشنیوں سے اس قدر منور ہے کہ آپ کا چہرہ مبارک دکھائی نہیں دیتا...... میں نے حسنین شہید کی والدہ محترمہ سے عرض کیا، تعبیر یہ ہے کہ حسنین کو جنت میں اعلیٰ مقام ملا ہے اور حضور ﷺ کی مجلس میں باریابی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ دونوں خوش قسمت ہیں۔ محمد نواز صاحب بولے، چچا حمزہ بھی خوش قسمت ہے۔ جنت میں لے جانے کے لئے حسنین آئے گا تو اکٹھے جائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

2 دسمبر کو مجھے اپنے قریبی دوست حافظ قاری [...]
کے نکاح کی تقریب میں شرکت کا موقع ملا جس کا انعقاد لالہ موسیٰ کے ایک مقامی شادی ہال میں کیا گیا تھا۔ نماز عصر کے بعد ہونے والی اس تقریب میں گجرات بھر سے نمایاں سیاسی اور مذہبی شخصیات شریک ہوئیں۔ سابق وفاقی وزیر قمر زمان کائرہ، تنویر اشرف کائرہ، قاضی عبدالقدیر خاموش اور حافظ ذاکر الرحمٰن صدیقی کے علاوہ بھی بہت سی اہم مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات اس موقع پر موجود تھیں۔ اس تقریب میں مجھے نکاح پڑھانے کے ساتھ ساتھ حاضرین کے سامنے نکاح کی ضرورت، اہمیت اور آداب کے حوالے سے اظہارِ خیال کی بھی دعوت دی گئی۔

اس موقع پر میں نے اسلام کے تصورِ عفت وعصمت اور نکاح کی اہمیت کو دوست احباب کے سامنے اجاگر کرنے کی کوشش کی اور سامعین کے سامنے اس بات کو رکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان میں بہت سے خصائص، صلاحیتوں اور جبلی تقاضوں کو ودیعت کیا ہے۔ یہ جبلی تقاضے انسان میں ایک توانائی اور حرکت کو پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ اور سبب ہیں اور انسان اِن تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی بہت سی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ چنانچہ بھوک اور پیاس کو مٹانے کے لیے کاروبارِ زندگی کو چلایا جاتا ہے' اسی طرح اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے لوگ جائز اور ناجائز راستوں کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ سلیم الطبع لوگ ہمیشہ رزق حلال کھانے کو ہی پسند کرتے اور اسی کی طرف اپنے اہل خانہ، دوست احباب اور متعلقہ لوگوں کو راغب کرتے ہیں۔ کوئی بھی شخص جو لوٹ کھسوٹ کا مال جمع کرے' یتیموں اور بیواؤں کی حق تلفی کرے اور دوسروں کا حق مار کے اپنی تجوری میں رقم جمع کرے لوگ اس کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس طرح رزق حرام کھانا اچھی فطرت کے لوگوں کی نظر میں ایک قبیح فعل ہے، اسی طرح بدکرداری کا ارتکاب کرنا بھی ایک انتہائی ناپسندیدہ امر ہے اور اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے اتنی ہی کم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر32 میں ارشاد فرمایا ''اور تم زنا کے قریب مت جاؤ۔'' گویا کہ زنا کرنا ایک ناپسندیدہ عمل ہے، اس کے قریب جانے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ زنا سے بچاؤ کے لیے اسلام نے پردے داری کے ساتھ ساتھ نکاح کا تصور پیش کیا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر بدکرداری سے بچا جا سکتا ہے۔ بخاری ومسلم شریف کی روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو کوئی استطاعت رکھتا ہو وہ ضرور شادی کرے کیونکہ یہ (شادی) نگاہوں کو بہت جھکانے والی اور شرم گاہ کی خوب حفاظت کرنے والی ہے اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزہ رکھے، پس یہ اس کے لیے ڈھال ہوگا۔

اسلام میں داماد اور بہو کے انتخاب کے لیے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ بڑے واضح ہیں کہ ان کا دین اور اخلاق اچھا ہونا چاہیے۔ جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ارشاد ہوا: ''اگر تمہارے ہاں کوئی ایسا آدمی نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس کے ساتھ اپنی (بہن، بیٹی) کی شادی کر دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد پھیلے گا۔'' حدیث پاک میں دین اور اخلاق کے اکٹھے ذکر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دین کا تعلق حقوق الٰہی اور اخلاق کا تعلق انسانوں کے حقوق کے ساتھ ہے۔ جب ہم ایسے شخص کو پالیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو احسن طریقے سے ادا کرنے والا ہو تو اس کے نکاح کر دینا چاہیے۔ یہی معاملہ بہو کے انتخاب میں بھی ہے کہ عورت کے جمال، حسب اور مال کے مقابلے میں اس کے دین کو ترجیح دینی چاہیے۔ اگر دین کی پختگی کے ساتھ دیگر خصائص بھی حاصل ہو جائیں تو بہت بہتر ہے۔ لیکن دین کو قربان کر کے باقی اوصاف والی بہو کو لانا کسی بھی طور پر درست نہیں۔ عصر حاضر میں معاشرتی بگاڑ کی بہت بڑی وجہ رشتوں کا غلط چناؤ ہے۔ ہم بالعموم اُن رشتوں کو منتخب کرتے ہیں کہ جن کے پاس مال ودولت اور دنیاوی اسباب تو موجود ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس دین اور کردار کی نعمت نہیں ہوتی۔ بہو اور داماد کے درست انتخاب کے بعد میں نے خطبہ مسنونہ کے ساتھ پڑھی جانے والی آیات کی روشنی میں نکاح کے دن اور بعد میں آنے والی زندگی کے حوالے سے اپنی چند گزارشات کو سامعین کے سامنے رکھا۔ خطبہ نکاح میں پڑھی جانے والی آیات درج ذیل ہیں:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے (ایسے) ڈرو (جیسا کہ) اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور نہیں ہرگز [...] مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ (سورہ آل عمران: آیت نمبر102)

اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے ایک جان (آدم) سے اور اس نے پیدا کیا اُس (جان) سے اس کا جوڑا اور پھیلا دیے اُن دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے جو (کہ) تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اس کا واسطہ دے کر اور رشتوں (کو توڑنے) سے (بھی ڈرو) بے شک اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔ (سورہ نساء: آیت نمبر1)

اللہ سے ڈرو اور بالکل سیدھی بات کہو۔ وہ درست کر دے گا تمہارے لیے تمہارے اعمال اور وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو یقیناً اس نے کامیابی حاصل کی بہت بڑی کامیابی۔ (سورہ احزاب:70، 71)

قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ان تین آیات کو چنا گیا۔ جب ان آیات کے مفہوم پر غور کیا جاتا ہے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان آیات کا انتخاب بلاسبب نہیں کیا بلکہ ان آیات میں نکاح والے دن اور بعد میں آنے والی زندگی کا پورا لائحہ عمل اور زندگی گزارنے کے آداب احسن طریقے سے بیان کر دیے گئے ہیں۔ آیات میں درج ذیل نکات بیان کیے گئے ہیں:

دین سے دنیا تک
علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

1۔ اللہ کا خوف: پہلی بات جو ان آیات مبارکہ میں تین مرتبہ بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ اہل ایمان کو اللہ سے ڈر جانا چاہیے۔ کوئی بھی معاہدہ جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ڈر شامل ہو جائے اس میں خیر وبرکت اور بھلائی کے امکانات خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی نکاح جس میں لڑکے کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے تو وہ کبھی بھی لڑکی کے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔ اس طرح اگر لڑکی کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خشیت اور خوف پیدا ہو جائے تو وہ کبھی بھی اپنے خاوند اور سسرال کے بارے میں بری نیت کا اظہار نہیں کرے گی۔

2۔ اسلام پر موت: دوسری بات جو ان آیات مبارکہ میں کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ انسان کو اپنی موت کے وقت کا پتہ نہیں۔ انسان کسی بھی لمحے دنیا سے رخصت ہو سکتا ہے چنانچہ انسان کو ایسی زندگی گزارنی چاہیے کہ اس کو جب بھی موت آئے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تابعداروں میں شامل ہو۔

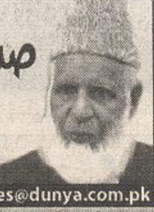
3۔ تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں: تیسری بات جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اور اس میں سے ان کی بیوی کو پیدا کیا۔ نکاح کے موقع پر انسانوں کو اس حقیقت کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ تم ایک باپ آدم اور ماں حوا کی اولاد ہو اور ہمیں اپنے قبیلے اور برادری کو دوسرے قبیلے اور برادری سے بہتر نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خشیت اور خوف کا احساس ہمہ وقت ہمارے دل میں رہنا چاہیے۔

4۔ سیدھی بات کی تلقین: چوتھی بات جو ان آیات مبارکہ میں کہی گئی وہ یہ ہے کہ انسانوں کو سیدھی بات کرنی چاہیے۔ اس کا نتیجہ اعمال کی اصلاح اور گناہوں کی معافی کی شکل میں نکلتا ہے۔ شادی کے موقع پر کئی مرتبہ لڑکے کی آمدن اور اسی طرح کئی مرتبہ لڑکی کی عمر اور تعلیم کے حوالے سے جھوٹ بولا جاتا ہے۔ جب حقیقت کھل جاتی ہے تو عزت، وقار اور تعلقات بری طرح متاثر ہوتے ہیں لیکن اگر سچائی سے کام لیا گیا ہو تو اللہ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم سے اصلاح والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور انسانوں کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

5۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں حقیقی کامیابی ہے: اسی طرح ان آیات مبارکہ میں اس حقیقت کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اس کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ اس آیت میں نکاح کرنے والے لڑکے، لڑکی اور ان کے خاندان کے لیے ایک پیغام ہے کہ اگر وہ یہ بات سمجھتے ہیں کہ کامیابی رسم ورواج کی پیروی یا معاشرتی رویوں کے پیچھے چلنے میں ہے تو ان کا یہ خیال خام ہے۔ بلکہ حقیقی کامیابی اگر حاصل ہوگی تو انہی لوگوں کو حاصل ہوگی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ اس تقریب نکاح کے دوران ملک کی سیاسی اور مذہبی صورتحال کے حوالے سے نمایاں شخصیات کے ساتھ تبادلہ خیال کرنے کا موقع بھی ملا اور خطبہ نکاح کے بعد باضیافت کھانے کے ساتھ یہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔

پانچ سال بیت گئے' 26 دسمبر 2012ء کو پاکستان کے مایۂ ناز سیاستدان اور جماعت اسلامی کے عظیم راہ نما پروفیسر غفور احمد داغِ مفارقت دے گئے۔ ان کی وفات سے یوں محسوس ہوا جیسے جماعت اسلامی کے سر سے سایہ اٹھ گیا ہو۔ جماعت کا ہر کارکن ان کو اپنا بزرگ، مربی اور شفیق راہ نما سمجھتا تھا۔ ان سے راقم کے بہت قریبی نیازمندانہ تعلقات تھے۔ ہر دور میں ان سے بہت کچھ سیکھا۔ وہ سلف صالحین کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔

پہلی بار پروفیسر صاحب کو بالمشافہ 1968ء میں دیکھا۔ اس زمانے میں جماعت اسلامی کراچی کا دفتر آرام باغ میں تھا۔ چوہدری غلام محمد مرحوم کراچی کے امیر اور برادرِ گرامی قدر سید منور حسن قیم تھے جو ہمارے ناظم اعلیٰ رہ چکے تھے۔ دفتری عملے میں سے رجب علی صاحب اور محمد مسلم صاحب سے تعارف تھا۔ مختلف بزرگوں کو دفتر میں دیکھا تو ان احباب سے ان کے بارے میں پوچھا۔ اسی زمانے میں حکیم صادق حسین، حکیم اقبال حسین، پروفیسر غفور احمد اور صابر حسین شرفی صاحب کو قدرے دور سے دیکھا تھا۔ دور سے ان معنوں میں کہ ان کا تعارف تو مجھ سے ہو گیا، اس وقت میرا تعارف ان سے نہ ہو سکا۔ میں لاہور جمعیت کا ناظم تھا اور مرکزی شوریٰ کا رکن بھی، مگر یہ کوئی ایسا اعزاز نہیں تھا کہ ان قائدین سے متعارف ہوتا۔ البتہ بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ چوہدری غلام محمد مرحوم نے کمال شفقت ومحبت سے مجھ سے میرے تعارف اور ذمہ داری کے بارے میں استفسار فرمایا۔ کیا پیاری شخصیات تھیں۔ اللہ ان سب کو غریق رحمت فرمائے۔



صدائے درویش
حافظ محمد ادریس
muhammad.idrees@dunya.com.pk
SMS: HIC" (space) message & send to 7575

پروفیسر غفور صاحب سے براہ راست ذاتی تعارف 1972ء میں ہوا۔ A-5 ذیلدار پارک اچھرہ لاہور میں سردیوں کی ایک دوپہر کو وہ اسلام آباد سے تشریف لائے۔ مجھے صاحبزادہ محمد ابراہیم صاحب کے ساتھ ان سے ملنے کا شرف حاصل ہوا اور باہمی تعارف بھی ہوا۔ پروفیسر صاحب ان دنوں اسلام آباد میں قومی اسمبلی کا اجلاس اٹینڈ کر کے آئے تھے۔ مرکز جماعت میں کم وبیش تمام مرکزی ذمہ داران موجود تھے۔ پروفیسر صاحب نے مولانا کو ان کے کمرے میں جا کر اسمبلی کے حالات وواقعات کی بریفنگ دی۔ پروفیسر صاحب جماعت کے چار رکنی پارلیمانی گروپ کے لیڈر تھے۔ مجھے یاد ہے کہ پروفیسر صاحب مولانا سے ملاقات کے بعد باہر نکلے تو میں نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور اپنا نام بتایا تو میرا ہاتھ چھوڑنے سے پہلے اپنی دائمی مسکراہٹ اور شیرینی کے ساتھ مجھ سے پوچھا: ''اچھا تو آپ آج کل کیا کر رہے ہیں؟''

میں نے عرض کیا: ''کوئی خاص کام تو نہیں کر رہا، البتہ گجرات میں جماعت اسلامی کے زیر اہتمام چھپنے والے ایک ہفت روزہ رسالے ''الحدید'' کی نگرانی کر رہا ہوں۔'' پھر پوچھا: ''آپ نے کس مضمون میں ایم۔ اے کیا ہے؟'' عرض کیا'' میں نے عربی اور علومِ اسلامیہ میں ماسٹر کیا ہے۔'' فرمانے لگے: ''پی۔ ایچ۔ ڈی کر لو۔'' میں نے کہا: ''ارادہ تو ہے مگر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کے بعد کیا فرق پڑے گا سوائے اس کے کہ نام کے ساتھ ڈاکٹر لگ جائے گا۔''

مرکز جماعت میں اس زمانے میں جو بزرگ ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے، ہر ایک اپنی اپنی ذات میں انجمن اور منفرد شخصیت کا حامل تھا۔ شیخ فقیر حسین صاحب بڑے بذلہ سنج اور نکتہ طراز بزرگ تھے۔ قبل اس کے کہ پروفیسر صاحب مجھے کوئی جواب دیتے، شیخ صاحب نے جو پاس ہی کھڑے ہوئے تھے، فرمایا: ''فائدہ تو بہت ہوگا، پروفیسر صاحب کو دیکھیے، چند سال کالج میں پڑھایا اور اب پروفیسری مستقل طور پر ان کے نام کا حصہ ہے۔ آپ بھی مستقل ''ڈاکٹر صاحب'' بن جائیں گے''۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ شیخ صاحب محترم پروفیسر صاحب سے اتنے بے تکلف ہیں۔ بعد کے ادوار میں کئی مواقع پر یہ عقدے مزید کھلتے چلے گئے۔ بہرحال اس موقع پر سید صدیق الحسن گیلانی صاحب اور خود پروفیسر صاحب کھلکھلا کر ہنسے۔ پروفیسر صاحب نے مجھ سے فرمایا: ''تمھارے متعلق میں نے کچھ خبریں پڑھی تھیں، جب تم جمعیت میں تھے۔'' میں نے عرض کیا: ''جمعیت کے دور میں میں کراچی میں آپ سے ملا تھا مگر اس وقت کوئی تعارف نہیں ہو سکا تھا۔'' فرمایا: ''کیوں تعارف نہیں کروایا تھا؟، تعارف تو کروانا چاہیے تھا۔'' پروفیسر صاحب کے ہر فقرے اور لفظ میں اس عظمت کی جھلک تھی کہ ایک بڑا آدمی معمولی کارکنانِ جماعت کے ساتھ کس قدر محبت واپنائیت کا اظہار کر رہا تھا۔

مرکزِ جماعت میں ملاقات کا وہ دن اور آخری لمحات، پروفیسر صاحب کے ساتھ اس تعلق، محبت اور عقیدت میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوا۔ 1974ء میں میں لاہور سے کراچی اور کراچی سے جدہ روانہ ہوا۔ پھر وہاں سے عازمِ نیروبی ہوا۔ ان دنوں نیروبی اور جدہ سے براہِ راست لاہور کی پروازیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ کراچی ہی کے راستے جانا اور آنا ہوتا تھا۔ کراچی میں قیام ہوتا تو سید منور حسن میرے میزبان ہوتے جو اس زمانے میں تنہا نعمت اللہ خان صاحب کے مکان کے ایک حصے کی بالائی منزل میں مقیم تھے۔ اس زمانے میں غفور صاحب کراچی جماعت کے امیر تھے۔ ان سے مزید ملاقاتیں جاری رہیں۔ ہر مرتبہ یہ احساس ہوا کہ وہ بے انتہا محبت کرنے والے بزرگ اور مربی ہیں۔ ان سے محبت خود بخود دل میں پیدا ہوتی اور ہر لمحے اس میں اضافہ ہی ہوتا تھا۔ یہ میرا ذاتی تجربہ اور وجدان ہے۔ وہ علامہ اقبال کے شعر کا مصداق تھے

نرم دمِ گفتگو گرم دمِ جستجو
رزم ہو کہ بزم ہو، پاک دل و پاک باز

اسی زمانے میں 73 کے دستور کا ابتدائی خاکہ حکومت کی طرف سے قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا۔ پروفیسر صاحب اس دستوری دستاویز پر بحث میں حصہ لینے اور دستوری امور کو حتمی شکل دینے کے لیے خود بھی تیاری کر رہے تھے اور مختلف ماہرینِ قانون ودستور سے بھی ملاقاتیں کر رہے تھے۔ وہ ہر وقت رواں دواں رہنے اور کبھی ہتھیار نہ ڈالنے والے انتھک مجاہد تھے۔ 73ء کے دستور میں جتنی اچھی چیزیں نظر آتی ہیں انھیں شامل کروانے میں جماعت اسلامی اور حزب اختلاف کی دیگر دینی اور سیاسی جماعتوں کا بھی بلاشبہ بڑا اہم کردار ہے مگر بنیادی مسودے میں ترمیمات اور حتمی آئین میں دفعات کی فقرے بندی پروفیسر صاحب کی قابلیت ومہارت کی مرہونِ منت تھی۔ وہ دستوری کمیٹی کے اہم اور متحرک ترین رکن تھے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس متفقہ دستور کی تدوین میں پروفیسر صاحب مرحوم ومغفور کا کلیدی کردار ہے۔ 73ء کے دستور کا جب بھی حوالہ دیا جائے، میرے ذہن میں پروفیسر صاحب کا نام گونجنے لگتا ہے۔ وہ اکیلے بھی ایک جماعت تھے۔ وہ سپاہی بھی تھے اور سپہ سالار بھی۔ وہ زندگی بھر علامہ اقبال کے ان اشعار کی تفسیر پیش کرتے رہے

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم، ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

پیپلز پارٹی کو 70ء والی اسمبلی کے اندر، بچے کھچے پاکستان میں بہت بڑی اکثریت حاصل تھی اور ان کے بیشتر ارکان انتہائی زبان دراز بلکہ منہ پھٹ تھے۔ اس کے باوجود اسمبلی کا ریکارڈ گواہ ہے کہ پروفیسر صاحب کی گفتگو کے دوران ایوان میں پروقار ماحول پیدا ہو جاتا تھا۔ سبھی ان کی بات غور سے سنتے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ اس زمانے میں ملک کے مشہور اور بزرگ صحافی، مصطفیٰ صادق مرحوم اسلام آباد میں پارلیمنٹ کے اجلاس کی جھلکیاں دیکھ کر آئے تو A-5 ذیلدار پارک میں مولانا مودودیؒ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ انھوں نے مولانا سے کہا: ''مولانا ایوان میں بھانت بھانت کی بولیاں سننے کو ملیں مگر سچی بات یہ ہے کہ اگر کسی رکن کی کسی بات میں وزن اور تاثیر تھی تو یہ وہی ارکان تھے جو جماعت کی تربیت گاہوں سے ہو کر نکلے۔'' پروفیسر غفور صاحب اور محمود اعظم فاروقی صاحب کا بالخصوص تذکرہ کرنے کے بعد مصطفیٰ صادق نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ جماعت کو چھوڑ کر چلے گئے مگر پیپلز پارٹی کے دو ارکان اسمبلی راؤ خورشید علی خان اور کوثر نیازی بھی جب بات کرتے تو محسوس ہوتا کہ انھیں بات کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ آتا ہے۔

پروفیسر صاحب مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاسوں میں میرے ساتھ والی نشست پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ کبھی کبھار سیاسی موضوعات پر کسی قرارداد کا متن منظوری سے پہلے پڑھ رہے ہوتے تو مجھ سے کسی لفظ کے بارے میں پوچھتے۔ میں عرض کرتا کہ آپ تو اہل زبان ہیں۔ فرماتے کہ نہیں آپ بھی زبان کو جانتے ہیں۔ میں کئی مرتبہ پروفیسر صاحب کو ملتے ہوئے ادب واحترام سے ان کے گھٹنے چھوتا تو گھٹنے پیچھے کر کے میرے شانوں پر ہاتھ رکھ کر دعا دیتے کہ ''جیتے رہو۔'' مرحوم کے یہ الفاظ ''جیتے رہو'' اتنے پیار بھرے لہجے اور محبت کے انداز میں سماعت نواز ہوتے تھے کہ ان کی بازگشت اب تک سنائی دیتی ہے۔ 26/دسمبر کو اپنے اس عظیم محسن کو بستر پر جامد وساکت دیکھا تو آنکھیں تر ہو گئیں۔ وہ پیار بھری دعا شدت سے یاد آئی۔

وہ بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی

اللہ کے گھروں کی شان!

صدائے درویش
حافظ محمد ادریس
muhammad.idrees@dunya.com.pk
SMS: HIC" (space) message & send to 7575

فارسی شاعر نے کیا خوب کہا

شرے بر انگیز عدو
کہ خیرِ ما دراں باشد

ایودھیا میں 29-1528ء میں تعمیر ہونے والی تاریخی مسجد المعروف بابری مسجد برصغیر میں اہل اسلام کے لیے ایک عظیم مرکز تھی۔ 1992ء میں متعصب، تنگ نظر اور اسلام دشمن ہندوؤں نے اسے شہید کر دیا۔ اس کے تناظر میں راقم نے مضمون لکھا تھا اور پھر ایک رات سخت غم واندوہ کے ماحول میں بابری مسجد کے نام سے ایک افسانہ بھی تحریر کیا تھا جو افسانوں کے مجموعے ''سربکف' سربلند'' میں شامل ہے۔ میں نے اپنے افسانے میں ایک تخیلاتی تصویر کھینچی تھی جس میں امت کو امید دلائی گئی تھی کہ اگر وہ بیدار ہو جائے تو کھوئی ہوئی عظمت بھی بحال ہوسکتی ہے اور مقدسات کا تحفظ بھی ممکن ہوسکتا ہے۔ بابری مسجد پر یہ افسانہ کتابچے کی صورت میں بھی چھپا اور مقبول ہوا۔ کئی سال بعد اب ایک ایمان افروز خبر نے دل میں عجیب جوت جگا دی ہے۔ بابری مسجد ہو یا قبلہ اول، اندلس میں ہمارے قدیم مقدسات ہوں یا وسطی ایشیا کے مدارس ومساجد' سب اللہ رب العالمین کے فضل وکرم سے اپنے برکات وفیوض سے امت کو امید کی کرن دکھاتے رہیں گے۔

اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ قرآن عظیم الشان میں اللہ کا ارشاد ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر جو کوئی بھی دوسرا نظام زندگی اختیار کرے گا وہ اللہ کے نزدیک مردود اور مسترد ہوگا۔ اسلام اپنی ذات میں عظیم قوت اور شوکت رکھتا ہے۔ اسلام کا دعویٰ کرنے والے اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ حقیقی اسلام ہمیشہ سے موجود رہا ہے اور موجود رہے گا۔ حقیقی اسلام دلوں کو فتح کرتا ہے، اس کی جملہ اقدار اتنی مؤثر ہیں کہ وہ بھی اندھیروں میں روشنی بکھیرتی ہیں۔ قرآن بھی ایک زندہ معجزہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تو مرکز معجزات تھی۔ آپؐ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر اور آپؐ کی گفتگو سن کر بے شمار لوگ کفر کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آئے۔ سب سے اہم واقعہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے قبولِ اسلام کا ہے، جو یہودیوں کے قبیلے بنوقریظہ کے معروف علماء میں سے تھے۔

عبداللہؓ بن سلام خود بیان کرتے ہیں کہ جب آپؐ کے چہرۂ انور پر میری پہلی نظر پڑی تو میں نے کہا: لیس الوجہ بوجہ کذّاب۔ یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والی وحی ربانی کی تو اپنی ہی شان ہے۔ ظاہر ہے کہ خالق بے مثل ہے تو اس کا کلام بھی اسی کی طرح بے مثل ہے۔ جس قلبِ مصفّی پر یہ کلام نازل کرنے کا فیصلہ ہوا، وہ بھی ساری مخلوق میں یکتا ہے۔ اس کا کوئی مثیل اور ثانی نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے نکلے ہوئے کلمات بھی اپنی تاثیر میں بے نظیر ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ سے جو سب سے پہلا کلام سنا وہ اتنا جامع اور دل میں اتر جانے والا تھا کہ سبحان اللہ! وہ معجزہ نما کلام یہ تھا: اے لوگو! آپس میں سلام کو عام کرو، (مستحقین، مہمانان اور احباب کو) کھانے کھلایا کرو، صلہ رحمی کیا کرو، راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو اٹھ کر (تہجد کی) نماز پڑھا کرو، تم اس کے نتیجے میں سلامتی وعافیت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی، مسند احمد)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو جب اطلاع ملی کہ ابوجہل نے آپؐ کی شدید توہین بھی کی ہے اور آپؐ پر ہاتھ بھی اٹھایا ہے تو وہ سیدھے دارالندوہ پہنچے اور ابوجہل کے سر پر اپنی کمان سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ لہولہان ہوگیا، پھر فرمایا تم محمد (ﷺ) پر ہاتھ اٹھاتے ہو۔ میں دیکھ لوں گا کہ آئندہ کون یہ حرکت کرتا ہے۔ بنومخزوم کے لوگ حضرت حمزہؓ کی طرف بڑھے تو انہوں نے کہا آ جاؤ تم بھی پنجہ آزمائی کرلو۔ اس پر ابوجہل نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو یہ کہہ کر پیچھے ہٹا دیا کہ دراصل آج میں نے بھی حمزہ کے بھتیجے کے ساتھ کافی زیادتی کی ہے۔ حضرت حمزہؓ وہاں سے نکلنے کے بعد آنحضورؐ کے پاس پہنچے اور کہا بھتیجے خوش ہو جاؤ، میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔ آنحضورؐ نے جواب میں کہا چچا جان مجھے اس بات سے کوئی خوشی نہیں ہوئی، البتہ مجھے بہت زیادہ خوشی ہوگی اگر آپ اسلام قبول کر لیں؛ چنانچہ حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کرلیا۔

میں تصور میں دیکھتا ہوں کہ بابری مسجد اپنی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہی ہوگی اور ساتھ ہی یہ درخواست بھی حضورِ حق میں پیش کرتی ہوگی کہ اے مولائے کریم! اگر تو ان لوگوں کو تباہ کر دے تو مجھے کیا ملے گا۔ اگر تو ان کو ہدایت دیدے اور یہ تیرے گھروں کے محافظ بن جائیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

کئی سال قبل جب میں کینیا میں مقیم تھا تو وہاں دور دراز جنگلی، صحرائی، پہاڑی اور ساحلی علاقوں میں دعوت وتبلیغ کے لیے جانے کا موقع ملتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک دور دراز گاؤں میں جانا ہوا تو وہاں ایک مدرسہ دیکھا۔ اندر جانے پر ایک یورپی بزرگ نے استقبال کیا۔ خوشگوار حیرت ہوئی کہ مدرسہ میں ایک یورپین مسلمان بطور معلم کام کر رہا ہے۔ جب ان سے تعارف ہوا تو پتا چلا کہ انھیں کسی مبلغ نے مسلمان نہیں کیا بلکہ ترکی کی سیاحت کے دوران ترکی کی مشہور تاریخی مسجد المعروف نیلی مسجد نے انہیں اسلام کی طرف راغب کر دیا، اس مسجد کی تعمیر دیکھ کر یہ یونانی سیاح مسلمان ہوگیا اور مائیکل سے عبداللہ بن گیا۔ اس نے بتایا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی تعلیمات ایک مصری ڈاکٹر سے حاصل کیں اور پھر مصر سے ہوتا ہوا کینیا پہنچا۔ اب زندگی کا یہی مشن ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام کی طرف دعوت دی جائے اور جو اسلام قبول کریں انہیں تعلیماتِ اسلامی سے روشناس کرایا جائے۔

کاٹ لینڈ (یوکے) راچڈیل کے شہر میں ایک مسجد کا نام ترکی کی اسی مشہور وعظیم الشان تاریخی مسجد Blue Mosque کے نام پر رکھا گیا ہے۔ ترکی کی مسجد تو خیر بہت خوبصورت ہے۔ اس کی تعمیر میں بادشاہِ وقت کی ذاتی دلچسپی اور خصوصی ذوق کے ساتھ شاہی خزانے کے وسائل اور بہترین و مشاق ماہرینِ تعمیرات کی خدمات حاصل تھیں۔ راچڈیل کی یہ مسجد بھی بہر حال بہت خوبصورت ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے آباد بھی ہے۔ تازہ ترین خبر جس نے اہل اسلام کے دلوں کو ٹھنڈا کر دیا ہے اور اہل کفر اس سے تلملا رہے ہیں، حال ہی میں منظر عام پر آئی ہے۔ اس خبر کے مطابق بھارت میں ایودھیا کی تاریخی بابری مسجد کو شہید کرنے والے ہندوؤں میں سے کئی ایک اسلام کی آغوش میں آ گئے ہیں۔ یہ ایمان افروز خبر' جو پریس میں چھپ چکی ہے، قندِ مکرر طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

دممبئی (این این آئی) ایودھیا میں 25 سال قبل 6 دسمبر 1992ء کو تاریخی بابری مسجد کی شہادت میں ملوث بلبیر سنگھ قبول اسلام کے بعد محمد عامر بن چکا ہے۔ محمد عامر صاحب روایتی نہیں، حقیقی مسلمان ہیں۔ حالت کفر میں کیے گئے اپنے اس فعل کے کفارہ کے طور پر انہوں نے 100 مساجد تعمیر کرنے کا عزم کیا ہے اور اب تک 35 مساجد تعمیر کرا چکے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ بلبیر سنگھ بابری مسجد کی شہادت کے بعد اپنے ضمیر کے قیدی بن گئے تھے۔ انہوں نے دل میں ایمان کی شمع روشن ہونے کے بعد اپنے اس گناہ سے معافی مانگ لی۔ انڈین میڈیا کے مطابق محمد عامر کا تعلق ہریانہ کے علاقہ پانی پت کے ایک گاؤں سے ہے۔ ان کے خاندان نے نقل مکانی کر کے شہر کا رخ کیا۔ حال ہی میں انہوں نے بتایا کہ بچپن سے وہ آر ایس ایس کی مقامی شاخ سے وابستہ رہے اور پھر شیو سینا میں شمولیت اختیار کر لی۔ انہوں نے بتایا بابری مسجد پر ہتھوڑا اچلانے کے ساتھ ہی ان کی بے چینی بڑھ گئی۔ اس دوران طبیعت مزید بگڑی اور دوستوں نے مسجد کی شہادت کے بعد پانی پت منتقل کیا۔

انہوں نے بتایا کہ میرے والد کو میری اس حرکت کا پتا چلا تو ناراض ہوئے اور کہا کہ ایک استاد کے بیٹے نے ایک غلط کام میں حصہ لیا، میرے دل کو کسی طرح سے چین نہیں تھا۔ میں نے دماغی حالت بگڑنے کے ڈر سے ڈاکٹر سے رجوع کیا تو اس نے مجھ پر واضح کر دیا کہ میری یہ بے چینی موت کا باعث بن سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بابری مسجد کی شہادت میں شامل ان کا ایک ساتھی پاگل ہوگیا تھا۔ محمد عامر نے بتایا کہ جب تمام امیدیں دم توڑ گئیں تو میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کر کے خود کو اسلام میں داخل کر لیا۔ 27 کار سیوکوں نے میرا ساتھ دیتے ہوئے اسلام قبول کرلیا۔ (روزنامہ نوائے وقت، 4 جنوری 2018)

آج دنیا میں اسلاموفوبیا نے ٹرمپ' مودی اور ان جیسے متعصب اسلام دشمنوں کو پاگل کر رکھا ہے۔ وہ اسلام کے خلاف ہر روز زہر اگلتے ہیں۔ امت مسلمہ قیادت سے محروم اور اعلیٰ اخلاق وکردار سے دور ہے، لیکن اللہ کے گھر' مساجد، اس کا کلام قرآن عظیم الشان اور اس کے محبوب نبی کی حیات طیبہ غالب وفاتح ہے۔ دشمن جتنی چالیں چل لیں، اللہ کا دین مغلوب نہیں ہوسکتا۔ آنحضورؐ نے فرمایا الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ اسلام کا مقدر غلبہ ہے مغلوبیت نہیں۔

دین سے دنیا تک

علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

لوگوں کی اکثریت اپنے حالات اور واقعات پر شاکی نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو نظر انداز کر کے ہمہ وقت معمولی معمولی باتوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے اور اپنے ہی نامۂ اعمال کی سیاہی کے سبب آنے والی پریشانیوں اور غموں کا بار بار اظہار کر کے' ان گراں قدر نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے جو اس کو بن مانگے حاصل ہوئی ہیں۔ انسان اگر اپنے گردوپیش میں غور کرے تو اس بات کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے فیضیاب ہو رہا ہے۔ سمجھنے کے لیے چند اہم نعمتوں کو قارئین کے سامنے رکھ رہا ہوں:

1۔ ایمان: ایمان اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملنے والی انتہائی قیمتی نعمت ہے۔ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے افراد نے اس کے حصول کے لیے کوئی تگ ودو نہیں کی۔ ایمان کی نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھنی چاہیے جنہوں نے اس گراں قدر نعمت کے حصول کے لیے اپنے گھر بار، اعزا و اقارب، مال اور وطن تک کو خیر باد کہہ دیا۔ نبی کریم ﷺ نے جب دین کی دعوت کا آغاز کیا تو صحابہ کرامؓ کو اس دعوت کو قبول کرنے کی پاداش میں بہت زیادہ صعوبتیں سہنا پڑیں۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے مختلف طرح کی اذیتوں، تکالیف، مشکلات، ظلم اور بربریت کو برداشت کیا اور نوبت ہجرت، سوشل بائیکاٹ اور جنگ وجدل تک جا پہنچی۔ ایمان اس قدر قیمتی نعمت ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں باقی تمام نعمتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ فرعون کا اقتدار، قارون کا سرمایا، ہامان کا منصب، شداد کی جاگیر اور ابولہب کا کنبہ اس لیے بے معنی ٹھہرا کہ یہ تمام لوگ نعمتِ ایمان سے محروم تھے۔

2۔ علم: علم اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ علم کے ذریعے انسان حق وباطل اور اندھیرے واجالے کے درمیان فرق کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ صاحبِ علم ہونے کے باوجود مالی تنگ دستی کے سبب اس نعمت کی اہمیت کو فراموش کر دیتے ہیں اور حالات کا شکوہ اور گردشِ دوراں کا گلہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ان کے پاس ایک ایسی نعمت موجود ہے جس کے ذریعے وہ دنیا میں اچھے اخلاق اور آخرت میں کامیابی وکامرانی کیساتھ ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

3۔ صحت: صحت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک انتہائی اہم نعمت ہے۔ دماغی، نفسیاتی، روحانی اور جسمانی بیماریوں سے محفوظ رہ کر زندگی کو گزارنا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایسی عطا ہے جس کا ادراک اور احساس عام حالات میں انسان نہیں کر پاتا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ کسی معمولی سی بیماری کے طول پکڑ جانے کی صورت میں انسان با آسانی اس حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ صحت اور عافیت کے ایام میں کس قدر ناشکری کا مرتکب ہو رہا تھا۔ دورِ حاضر میں بہت سے لوگ قلب، جگر، گردوں، پھیپھڑوں، سینے اور آنکھوں بہت سی تکلیف دہ بیماریوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ٹی بی اور کینسر کے موذی امراض کا شکار افراد بھی معاشرے میں گاہے گاہے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان لوگوں کی حالتِ زار کو دیکھنے کے بعد جب انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ صحت کی نعمت پر غور کرتا ہے تو اس کے لیے اس بات کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر کتنا بڑا کرم کیا کہ اسے موذی امراض سے محفوظ فرمایا۔ عام طور پر لوگ صحت کی نعمت کی قدر کرنے کی بجائے اس نعمت کا غلط استعمال کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب کو دعوت دے بیٹھتے ہیں۔ اپنی طاقت اور صحت کے گھمنڈ میں بہت سے لوگ غریبوں کا استحصال، کمزوروں پر ظلم وتشدد اور مجبوروں کی حق تلفی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ نتیجتاً ان کو بہت سے لوگوں کی بددعاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عصرِ حاضر میں نفسیاتی امراض بھی بہت زیادہ بڑھ چکے ہیں اور لوگ کثیر تعداد میں ڈپریشن اور اعصابی تناؤ کا شکار نظر آتے ہیں۔ اس موذی مرض سے چھٹکارا حاصل کرنے اور سکون کی نیند سونے کے لیے بہت سے لوگ نیند آور اور مسکن ادویات کا استعمال بھی کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس اذیت سے اس لیے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتے۔ حقیقتاً نفسیاتی امراض کا علاج صدق دل سے توبہ تائب ہونے، رجوع الی اللہ اور ذکر الٰہی میں موجود ہے۔ وہ لوگ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نفسیاتی اور دماغی آسودگی عطا کی ہے انہیں بھی اس نعمتِ بے پایاں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اپنی دماغی اور عقلی صلاحیتوں کو انسانوں کو نقصان پہنچانے کی بجائے ان کی فلاح وبہبود کے لیے استعمال کرنا

واپس لینے کی بجائے اس میں اضافہ فرماتا چلا جائے۔

4۔ رزق: رزق اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور ہمارے معاشروں میں سطحِ غربت سے نیچے رہنے والے لوگ بھی بالعموم دو وقت کے کھانے کی نعمت سے محروم نہیں ہیں۔ اس کے مدمقابل دنیا کے بہت سے پسماندہ علاقوں میں قحط سالی اور بدحالی اپنے پورے عروج پر ہے۔ بالخصوص افریقہ کے بعض علاقوں میں لوگ پینے کے صاف پانی سے بھی محروم ہیں۔ اسی طرح جنگوں اور ظلم وبربریت کا شکار بہت سے علاقوں کے لوگ دو وقت کی روٹی کے لیے ترستے نظر آتے ہیں۔ برما کے مسلمانوں کی حالتِ زار پر جب غور کیا جائے تو ان کو رزق کی نعمت تو ایک طرف' بیت الخلا کی سہولت بھی میسر نہیں۔ ایسے حالات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے عطا کردہ رزق پر ناشکری کا رویہ اپنانا کسی بھی طور پر درست نہیں۔ محنت اور جدوجہد کے ذریعے رزق حلال کی تلاش کو جاری رکھنا بلاشبہ ایک احسن قدم ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کا مرتکب ہونا کسی بھی طور پر درست وجائز نہیں ہے۔ انسان کو روحانی اور دینی معاملات میں اپنے سے بہتر اور مادی معاملات میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھ کر اپنی سوچ کے زاویے کو درست کرنا چاہیے۔

5۔ والدین: والدین کی موجودگی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ والدین انسان کو زندگی گزارنے کے بہتر طریقے کے بارے میں احسن انداز سے آگاہ کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کی زندگی میں آنے والے اتار چڑھاؤ کے دوران اس کے لیے ہمہ وقت دعا گو رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس قیمتی سرمائے کو اپنی بداخلاقی اور لاپروائی کی وجہ سے ضائع کر بیٹھتے ہیں اور ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں والدین کی عدم موجودگی کی وجہ سے کتنا بڑا خلا پیدا ہو چکا ہے۔

6۔ وفادار بیوی: وفادار بیوی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کی رفاقت میں انسان زندگی کے طویل روز وشب کے دوران آنے والی پریشانیوں اور مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ اس نعمتِ بے پایاں کا شکر بھی ادا نہیں کرتے۔ اس نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھنی چاہیے جو لوگ اس نعمت کو پانے کے بعد اس سے محروم ہو چکے ہیں یا اپنی بدحالی کی وجہ سے اپنے گھر بار کو بسانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت پر بھی ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اس عظیم نعمت کا شکریہ ادا کریں۔

7۔ تابع فرمان اولاد: تابع فرمان اولاد بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس تابع فرمان اولاد کی وجہ سے انسان معاشرتی اور معاشی انجام کی امور دہی میں بہت زیادہ آسانی محسوس کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں دو مقدس باپ اور بیٹوں کا ذکر کیا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام، دونوں اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کے علمبردار اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہمہ وقت نیکی کے کاموں میں اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاون رہے۔ اس کے بالمقابل حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب اپنے پیارے اور صالح بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا تو انہوں نے اس دکھ کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ ان جلیل القدر ہستیوں کے واقعات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تابع فرمان اور صالح اولاد اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کی قدر بھی انہی لوگوں کو معلوم ہوتی ہے جو اولاد کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں یا ان کی اولادیں نافرمانی اور بغاوت کے راستے پر چل نکلتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے گردوپیش میں جو نعمتیں رکھی ہیں ان نعمتوں کا ادراک اور احساس کر کے ہمیں ہمہ وقت شکرگزاری کے راستے کو اختیار کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ ابراہیم کی آیت نمبر 7 میں ارشاد فرماتے ہیں ''یقیناً اگر تم شکر کرو گے (تو) بلاشبہ ضرور میں تمہیں زیادہ دوں گا اور بے شک اگر تم ناشکری کرو گے (تو) بلاشبہ میرا عذاب بہت ہی سخت ہے''۔ ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ نعمتوں کی فراوانی کے باوجود ذلت، مسکنت، پشیمانی اور پریشانی کی زندگی کی تصویر بنے نظر آتے ہیں درحقیقت اس کے پس منظر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناشکری اور اس کی نعمتوں کی قدر نہ کرنیوالے رویوں کا کلیدی کردار ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہمہ وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی شکرگزاری کریں اور اس کی نعمتوں کی ناشکری سے بچنے کے لیے کوشاں رہیں تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان نعمتوں میں اضافہ فرماتا رہے اور ہمیں اپنے عذاب اور پکڑ سے محفوظ رکھے۔

فاختہ

امیر حمزہ

ameer.hamza@dunya.com.pk

SMS: "AHC" (space) message & send to 7575

وسط ایشیا کی پانچ ریاستیں جو روس کا حصہ تھیں انہیں روس کا نرم پیٹ کہا جاتا تھا۔ پیٹ تو ہوتا ہی نرم ہے لیکن جب اس کے ساتھ نرم کے لفظ کا اضافہ کر دیا جائے تو نرمی اور ملائمت کی حساسیت بڑھ جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں قازقستان، ازبکستان، ترکمانستان، کرغزستان اور تاجکستان پانچ ایسی ریاستیں تھیں جو مسلمانوں کی اکثریت کی حامل اور مذہبی، لسانی، تہذیبی اور جغرافیائی حیثیت سے باہم پیوست تھیں۔ یوں اس وسط ایشیائی علاقے کو روس کا نرم پیٹ اس لئے کہا جاتا تھا کہ روس بے شک دنیا میں رقبے کے اعتبار سے سب سے بڑا ملک ہے۔ سپر پاور بھی ہے مگر افغانستان کے بعد اگر باکسنگ کا کھیل یہاں شروع ہو گیا تو روس اپنے نرم پیٹ پر گھونسے برداشت نہ کر پائے گا...... اور پھر وہی ہوا جنرل اختر عبدالرحمٰن شہید نے جنرل ضیاء الحق شہید کے ساتھ میٹنگ میں یہاں گھونسے مارنے کی تجویز دی۔ یہ تجویز اس لئے بھی دی کہ افغانستان کے ساتھ ملے ہوئے پاکستانی علاقوں میں روس نے گاہے گاہے گھونسے مارنے شروع کر دیئے تھے چنانچہ امریکی اس تجویز پر خوش ہوئے اور پھر جب چند گھونسے روس کے نرم پیٹ پر پڑے تو روس نے افغانستان چھوڑنے کے بعد نرم پیٹ بھی چھوڑ دیا اس ڈر سے کہ کہیں اس سے اگلے علاقے بھی نرم پیٹ نہ بن جائیں۔ اب مندرجہ بالا واقعہ اک تاریخ ہے۔ آج روس پاکستان باہم دوست بن چکے ہیں۔ ایران کے ساتھ روس کی دوستی قدرے گہری ہے۔ سعودیہ نے بھی اب روس کے ساتھ تعلقات بہتر کر لئے ہیں۔ میں نے "نرم پیٹ" کی جو اصطلاح استعمال کی ہے، سعودیہ اور ایران اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس لئے کہ ایران افغانستان کا پڑوسی تھا اور ہے جبکہ سعودیہ کا کردار افغانستان میں بہت زیادہ گہرائی تک موجود تھا۔

نرم پیٹ کی اصطلاح کے بعد ہم سعودیہ کے نرم پیٹ اور ایران کے نرم پیٹ کا جائزہ لیں تو سعودیہ کا صوبہ قطیف اور تقریباً اتنا ہی بڑا علاقہ جو بحرین سے منسلک ہے وہاں شیعہ مسلک کی اکثریت ہے۔ یہ سعودیہ کا نرم پیٹ ہے۔ ایران کے لئے یہاں گھونسے مارنے اور باکسنگ کا کھیل کھیلنے کا موقع موجود ہے۔ اسی طرح ایران میں سعودیہ کے لئے اس سے زیادہ مواقع موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ایران کے صوبہ خراسان میں ترکمان کے اہل سنت بڑی اکثریت میں موجود ہیں۔ آگے سیستان کا علاقہ بھی سنی اکثریت کا ہے۔ اس کے ساتھ ایرانی بلوچستان جو پاکستان کے ساتھ سمندر تک ملا ہوا ہے یہاں بلوچ سنی اکثریت میں ہیں۔ عراق کے ساتھ ملا ہوا صوبہ خوزستان عربی بولنے والا اور سنی اکثریت کا حامل ہے۔ ایرانی کردستان کے علاقے کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بھی سنی اکثریت کا علاقہ ہے یوں ایران کے تقریباً چاروں طرف سنی اکثریت کے علاقے ہیں۔ یہ ایران کا نرم پیٹ ہے اور کافی بڑا ہے۔ یوں سعودیہ اگر یہاں باکسنگ کرتا ہے اور گھونسے رسید کرتا ہے تو اس کے لئے مواقع زیادہ ہیں۔ خیر اور بہتری دونوں کی اسی میں ہے کہ ایک دوسرے کے نرم پیٹوں کو پیار کی نظروں سے دیکھیں۔ گھونسے مارنے کا خیال بھی نہ کریں بلکہ کریں تو یہ کریں کہ عربی ثوب اور ایرانی جبہ اپنے اپنے پیٹ سے اٹھائیں اور ایک دوسرے کے بوسے لیں۔ دونوں ہی حضرت محمد کریمؐ کی محبت میں دیوانے ہونے والے ہیں تو مدینہ منورہ میں رونما ہونے والا اک ایمان افروز واقعہ ملاحظہ فرمالیں!

حضرت اسید بن حضیرؓ جن کا تعلق انصار کے ساتھ تھا (سردار آدمی تھے) اپنے لوگوں سے (اپنے ڈیرے پر) باتیں کر رہے تھے۔ بڑے مزاحیہ اور ہنس مکھ آدمی تھے۔ اپنے لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔ اس دوران اللہ کے رسول ﷺ جو وہاں موجود تھے۔ اسید کے پہلو میں چھڑی چبھو دی۔ (اسید کی ہنسی غائب ہو گئی مڑ کر دیکھا تو اللہ کے رسول ﷺ تھے)۔ اب وہ فوراً بولے: حضور ﷺ! مجھے بدلہ چاہئے۔ شاہِ مدینہ! لے لو۔ اسید بن حضیر! جناب پر قمیص ہے مجھ پر تو قمیص نہ تھی۔ شاہِ مدینہ ﷺ (کھڑے ہو گئے) اور اپنی قمیص اوپر اٹھا کر بدن ننگا کر دیا (حضرت اسید یہی چاہتے تھے۔ ان کی مراد بر آئی) انہوں نے حضور ﷺ کو جپھا ڈال لیا اور آپ ﷺ کے پہلو مبارک کو چومتے چومتے اور چومتے ہی چلے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے اے اللہ کے رسول ﷺ میرا پروگرام یہی تھا، پورا ہو گیا۔ (ابوداؤد، حسن)

اے کاش! سعودیہ اور ایران کا کچھ ایسا ہی پروگرام بن جائے تو عالم اسلام میں چھائی ہوئی خزاں کا موسم چھٹ جائے اور بہار دیکھنے کو مل جائے ویسے بھی آج کل خزاں کا موسم ہے، آگے بہار آ رہی ہے۔ کیا ہمیں سعودیہ اور ایران بہار سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کر سکتے ہیں؟ جناب شاہ سلمان اور جناب سید علی خامنائی ایک دوسرے کے شکم چوم سکتے ہیں محمد بن سلمان اور حسن روحانی حضرت حسنؓ کے کردار کو دہرا سکتے ہیں۔ گھونسے مارنے کے بجائے ایک دوسرے کے نرم پیٹوں کے بوسے لے سکتے ہیں؟ وہ کیا خوبصورت اور حسین منظر ہوگا جب اہل سنت اور اہل تشیع یہ منظر دیکھیں گے، تب القدس کا مسئلہ حل ہونے کے قریب آجائے گا۔ (ان شاء اللہ)

قارئین کرام! آئیے! اب دونوں برادر ملکوں کی پسلیاں بھی دیکھتے ہیں۔ پسلیوں سے مراد سعودیہ اور ایران کے اردگرد کے ممالک ہیں۔ اس لحاظ سے ہم سعودیہ کو دیکھتے ہیں تو اس کی تین پسلیاں ایسی ہیں کہ ان کا منظر کعبہ شریف کے تین کونوں سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ حجر اسود کو چوم کر جب آگے بڑھتے ہیں تو "رکن شامی" آتا ہے۔ طواف کرتے ہوئے تیسرے رکن کی جانب جاتے ہیں تو اسے "رکن عراقی" کہا جاتا ہے یعنی عراق اس سمت کو واقع ہے۔ آگے چوتھے رکن کی جانب بڑھتے ہیں تو اس کا نام "رکن یمانی" ہے۔ جی ہاں! یہ تینوں پسلیاں کعبہ شریف کے ارکان سے واضح ہیں کہ سعودیہ کے اردگرد ہیں اور آج تینوں ہی لہولہان ہیں۔ عراق کے بعد شام لہولہان ہوا اور آخر میں یمن لہولہان ہے۔ سعودیہ اپنے آپ کو گھیرے میں سمجھتا ہے۔ وہ کعبہ کے تینوں کونوں اور رکنوں کی مرہم پٹی چاہتا ہے۔ ایران آگے بڑھے، اپنے دیگر مسلمان بھائیوں (ممالک) کو ساتھ لے اور برادر ملک سعودیہ کی پسلیوں پر مرہم لگا دے۔ ایسی شاندار مرہم لگائے کہ زخم دنوں میں مندمل ہو جائیں۔

اب آتے ہیں ایران کی پسلیوں کی جانب۔ ایران کی ایک پسلی پاکستان ہے۔ ایران کو شکوے تھے کہ یہاں سے خون رس رہا ہے۔ جنرل قمر جاوید باجوہ صاحب ایران میں تشریف لے گئے۔ صدر حسن روحانی کو سلیوٹ کر کے ایسا مرہم رکھ آئے کہ اپنے زخم کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ آفرین ایسے کردار پر۔ چابہار اور گوادر کی بندرگاہیں دو بہنیں بن کر ان شاء اللہ بغلگیر ہو جائیں گی۔ ایران کی ایک پسلی افغانستان ہے وہاں سے ایرانی پسلی خون آلود ہوتی ہے۔ وہاں سے شیطان بزرگ رخصت ہو جائے تو مرہم یہاں بھی لگ جائے گا (ان شاء اللہ)۔ ترکمانستان، آذربائیجان، ترکی اور عراق وہ ایرانی پسلیاں ہیں جو سلامت ہیں اور مضبوط ہیں۔ ایران کو یہاں سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ یوں ایران کی پسلیاں مجموعی اعتبار سے اچھی حالت اور تندرستی کی کیفیت میں ہیں۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ برادر ایران کی پسلیاں بیس فیصد زخمی ہیں تو برادر سعودی عرب کی پسلیاں ستر فیصد زخمی ہے لہٰذا کم زخمی کا فرض ہے کہ وہ اس بھائی کا زیادہ خیال کرے جو زیادہ زخمی ہو گیا ہے۔

جس کی پسلیاں ستر فیصد لہولہان ہیں۔ اس نے کعبہ شریف کے تینوں ارکان کی سمتوں کو تندرستی سے ہمکنار کرنے کے لئے مسلم ممالک کا اتحاد بنایا ہے۔ اس کے سربراہ پاکستان کے وہ مایہ ناز جرنیل ہیں جن کے ماموں راجہ عزیز بھٹی شہید اور بھائی میجر شبیر شریف شہید نشان حیدر کے حامل ہیں۔ اس شاندار پس منظر کے حامل جرنیل مسلم ممالک کے اتحاد کی فوجوں کے سالار ہیں۔ وہ واضح کر چکے ہیں۔ یہ اتحاد کسی مسلمان ملک اور کسی مسلک کے خلاف نہیں ہے۔ وہ کوشاں ہیں کہ کعبہ کی تینوں سمتوں میں واقع تینوں ملک شام، عراق اور یمن کے زخم مندمل ہو جائیں اور اس اتحاد میں شامل ہو جائیں۔ ایران جو ایک اہم ترین بھائی ہے وہ اہم ترین رکن بن جائے۔ دہشت گردی کے پیچھے خوارج ہیں اور سعودی عرب خوارج کا دشمن ہے، ایران بھی ہے۔ پاکستان اور دیگر بھی۔ جنرل راحیل شریف صاحب نے پاکستان میں خارجیوں کو شکست دی ہے۔ خوارج کے پیچھے امریکہ ہے۔ آج اسی نے القدس کو اسرائیل کا دارالحکومت ماننے کا اعلان کیا ہے۔ عالم اسلام سراپا احتجاج ہے۔ میں کہتا ہوں بہترین اور مؤثر احتجاج یہ ہے کہ سعودیہ اور ایران اپنا ثوب اور جبہ اٹھائیں۔ ایک دوسرے کے شکم کا بوسہ لیں۔ مدینہ منورہ کی یاد تازہ کریں۔ مشاہد حسین سید کہ جن کی والدہ شیعہ تھیں تو والد کرنل امجد حسین سید سنی تھے۔ مشاہد صاحب فرقہ واریت سے بلند دردمند مسلمان ہیں۔ ان کی خدمات حاصل کر لیں۔ ہم جیسوں کو تو دیکھنے کا موقع ہی دے دیا جائے تو تاریخ کی لڑی میں الفاظ کے سنہرے موتی اس انداز سے پرو ڈالیں کہ لوگ الفاظ کے بوسے لیتے رہ جائیں۔ یوں ہوگا القدس کا مسئلہ حل...... جی ہاں! حل تو یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے ہماری آس کو آسمان کی شبنم ملے، بہار کا موسم ملے اور امن کا پھل ملے۔ (آمین)



پروفیسر حافظ محمد سعید

امیر جماعۃ الدعوۃ پاکستان

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی طرف سے بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دینے کے فیصلے پر پوری اسلامی دنیا اضطراب، ہیجان، غم اور دکھ کا شکار ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہود، ہنود اور اہل صلیب کی اسلامی دنیا کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہود بیت المقدس پر قبضہ کی صورت میں اپنے مکروہ عزائم کا عملی ثبوت دے چکے ہیں اور اب بیت المقدس کو دارالحکومت قرار دینے کا اعلان اگلے پلان کا اظہار ہے۔ یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم نے بحیثیت مسلمان اپنا فرض نہیں نبھایا، بیت المقدس کی عظمت کو نہیں سمجھا اور اس کی حفاظت کا حق ادا نہیں کیا "بیت المقدس" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مسلمانوں کے لئے مقدس مقام ہے۔ یہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے جو مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ اللہ نے اس مسجد کے تذکرے اور تقدس کو قرآن مجید فرقان حمید کا حصہ بنا کر قیامت تک کے لئے اس کی عظمت کو ثبت کر دیا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کی امامت فرمائی اور پھر معراج کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ مسجد اقصیٰ کی قدر و منزلت کا اندازہ صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی کیا جا سکتا ہے جس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول ﷺ کون سی سجدہ گاہ زمین پر سب سے پہلے بنی؟ فرمایا: مسجد الحرام۔ میں نے عرض کی، اس کے بعد کون سی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اس جگہ جس عمارت کی بنا رکھی گئی وہ نہ کلیسا تھا، نہ ہیکل بلکہ مسجد تھی۔ پھر واقعہ اسراء و معراج میں بھی خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس جگہ کو اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی سجدہ گاہ کے طور پر چنا۔

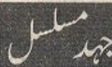
سبحان اللہ! کیا مقام ہے کیا احترام ہے مسجد اقصیٰ کا کہ اس میں اکٹھے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام نے سجدہ کیا اور اپنی جبین نیاز کو اللہ کے حضور جھکایا۔ ان انبیا کی امامت نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کی۔ اللہ نے تمام انبیا کو نبی آخرالزمان کی اقتدا میں کھڑا کر کے ان کے امتیوں کو بتا دیا کہ اب نبوت کا سکہ صرف خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا چلے گا، ایسے ہی وہ انبیا جو اپنے اپنے وقتوں میں سرزمین فلسطین پر مبعوث ہوتے رہے ان کے امتیوں کو بھی بتا دیا کہ اب اس سرزمین کے مالک، حاکم، خادم اور نگہبان نبی آخری الزماں علیہ السلام کے غلام ہوں گے۔ مسجد اقصیٰ کی فضیلت و عظمت اور مقام و احترام کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کا ایک ساتھ سجدہ کرنے کا اعزاز مسجد اقصیٰ کے علاوہ دنیا میں کسی اور خطے کو حاصل نہیں ہو سکا۔ قرآن مجید میں "الَّذِی بَارَکْنَا حَوْلَہٗ" کے الفاظ کے ساتھ مسجد اقصیٰ اور اس کے اردگرد کے علاقے کو بابرکت قرار دیا گیا ہے۔ مسجد اقصیٰ میں ادا کی گئی نماز عام مساجد کی نسبت پانچ سو گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مقام مسلمانوں کے لئے بابرکت ہے اور قیامت کی دیواروں تک بابرکت اور تقدس کا حامل رہے گا۔ مسجد اقصیٰ جس شہر میں واقع ہے اس کا نام بیت المقدس ہے۔ بائبل میں اس شہر کا نام یروشلم بیان کیا گیا ہے۔ بیت المقدس یا یروشلم جس خطے میں واقع ہے اسے فلسطین کہا جاتا ہے، تورات میں اس سرزمین کو کنعان کہا گیا اور عیسائیوں نے اس سرزمین کو "ایلیا" کا نام دیا۔

یہودی ارض فلسطین پر قبضے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ ارضِ فلسطین کی پانچ ہزار سال کی معلوم تاریخ بتاتی ہے کہ اس سرزمین کو یہودیوں کی آمد سے پہلے جزیرہ عرب سے آنے والوں نے آباد کیا، بعد میں یونان سے فلستی آئے۔ اس طرح سے کنعانی، عرب اور فلستی باہم مدغم ہو گئے اور عمومی طور پر فلسطینی کے نام سے جانے گئے۔ اس لحاظ سے اس خطے کے ساتھ عربوں کا تعلق تب سے ہے جب سے تاریخ، انسانی وثائق کا حصہ بننے لگی۔ یہ تعلق کم و بیش پانچ ہزار سال پر محیط ہے۔ پانچ ہزار سال کے طویل دورانیہ میں کبھی بھی فلسطینیوں نے اپنی سرزمین سے تعلق وناطہ نہیں توڑا اور کسی فاتح نے ان کو جلاوطن نہیں کیا۔ جبکہ سرزمین فلسطین میں آبادکاری کے صدیوں بعد بنی اسرائیل یہاں وارد ہوئے ان کا مجموعی طور پر اس سرزمین کے ساتھ تعلق صرف چار سو سال پر محیط ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام عرب اور یہود کے جد امجد تھے، ان کے مبارک قدم 1900 ق م ارض فلسطین پر پڑے، ان کی آمد سے پہلے یہاں انسانی تہذیب کے آثار موجود تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم کے پوتے تھے، یہودی یا بنی اسرائیل انہی کی نسل سے ہیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں حکومت ملی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی پوری آل اولاد فلسطین سے ہجرت کر کے مصر میں آ بسی۔ وقت گزرتا رہا پھر یہود اللہ کی بغاوت، سرکشی اور نافرمانی پر تل گئے تب اللہ نے فراعین مصر کی صورت میں ان پر ذلت مسلط کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرعون کی غلامی سے نکال کر فلسطین لے جانا چاہا تو انہوں نے بزدلی کی وجہ سے ارضِ فلسطین کی طرف ایک بھی قدم اٹھانے اور بڑھانے سے انکار کر دیا اور کہا اے موسیٰ! وہاں تو بڑے طاقتور لوگ ہیں ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے۔ چالیس سال صحرائے سینا میں بھٹکنے اور عذاب کے کوڑے سہنے کے بعد ان کی دوسری نسل فلسطین میں وارد ہوئی۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہاں عظیم الشان سلطنت قائم کی جو صرف 80 سال قائم رہی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی جو وقت کے ساتھ زوال پذیر ہو گئی اور اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ آٹھویں صدی قبل مسیح میں اشوری قوم نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی پھر چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے شہنشاہ بخت نصر نے ان پر بدترین تباہی مسلط کر دی اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح سے پیوند خاک کیا کہ اس کی ایک دیوار بھی سلامت نہ رہی۔ اس ابتلا میں یہودی بڑی تعداد میں ذلت کی موت مرے اور باقی غلام بن کر بابل لے جائے گئے۔ جبکہ فلسطین کے اصل باشندے بدستور یہاں موجود رہے، انہیں کسی نے گھروں سے نکالا، نہ جلاوطن کیا۔ 539 ق م میں ایرانی بادشاہ سائرس دوم نے یہودیوں کو فلسطین میں دوبارہ آبادکاری کی اجازت دی۔ 63 ق م میں یہ پورا خطہ رومیوں کے زیر تسلط آ گیا کچھ عرصہ آرام و سکون سے گزارنے کے بعد یہودیوں نے اپنی سرشت کے مطابق رومی سلطنت کے خلاف بغاوت کر دی تو رومیوں نے پوری قوت سے ان کی بغاوت کچل دی۔ تا آنکہ تین صدی بعد رومیوں نے خود بھی عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ یہودی جو اپنے تئیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے دعویدار ہیں، اب بھلا یہودی عیسائیوں کے قہر و غضب سے کیوں کر بچ سکتے تھے۔ انہوں نے ایک ایک یہودی کو اٹھا کر فلسطین سے باہر پھینک دیا اور بیت المقدس میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ اس کے بعد یہودیوں پر ایسا برا وقت آیا کہ دنیا بھر میں ان کیلئے کوئی جائے پناہ نہ رہی تب سے 1948ء تک یہ دربدر پھرتے رہے، ٹھوکریں کھاتے رہے اور رسوا ہوتے رہے۔

بعدازاں حالات نے ایک نئی کروٹ لی۔ 15 ہجری بمطابق مئی 636ء سرزمین فلسطین نے حیرت انگیز منظر دیکھا کہ ایک بار پھر فاتح فوجیں یروشلم کے دروازوں پر کھڑی تھیں اور یروشلم کا بطریق صفرونیوس ڈرنے یا بھاگنے اور آنے والی فوج کا مقابلہ کرنے کی بجائے اس کا والہانہ استقبال اور ان کیلئے شہر پناہ کے دروازے کھول رہا تھا۔ شہر کے دروازوں پر کھڑی یہ اسلام کے مجاہدوں اور کرۂ ارض کو امن و سلامتی کے خزانوں سے بھر دینے والوں کی فوج تھی جس کی قیادت دنیا کے عظیم جرنیل حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور بطریق نے جس ہستی کو یروشلم کی چابیاں اپنے ہاتھ سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، وہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یروشلم کے شہریوں کو جو معاہدہ امن لکھ کر دیا وہ تاریخ میں "عہد العمریہ" کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے فلسطین کی ساری آبادی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ "عہد العمریہ" کی ایک اہم شق جو یروشلم کے پادریوں کے اصرار پر شامل کی گئی یہ تھی کہ یروشلم میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں۔ علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب "الفاروق" میں لکھتے ہیں "عیسائیوں کے خیال میں حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے مصلوب کیا تھا اور یہ واقعہ بیت المقدس میں پیش آیا تھا اس لئے ان کی خاطر یہ شرط منظور کی گئی تھی۔" تب سے 1948ء تک بیت المقدس مسلمانوں کے پاس رہا ماسوائے 1099ء تا 1187ء کے جب یہاں صلیبی قابض ہو گئے تھے۔ 90 سالوں کے بعد صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ایک بار پھر یہ خطہ اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ گیا، یہاں عیسائی اور دیگر مذاہب کے لوگ بہت ہی امن و سکون کے ساتھ رہے۔

ان تمام حقائق و واقعات کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہودیوں کی دنیا بھر سے سرزمین فلسطین پر آمد اور اسرائیل کا قیام یہ سب کچھ بلاوجہ نہ تھا۔ ایک لمبی پلاننگ ہے جو وقتاً فوقتاً پروان چڑھتی رہی، اب بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کئے جانے کا امریکی فیصلہ اس پلاننگ کی آخری منزل ہرگز نہیں بلکہ اس سے اگلا مرحلہ مسجد اقصیٰ کو پیوند خاک کر کے اس کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر، مسلمان ملکوں پر قبضے کی تدبیر اور مدینۃ النبی ﷺ کی تسخیر ہے۔ اس وقت یہودی سرزمینِ فلسطین پر دانت جمائے بیٹھے ہیں اور ان کو امریکہ کی پشت پناہی بھی حاصل ہے؛ تاہم اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ صلیبی جنگیں اور تاتاری یلغار اسلامی دنیا کے لئے اس بھی مشکل ترین دور تھا...... اس جانگسل وقت میں بھی سرزمین فلسطین سے اہل اسلام کو فتوحات اور کامیابی کی بشارتیں ملی ہیں۔ سرزمین فلسطین کا معاملہ بھی اللہ نے مسلمانوں کیلئے عجیب تر بنا دیا ہے۔ یہ مسلمانوں کے ایمانوں کو جانچنے کا پیمانہ بن چکا ہے۔ مسلمانوں نے جب اتحاد و اتفاق کو چھوڑا، جہاد سے ناطہ توڑا، فلسطین ان کے ہاتھ سے نکل گیا جب اتحاد و اتفاق اور جہاد سے رشتہ جوڑا، فلسطین واپس مل گیا۔ پس اے برادران اسلام! ارض فلسطین کی بازیابی کی ایک ہی صورت ہے اور وہ ہے باہمی اتحاد و اتفاق، گناہوں سے اعراض اور جہاد سے پیار۔ جب ہم اپنے یہ وصف پیدا کر لیں گے تو اللہ کی نصرت ہمارے شامل حال ہوگی، کامیابی ہمارے قدم چومے گی، پھر اسرائیل ہوگا نہ بھارتی جبر اور نہ مقبوضہ جموں کشمیر سے ظلم کے بادل اٹھیں گے۔



جہد مسلسل

دین سے دنیا تک
علامہ ابتسام الٰہی ظہیر
ibtisam.elahi@dunya.com.pk
SMS: "AIZ" (space) message & send to 7575

وہ عظیم اوصاف جن کی وجہ سے ایک بڑا انسان دوسرے انسانوں کے مقابلے میں ممتاز ہو جاتا ہے اور وہ عظیم خوبیاں جن کی وجہ سے لوگ نمایاں کامیابیاں حاصل کر لیتے ہیں ان میں سے ایک اہم وصف اور خوبی مسلسل جدوجہد ہے۔ انسان کے نظریات اور اہداف خواہ کیسے بھی کیوں نہ ہوں اگر وہ اپنے نظریات اور اہداف کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کرتا ہے تو جلد یا بدیر یا تو وہ اپنے نظریات کی اشاعت اور مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے یا جدوجہد کی ایک تاریخ رقم کر کے آنے والے لوگوں کے لیے ایک مثال بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کے نظریات اور افکار سے اختلاف رکھنے والے لوگ بھی اس کی جدوجہد سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صراط مستقیم پر چلنے والے کئی انبیاء علیہم السلام کے احوال کا ذکر کیا جنہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کی نشر واشاعت کے لیے بے مثال جدوجہد کی۔ ہر طرح کی ابتلاؤں، اذیتوں، مشقتوں اور تکالیف کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا لیکن دعوت الا اللہ کے عظیم مشن سے لمحہ بھر کے لیے بھی ہٹنا گوارا نہیں کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ آپؑ ساڑھے نو سو برس تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے رہے۔ ساڑھے نو برس کے دوران آپ کو مختلف طرح کی اذیتوں کا نشانہ بننا پڑا۔ آپ کو دیوانہ کہا گیا، آپ کو پتھر مارے گئے لیکن اس کے باوجود آپ راہ حق پر پوری استقامت کے ساتھ کاربند رہے اور اپنی دعوت کے مادی نتائج سے بے پرواہ ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کی تبلیغ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اپنے کردار، جہد مسلسل اور عزم کی وجہ سے آپ اولوالعزم رسل اللہ میں شامل ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی ساری زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کی نشر واشاعت کے لیے بے مثال جدوجہد کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت کو حاصل کیا۔ اجرام سماویہ کی حقیقت پر غور وخوض کرنے کے بعد آپ اس بات کو بھانپ گئے کہ ان میں ربوبیت اور الوہیت والے کوئی امکانات موجود نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمان کے خالق ومالک ہیں اور بندگی، پوجا اور پرستش انہی کا حق ہے۔ ابراہیمؑ نے بت کدے میں جا کر کلہاڑے کو چلا دیا اور اعدائے دین کی شقاوتوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو گئے۔ آپؑ سے عداوت رکھنے والوں نے آپؑ کو جلتی ہوئی چتا میں جلانے کی کوشش کی۔ حضرت ابراہیمؑ پیکر صبر ورضا بن گئے۔ اللہ کو اپنے لیے کافی جان کر اسی کو بہترین کارساز قرار دیا تو اللہ نے بھڑکتی ہوئی چتا کو آپؑ کے لیے ٹھنڈا فرما دیا۔ دربار نمرود میں آپؑ نے صدائے توحید کو بلند فرمایا اور نمرود کے سامنے اس بات کا اعلان کیا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ نمرود نے اس دلیل کو مکر وفریب کے ذریعے ٹالنا چاہا اور ایک بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتار کر ایک مجرم کو آزاد کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کے مکر وفریب کے پردے کو چاک کرنے کے لیے اس موقع پر اس دلیل قطعی کو پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے لے کر آتا ہے تو سورج کو مغرب سے لے کے آ۔ اس دلیل کا نمرود کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ چنانچہ وہ دلیل حق کے سامنے لاجواب ہو کر بے بس اور بے کس ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور اپنے ننھے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو وادیٔ بے آب وگیاہ میں چھوڑ دیا اور اللہ ہی کے حکم پر اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے گلے پر چھری چلانے کے لیے بھی تیار ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ کی توحید کی نشر واشاعت کے لیے بے مثال جدوجہد کی۔ آپؑ نے فرعون کی رعونت، قارون کے سرمائے، شداد کی جاگیر اور ہامان کے منصب کو خاطر میں لائے بغیر اپنے مشن کو جاری وساری رکھا اور اپنے کردار کی بلندی کی وجہ سے رہتی دنیا تک کے لیے امر ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی اسی طرح کا رہا۔ بستی کے لوگوں کی عداوت اور حاکم وقت کی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر اللہ کی توحید کی نشر واشاعت میں مصروف رہے۔ آپؑ کو شہید کرنے کی جستجو کی گئی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؑ کو کافروں کے مکر سے محفوظ فرمایا اور آپؑ کو زندہ آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ نبی کریم حضرت رسول اللہ ﷺ اولوالعزم انبیاء کی تاریخ میں اس اعتبار سے انتہائی نمایاں رہے کہ آپ ﷺ نے اپنے کردار، عمل، گفتار ورفتار کے ذریعے جہد مسلسل کی ایک ایسی تاریخ کو رقم کیا جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، آپ ﷺ کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا، آپ ﷺ کو شعب ابی طالب کی گھاٹی میں محصور کیا گیا، طائف کی وادی میں آپ ﷺ پر اس انداز میں ظلم کے پہاڑ توڑے گئے کہ آپ ﷺ کا وجود اطہر لہو رنگ ہو گیا ایسے عالم میں پہاڑوں کا فرشتہ حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ آیا اور عرض کی کہ اگر آپ ﷺ حکم کریں تو طائف کی اس وادی کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دیا جائے۔ نبی مہرباں حضرت رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرما دیا: اے اللہ! میری قوم کے لوگوں کو ہدایت دے یہ مجھ کو پہچانتے نہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کے لیے اپنے وطن کو خیرباد کہا، اللہ کی رضا کے لیے ادھیڑ عمری میں تلوار کو اُٹھا لیا۔ آپ ﷺ کی مسلسل جدوجہد کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی جزیرۃ العرب میں اسلام کا بول بالا فرما دیا اور کعبۃ اللہ جس میں 360 بتوں کو نصب کیا گیا تھا' کو دوبارہ مرکز ومحورِ توحید بنا دیا۔

نبی کریم ﷺ کے خلفاء اور جانشینوں نے بھی اسلام کی سربلندی کے لیے جدوجہد کو جاری رکھا اور اللہ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے جہد مسلسل کے ذریعے پوری کائنات میں اسلام کا بول بالا فرما دیا۔

نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد بھی مختلف ادوار میں آئمہ دین نے اللہ کے دین کی نشر واشاعت کے لیے جدوجہد کو جاری رکھا اور دین کی نشر واشاعت کے لیے اپنے قلم، اپنی زبان، اپنے وسائل اور صلاحیتوں کو بہترین انداز میں استعمال کیا۔ جس کی وجہ سے پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دین کی نشر واشاعت ہوئی۔ آئمہ دین اور علمائے حق نے اپنے آپ کو اس انداز میں خدمت دین کے لیے وقف کیے رکھا کہ نہ صبح کے دھندلکوں کو دیکھا، نہ چلچلاتی ہوئی دوپہروں کو دیکھا، نہ ڈھلتے ہوئے سورج کو دیکھا، نہ رات کے اندھیاروں کو دیکھا۔ ہمہ وقت جدوجہد اور جستجو کی تصویر بنے رہے۔

جہد مسلسل کا معاملہ صرف خدمت دین تک ہی موقوف نہیں بلکہ سیاسی اور دنیاوی معاملات میں بہت سے ایسے لوگ گزرے جنہوں نے اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے شبانہ روز محنتیں کیں، وہ جہد مسلسل کے ذریعے اپنے اہداف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بانی پاکستان حضرت محمد علی جناحؒ نے اپنے رفقاء کے ہمراہ آزادی کے حصول کے لیے کئی عشروں تک زبردست جدوجہد کی اور بالآخر دنیا کے نقشے پر پاکستان سب سے بڑی اسلامی نظریاتی ریاست کی حیثیت سے اُبھر آیا۔ حضرت محمد علی جناحؒ کے بعد بھی جدوجہد کا یہ سلسلہ جاری وساری رہا اور تاحال جاری وساری ہے۔ تاریخ اور سیاسیات کے طالب علم اس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ دنیا کے بہت سے مقامات پر مختلف مذاہب کے پیروکار اور مختلف رنگ ونسل کے لوگ جہد مسلسل کے ذریعے اپنے ہدف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ نیلسن منڈیلا کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جنہوں نے کالوں کے حقوق کے لیے آواز کو اُٹھایا اور اس حوالے سے مسلسل جدوجہد کی۔ 27 سال طویل عرصہ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کے بعد بالآخر کالوں کو حقوق دلوانے میں کامیاب ہو گئے۔ تجربات اور مشاہدے کے ذریعے اس حقیقت کو پرکھا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے اہداف کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہتے ہیں وہ جلد یا بدیر اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ عصر حاضر کے نوجوان کو بھی قوت عمل سے بہرہ ور ہو کر جہد مسلسل کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ میدان تعلیمی ہو، پیشہ ورانہ ہو، سیاسی ہو، روحانی ہو یا خدمت خلق کا ہو، جدوجہد کو جاری رکھنا چاہیے۔ اگر ہم درست سمت میں جستجو اور جدوجہد کو جاری رکھیں گے تو یقیناً ہم دنیا اور آخرت کی بہت سی کامیابیوں کو سمیٹ سکتے ہیں۔ مایوسی، سستی، کاہلی اور بے راہ روی انسان کو کئی مرتبہ جہد مسلسل سے دُور لے جاتی ہے اور بعض اوقات انسان بغیر عمل کے بڑے اہداف اور بڑی توقعات کو اپنے دل میں سمو لیتا ہے' نتیجتاً اسے ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر ہم دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کو سمیٹنا چاہتے ہیں تو ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے مسلسل جدوجہد کو جاری رکھنا چاہیے۔ جو شخص بھی مثبت انداز میں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد جاری رکھے گا' جلد یا بدیر وہ دنیا اور آخرت کی کامیابیوں وکامرانیوں کو سمیٹنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو دنیا اور آخرت میں کامیاب وکامران کرے۔ آمین!

انسانیت کا قتل عام

جہاں زیب اسلم

بدھ مت کا بانی گوتم بدھ ہندوستان میں پیدا ہوا۔ اس کے پیروکار کروڑوں کی تعداد میں۔ پیرو لنکا، برما، سیام، کمبوڈیا، جاپان اور چین میں موجود ہیں۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں کپل وستو (نیپال) کے راجا شدودھن کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام سدھارتھ رکھا گیا۔ یہ بچپن ہی سے سوچتا رہتا کہ انسانوں میں اونچ نیچ کا فرق کیوں ہے؟ اس دُنیا میں اتنے دُکھ اور تکلیفیں کیوں ہیں؟ اور سکھ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟ اٹھارہ برس کی عمر میں اس کی شادی کر دی گئی لیکن سدھارتھ برابر بے چین رہا۔ آخر ایک رات بیوی بچے اور شاہی محل کی آسائشوں کو چھوڑ کر نکل گیا اور جنگلوں میں جا کر سخت ریاضتیں کرنے لگا۔ برسوں ریاضت کے بعد آخر ایک دن بڑ کے درخت تلے بیٹھا ہوا غور کر رہا تھا کہ اس پر سچائی منکشف ہو گئی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ عالم گیر سچائی کا پیغام انسانی محبت کا پیغام دُنیا کے کونے کونے میں پہنچائے گا۔

اب سدھارتھ گوتم بدھ کہلانے لگا۔ اس نے دیکھا کہ پرانا ویدک دھرم ذات پات کے بندھنوں کی وجہ سے ناقابل برداشت ہو چکا ہے تو اُس نے اس مذہب کے خلاف آواز بلند کی۔ اس نے کہا شودر اور برہمن میں کوئی فرق نہیں۔ سب انسان ہیں اور ان کے حقوق برابر ہیں۔ مذہب میں کسی ریت، رسم اور قربانی کی ضرورت نہیں، دیوی دیوتاؤں کو ماننا جہالت ہے۔ برہمنوں کے ستائے ہوئے ہندوؤں نے جوق در جوق اس نئے دھرم کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ بدھ کے راسخ العقیدہ بھکشوؤں نے اس دھرم کی تبلیغ میں محنت اور جفاکشی سے کام لیا۔ یہ لوگ بھوکے پیاسے رہ کر بھی دھرم کا پرچار کرتے رہتے۔ مہاتما بدھ کی تبلیغ سے دیکھتے ہی دیکھتے ہندو دھرم کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں۔ اشوک اس برِاعظم کا مہاراجہ تھا جس نے بدھ مت قبول کر کے اسے ملک کے طول وعرض میں پھیلا دیا۔ غالباً 483 قبل مسیح میں مہاتما بدھ کا انتقال ہو گیا۔

571 عیسوی میں اس دھرتی پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کی عبادت کا آغاز غارِ حرا سے کیا اور چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت فرمایا۔ اِس دُرِ یتیم کے اعلان کے بعد کفر وشرک کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ اس وقت عرب میں انسان جانوروں کی طرح فروخت ہوتے تھے۔ رنگ ونسل کا فرق اتنا زیادہ تھا کہ اس پر قتل وغارت ہوتی تھی۔ آقا و مولیٰ نے اس رنگ ونسل کے فرق کو مٹایا۔ آپؐ کے ماننے والے صحابہ کرامؓ نے آپ کی زندگی میں اس مشن کو تن، من، دھن اور پوری جانفشانی سے پھیلایا۔ یہ وہ مذہب تھا اور ہے جو انسان کو امن وسلامتی کا درس دیتا تھا۔ اسلام میں انسان خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اس کی جان کو سب سے قیمتی کہا گیا ہے۔ اسلام میں اتنی وسعت ہے کہ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گھر ایک بکری ذبح کی گئی تو انہوں نے دوبار پوچھا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لیے ہدیہ بھیجا یا نہیں؟ میں نے رسولِ اکرم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام مجھ کو ہمیشہ پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو میرا وارث کر دے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم 2624، سنن ابوداؤد)

حضرت معاویہؓ بن حیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میرے پڑوسی کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا اگر وہ بیمار ہو تو تم اس کی عیادت کرو، اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو، اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اگر وہ بدحال ہو تو اس پر ستر کرو، اگر اس کو کوئی اچھائی پہنچے تو اس کو مبارکباد دو، اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی تعزیت کرو، اپنے گھر کی عمارت اس کی عمارت سے بلند نہ کرو کہ اس کی ہوا رُک جائے۔" انسان کے ساتھ حُسنِ سلوک اور انسانیت کا اکرام جتنا دین اسلام میں ہے کسی مذہب میں نہیں۔ بانیانِ مذہب ہندو، بدھ مت، یہودیت، اسلام، سب نے اپنے اپنے انداز میں انسان کا احترام سکھایا مگر بعد میں لوگوں نے اپنی اپنی جھوٹی اَنا کی تسکین کی خاطر جدا، جدا راہیں بنا لیں اور شیطان کے بہکاوے میں آ کر انسان کا قتل عام کیا۔

حالیہ ظلم وستم جو کہ برما میں ہو رہا ہے اس نے ہلاکو خان، ہٹلر، چنگیز خان کے ادوار میں برپا قتل وغارت کے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ برما کبھی اسلامی پرچم کے زیرِ نگیں تھا۔ ظہیر الدین بابر نے 1526ء میں جب مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی تو 2 سال کے قلیل عرصے میں برما میں اسلام کے پرچم لہرا گیا اور اس کی حدیں ویت نام کے ساحلوں تک جا پہنچیں۔ کم وبیش 150 سال برما مغلوں کے زیرِ سلطنت رہا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1600ء میں اس خطے میں قدم رکھا اور 1773ء تک بنگال پر قبضہ کر لیا۔ پھر 1824ء میں برما بھی برٹش راج کے تسلط میں چلا گیا۔ یہاں 124 سال برٹش راج نافذ رہا۔ انگریز کے تسلط کے دوران مسلمان برما سے ہندوستان ہجرت کرتے رہے۔ برما میں بدھ مت کی تعداد بڑھنے لگی اور مسلمان کم ہوتے گئے اور بالآخر 4 جنوری 1948ء کو انگریزوں نے برما بدھ مت کے حوالے کر دیا۔ تقسیم کے وقت برٹش راج کا فارمولا یہ تھا کہ جو مذہب جہاں اکثریت رکھتا ہے وہ ان کے حوالے ہو گا۔ یوں برما میں پہلا حکمران بدھ مت بنا۔

برما کے مشرق میں چاینا، شمال میں لاؤس اور تھائی لینڈ، جنوب میں بنگلہ دیش اور مغرب میں اس کی سرحدیں بحرِ ہند سے ٹکراتی ہیں۔ اس کی آبادی کم وبیش 7 کروڑ ہے اور مسلمانوں کی تعداد 30 لاکھ ہے۔ پوری دُنیا میں اس وقت برما کا مسلمان شدید ترین اذیت میں مبتلا ہے۔ برما کی فوجی حکومت 30 ہزار سے زائد مسلمانوں کو شہید کر چکی ہے۔ برما کا سب سے بڑا صوبہ مسلمانوں کے لیے جہنم بنا ہوا ہے۔ تاریخ کے بدترین جنگی جرائم کا ارتکاب مسلمانوں پر جاری ہے۔ برما حکومت کا مسلمانوں سے وحشیانہ سلوک دل کو تڑپا رہا ہے۔ سوشل میڈیا پر گاجر، مولی کی طرح کٹتے معصوموں کو دیکھ کر کلیجہ پھٹتا ہے۔ عام انسان صرف دُعا کر سکتا ہے، نام نہاد اسلامی ملکوں کا اتحاد بھی اقوام متحدہ کی لونڈی کا کردار ادا کر رہا ہے۔ زبانی جمع خرچ بھی برائے نام ہے۔ تاہم ایران اور ترکی نے ہمت کا مظاہرہ کیا ہے، اللہ انہیں مزید ہمت اور توفیق دے اور برما کے مظلوم مسلمانوں کی غیب سے مدد فرمائے۔ آیئے! مل کر اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کریں، رو کر اُمت مسلمہ کے لیے دعا کریں اور وطن عزیز کے امن کے لیے مزید محنت کریں۔ اللہ سب کو امن کے ساتھ محبت کے ساتھ سلامت رکھے۔

Daily "KHABRAIN" Multan 20 September,2017

امن کا راستہ

بہت پرانا' معصومانہ اور خاکسارانہ قسم کا فلسفۂ حیات ہے اگر کوئی ایک چپت رسید کرے تو اس کے آگے دوسرا رخسار بھی پیش کر دیا جائے۔ اس سے جہاں مظلوم کیلئے رونے دھونے کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہے گا وہیں ظالم کو بھی اپنی دست درازیوں کیلئے حوصلہ مل جائے گا۔ چنانچہ واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ "ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!" گویا ظلم اور جبر کے سامنے سینہ سپر ہونے کے بجائے معذرت خواہانہ رویہ اپنانے کی بنا پر سسک سسک کر اور بلک بلک کر مر جانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ تب انہی مواقع کیلئے ہدایت کی گئی ہے کہ ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو۔ الحدیث۔ پوچھا گیا کہ مظلوم کی مدد کرنے والی بات تو سمجھ میں آتی ہے مگر ظالم کی امداد کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا گیا کہ ظالم کو اس قابل ہی نہ چھوڑو کہ وہ مزید ظلم کر سکے۔

دین اسلام میں ظلم و تعدی کے بجائے امن اور سلامتی کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور امن و امان کے قیام کو کسی بھی فلاحی مملکت کی اولین ترجیح قرار دیا گیا ہے۔ حکومتی سطح پر امن و امان کی کوششوں کی بنا پر گھر' بازار اور شاہراہیں ہمہ قسمی فساد' بگاڑ' چوری' ڈکیتی سے محفوظ ہو جاتی ہیں اور عوام یکسوئی اور اطمینان قلب کے ساتھ اپنے کاروبار اور ملکی ترقی میں اپنا اپنا حصہ ڈالتے رہتے ہیں۔

ہمارے اکابرین اس معاملہ میں نہایت حساس ہوا کرتے تھے جس کے نتیجہ میں دمشق سے روانہ ہونے والی' زر جواہر سے لدی پھندی عورت مکہ تک کا سفر نہایت اطمینان اور احساس تحفظ کے ساتھ کرتی تھی اور وہ بعافیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ جناب امیر عمرؓ کے دور میں رپورٹ ملی کہ فلاں شخص کے بال نہایت خوبصورت ہیں اور وہ مانگ نکال کر مدینہ کی گلیوں میں گھومتا ہے جس کی وجہ سے خواتین میں ترغیب گناہ پیدا ہو سکتی ہے۔ ایک ممکنہ بگاڑ کے خاتمہ کیلئے اس شخص کو بلوا کر حجام کے حوالہ کیا گیا۔ اس کے سر کے بال مونڈوا دیئے گئے اور اسے کوفہ کے گورنر کے حوالہ کر دیا گیا کہ یہ آپ کی نگرانی میں رہے گا جبکہ ہر ہفتہ اس کے بال مونڈوا دیئے جائیں۔ اسی طرح جناب حضرت علیؓ کے دور خلافت میں دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ آپ بھی وہاں پہنچ گئے۔ ایک شخص دوسرے کو تھپڑ مار چکا تھا۔ دونوں کو چھڑا لیا گیا۔ امیر المومنینؓ کے احترام میں انہوں نے ایک دوسرے کو معاف کر دیا لیکن جناب امیرؓ نے تھپڑ مارنے والے شخص کو پکڑ لیا اور فرمایا کہ تمہاری تھپڑ مارنے کی سزا تو مضروب کے معاف کر دینے کی بنا پر ختم کر رہا ہوں لیکن تمہیں اسلامی مملکت میں فساد پیدا کرنے کی سزا ضرور ملے گی۔

قارئین کرام! جدید دور میں انسانی حقوق کی علمبردار نام نہاد تنظیموں کے نزدیک ایسے دور اندیشانہ اقدامات تنقید کی زد میں آتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ فساد اور بگاڑ کے ہمہ قسمی رخنے بند کر دینے کی بنا پر ہمارا ابتدائی دور کا اسلامی معاشرہ اپنی مثال آپ تھا اور جرائم کی شرح حیرت انگیز طور پر نہ ہونے کے برابر تھی۔ اگر آج ہم نے بھی ان پیشوں کی طرح نہایت خلوص کے ساتھ ویسے ہی "ایگزیکٹو آرڈرز" یا صدارتی آرڈیننس جاری کئے ہوتے تو یقینی طور پر سٹریٹ کرائمز سے لے کر خودکش دھماکوں تک سے جان چھڑا چکے ہوتے اور دنیا کی چھٹی بڑی آرمی کو "ردالفساد" جیسا صبر آزما آپریشن نہ کرنا پڑتا۔



مضراب

مشتاق احمد فاروقی

mafarooqi2010@gmail.com

وطن عزیز میں جاری فتنہ و فساد کی ہولناکیوں سے ہر شخص آگاہ ہے۔ ہمارے دشمنوں نے اسے مذہبی لبادہ پہنا دیا ہے اور افرادی قوت بھی مذہبی گروپوں سے حاصل کر رہے ہیں۔ چور اور ڈکیت ہوں یا خودکش دھماکوں اور فائرنگ کے واقعات میں ملوث افراد ہوں یہ موقع واردات پر اچانک نہیں ٹپک پڑتے۔ اپنے اپنے مراکز سے اپنے ٹارگٹ تک پہنچنا' وہیں مر جانا یا بحفاظت واپس چلے جانا کوئی آسان کام ہرگز نہیں۔ ان تمام کارگزاریوں کیلئے تربیت' مشق' متعلقہ رسد یا سامان کی فراہمی وغیرہ جیسے مراحل کیلئے مقامی سطح پر کسی سہولت کار کا ہونا لوازمات واردات کا حصہ ہے۔ واردات کے بعد مذمتی بیانات یا ملوث افراد و گروہ کو نیست و نابود کر دینے کے دعوے کرنے سے بات کہیں آگے جا چکی ہے۔ جب تک ان سفاک اور بے رحم افراد سے انہی جیسی سفاکی کے ساتھ نہیں نمٹا جائے گا تو یہ حادثات فاجعہ ختم نہیں ہوں گے۔ ان کی نرسریاں اور سہولت کاری کے اڈے نہایت بے رحمی کے ساتھ ختم کرنا ہوں گی۔ تکفیری نعرے ان لوگوں کی روحانی غذا ہیں جن کا مقابلہ نہ صرف علمی میدان میں کرنا ضروری ہے بلکہ ایسے "اساتذہ" اور "مبلغین" پر سخت قدغن لگانا بھی اہم ہے۔

بعض سیاسی جماعتیں اپنی ہیبت اور جلالت برقرار رکھنے کیلئے ان بھائی بندوں کے لئے نرم گوشہ رکھتی ہیں جو کہ پورے معاشرے کیلئے زہر قاتل ہے۔ ہم نہایت دردمندی کے ساتھ گزارش کریں گے کہ مذہبی' سیاسی جماعتوں کے جبہ و دستار پوش رہنماؤں کو قومی سطح پر ان اڈوں' نرسریوں کے خاتمے کا ٹاسک دیا جائے۔ ان حضرات کیلئے اپنے ہم مسلک لوگوں سے رابطہ قائم کرنا کوئی مشکل کام ہرگز نہیں۔ ان لوگوں کو باور کرا دیا جائے کہ اگر ان کے علاقہ میں کوئی دہشت گردانہ واردات ہوئی تو انہیں اعانت جرم کا مرتکب ٹھہرایا جائے گا اور ایک ہفتہ کے اندر سمری ملٹری کورٹ کے ذریعے انہیں سزا دی جائے گی تو یہی لوگ ازخود فتنہ کو رفع کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہو جائیں گے۔ یہ بات عین قرین انصاف بھی ہوگی کیونکہ APS' پارک لین مسجد اور دیگر مختلف مقامات پر نشانہ ستم بننے والے شہداء کے ورثاء کی دل دہی بھی ہم سب کے فرائض میں شامل ہے۔ اس قسم کے واقعات / سانحات میں ملوث افراد کے ساتھ نرمی برتنا یا انہیں عام معافی کا مستوجب قرار دینا بجائے خود ظلم کی حمایت کے زمرے میں آتا ہے۔ اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ وفاقی پارلیمانی جمہوری نظام کی بدولت ہمارے سیاستدانوں کو بھی ایسے گروہوں سے وابستہ افراد کے ووٹ کی شدید ضرورت پڑتی رہتی ہے اور یہ بوالہوس سیاستدان اپنی کامیابی کیلئے ایسے لوگوں کو "رعایت" دیتے رہتے ہیں۔ مقدمہ درج کرانے یا کیس عدالت میں لے جانے کی صورت میں یہی سیاستدان سیاسی انتقام کی دہائی دے کر معاملات کو اپنے حق میں لے آنے میں کمال رکھتے ہیں۔ ایسے تمام "باکمال لوگوں" کے علاج کیلئے جناب حسن نثار اور ریٹائرڈ ڈی پی او رائے ضمیر الحق کے پاس ایک نایاب نسخہ موجود ہے۔ ہم پوری شرح صدر کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ فتنہ و فساد کی جڑوں تک رسائی حاصل کر کے صدق دل کے ساتھ' بقاء کی جنگ سمجھتے ہوئے جنگ جاری رکھی جائے اور ان اندرونی فسادیوں کے ساتھ بھی محاذ جنگ پر موجود دشمنوں جیسا سلوک کیا جائے تو دورِ فتن کا خاتمہ ہوتے دیر نہیں لگے گی اور وطن عزیز میں امن و آشتی کا دور دورہ ہو جائے گا۔ کروڑوں لوگ پُرامید بھی ہیں اور ابھی سے گنگنا بھی رہے ہیں کہ:

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی......!

ولی وہ ہے جو اللہ کے امر و نہی پر قائم رہے!

"کشف المحجوب" کے ایک باب سے اقتباس

حضرت ابو علی جرجانیؒ فرماتے ہیں: ولی وہ ہے جو اپنے حال سے فانی اور مشاہدہ حق میں باقی ہو، اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی ذات کی کوئی بات کرے، یا اللہ کے سوا کسی اور سے آرام و سکون پائے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں:

ولی وہ ہے جسے کوئی خوف نہیں ہوتا، اس لئے کہ خوف اس چیز سے ہوتا ہے، جس کے آنے سے دل ناگواری محسوس کرتا ہو، یا وجود پر اس کا بوجھ پڑتا ہو، یا جو محبوب اس کے ساتھ ہے، اس کے جدا ہونے سے ڈرتا ہے، اور ولی صاحب وقت ہوتا ہے، ویسے ہی اس کو امید (رجا) بھی نہیں ہوتی، اس لئے کہ امید اس پسندیدہ چیز کی ہوتی ہے، جس کا انسان دوسرے آئندہ وقت میں خواہش مند ہو یا ناپسندیدہ چیز کے دفع ہونے اور مٹنے کی امید ہوتی ہے، اور اسے کوئی غم بھی نہیں ہوتا، اس لئے کہ غم وقت کی کدورت سے پیدا ہوتا ہے، جو شخص رضا کے مقام پر فائز ہو یا موافقت کو اپنا مسلک بنا چکا ہو، وہ غم کس چیز کا کھائے گا؟

حضرت ابو عثمان مغربیؒ فرماتے ہیں:

"ولی لوگوں میں مشہور ہوتا ہے مگر دنیا کا اسیر نہیں ہوتا"۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

"ولی پوشیدہ ہوتا ہے، مشہور نہیں ہوتا"۔ یعنی ولی وہ ہوتا ہے جو شہرت سے پرہیز کرے، اس لئے کہ شہرت میں فتنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ حضرت ابو عثمانؒ کے نزدیک شہرت جائز ہے، اس صورت میں کہ فتنے کا باعث نہ ہو۔ اس لئے کہ فتنہ جھوٹ کے زمرے میں آتا ہے، اور ولی تو اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے، جھوٹے پر ولایت کے لفظ کا اطلاق کس طرح ہو سکتا ہے، جھوٹے کے ہاتھ پر کرامت کا ظہور بھی محال ہے، تاکہ اس سے فتنہ نہ پھیلے۔

یہ دونوں اقوال پھر اسی بات سے متعلق ہو جاتے ہیں کہ ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم نہیں ہوتا، کیونکہ اگر اسے اپنے ولی ہونے کا علم ہو تو وہ مشہور ہوگا اور اگر وہ اپنے آپ کو نہ جانتا ہو تو مفتون ہوگا، اس کی تشریح خاصی طویل ہے۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ نے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا تم ولی اللہ بننا چاہتے ہو، اس نے کہا، ہاں! آپ نے فرمایا: "دنیا و آخرت کی رغبت چھوڑ دے، اس لئے کہ دنیا کی رغبت ایک فانی چیز کی خاطر اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنا ہے، اور آخرت کی رغبت ایک باقی رہنے والی چیز کی خاطر اللہ سے روگردانی کرنا ہے، اگر فانی چیز سے اعراض ہے تو فانی کے فنا ہونے کے ساتھ یہ اعراض بھی باقی نہ رہے گا، لیکن اگر باقی رہنے والی چیز سے اعراض ہے تو اس پر فنا نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس کے اعراض پر بھی فنا نہیں ہوگی، لہٰذا اپنے آپ کو دونوں جہان سے فارغ کر کے اللہ کی دوستی کے لئے تیار کرو، اور دنیا و آخرت کو اپنے دل میں راہ نہ دو، اور خدا کی طرف دل توجہ کرو، تیرے اندر یہ اوصاف پیدا ہو جائیں تو ولایت دور نہیں"۔

حضرت ابو یزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ ولی کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر و نہی پر قائم رہے"۔ اس لئے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت زیادہ ہوگی اس کے دل میں اللہ کے حکم کی عظمت بھی زیادہ ہوگی، اور اس کا جسم بھی اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نہی سے دور ہوگا۔

حضرت بایزید بسطامی کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ مجھے لوگوں نے بتایا کہ فلاں شہر میں ایک ولی اللہ موجود ہے، میں اس کی زیارت کے لئے روانہ ہوا، اس کی مسجد میں پہنچا، تو اتفاق سے وہ بھی گھر سے مسجد میں آیا، آتے ہی اس نے مسجد میں تھوکا، میں وہیں سے بغیر سلام و کلام کے واپس ہو گیا، میں نے کہا ولی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کی پابندی کرے، تاکہ حق تعالیٰ اس کی ولایت کی حفاظت کرتا رہے، اگر یہ شخص ولی اللہ ہوتا تو مسجد میں نہ تھوکتا۔ مسجد کی عزت و حرمت کا خیال کرتا، یا اللہ تعالیٰ اسے اس بات سے محفوظ رکھتا۔ اسی رات میں نے خواب میں آنحضورؐ کی زیارت کی، آپؐ نے فرمایا، بایزید! تم نے جو کام کیا ہے، اس کی برکتیں تمہیں پہنچ گئی ہیں، اس سے اگلے دن ہی میں اس درجے کو پہنچ گیا، جس پر تم سب لوگ مجھے دیکھ رہے ہو"۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ ابو سعیدؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے مسجد میں پہلے بایاں پاؤں رکھا، آپ نے فرمایا اسے واپس کرو، کیونکہ جو شخص محبوب کے گھر میں داخل ہونے کے آداب بھی نہیں جانتا، وہ ہمارے کام کا نہیں۔

ملحدین کا ایک گروہ ہے، جو طریقت سے اپنا تعلق جتلاتا ہے، اور کہتا ہے کہ خدمت (عبادت) اس وقت تک کرنی چاہئے کہ بندہ ولی ہو جائے جب ولی ہو جاتا ہے تو اس سے ہر قسم کی خدمت ساقط ہو جاتی ہے، یہ گمراہی ہے، راہ حق میں ایسا کوئی مقام نہیں جہاں خدمت (عبادت) یا خدمت کا کوئی رکن بندے سے اُٹھ جائے۔

واضح رہے کہ تکلیف شرعی کے دائرے میں رہ کر ولی سے کرامات کا صدور جائز ہے، اور اہلسنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے، نیز یہ عقل کے نزدیک بھی ناممکن اور محال نہیں، اس لئے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں اور ان کا اظہار بھی شریعت کی کسی اصل کے خلاف نہیں، اور اس طرح کی باتیں وہم سے بھی بعید اور خارج نہیں ہیں، کرامت صداقت ولی کی نشانی ہوتی ہے، جھوٹے سے اس کا صدور جائز نہیں اور اس سے سوائے جھوٹے دعوے کے اور کیا ظاہر ہو سکتا ہے؟ اور کرامت ایک ایسا خلاف عادت فعل ہے جو ولی سے مکلف ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور جو معرفت الٰہی سے استدلال کی روشنی میں سچ کو جھوٹ سے الگ کر سکے، وہ ولی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مقام ولایت کے منتہا پر فائز ہونے والے کو اس راہ کے مبتدی کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا! وہ راہب بھی ساحرانِ فرعون کی طرح پوشیدہ حال تھا۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کے معجزے کی تصدیق کی اور راہب نے بھی نبوت کی صداقت اور ولایت کی شان دیکھنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حسن عنایت سے اس کا مقصد پورا کر دیا، لہٰذا کرامت اور معجزے کے درمیان فرق ظاہر ہے، یہ بحث کافی طویل ہے، مضمون میں اس کی گنجائش نہیں اور اولیاء اللہ سے کرامات کا اظہار ایک دوسری کرامت ہے، اس لئے کہ ولایت کی شرط کرامات کا چھپانا ہے نہ کہ انہیں بہ تکلف ظاہر کرنا۔

مشائخ طریقت اور تمام اہلسنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کافر کے ہاتھ پر معجزے اور کرامت کی طرح کوئی خلافِ عادت فعل ظاہر ہو سکتا ہے، مگر یہ فعل ایسا ہوگا جسے کرامت اور معجزے کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت کا امکان بھی نہیں ہوگا، اور کسی کو ایسے شخص کے جھوٹے ہونے میں قطعاً کوئی شک نہ ہوگا، بلکہ خود اس کا وہ فعل اس کے جھوٹ کی دلیل ہوگا۔

جیسے فرعون نے چار سو سال کی عمر پائی، مگر اس دوران وہ کبھی بیمار نہیں ہوا۔ اس کے عقب میں پانی بلند سطح پر ہوتا، وہ رک جاتا تو پانی بھی رک جاتا اور وہ چلتا تو پانی بھی چل پڑتا۔ اس طرح کی اور باتوں کے باوجود کسی عقل مند کو بھی اس بات میں شک و شبہ نہیں کہ وہ اپنے دعویٰ خدائی میں جھوٹا اور کافر تھا۔ اس لئے کہ عُقلاء اللہ تعالیٰ کو مجسم اور مرکب تسلیم نہ کرنے پر مجبور ہیں، چنانچہ اگر ان سے زیادہ واقعات فرعون کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے تو بھی انہیں اس کے دعوے کے جھوٹا ہونے میں شبہ نہ ہوتا۔

شداد صاحب ارم اور نمرود کے ایسے واقعات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ اسی طرح مخبر صادق آنحضورؐ نے دجال کے بارے میں فرمایا کہ وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا اور خدائی کا دعویٰ کرے گا، اس کے دائیں بائیں دو پہاڑ اس کے ساتھ چل رہے ہوں گے، دائیں طرف والا پہاڑ جنت کا نمونہ ہوگا اور بائیں طرف والا دوزخ کا۔ لوگوں کو اپنی خدائی کی دعوت دے گا، جو اس کی دعوت قبول نہ کرے گا، اسے عذاب دے گا، اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی کے سبب لوگوں کو مارے گا، اور پھر زندہ کرے گا، سارے عالم میں اسی کا حکم چلے گا، اگر وہ ان کے علاوہ سو گنا زیادہ خلاف عادت واقعات دکھائے تو بھی کسی عقل مند کو اس کے جھوٹا ہونے میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ صاحب عقل آدمی یہ ضرور سوچے گا کہ اللہ تعالیٰ نہ تو گدھے کی سواری کرتا ہے، اور نہ ہی اس پر تغیر اور تلون جائز ہے، یہ باتیں استدراج کے حکم میں آتی ہیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ کسی جھوٹے مدعی رسالت کے ہاتھ پر خلاف عادت فعل کا ظہور ہو، مگر یہ فعل اس کے جھوٹ کی دلیل ہوگا۔ البتہ سچے کے ہاتھ سے خلاف عادت فعل کا ظہور اس کی سچائی کی علامت ہوگا یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ کوئی ایسا خلاف عادت فعل ظاہر ہو، جس کی پہچان میں شبہ پڑ جائے، کیونکہ اگر شک و شبہ کی گنجائش ہو تو پھر جھوٹے اور سچے کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہو جائے گا، اور طالب حقیقت کو قطعاً یہ پتہ نہیں چلے گا کہ وہ کس کی تصدیق کرے اور کس کی تکذیب؟ کیونکہ ایسے میں کسی ایک بات کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہوگا، اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی مدعی ولایت کے ہاتھ پر کرامت قسم کی کوئی چیز ظاہر ہو، جو دین میں صحیح اور درست ہو، اگرچہ معاملات کے اعتبار سے وہ خود بہت اچھا نہ ہو، اس لئے کہ وہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا اثبات کر رہا ہے اور فضل خداوندی کا ممنون احسان ہے۔ وہ اس فعل کو اپنی طاقت و قوت کا کرشمہ نہیں سمجھتا اور جو اصل ایمان میں کسی خرق عادت کے بغیر سچا ہے وہ دیگر تمام احوال میں اپنے اعتقاد کے مطابق ولی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ اس کے اعمال اعتقاد کے مطابق نہ ہوں، اس کے ظاہری اعمال کا نقص یا خرابی اسی طرح اس کی ولایت کی نفی نہیں کرتی، جیسے یہ چیز اس کے ایمان کی نفی نہیں کرتی۔

درحقیقت کرامت اور ولایت عطیہ الٰہی ہے نہ کہ کسب بندہ، انسانی کوشش اور کسب حقیقت ہدایت کا سبب نہیں بن سکتے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اولیاء معصوم نہیں ہوتے، اور نہ ہی عصمت ولایت کی شرط ہے، البتہ وہ ہر ایسے فعل سے محفوظ رہتے ہیں جس کا وجود ولایت کے منافی ہو، اور ولایت ختم ہو سکتی ہے مگر ارتداد سے، گناہ سے نہیں۔

☆☆☆

زاد الابرار فی مناقب ائمۃ اہل البیت الاطہار

(فی ضوء کشف المحجوب)

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری کی گراں قدر علمی تصنیف

حضرت الشیخ السید علی بن عثمان الہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ اس عظیم قافلہ علم و حکمت اور شریعت و طریقت کے سرخیل تھے، جن کے دم قدم سے لاہور اسلام کے نور سے منور ہوا۔ اسی مقام پر آپ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" جس کا شمار تصوف کی اُمہات کتب میں ہوتا ہے، ترتیب دی، جس سے انسانیت گزشتہ ایک ہزار سال سے اکتساب فیض کر رہی ہے۔ انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ آپ کے 974 ویں سالانہ عُرس مبارک کی تقریب کے فیوض و برکات کو دو چند کرنے کے لئے آپ کے وہ ارشادات اور ملفوظات اور کشف المحجوب کے وہ مضامین جن میں آپؒ نے اہل بیت اطہار کے فضائل و کمالات کا تذکرہ کیا ہے، کو مجتمع کر کے، معروف محقق جناب ڈاکٹر طاہر رضا بخاری نے اس کو ایک وقیع اور جامع کتاب کی صورت میں مرتب کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ "کشف المحجوب" کے مندرجات کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ مقصدِ تحریر یہ ہے کہ: "مرادِ طریقت" کے متعلقات کو کھولا جائے۔ مقدمہ کتاب اور فقر، تصوف، مرقعہ پوشی، ملامت وغیرہ کی بحث کے بعد حضرت الشیخ علی ہجویریؒ نے آئمہ تصوف کے "طبقۂ اول" میں صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر کیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کشف المحجوب میں مذکور انہی اکابرینِ اُمت کے احوال و افکار سے مزین ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ "کشف المحجوب" میں، صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر شروع کرتے ہیں...... تو یوں لگتا ہے کہ ان کا قلم فرطِ عقیدت و محبت سے جھکا جا رہا ہے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس قدر عظمت و سربلندی کے باوجود...... آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری رہتے:

"ہم فنا ہو جانے والے گھر کے باسی ہیں اور ہمارے حالات ایسے ہیں جیسے مستعار لئے ہوئے ہوں، ہمارے گنتی کے سانس ہیں اور ہماری ہستی بدستور موجود ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اسی قول کی شرح عقلی دلیل سے یوں فرماتے ہیں:

"جو چیز عاریۃً آئے وہ ضرور واپس جائے گی اور جو چیز گزرنے والی اور فانی ہے وہ کبھی رہ نہیں سکتی، اور جو گنتی سے ملے وہ ضرور ختم ہو گی"

اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرتؒ کا پیرایۂ اظہار شدتِ محبت سے سرشار نظر آتا ہے۔ "باب فی ذکر ائمتھم من اہل البیت" میں سیدنا حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام ابو جعفر محمد باقر، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کا تذکرہ انتہائی جمیل اور بلیغ انداز میں کیا گیا ہے۔ بالخصوص حضرت زین العابدینؒ کے مبارک تذکرہ میں ہشام بن عبدالمالک کے اس واقعہ کا بھی آپؒ نے ذکر کیا ہے، جب وہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بیت اللہ کے حج کے لئے گیا۔ استلام حجر اسود کے وقت ہجوم کے باعث اسے دقت کا سامنا ہوا۔ اتنے میں حضرت امام زین العابدینؒ صحن کعبہ میں تشریف لے آئے، روئے انور سے چاندی کی مانند روشنی پھیل رہی تھی، رخسار مبارک نور تاباں کا مظہر اور لباس کی عطر بیزی سے راستہ مہلک رہا تھا۔ آپؒ نے طواف فرمایا اور پھر استلام حجر اسود کے لئے بڑھے تو لوگوں نے آپؒ کو تشریف لاتے دیکھ کر فی الفور تعظیماً راستہ چھوڑ کر، دیدہ دل فرش راہ کر دیا۔ آپؒ بہ آسانی حجر اسود کے بوسہ کے لئے تشریف لے گئے۔ ہشام اور اس کے گرد موجود شامی مبہوت ہو کر یہ دلکش اور محبت بھر منظر دیکھ رہے تھے۔ کسی نے پوچھا: یہ کون ہے؟...... اتفاقاً عرب کا مظہور شاعر فرزدق وہاں کھڑا تھا، کہنے لگا" ہشام! تو نہ جانتا ہو...... مگر میں انہیں خوب جانتا ہوں" شامیوں نے کہا: اے ابو الفراس، بتا! یہ کون ہے؟ اس پر فرزدق نے برجستہ وہ لامیہ قصیدہ کہا، جو عربی ادب کے ماتھے کا جھومر ہے، جس کا مطلع ہے:

ہذا الذی تعرف البطحاء وطاتہ
والبیت یعرفہ والحل والحرم

"یہ وہ ہستی ہے جس کے قدموں کی چاپ کو سرزمین بطحاء پہچانتی ہے اور بیت اللہ اور حل و حرم ان سے واقف ہیں"

زیرِ نظر علمی مجموعہ "زاد الابرار فی مناقب ائمہ اہل البیت الاطہار (فی ضوء کشف المحجوب)" آئمہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے انہیں پاکیزہ تذکرہ سے مزین ہے، جن کو بطور خاص کشف المحجوب سے "کشید" کیا گیا ہے۔ وطن عزیز کے وہ معروف صاحبانِ فکر و فن، لائق تحسین و قابلِ مبارکباد ہیں جن کے گراں قدر مقالات اس خوبصورت علمی مجموعہ کی زینت بنے ہیں۔

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ نے جس روادارانہ فلاحی معاشرے کی بنیاد رکھی تھی، وہ اخوت، بھائی چارے، انسان دوستی، ایثار و محبت جیسے جذبوں سے آراستہ تھا۔ آپ کے فکر و عمل کا یہی فیضان نہ صرف لاہور، پنجاب بلکہ اس پورے خطے کو منور کر گیا۔ بقول اقبال:

خاک پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت
صبح ما از مہرِ اُو تابندہ گشت

(سرزمین پنجاب یعنی پاکستان کو آپ کے دم قدم سے نئی زندگی ملی اور آپ ہی کے آفتاب وجود سے ہماری ملت کے افق روشن ہوئے)

آج بین المسالک ہم آہنگی اور اور بین المذاہب مکالمہ کے فروغ اور انتہا پسندیا ور دہشت گردی جیسے عوامل کی بیخ کنی کے لئے ضروری ہے کہ ہم حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ اور اس خطے کے دیگر بزرگان و صوفیاء کی تعلیمات سے اکتساب فیض کریں۔ یہ لوگ امن کے علمبردار اور انسان دوستی کے امین تھے۔ ان کے مراکز بلا امتیاز مسلک و مذہب ہر ایک کے لئے فیض عام کا ذریعہ تھیں اور امن کے مرکز، محبتوں و الفتوں کے امین تھے۔ ان کی درگاہیں علم کے سب سے بڑے مراکز اور تزکیہ و طہارت کے عظیم ترین مسکن تھے۔ ☆☆☆

شاعرِ "معجزات و کرامات"......

آغا نوری درانیؒ

محمد سرور نوید

شعر گوئی ایک مشکل فن بقول امیر مینائی

خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب کہیں ہوتی ہے معرعۂ تر کی صورت

واقعاتی شاعری عام شاعری سے بھی کہیں زیادہ کٹھن اشعار میں زبان و بیاں کا حسن برقرار رکھتے ہوئے واقعات کا تسلسل ٹوٹنے نہ دینا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، تبھی تو بڑے سے بڑا شاعر بھی واقعاتی شاعری کے میدان میں طبع آزمائی سے گریزاں ہی رہا۔ یہ واقعاتی شاعری جب رسولِ کریمؐ کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات نظم کرنے کے سلسلے میں ہو تو یہ مشکل مزید دو چند ہو جاتی ہے۔ شاعری میں کبھی وزن شعری اور کبھی زورِ مضمون کی خاطر اضافہ اور مبالغہ کی شکل پیدا ہوتی رہتی ہے اور رسول کریمؐ اور اولیائے کرام کے باب میں ذرا سا مبالغہ و غلو شرک کی سرحد میں پہنچا دیتا ہے۔ ایسی نظم میں جمالیاتی سطح پر اس فن کا اظہار پُل صراط پر سے گزرنے سے کم نہیں۔

حضرت آغا نوری درّانی وہ بلند پایہ صوفی شاعر تھے، جنہیں اُردو زبان و ادب میں سب سے پہلے اور شاید آخر بھی، مستند حوالہ جات کے ساتھ کثیر تعداد میں معجزاتِ رسولؐ اور کراماتِ اولیائے کرام نظم کرنے کی سعادت عظیم حاصل ہوئی اور "شاعر معجزات" اور "شاعر کرامات" کے روحانی لقب سے ملقب ہوئے۔ "معجزات اور کرامات" کے یہ شاعری مجموعے ایک قادر الکلام شاعر کے مسحور کن شعری فن اور ایک پکے سچے عاشق رسولؐ کے کمال جذبِ عشق اور سوزِ دروں کے حسیں امتزاج کا ماحاصل ہیں۔ نوری درّانی باوضو ہو کر معجزاتِ رسولؐ نظم کرنے بیٹھتے، تو ان کا صریرِ خامہ پُر اثر نوائے سروش بن کر چلتا ہی گیا تا آنکہ یہ شاہکار تصانیف رقم ہوئیں۔

استاذ العلما سید سلیمان ندوی مولف "سیرت النبی" "معجزات منظوم کی تقریظ میں رقم طراز ہیں۔ معجزات کو معیاری اسناد اور حوالوں کے ساتھ پیرایۂ نظم میں ظاہر کرنے کی جو سعادت آغا نوری درّانی کو حاصل ہو رہی ہے وہ اس پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مولانا عبدالماجد یابادی نے معجزات منظوم کی تقریظ میں لکھا۔

"آغا نوری درّانی پنجاب، بلکہ اس کے بھی دیہات کے ہیں، لیکن حیرت ہے اور حیرت سے زیادہ مسرت کہ ان کی زبان میں لکھنؤ والوں کی صحت و سلاست، شگفتگی و لطافت ہے۔ معجزات منظوم شکل میں اتنی بڑی تعداد میں سب بالکل مستند اور ہر طرح محقق کہاں مل سکتے تھے۔

شمس العلما خواجہ حسن نظامی نے "معجزات" منظوم کو اُردو زبان میں ایک نئی چیز کا اضافہ قرار دیا۔

آغا عبدالغنی خاں نام نوری تخلص 7 مارچ 1915ء جالندھر کے ایک عالمی ادبی اور دینی گھرانے میں پیدا ہوئے فارسی اور فقہ کی کتابیں اپنے والدین سے پڑھیں رسمی تعلیم کے بعد اپنے آبائی پیشہ "تعلیم و تدریس" سے منسلک ہو گئے۔ ماہنامہ "ایجوکیشنل گزٹ" جالندھر کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے مسلمانان ہند میں حصول علم کا شعور بیدار کرتے رہے۔ دوران ملازمت چند سال دہلی اور شملہ میں بھی رہے۔ قیام دہلی کے دوران وہاں کے موقر روزنامہ "خادم" کا مستقل فکاہی کالم لکھ کر عوام سے خوب داد پائی۔ تحریک پاکستان اور تحریک ختم نبوت میں اپنے چچا زاد بھائی مرتضیٰ احمد خاں میکش ایڈیٹر روزنامہ "احسان" و "شہباز" کے شانہ بشانہ شاندار صحافتی و قلمی خدمات سرانجام دیں۔ انہیں دونوں معجزات منظوم مکمل کی معجزات منظوم ابھی طباعت کے مراحل میں سے گزر رہی تھی کہ تقسیم ہند کے ساتھ ہی مسلم کش فسادات نے برصغیر پاک ہندو کو اپنی لپیٹ میں لے لیا قیامت صغریٰ کا



[illegible] خوار بچوں تک [illegible] جان بچانے بھاگ پڑی تھیں، لیکن نوری درانی اپنے بڑے بھائی جمیل احمد خان اور اپنی اکلوتی بہن اور بہنوئی کی شہادت کا زخم اپنے سینہ پہ سجائے لئے بے صرف اپنے عشق حقیقی کا ماحاصل منظوم معجزات کا قلمی نسخہ ہاتھوں میں لئے ارض پاکستان پر پہنچتے ہی سجدہ ریز ہو گئے۔ اپنے چچا زاد بھائی مرتضیٰ احمد خان میکش کے لاہور ہی قیام کرنے کے اصرار کے باوجود صوفی منش شاعر یہ کہہ کر مہاجر ٹرین میں سوار ہو گئے کہ اس ٹرین کا پاکستان میں جو آخری سٹیشن ہو گا وہی اپنا پڑاؤ ہو گا مہاجر ٹرین جھنگ جیسے پس ماندہ شہر جا کر رک گئی، تو انہوں نے جھنگ سے 25 کلومیٹر دور "موکھیانہ" نامی گاؤں کو اپنا مسکن بنا کر دوبارہ تعلیم و تدریس سے منسلک ہو گئے۔

اپنے عشق حقیقی کی لو یہاں بھی ٹھنڈی نہ ہونے دی۔ اب آپ کے عشق کا محور اولیائے کرام ٹھہرے مستند اولیا کرام کی مستند کرامات کو اسناد اور حوالوں کے ساتھ شعری قالب میں ڈھال رہے تھے کہ 31 اکتوبر 1977ء کی سنگین شام راقم تقدیر نے "راقم کرامات" کو اپنے پاس بُلا لیا۔ آپ کی وفات کے تقریباً بیس برس بعد آپ کے صاحبزادہ رب نواز درانی نے کرامات منظوم کے اس نامکمل، مگر ضخیم سلسلے کو ترتیب دیکر زیور طباعت سے آراستہ کیا تو اس وقت کے جید علماء و فضلا نے دل کھول کر اس کو سراہا۔

سکندر و دارا بھی ترستے رہ گئے جس کو
حکومت کا مزہ وہ ہم نے چکھا ہے فقیری میں

جاہلانہ رسومات کے خلاف

مولانا احمد رضا فاضل بریلوی رحؒ کے فتویٰ جات

محمد ضیاء الحق نقشبندی

آج معاشرے میں پائی جانے والی مسلک اہل سنت کے نام پر جاہلانہ رسومات و بدعات کے خلاف امام احمد رضا خان محدث بریلیؒ کے فتویٰ جات وہ فتویٰ جات ہیں، جنہیں عام کر کے ہم اپنا معاشرے میں کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ فاضل بریلویؒ نے اپنے قلم کی طاقت سے ہمیشہ حق اور سچ لکھا انہوں نے دین متین میں نئی نئی خرافات کے خلاف فتویٰ لکھ کر امت مسلمہ پر احسان عظیم فرمایا۔ آپ نے فرمایا : روضہ رسول ﷺ کو ہاتھ لگانے، جالیوں کو بوسہ دینے سے بچو، کیوں کہ خلاف ادب ہے، بلکہ جالی شریف سے چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان کی رحمت کیا کم ہے تم کو اپنے حضور بلایا، اپنے مواجہ اقدس میں جگہ بخشی، ان کی نگاہ کرم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قریب کے ساتھ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جدید جلد 10 ص 765، مطبوعہ جامعہ نظامیہ لاہور)

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں، روضہ انور کا طواف نہ کرو، نہ سجدہ کرو، نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو۔ حضور کریم ﷺ کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ شریف جدید جلد 10 ص 769 مطبوعہ جامعہ نظامیہ لاہور)

مزار شریف کو بوسہ دینا اور طواف کرنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے، ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص خانہ کعبہ ہے۔ مزار شریف کو بوسہ نہیں دینا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ سے مزارات پر چادر چڑھانے کے متعلق دریافت کیا تو جواب دیا جب ایک چادر موجود ہو، ایسی صورت میں دوسری چادر نہیں چڑھانی چاہیے۔ عرس میں آتش بازی اور نیاز کا کھانا لٹانا حرام ہے۔ اس بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ آتش بازی اسراف ہے اور اسراف حرام ہے، کھانے کا ایسا لٹانا بے ادبی ہے اور بے ادبی محرومی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جدید جلد 24 ص 112، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

عرس میں گانے والیوں کے ناچ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ناچ بے شک حرام ہے' اولیائے کرام کے عرسوں میں بے قید جاہلوں نے یہ معصیت پھیلائی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جدید جلد 29 ص 92، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نشہ، بھنگ اور چرس کے بارے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نشہ حرام ہے۔ نشے کی چیزیں پینا جس سے نشہ بازوں کی مناسبت ہو، اگرچہ حد نشہ تک نہ پہنچے یہ بھی گناہ ہے، ہاں اگر دوا کے لیے کسی مرکب میں افیون، بھنگ یا چرس کا اتنا جزو ڈالا جائے جس کا عقل پر اثر نہ ہو حرج نہیں، بلکہ افیون میں اس سے بھی بچنا چاہیے کہ اس خبیث کا اثر ہے کہ معدے میں سوراخ کر دیتی ہے۔ (احکام شریعت جلد دوم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی حرام اور سجدہ عبادت کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کا مزارات پر جانا ناجائز ہے، بلکہ آپ نے فرمایا کہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے۔ جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے، لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے، ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے روضہ رسول اللہ ﷺ کے، کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ (ملفوظات شریف ص 240، ملخصاً رضوی کتاب گھر دہلی)

مزارات اولیاء پر خرافات کے بارے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام کے مزارات پر ہر سال مسلمانوں کا جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت اور مجالس کرنا اور اس کا ثواب ارواح طیبہ کو پہنچانا جائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص 216' مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

مزارات پر حاضری کے طریقے کے بارے اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ مزارات پر حاضر ہو کر قدموں کی طرف سے جاؤ اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑا ہونا چاہیے اور باادب سلام عرض کرے ''السلام علیک یا سیدی و رحمۃ اللہ و برکاتہ'' پھر درود غوثیہ تین بار، الحمد شریف ایک بار، آیۃ الکرسی ایک بار، سورۂ اخلاص سات بار پھر درود غوثیہ سات بار اور وقت فرصت دے تو سورۂ یٰسین اور سورۂ ملک بھی پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ الٰہی! اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے، نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اسے میری طرف سے اس بندہ مقبول کی نذر پہنچا۔ پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اس کے لیے دعا کرے اور صاحب مزار کی روح کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے، پھر اسی طرح سلام کر کے واپس آئے۔ مزار کو نہ ہاتھ لگائے، نہ بوسہ دے (ادب اسی میں ہے) (فتاویٰ رضویہ جدید جلد 9 ص 522' مطبوعہ جامعہ نظامیہ لاہور پنجاب)

فاتحہ کی چیز سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو سامنے رکھ کر ضروریات دین میں سے سمجھا کہ اس کے بغیر فاتحہ درست نہیں، یہ غلط ہے۔ سامنے ہو یا نہ ہو، ہر حال میں فاتحہ درست اور جائز ہے۔ بچوں کے سر پر اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بے اصل اور بدعت ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ عورت کا اپنے پیر سے پردہ کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں، اگر محرم ساتھ نہ ہو تو۔ عرس کے موقع پر آتش بازی اور نیاز کا کھانا لوٹانے کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آتش بازی اسراف (فضول خرچی) ہے اور اسراف حرام ہے اور کھانے لوٹانا بے ادبی ہے اور بے ادبی محرومی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فوت ہونے سے قبل وصیت فرمائی، ہماری فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جائے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن خوانی کے لیے اجرت لینے اور دینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں 318 مطبوعہ مبارک پور ہندوستان)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیعت اس شخص کی کرنی چاہیے جس میں چار خوبیاں موجود ہوں 1۔ سنی صحیح العقیدہ

2۔ کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی کی امداد کے اپنی ضرورت کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔ 3۔ اس کا سلسلہ حضور ﷺ تک متصل (یعنی ملا ہوا) ہو، منقطع (یعنی ٹوٹا ہوا) نہ ہو۔ 4۔ فاسق معلن نہ ہو۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماہ صفر المظفر منحوس نہیں ہے۔

نوٹ: یہ مقالہ 23 دسمبر 2013 کو الحمراء ہال نمبر 1 میں 23 قومی امام احمد رضا کانفرنس میں پڑھا گیا۔



اللہ کی قدرت پر سچا ایمان

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی خدمت میں ایک نجومی حاضر ہوا۔ آپؒ نے اُس سے فرمایا: کہیے، آپ کے حساب سے بارش کب آنی چاہیے؟ اس نے زائچہ بنا کر کہا: ''اس ماہ میں پانی نہیں آئندہ ماہ میں ہوگی۔'' اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا: اللہ عزوجل ہر بات پر قادِر ہے وہ چاہے تو آج ہی بارِش برسادے۔ آپ سِتاروں کو دیکھ رہے ہیں اور میں ستاروں کے ساتھ ساتھ سِتارے بنانے والے کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ دیوار پر گھڑی لگی ہوئی تھی آپؒ نے نجومی سے فرمایا: کتنے بجے ہیں؟ عرض کی: سوا گیارہ۔ فرمایا: بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ عرض کی: پون گھنٹہ۔ فرمایا: پون گھنٹے سے قبل بارہ بج سکتے ہیں یا نہیں؟ عرض کی: نہیں، یہ سُن کر اعلیٰ حضرتؒ اُٹھے اور گھڑی کی سُوئی گھمادی، فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ نجومی سے فرمایا: آپ تو کہتے تھے کہ پون گھنٹے سے قبل بارہ بج ہی نہیں سکتے۔ تو اب کیسے بج گئے؟ عرض کی: آپ نے سُوئی گھمادی ورنہ اپنی رفتار سے تو پون گھنٹے کے بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا: اللہ عزوجل قادِرِ مُطلق ہے کہ جس سِتارے کو جس وَقت چاہے جہاں چاہے پہنچادے۔ آپ آئندہ ماہ بارِش ہونے کا کہہ رہے ہیں اور میرا ربّ عزَّ وجَلَّ چاہے تو آج اور ابھی بارِش ہونے لگے۔ زبانِ اعلیٰ حضرتؒ سے اِتنا نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا چھا گئی اور جھوم جھوم کر بارِش برسنے لگی۔

دُنیاوی علوم میں مہارت

امامِ اہلِ سنتؒ جہاں ایک عاشقِ رسول اور باکرامت ولی تھے، وہیں ایک زبردست عالمِ دین بھی تھے، کم وبیش پچاس علوم پر آپ کو کامِل دسترس (یعنی مہارت) حاصل تھی۔ دِینی علوم کی برکت سے دُنیاوی علوم خود آگے بڑھ کر آپؒ کے قدم چومتے تھے۔ چناں چہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے یورپ میں تعلیم حاصل کی تھی اور برِصغیر کے صفِ اول کے رِیاضی دانوں میں سے ایک تھے، اتفاق سے رِیاضی کے ایک مسئلے میں ان کو مشکل پیش آئی، بہتیرا سر کھپایا مگر حل سمجھ میں نہ آیا۔ چناں چہ جرمنی جا کر اس مسئلے کو حل کرنے کا قصد کیا۔ حضرتِ علامہ سید سلیمان اشرف صاحب قادری رضوی اس دَور میں یونیورسٹی کے شعبہ دِینیات کے ناظم تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحِب کو مشورہ دیا بلکہ اِصرار کیا کہ آپ جرمنی جانے کی تکلیف اُٹھانے کے بجائے یہاں سے چند گھنٹے کا سفر کر کے بریلی چل کر اِمامِ اہلِ سنت حضرتِ مولانا امام احمد رضا خان سے اپنا مسئلہ حل کروا لیجیے۔ ڈاکٹر صاحِب نے حیرت سے کہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں! کیا یہ ریاضی کا مسئلہ کوئی ایسا مولانا بھی حل کرسکتا ہے جس نے کبھی کالج کا منہ تک نہ دیکھا ہو، نا بابا! بریلی جا کر اپنا وقت ضائع نہیں کرسکتا، مگر سید سلیمان شاہ صاحبؒ کے پیہم اِصرار پر وہ ان کے ساتھ بریلی حاضر ہو گئے۔ امامِ اہلِ سنتؒ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ آپؒ کی طبعیت ناساز تھی، لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے عرض کی: مولانا! میرا مسئلہ بے حد پیچیدہ ہے، ایک دم دریافت کرنے جیسا نہیں، ذرا اطمینان کی صورت ہو تو عرض کروں۔ آپؒ نے فرمایا: آپ بیان کیجیے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ پیش کیا امامِ اہلِ سنتؒ نے فوراً اس کا جواب ارشاد فرمادیا، جواب سُن کر ڈاکٹر صاحب سکتے میں آ گئے اور بے اختیار بول اُٹھے کہ آج تک عِلمِ لَدُنّی (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست ملنے والے علم) کا سنتے تو تھے مگر آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میں تو اِس مسئلے کے حل کے لیے جرمنی جانے کا عزم کر چکا تھا، مگر حضرتِ مولانا سید سلیمان اشرف قادری رضوی صاحبؒ نے میری رہبری فرمائی۔ امامِ اہلِ سنت نے اپنا ایک قلمی رِسالہ منگوایا جس میں اکثر مُثَلَّثوں اور دائروں کی شکلیں بنی ہوئی تھیں، ڈاکٹر صاحب بحرِ حیرت میں غرق ہوئے جا رہے تھے۔ کہنے لگے: میں نے تو اِس علم کو حاصِل کرنے کے لیے ملک بہ ملک سفر کیا، بڑا روپیہ خرچ کیا۔ یورپین اساتذہ کی جُوتیاں سیدھی کیں تب کچھ معلومات ہوئیں مگر آپ کے عِلم کے آگے تو میں محض ایک طِفلِ مکتب ہوں۔ یہ تو ارشاد فرمایئے، اس فَن میں آپ کا اُستاد کون ہے؟ فرمایا: کوئی اُستاد نہیں۔ اپنے والدِ ماجدؒ سے چار قاعِدے جمع تفریق، ضَرب اور تقسیم اِس لیے سیکھے تھے کہ ترَکے (یعنی وِراثت) کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شَرحِ چغمینی شُروع ہی کی تھی کہ والد صاحبؒ نے فرمایا: کیوں وقت ضائع کرتے ہو سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیے جائیں گے۔ چناں چہ آپ جو کچھ ملاحظہ فرما رہے ہیں یہ سب سرکارِ رِسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا کرم ہے۔

مَسائل زِیست کے جتنے بھی تھے

پیچیدہ پیچیدہ

نبی کے عشق نے حل کردیے

پوشیدہ پوشیدہ



رضا مسجد بریلی (انڈیا) کا گنبد و مینار

زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

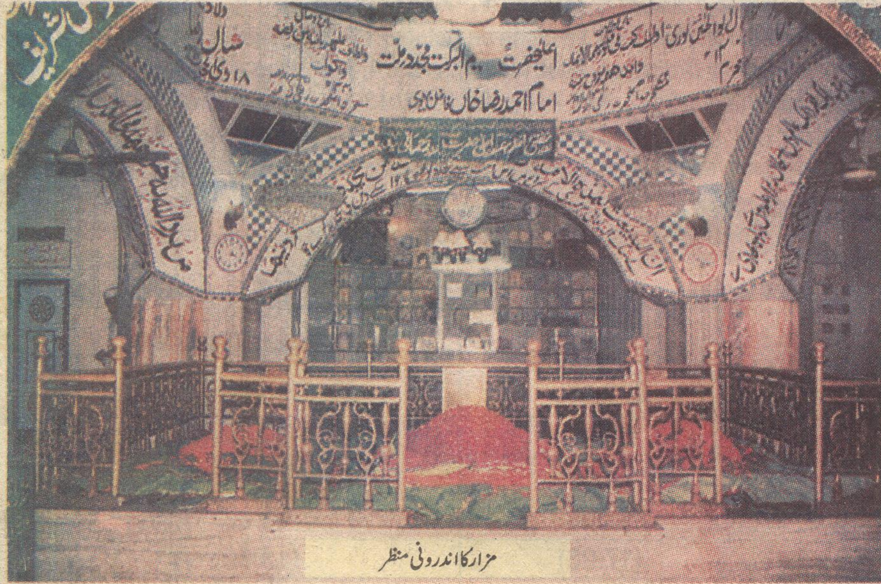
اعلیٰ حضرتؒ دوسری بار حج کے لیے حاضر ہوئے تو مدینہ منورہ میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی آرزو لیے روضۂ اطہر کے سامنے دیر تک صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہے، مگر پہلی رات قسمت میں یہ سعادت نہ تھی۔ اس موقع پر وہ معروف نعتیہ غزل لکھی جس کے مطلع میں دامنِ رحمت سے وابستگی کی امید دکھائی ہے۔

مقطع میں بارگاہِ رسالت میں اپنی عاجزی اور بے مائیگی یعنی مسکینی کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا

تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

مقطع میں عاشقِ ماہِ رسالت سرکارِ اعلیٰ حضرت کمالِ انکساری کا اظہار



مزار کا اندرونی منظر

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

یعنی اے بہار جھوم جا! کہ تجھ پر بہاروں کی بہار آنے والی ہے۔ وہ دیکھ! مدینے کے تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سُوئے لالہ زار یعنی جانب گلزار تشریف لا رہے ہیں!

کرتے ہوئے اپنے آپ سے فرماتے ہیں: اے احمد رضا! تو کیا اور تیری حقیقت کیا! تجھ جیسے تو ہزاروں سگانِ مدینہ گلیوں میں یوں پھر رہے ہیں!

یہ غزل عرض کر کے دیدار کے انتظار میں مؤدب بیٹھے ہوئے تھے کہ قسمت انگڑائی لے کر جاگ اُٹھی اور چشمانِ سر (یعنی سر کی کھلی آنکھوں) سے بے داری میں زیارتِ محبوب باری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے۔

احترام سادات کرام اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

بریلی شریف کے کسی محلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان مدعو تھے۔ اِرادات مندوں نے اپنے یہاں لانے کے لیے پالکی کا اہتمام کیا۔ چناں چہ آپؒ سوار ہو گئے اور چار مزدور پالکی کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر چل دیے۔ ابھی تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ یکا یک امامِ اہلِ سنتؒ نے پالکی میں سے آواز دی: ''پالکی روک دیجیے'' پالکی رُک گئی۔ آپؒ فوراً باہر تشریف لائے اور بھرّائی ہوئی آواز میں مزدوروں سے فرمایا: سچ سچ بتایئے آپ میں سید زادہ کون ہے؟ کیوں کہ میرا ذوقِ ایمان سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو محسوس کر رہا ہے، ایک مزدور نے آگے بڑھ کر عرض کی: حضور! میں سید ہوں۔ ابھی اس کی بات مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ عالمِ اسلام کے مُقتدر پیشوا اور اپنے وقت کے عظیم مجدِدؒ نے اپنا عِمامہ شریف اُس سید زادے کے قدموں میں رکھ دیا۔ امامِ اہلِ سنتؒ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں اور ہاتھ جوڑ کر اِلتجا کر رہے ہیں: مُعزّز شہزادے! میری گستاخی معاف کردیجیے، بے خیالی میں مجھ سے بھول ہوگئی، ہائے غضب ہوگیا! جن کی نَعلِ پاک میرے سر کا تاجِ عزّت ہے، اُن (یعنی شہزادے) کے کاندھے پر میں نے سواری کی، اگر بروزِ قیامت تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھ لیا کہ احمد رضا! کیا میرے فرزند کا دَوشِ نازنین اِس لیے تھا کہ وہ تیری سُواری کا بوجھ اُٹھائے؟ تو میں کیا جواب دوں گا۔ کئی بار زبان سے معاف کردینے کا اقرار کروا لینے کے بعد امام اہل سنتؒ نے آخری التجائے شوق پیش کی: محترم شہزادے! اس لاشعوری میں ہونے والی خطا کا کفّارہ تب ہی ادا ہوگا کہ اب آپ پالکی میں سوار ہوں گے اور میں پالکی کو کاندھا دوں گا۔ اس التجاء پر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور ہزار انکار کے بعد آخر کار مزدور شہزادے کو پالکی میں سوار ہونا ہی پڑا۔ یہ منظر کس قدر دل سوز ہے، اہل سنت کا جلیل القدر امام مزدوروں میں شامل ہو کر اپنی خداداد علمیت اور عالمگیر شہرت کا سارا اِعزاز خوشنودی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ایک گمنام مزدور شہزادے کے قدموں پر نثار کر رہا ہے





ننگر ہار میں داعش کے [illegible] پسند گرفتار، 2017 میں 1643 افراد مارے: طالبان رپورٹ

کابل (دنیا مانیٹرنگ، ایجنسیاں) افغانستان میں فضائی حملوں اور آپریشن کے دوران اہم طالبان کمانڈر سمیت 15 جنگجو ہلاک ہوگئے۔ غیر ملکی میڈیا کے مطابق صوبہ ہلمند کے علاقے شورکئی میں امریکی طیاروں نے طالبان کے ٹھکانوں پر بمباری کی جس کے نتیجے میں 15 افغان طالبان جنگجو مارے گئے۔ ہلاک ہونے والوں میں اہم طالبان کمانڈر مولوی احمد مسرور، ان کے ساتھی ملا صادق اللہ اور مولوی سجاد بھی شامل ہیں، مولوی احمد مسرور کو افغان طالبان میں (صفحہ 5 بقیہ نمبر 16)

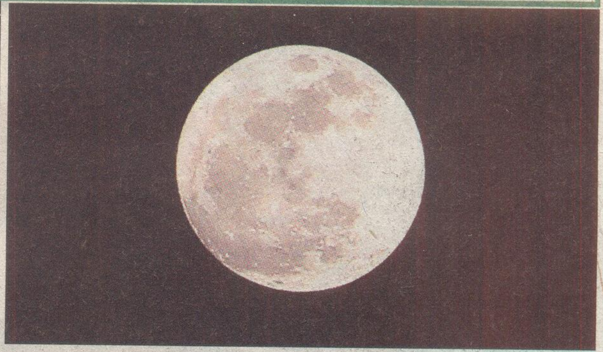
لاڑکانہ: کھڑا اور بھٹو برادری میں تصادم، 3 جاں بحق، 2 زخمی

لاڑکانہ (این این آئی) زمین کے تنازع پر لاڑکانہ کے قریب کھڑا اور بھٹو برادریوں (صفحہ 5 بقیہ نمبر 22)

پاکستان سمیت دنیا بھر میں سپر مون کا نظارہ

چاند زمین سے کم فاصلے کی وجہ سے 16 فیصد بڑا، 30 فیصد زیادہ روشن تھا

کراچی (مانیٹرنگ ڈیسک، دنیا نیوز) پاکستان سمیت دنیا بھر میں گزشتہ رات سپر مون کا نظارہ کیا گیا۔ انسٹی ٹیوٹ آف سپیس اینڈ پلانیٹری ایسٹروفزکس (اسپا) کے ڈائریکٹر پروفیسر (صفحہ 5 بقیہ نمبر 21)



لاہور: آسمان پر نمودار پورے چاند کا دلفریب منظر

15 روز سے لاپتہ خاتون کی کنویں سے لاش برآمد، شوہر گرفتار

اوچ شریف کی نسیم مائی کی لاش چرواہے نے دیکھی، پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دیا گیا

اوچ شریف، ہیڈ پنجند (نمائندہ دنیا، نامہ نگار) 15 روز سے لاپتہ خاتون کی کنویں سے لاش برآمد ہوئی ہے، پولیس نے خاوند کو حراست میں لے لیا، تفصیل کے مطابق بن والہ کی نسیم مائی کی (صفحہ 5 بقیہ نمبر 20)

مقبوضہ کشمیر مکمل ہڑتال، 2 شہداء کے جنازہ میں ہزاروں افراد کی شرکت

کمانڈر منظور احمد بابا اور 16 سالہ فردین احمد کھانڈے کو سپرد خاک کر دیا گیا، قابض فورسز کیخلاف مظاہرے بھی ہوئے

بھارتی فوج کے لوگوں کو جنازہ میں شرکت سے روکنے کی کوشش پر شروع ہونے والی جھڑپوں میں کئی افراد زخمی ہو گئے

سری نگر (نیوز ایجنسیاں) مقبوضہ کشمیر میں کمانڈر منظور احمد بابا اور 16 سالہ مجاہد فردین احمد کھانڈے کو سپرد خاک کر دیا گیا ہے نماز جنازہ میں ہزاروں افراد نے بھارتی فوج کی پابندیاں توڑتے ہوئے شرکت کی۔ اس دوران جنوبی کشمیر میں شہدا کی یاد میں مکمل ہڑتال رہی، کئی مقامات پر بھارتی فوج کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ تفصیلات کے مطابق ضلع پلوامہ کے دربگام علاقے میں مشتعل نوجوانوں اور فورسز کے درمیان اس وقت جھڑپیں (صفحہ 5 بقیہ نمبر 17)

کوٹ چھٹہ: کچرے میں کتے نومولود کی لاش نوچتے رہے، پولیس نے دفنا دی

کوٹ چھٹہ (تحصیل رپورٹر) کلینک کے قریب کچرے سے نومولود کی لاش برآمد ہوئی، جسے کتے نوچ رہے تھے، تفصیل کے مطابق کوٹ (صفحہ 5 بقیہ نمبر 19)

گھریلو جھگڑے: خاتون کی خودکشی، لڑکی سمیت 4 کی کوشش

رحیم یار خان (نمائندہ خصوصی) گھریلو جھگڑوں سے دلبرداشتہ ہو کر 32 سالہ خاتون نے (صفحہ 5 بقیہ نمبر 18)

بانی ایڈیٹر انچیف، پرنٹر، پبلشر میاں عامر محمود نے دنیا پرنٹرز 40 انڈسٹریل ایریا گلبرگ III لاہور سے چھپوا کر نیشنل کمیونیکیشن سروسز پرائیویٹ لمیٹڈ کیلئے A-8 ایبٹ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ ایڈیٹر انچیف

سال 2018: دنیا بھر میں 3 سورج اور 2 چاند گرہن ہونگے

گرہنوں کے اثرات، پاکستان سمیت دنیا میں اہم تبدیلیاں رونما ہونگی، خواجہ ناظر

چنیوٹ (آن لائن) معروف ماہر علم رمل، علم الاعداد پیر خواجہ ناظر علی چنیوٹی نے کہا ہے کہ سال 2018 میں دنیا بھر میں 3 سورج اور 2 چاند گرہن ہوں گے، اس سال دنیا میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوسکتی ہیں۔ میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ 2018 میں کل 5 سورج اور چاند گرہن ہوں گے، پہلا چاند گرہن 31 جنوری کو پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق شام 3 بجکر 53 منٹ پر لگے گا، مکمل گرہن 6 بجکر 34 منٹ پر جبکہ اختتام 9 بجکر 10 منٹ پر ہوگا، یہ گرہن برج اسد کے 22 درجہ پر لگے گا، اسے یورپ، ایشیا، افریقہ آسٹریلیا، جنوبی امریکہ، جاپان، بنگلہ دیش، پاکستان اور بھارت میں دیکھا جائے گا۔ دوسرا اگر پہلا سورج گرہن 15 فروری برج دلو کے 27 درجہ پر لگے گا، اس کا آغاز پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق رات 11 بجکر 52 منٹ پر ہوگا، مکمل گرہن رات 1 بجکر 55 منٹ پر جبکہ رات 3 بجکر 42 منٹ پر ختم ہو جائے گا، اسے جنوبی امریکہ، انٹارکٹیکا، یوراگوئے میں دیکھا جائے گا، پاکستان، بھارت سمیت کئی ملکوں میں رات کی وجہ سے دیکھا نہیں جاسکے گا۔ تیسرا سورج گرہن 13 جولائی کو برج سرطان کے 20 درجہ پر لگے گا، اس کا آغاز پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق صبح 6 بجکر 46 منٹ پر ہوگا، مکمل گرہن 8 بجکر 5 منٹ پر جبکہ اختتام 9 بجکر 17 منٹ پر ہوگا، یہ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ کے علاوہ بحیرہ ہند کے کچھ علاقوں میں نظر آئے گا۔ چوتھا جبکہ چاند کا دوسرا گرہن 27 جولائی کو برج دلو میں لگے گا، اس کا آغاز پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق رات 10 بجکر 10 منٹ پر ہوگا، مکمل گرہن رات 1 بجکر 26 منٹ پر اور اختتام علی الصبح 4 بجکر 24 منٹ پر ہوگا، یہ یورپ کے علاوہ ایشیا، امریکہ، بحیرہ ہند کے متعدد علاقوں کے علاوہ جاپان، بھارت، پاکستان، چین اور روس میں بھی نظر آئے گا۔ سال کا آخری اور تیسرا سورج گرہن 11 اگست کو برج اسد کے 18 درجہ پر لگے گا، اس کا آغاز پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق دوپہر 1 بجکر 6 منٹ پر ہوگا۔